"ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تجزیاتی مطالعہ"

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ-ڈی

علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

محمد ظفر اقبال سعیدی

متعلم پی ایچ-ڈی

رولنمبر Ph.D-IS-019

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شعبہ علوم اسلامیہ

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

انتساب

محسن انسانیت فخر انسانیت سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے نام جو وجہہ کائنات، جان کائنات اور روح کائنات ہیں اور جن کی اطاعت و محبت ہی دنیاو آخرت کی کامیابی ہے

اور

ان خدام الحدیث کے نام جو عصر حاضر میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے نور کو عام کرنے اور امت کی اصلاح کا درد رکھتے ہیں۔

حلف نامہ

(Declaration)

I, Zafar Iqbal Saeedi S/O Haji GulamA Hussain (Student of Ph.D B.Z University Multan), do hereby solemnly declare that the thesis entitled:

"ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تجزیاتی مطالعہ"

is submitted in partial fulfillment of the requirements for the degree of Dr, of Philosophy in Islamic Studies is my original work and has not been submitted or published earlier and shall not in future be submitted by me for obtaining any degree from this or any other university or institution.

Zafar Iqbal Saeedi
Ph.D Scholar Department of
Islamic Studies B.Z
University, Multan, Pakistan.

Forwarding Sheet

The Thesis entitled "ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تجزیاتی مطالعہ" submitted by Zafar Iqbal Saeedi (Ph.D Scholar of Islamic Studies) in partial fulfillment of the requirement for the Ph.D Degree in Islamic Studies has been completed under my guidance and supervision.

I allow him to submit the thesis

Signature: ____________________

Prof. Dr, Muhammad Akram Rana

Prof. (R) Department of Islamic Studies

B.Z University Multan

Knowledge of Hadith in Multan: A Critical Study

Abstract:

The religion Islam is very close to nature and offers a complete code of life to humanity. The Holy Quran is the heart of Islamic literature, and the knowledge of Hadith occupies a central position in interpretation of the Quran. The impact of Hadith is highly significant because it plays an effective role in relation the knowledge of the Quran to all spheres of mankind. The knowledge of Hadith explains the injunctions of the Quran, clarifies obscurities, and provides the contextual meaning the holy verses. Further, Hadith tells us the life of the Holy Prophet (Peace Be upon Him); his sayings, action and deeds. In addition to it, Hadith is a source of Islamic history. The concept of Ijtehad is also based upon the sayings of Holy Prophet. Muslims scholars, right from the beginning, have been passionate to carry out researches on the knowledge of Hadith. This continuity of inquiries is exemplary: No other prophet's or religious scholar's sayings have been protected and researched in such a manner. Hadith is the second source of law, after the Quran.

The following sayings of the Holy Prophet (Peace Be upon Him) describe the significance of the Hadith:

I am leaving two things amongst you, as long as you will keep attachment with them, you will never be strayed, those are Quran and my Sunnah. Hadith

Multan is an ancient city. It is known as a city of saints, internationally speaking. Therefore, it has played a vital role in the spread of Islam. The city of Multan does have the madaris that deal with the knowledge of Hadith. These madaris were established after the creation of Pakistan. The madaris have been dealing with the teaching of Hadith, history of completion of Hadith, along with sectarian interpretations of Hadith, but very few works are available that are the products of research on Hadith. Majority of these works usually reflect the promotion of respective school of thought in the area.

Most works on Hadith in Multan followed a specific methodology. Students used to take notes during the scholar's lectures, and these notes were then converted into published written book after the consent and verification of the scholars. In this context, major works are in the field of Sharoh – h – Hadith (explanation of Hadith).

The present stud contains the following:

Chapter 1 deals with the origins and development of the knowledge of Hadith in the subcontinent. Right from eh birth of Islam till present day, the entire history of works on the Hadith in the subcontinent has been taken into account.

Chapter 2 is an analysis of the history and principles of the study with reference to the knowledge of Hadith in the city of Multan. The terms history of Hadith and principles of the study Hadith have been elaborated. Moreover, the scholars whose works were significant in Multan have been introduced.

Chapter 3 details with the topics of inquiry in the study of Hadith in Multan. The topics of inquiry have been introduced; the scholars who worked on these topics are highlighted. Details o the works have been studied critically. Two scholars are significant in Multan in this context: Syed Mahmood Hassan Shah, a famous scholar of Hadith at Jama – ul – Uloom, Multan and Prof. Dr. Saeed – Ur – Rehman, Chairman Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan. Both have highly valuable contributions.

A full length chapter, i.e. Chapter 4 is detailed study of Sharoh – h – Hadith with reference to Multan. It gives all the details in the area.

Chapter 5 gives a complete picture of the knowledge of Hadith in Multan in three areas: authenticity, completion and translation.

The concluding chapter is Chapter 6. It is an overall analysis of all the information detailed in the previous chapter. It is comprehensive view of the works on Hadith in Multan with reference to purposes of studies, their quality and style. The chapter ends with suggestions: 1) the topic knowledge of Hadith in Multan has scope for the further inquiry. 2) Researches should avoid sectarian extremism in their researches. 3) Points of view of other sects' scholars should be given due importance in the inquiries. 4) Muslims lack, unity, the scholars, through studies in Hadith, must play a vital role in the uniting the Ummah.

(رموز واشارات)

(Abbreviation)

مقالہ ہذا میں درج ذیل رموز واشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔	﴿ ﴾	آیات مبارکہ کیلئے
۲۔	(( ))	احادیث کیلئے
۳۔	" "	دیگر اقتباسات کیلئے
۴۔	P/ص	صفحہ کیلئے
۵۔	------	الیٰ آخرہ کیلئے
۶۔	()	حوالہ کا نمبر دینے کیلئے
۷۔	" "	ترجمہ کا اندراج کرنے کیلئے
۸۔	[ ]	اپنی طرف سے اضافہ کرنے کیلئے
۹۔	ج	جلد کی نشاندہی کرنے کیلئے
۱۰۔	ھ	سن ہجری کی نشاندہی کیلئے
۱۱۔	ء	سن عیسوی کی نشانہی کیلئے

فہرست مندرجات

عنوان			صفحہ
۱۔اظہار تشکر			1
۲۔مقدمہ			6
حوالہ جات (مقدمہ)			28
۳۔	**باب اول:**	برصغیر میں علم حدیث کا آغاز وارتقاء	31
	فصل اول:	ظہور اسلام تا ۴۰۰ھ	31
	فصل دوم:	۴۰۰ھ تا ۹۰۰ھ	37
	فصل سوئم:	۹۰۰ھ تا تاحال	42
	حوالہ جات (باب اول)		53
۴۔	**باب دوئم:**	ملتان میں تاریخ حدیث واصول حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف وتجزیہ	58
	فصل اول:	تاریخ حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف	58
	فصل دوم:	اصول حدیث پر ہونے والا کام کا تعارف	82
	فصل سوئم:	تجزیاتی مطالعہ	89

	حوالہ جات (باب دوئم)		92
۵۔	باب سوئم:	ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ	96
	فصل اول:	موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تعارف	96
	فصل دوم:	تجزیاتی مطالعہ	135
	حوالہ جات (باب سوئم)		160
۶۔	باب چہارم:	ملتان میں شروح حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ	165
	فصل اول:	مکمل شروح حدیث کا تعارف	165
	فصل دوئم:	جزوی شروح حدیث کا تعارف	174
	فصل سوئم:	تجزیاتی مطالعہ	194
	حوالہ جات (باب چہارم)		224
۷۔	باب پنجم:	ملتان میں حجیت، تدوین، تراجم و حواشی حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ	232
	فصل اول:	حجیت حدیث پر ہونے والے کام تعارف	232
	فصل دوئم:	تدوین حدیث پر ہونے کام کا تعارف	255
	فصل سوئم:	تراجم و حواشی حدیث پر ہونے کام کا تعارف	268
	فصل چہارم:	تجزیاتی مطالعہ	277
	حوالہ جات (باب پنجم)		288

۸۔	باب ششم:	ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ	297
	فصل اول:	تاریخ حدیث واصول حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ	297
	فصل دوئم:	حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے کو والے کام کا تنقیدی جائزہ	314
	فصل سوئم:	شروح حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ	343
	فصل چہارم:	تراجم، حواشی وحجیت حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ	408
۹۔	خلاصہ تحقیق		433
۱۰۔	تجاویز وسفارشات		436
۱۱۔	حوالہ جات (باب ششم)		443
۱۲۔	مصادر ومراجع		452
۱۳۔	اشاریہ		460

اظہار تشکر

حمد اس ذات واحد کی جسکی شان کی شہادت کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے جو اللہ بے مثل و بے مثال ہے رحمٰن اور رحیم ہے۔ میں سب سے پہلے شکر ادا کرتا ہوں اپنے پیارے اللہ کا جس نے مجھے یہ تحقیقی مقالہ تحریر کرنے کی توفیق بخشی اور مجھے مسرت اور خوشی بھی ہو رہی ہے کہ میں اس نعمت سے نوازا گیا یہ اللہ پاک کا خاص کرم ہے کہ میرا کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس راہ میں رکاوٹیں، مشکلیں اور تنگیاں سب رب العالمین کی عطا و رحمت سے کامیابی کے حصول کی منزلیں بنتی گئیں اور آج یہ کام مکمل صورت میں منظر عام پر آیا ہے۔

حمد خدا تعالیٰ کے بعد درود و سلام کے پھول **تحفةً هديةً** اور **محبةً** آقائے دو جہاں جناب **محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ** ﷺ کی عظیم ہستی پر جو وجہ تخلیق کائنات، جان کائنات، روح کائنات اور محسن کائنات ہیں۔ جن کی محبت ایمان کی تکمیل، جن کی اطاعت شریعت کا حکم، جن کی عزت مومن کا زیور، جن کی پیروی کامیابی کا زینہ اور جن کی سنت زندگی گزارنے کا سنہری اور چمکتا ہوا طریقہ ہے۔

اب میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے میرے اس تحقیقی کام میں نہ صرف معاونت ورہنمائی فرمائی بلکہ مجھے مشکل موڑ پر حوصلہ بھی دیا اور علمی و تحقیقی انداز میں اس مشکل مرحلہ سے گزرنے کے لئے ماہرانہ آراء سے بھی نوازا۔ ان حضرات میں سب سے پہلے محترم و مکرم استاذی جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مقالہ کی تکمیل میں اول دن سے مکمل کرنے تک میری رہنمائی فرمائی اور دوران بحث ایک مدبر استاد بھی ثابت ہوئے جب کوئی اختلافی بحث میں، میں نے تکرار کی جسارت کی آپ میرے مشرف بھی ہیں میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور لمبی عمر عطا فرمائے۔

ان کے بعد ایک اور علمی شخصیت جن کا علوم نقلیہ و عقلیہ پر بالعموم اور علوم عصریہ پر بالخصوص گہرا مطالعہ اور نظر عمیق ہے جن کے پاس حاضر ہوں تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ عطا ہوتی ہے اور سائل اطمینان بخش جواب پا کر شاداں و فرحاں ان سے رخصت ہو جاتا ہے میری مراد میرے مہربان و شفیق استاد جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب جو کہ شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں پروفیسر اور چیئرمین ہیں میں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا

ہوں کہ انہوں نے میری معاونت فرمائی اور علمی و تحقیقی کام میں ہمیشہ صبر و تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

ان کے بعد شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے بانی اور ہر دلعزیز شخصیت جن کا مطالعہ بھی ماشاءاللہ عصر حاضر کے تقاضوں اور روایتی انداز فکر کی الجھنوں کو حل کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کا ایک پیغام ہر صاحب دل کیلئے عام ہے کہ ''افراد نہیں افکار'' ان کے مطابق موجودہ دور میں شخصیت پرستی کے نتائج اور روایت پرستی کے نقصانات وجمود کی خرابیاں معاشرتی زندگی کی تعمیر وترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں اس لئے شخصیات پرستی کی بجائے افکار اور علمی معیار کو سامنے رکھا جائے تو اسلامی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے میری مراد ہیں میرے عزت مآب استاد محترم پروفیسر علی اصغر سلیمی صاحب جو طلباء واساتذہ میں یکساں مشہور و مقبول ہیں۔ میں ان کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس تحقیقی کام میں میرے حوصلے کو بڑھایا اور میرے قلم کی حرکت میں برکت کی دعا کی اور ساتھ دوا بھی کی اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا میں دل کی گہرائیوں سے ان تینوں محترم وشفیق اساتذہ کرام کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی صحت وسلامتی کیلئے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ اللہ پاک ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور یہ اسی طرح علم کے تحقیقی و تخلیقی میدان میں ہم جیسے طالبعلموں کی ذہنی و عملی تربیت فرما کر ملک و قوم کیلئے ایک اچھا، مثبت اور باکردار افراد تیار کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں۔

ان کے بعد اب میں خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں ملتان کی دھرتی کے عظیم سپوت اور فخر ملتان و فخر پاکستان جناب مخدوم سید یوسف رضا گیلانی سابق وزیر اعظم پاکستان جنہوں نے مجھے اپنی قائدانہ اور مشفقانہ صلاحیتوں سے بہت متاثر کیا اور ہمیشہ کار آمد ہدایات عطا کرتے رہتے ہیں جن کی شخصیت میں، میں نے تحمل، صبر، برداشت اور شائستگی جیسی خوبیاں مشاہدہ کیں اور سیاسی وسماجی طور پر ایک عظیم اور کامیاب انسان پایا جو اپنے تو اپنے غیروں پر بھی نوازشات کی بارش کرتے رہتے ہیں اللہ پاک گیلانی صاحب اور ان کے صاحبزادگان کو ہمیشہ مزید عزت ووقار عطا فرمائے اور میں ان کے بھائی جو فرمانبرداری اور عاجزی کی عظیم مثال ہیں میری مراد سید احمد مجتبیٰ گیلانی ہیں دل وجان سے شکریہ ادا کرتا ہوں ہوں انہوں نے بھی مجھے بہت حوصلہ دیا اور معاونت فرمائی۔

ان کے بعد ایک اور علم دوست وغریب نواز شخصیت جو علمی وانتظامی میدان میں بڑی شہرت کے حامل ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اللہ خان وائس چانسلر یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب لاہور جنہوں نے میرے اس تحقیقی مقالہ کے عنوان کو بے حد سراہا اور حدیث رسول ﷺ کے ساتھ خاص لگاؤ اور محبت کا اظہار فرماتے ہوئے مجھے اس کام کو لگن اور محنت کے ساتھ مکمل کرنے کا حکم فرمایا اور مجھ سے گاہے بگاہے دریافت بھی فرماتے رہے کہ کتنا کام کر لیا ہے اور کتنا باقی ہے میں ان کی اس مشفقانہ رہنمائی اور بندہ نوازی پر دل وجان سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ان کے ساتھ ساتھ میں شعبہ علوم اسلامیہ میں تعلیمی وتحقیقی سرگرمیاں سرانجام دینے والے اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن میں پروفیسر ڈاکٹر نورالدین جامی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب صاحب، ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن صاحب، ڈاکٹر محمد ادریس لودھی صاحب، ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر صاحب، ڈاکٹر منزہ حیات صاحبہ،، مسز فریدہ یوسف صاحبہ اور مس کنول احمد (ایم فل سکالر) کے نام بالخصوص شامل ہیں۔ میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں۔

ان کے علاوہ میں یہاں ان حضرات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے تحقیقی مقالہ کو تحریر کرنے میں مواد فراہم کیا۔ ان میں سب سے قبل میں شکریہ ادا کرتا ہوں جناب سید ارشد سعید کاظمی شاہ صاحب کا جو کہ انوارالعلوم ملتان کی شیخ الحدیث ہیں اور ملتان کی علم حدیث کے حوالے سے عظیم شخصیت سید احمد سعید شاہ کاظمی صاحب کاظمی کے صاجزادے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد گرامی کی علم حدیث کی خدمات تک رسائی میں میری رہنمائی فرمائی اور اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر مجھے ملاقات کا وقت دیا اور میری مدد فرمائی ان سے مدارس کے اسلوب پر کافی معلومات ملیں اور علمی استفادہ ہوا اور علامہ سید احمد سعید کاظمی کے علم حدیث پر کام کی تلاش میں بہت آسانی ہوئی۔

اب میں ان عظیم ہستیوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنکی دعائے نیم شبی اور حسن تربیت سے سرفراز ہو کر میں زندگی میں مشکلات سے لڑنے کے قابل ہوا اور ہر قدم پر کامیابیوں اور کامرانیوں نے میرے قدم چومے اور میری شخصیت کی آبیاری کی۔ اس تحقیقی کام میں آپ کہیں میری کوشش ومحنت کو سرفراز دیکھیں گے تو یہ میری والدہ محترمہ کی دعاؤں کا ثمر ہوگا اور میرے والد محترم (مرحوم) کی محبت اور بھر پور تعاون کا اعجاز ہوگا۔ جن کی رضا

میں رب العالمین کی رضا پنہاں ہے۔ جن کا دیدار حج مبرور کا ثواب ہے۔ میں والدہ ماجدہ کی صحت کی التجا خداوند قدوس کی دربار سے مانگتا ہوں اور والد صاحب کے درجات کی بلندی کی دلی تمنا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ سکھ، راحت اور چین عطا فرمائے۔ (آمین)

اس کے ساتھ ساتھ میں ان مصنفین کے رشتہ داروں اور عزیزوں اور بالخصوص صاجزادگان کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ملتان میں علم حدیث پر تحقیقی کام کرنے والے محدثین کے تعارف حاصل کرنے میں مدد فرمائی ان میں سب سے پہلے سید سجاد حسین بخاری جو شیخ الحدیث جامع العلوم ملتان سید محمود حسن شاہ صاحب بخاری کے فرزند ہیں مجھے دشواری کا سامنا کرنا پڑا جب شاہ صاحب کی کتب تو دستیاب ہو گئیں مگر ان کے حالات زندگی نہیں مل رہے تھے کافی تگ و دو کے بعد سید سجاد حسین بخاری سے رابطہ ہوا جو کہ رحیم یار خان میں مقیم ہیں اور واپڈا میں ملازم ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے شاہ صاحب کے حالات زندگی قلم بند فرما کر مجھے ارسال فرمائے ان کی تحریر میرے پاس اصل شکل میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا نعیم احمد کے تعارف کے لئے میں عزیزم عبد القدوس جالندھری کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ان کا تعارف مہیا کرنے میں میری معاونت فرمائی۔

اس موقعہ پر ان حضرات کا نام لینا مناسب ہو گا جن کی معاونت سے میرا حوصلہ بلند ہوا اور میرے ساتھ تعاون فرماتے رہے ان حضرات میں میرے برادر اکبر ملک فدا حسین گاذر میرے علاقہ کی ہر دلعزیز شخصیات ملک سجاد حسین مہے (تحصیل دار) و ملک ارشد حسین مہے اور میرے لئے انتہائی قابل عزت و فخر ملک احمد حسین ڈیہڑ اور ملک مہر معین اقبال مہے اور میرے چھوٹے بھائی حاجی ملک قیصر عباس گاذر اور کمپوزنگ کے کام کو باحسن سرانجام دینے والے عزیزم محمد شہباز کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی عمریں دراز فرمائے اور ان کو علم دوست و معاشرے کی تعمیر و فلاح میں کلیدی کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں میں مشکور ہوں ملتان کے مدارس کے معلمین، شیوخ الحدیث، و نائب شیوخ الحدیث کا جن میں علامہ طاہر سعید کاظمی، مدرسہ انوار العلوم ملتان، مولانا محمد صدیق صاحب مدرسہ خیر المدارس ملتان، مولانا شبیر الحق کشمیری

مدرسہ خیر المدارس ملتان، مولانا غلام حسین صاحب مدرسہ خیر المعاد ملتان اور مولانا حافظ ریاض احمد مدرسہ مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے اس مقالہ کی تیاری میں میری مدد کی اور متعلقہ مواد کے حصول میں خلوص کے ساتھ تعاون فرمایا اور مدرسہ ایجوکیشن کی مصروفیات کے ہوتے ہوئے وقت عطا فرمایا اور میرا موقف سن کر مواد کی فراہمی میں فراخ دلی کا مظاہرہ کیا اور کہیں کہیں سخت الفاظ بھی سننے کو ملے ہیں ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ان کے بعد یقیناً وہ لائبریرین قابل تعریف ہیں جنہوں نے کتب میں بالعموم اور حوالہ جات کی تخریج میں بالخصوص مدد فرمائی اور اس تحقیقی کام میں کارگر ثابت ہوئے۔

یہ وہ محترم شخصیات ہیں جن سے حاصل کئے ہوئے علوم و فنون وہ بنیادیں ہیں جن پر مجھے آئندہ زندگی کی تعمیر کرنا ہے ان سب کیلئے میں فرداً فرداً اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں اور نعمتوں کیلئے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں اور تادم حیات ان کے ساتھ محبت و حسن بھرے سلوک و اخلاق استوار کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہوں اللہ پاک مجھے اس ارادے کو پورا کرنے اور اس پر قائم رہنے کی ہمت عطا فرمائے۔ ان حضرات کو اس شعر میں خراج عقیدت پیش کرنا پسند کرتا ہوں۔

؎ جو ملے حیات خضر مجھے اور اسے میں ثناء کروں

تیر شکر پھر بھی ادا نہ ہو تیرا شکر کیسے ادا کروں

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ الہٖ و اصحابہ اجمعین اما بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حمد و ثناء اس اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے یہ توفیق عطا کی کہ میں قلم و قرطاس میں تعلق پیدا کر سکوں یہ امر باعث حیرت بھی ہے اور تعجب بھی کہ آج سے ۱۴ صدیاں قبل اسلام نے انسانی ہدایت و رہنمائی کا حق جس طرح ادا کیا ہے بالکل اسی طرح آج بھی پستی میں گری اور جمود میں جکڑی ہوئی امت کو ضرورت ہے ۔ آخری اور مکمل دین ہونے کے اعتبار سے اسلام کے دامن میں اتنی کاملیت، جامعیت اور ہمہ گیریت رکھ دی گئی ہے کہ یہ قیامت تک اس جاویداں،، پیہم رواں، ہر دم جواں زندگی میں ہزار رہا تغیرات کے باوجود انسانیت کی رہنمائی کماحقہ انجام دینے کی صلاحیت سے مالامال ہے سروجنی نائیڈو کے مطابق اسلام کی حقانیت یوں بیان ہوئی ہے کہ

"Islam is the Religion of future"(۱)

یہ وہ نوید ہے جو اسلام کو قبول نہ کرنے والوں کے سینوں سے بلند ہوتی ہے۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ انسان کے عقل و شعور کی حد ہے حواس خمسہ سے بالاتر علوم اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ کیونکہ محدود چیز لا محدود کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس طرح کئی مادی علوم اس بات کا ادراک نہیں رکھتے کہ اس کے انسانیت پر کیا اثرات ہونگے کیونکہ ان کے نزدیک اس چیز (دریافت و ایجاد) کا صرف ایک پہلو(Aspect) سامنے ہوتا ہے عنایت اللہ مشرقی کے بقول

"The scientist looks at mankind from the point of view of nature alone"(۲)

جبکہ اسلام نے جتنے بھی قوانین متعارف کرائے وہ ہر قوم، ہر نسل اور ہر زمانہ کیلئے منفعت بخش اور حیات جاویداں کے حامل ہیں کیونکہ اسلام کی نگاہ، فطرت کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ بہر حال علم جس کمال کو بھی پہنچ جائے بالآخر اس کی منفعت کا تعین اسلام ہی کر سکتا ہے اور اسلام میں یہ خوبی ہے کہ یہ کسی بھی تہذیب میں نہیں ڈھلتا اسلام کی مثال صرف اسلام ہی ہے جیسا کہ ڈاکٹر رفیع الدین کا کہنا ہے کہ

"اسلام کو یورپ کے مطابق ڈھالنا سچا اجتہاد نہیں ہے۔ حالات نے جو تقاضے پیدا کر دیئے ہیں۔ ان کا حل تلاش کرنا سچا اجتہاد ہے۔ ایسے اجتہاد کو مغرب کی مرہون منت قرار نہیں دیا جائے گا"(۳)

اسلام نے جو نفع رساں قوانین انسانیت کو عطا کیے ہیں ان قوانین کا پہلا ماخذ قرآن حکیم ہے اور دوسرا اہم ماخذ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے موضوع کے اعتبار سے ملتان میں علم حدیث پر جن شخصیات نے کام کیا ہے۔ وہ محدثین امت مسلمہ کیلئے روشن ستارے ہیں کیونکہ ملتان کا خطہ پاکستان (وطن عزیز) کے ان شہروں میں ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے جو قدیم ترین آباد ہونے کی وجہ سے مشہور ہیں اور ملتان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ شہر ہزاروں برس سے مسلسل آباد چلا آرہا ہے اور جغرافیائی، تہذیبی، سیاسی، سماجی اور علمی لحاظ سے اہمیت کا حامل بھی رہا ہے۔ ملتان کا تعلق پاکستان کے قبل از تاریخ دور کی سب سے عالیشان تہذیب "وادی سندھ" کی شہری تہذیب سے ہے اسی تہذیب پر یحیٰی امجد نے اپنی کتاب "تاریخ پاکستان قدیم دور" میں یوں بات کی ہے کہ "پرانی کھدائیوں کے مطابق اس تہذیب سے وابستہ شہروں اور قصبوں کی تعداد چالیس تھی مگر اب ان کی کل تعداد "چار سو چودہ" ہو چکی ہے"(۴)

ملتان کی قدامت کو جاننے کی کوشش کی جائے تو تاریخی کتب کی ورق گردانی سے بے شمار روایات ملتی ہیں لیکن ملتان کی قدامت کا دستاویزی ثبوت تب نظروں کے سامنے آتا ہے جب سر الیگزینڈر کننگھم کی زیر نگرانی ۱۸۵۲ء میں پہلی مرتبہ اور ۱۸۶۴ء میں دوسری مرتبہ قلعہ ملتان پر پرہلاد مندر کے قریب آثار کاری کی گئی اس کے نتیجے میں بر آمد ہونے والی اشیاء (تانبے کے سکے اینٹیں اور قدرتی مٹی) کے تجزیے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ "۸۰۰" ق م میں ملتان ایک تہذیب یافتہ شہر تھا"(۵)

ملتان سے تعلق رکھنے والے ایک محقق عتیق فکری نے ۱۹۳۸ء میں ملتان کے قلعہ کہنہ میں موجود غاروں کی تہہ میں آثار قدیمہ کی تلاش کا کام شروع کیا اور ۱۹۴۵ء میں ماہر آثاریات ابن حنیف بھی فکری صاحب کے ساتھ قلعہ میں موجود آثار و باقیات کی تلاش میں شامل ہو گئے۔ ان دونوں حضرات نے مل کر از سر نو اس کام کو لگن کے ساتھ پھر شروع کیا۔ یہ دونوں محققین ان غاروں سے مٹی کی ایسی ٹھیکریاں تلاش کرنے میں کامیاب رہے جن پر حروف کندہ تھے۔ دنیا کے قدیم ترین حروف کے تقابلی مطالعہ کے بعد مذکورہ بالا دونوں محققین اس نتیجے پر پہنچے کہ ان ٹھیکریوں پر موجود رسم

الخط موہنجو داڑو اور ہڑپہ کی تہذیب کا ہم عصر ہے اس رسم الخط کا زمانہ تحریر ۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ کا ہے اور یہ رسم الخط موہنجو داڑو سے دستیاب شدہ رسم الخط سے قریبی مماثلت رکھتا ہے ان محققین کے مطابق ملتان سے بر آمد شدہ اس رسم

الخط سے یہ بھی واضح ہے کہ اس زمانے میں ملتان کے لوگ علم ہندسہ اور علم نجوم کی سوجھ بوجھ بھی رکھتے تھے اس بات کو ابن حنیف نے اپنی کتاب "سات دریاؤں کی سرزمین" میں اس انداز میں تحریر کیا ہے:

"میرے پاس بہت سے ایسے پرانے برتن ہیں جن پر قدیم رسم الخط کے حروف یا اجزاء اور علامتیں رقم ہیں اور یہ بظاہر مختلف ادوار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان برتنوں اور ان پر نقش علامتوں اور حروف سے ملتان کی قدامت کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے"(۶)

قدیم ملتان اہم ترین بحری شاہراہ پر واقع تھا عراق اور ملتان کے درمیان تجارتی رابطہ بھی دریا کی مرہون منت ہوتا تھا "ملتان اور عراق کے بحری رابطوں کا تحریری ثبوت عراق کے سامی النسل بادشاہ عکادی "شروکن" (سارگون اول (۲۳۳۴ تا ۲۲۲۷ ق م) کے ان کتبوں سے ملا ہے جو عکاد (وسطی عراق) کے پرانے مقامات کی کھدائی میں دستیاب ہوئے ہیں"(۷)

سکندر اعظم کے حملہ ملتان (۳۲۷ ق م) سے پہلے شہر میں قلعہ اور فصیل دونوں موجود تھے اور یہ موئی قوم کا سب سے مضبوط گڑھ تھا یہیں یونانیوں نے ملوئی قوم کا وحشیانہ قتل عام کیا جسے رما شنکر ترپاٹھی نے یونانیوں کے آئین جنگ پر ایک بدنما داغ قرار دیا ہے ابن حنیف نے اس جنگ کے وقت ملتان قلعہ وفصیل کی موجودگی کو شہر کے ہزاروں برس کے تدریجی ارتقاء کا نتیجہ بتایا ہے۔

ہزاروں برس کے دوران ملتان کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے ان میں کس پپپورس، کیسپیرا، بھاگ پور، سمب پور، ہنس پورہ، کیشپ پورہ، پرہلاد پورہ، آدستانہ، شامپ پورہ، سنب پورہ، مترون، مالستھان پورہ، مول استھان پورہ، مولتارن، مول ترانگ، مولتان، میولتان، میولوسان، پولو، ساویرا، جھرا اور ملتان شامل ہیں۔ ملتان کے صفاتی ناموں میں بیت الذہب، دارالذہب، دارالامان، قبۃ الاسلام، مدینۃ العلم اور مدینۃ الاولیاء مشہور ہیں۔ ہندوؤں کی قدیم ترین مذہبی کتاب "رگ وید" کا کچھ حصہ ملتان کے دریاؤں کے آس پاس تصنیف ہوا خطے کی قدیم ترین ندی سرسوتی کے بارے میں

معلومات کا ذریعہ "رگ وید" کا ایک بھجن ہے۔اس بھجن کے درج ذیل اقتباس میں ندی کی خصوصیات اس انداز میں بیان ہوئی ہیں:

"چمکنے والی درخشاں، عالی شان، نہ فتح ہونے والی، سب ندیوں سے زیادہ اس میں پانی خوبصورت ابلق گھوڑی کی طرح حسین ہے اس کا پانی گھات سے ادھر چڑھ جاتا ہے"(۸)

مرزا ابن حنیف صاحب کے مطابق ملتان کا قدیم ترین نام ملوہہ لکھا ہے اور جلیل پور ملتان کے آثار و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ساڑھے پانچ ہزار سال قبل یہ بستی راوی کے کنارے پر زندگی کی چہل پہل سے معمور تھی وہ فرماتے ہیں کہ

"وسطی پنجاب یعنی ملتان اور ہڑپہ کے زیر اثر وسیع و عریض علاقہ ملوہہ کہلاتا تھا بلکہ ملتان شہر کا نام بھی ہزاروں برس پہلے ملوہہ ہی تھا۔۔۔۔۔۔۔۔عراق کے لوگ پاکستان کے اس علاقے کو ملوہہ کہتے تھے جو اجکل وسطی پنجاب پر مشتمل ہے اور جہاں طاقتور ملی یا ملوئی قبائل بڑی تعداد میں بستے تھے اور عین ممکن ہے کہ اسی ملی یا ملوئی قوم کے نام پر یہ علاقہ ملوہہ کہلاتا ہے ملتان ملوہہ کا مرکزی مقام بھی تھا اور اس کا نام بھی ملوہہ تھا"(۹)

ملتان قدیم دریائے راوی کے دو بڑے جزیروں (تودوں) پر آباد تھا ایک جزیرے پر شہر اور دوسرے پر قلعہ واقع تھا ان جزیروں کی دریائی سطح سے اونچائی ۱۵۰ فٹ تھی دریائے چناب کا بایاں کنارہ شہر سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ دریائے راوی جس میں دونوں جزیرے واقع تھے بعد ازاں ہٹتے ہٹتے شہر سے مغرب کی جانب دس میل دور ہو گیا دریا کے پرانے راستوں کو آج بھی قلعہ ملتان کے اطراف میں قیاس کیا جاتا ہے۔ایک بڑے جزیرے پر مقامی آبادی رہائش پذیر تھی۔اس مقام پر آج بھی حضرت شاہ یوسف گردیز کا مزار موجود ہے یہ جزیرہ جو اصل شہر کا درجہ رکھتا تھا۔اس پر تین اطراف میں مستحکم فصیل بھی موجود تھی یہ فصیل اب النگ کہلاتی ہے اور شہر کے قدیم دروازوں یعنی لوہاری گیٹ، بوہڑ گیٹ، پاک گیٹ، حرم گیٹ، دلی گیٹ اور دولت گیٹ کا احاطہ کرتی ہے۔ آج بھی اس مقام سے قدیمی ملتان کی وضاحت بخوبی ہوتی ہے اسی جزیرے پر شہر کے اندر قدیمی بازار واقع تھے۔دوسرے بڑے جزیرے پر قلعہ واقع تھا۔ جو آج بھی ماہرین آثاریات کی آنکھوں کا مرکز ہے اور سیاحوں کیلئے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے مزارات اس کے اندر موجود ہیں اور پرہلاد مندر کے قدیم آثار بھی اسی قلعہ کے اندر

موجود ہیں۔ دونوں جزیروں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ۱۵۰ فٹ تھا۔ سید محمد لطیف نے سکندر اعظم کے مورخ کے اس بیان کو درست قرار دیا ہے کہ "قلعہ کی فتح کے بعد یونانی فاتحین نے کشتی میں بیٹھ کر قلع کے گرد چکر لگایا" (۱۰)۔ ملتان کی موجودہ زمینی سطح میں ہزار برس سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی البتہ وہ علاقے جن کو دریا نے چھوڑ دیا ان پر آبادی ہو چکی ہے اور شہر کے شہر آباد ہو چکے ہیں۔ ملتان کے قدیم باشندے سیاہ رنگ کے تھے "شیخ اکرام الحق نے انہیں سیاہ فارم، چھوٹے قد، موٹے ہونٹ اور سیاہ گھنگریالے بالوں والا بتایا ہے" (۱۱)۔

یونانی تحریروں میں بھی قدیم پاکستانیوں کو "سیاہ باشندے" کہا گیا ہے۔ یونانی اس بات پر بھی بحث کرتے تھے کہ ملتان کے لوگوں کی جلد کا سیاہ رنگ دھوپ کے عمل کی وجہ سے تھا یا دریاؤں کے پانی کے کسی خاص عنصر یا جزو کی بنا پر تھا اس بارے میں مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں کہ "موہنجوداڑو (سندھ، پاکستان) کے مشہور زمانہ کانسی کے مجسمے رقاصہ سے بخوبی ثابت ہے کہ پاکستان میں سیاہ نسل کے لوگ آباد تھے" (۱۲)

ملتان خاص محل وقوع اور دریائی گزر گاہوں کی وجہ سے ہر دور میں مرکز توجہ اور خاص اہمیت کا خطہ مانا جاتا رہا ہے اب بھی ملتان کو راوی، چناب، ستلج، جہلم اور بیاس پانچ دریا سیراب کرتے ہیں۔ محمد پور کے مقام پر دریائے چناب و جہلم آپس میں مل جاتے ہیں اس مقام سے کچھ دور ستلج اور بیاس ان میں مل جاتے ہیں یہ مقام پنج ند کہلاتا ہے۔ صدیوں قبل دریائے ستلج اور بیاس علیحدہ علیحدہ بہتے تھے پھر دریائے بیاس نے اپنا راستہ بدل لیا اور ستلج کے ساتھ مل کر بہنے لگا۔ عالم اسلام کے نامور مورخ علی بن الحسین بن علی المسعودی اپنی کتاب " مروج الذہب" میں ملتان میں موجود بت خانے کے حوالے سے تفصیلات درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"واذانزلت الملوک من الکفار علی المولتان وعجز المسلمون عن حربهم هددوهم یکسر هذا العنم وتعویده فتر حال الجیوش عنهم عند ذٰلک وکان دخولی الی بلاد المولتان بعد الثلاثمائة والملک بها ابو اللهاب المنبه بن اسد القرشی" (۱۳)

”جب کافروں میں سے کوئی بادشاہ ملتان پر حملہ کرتا اور مسلمان اس کا مقابلہ نہ کر پاتے تو مسلمان انہیں اس بت خانے کو توڑ دینے کی دھمکی دیتے جسکی وجہ سے کفار کے لشکر واپس چلے جاتے۔ میں ۳۰۰ھ کے بعد ملتان پہنچا تھا اس وقت وہاں کا حکمران ابو الہاب المنبہ بن اسد القرشی تھا“

جہاں تک ملتان کی حدود و قیود کا تعلق ہے تو یہ مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں اور اسکی حیثیتوں کا معیار بھی مختلف رہا ہے ملتان کو سب سے زیادہ وسعت ناصر الدین قباچہ (۱۲۰۲ء تا ۱۲۲۸ء) کے دور میں ملی۔ سلطان شمس الدین التمش کے دور میں اسے مملکت کی بجائے صوبہ بنا دیا گیا۔ ملتان کی حدود کے حوالے سے شیخ عثمان بن علی المعروف داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب میں یہ معلومات ملتی ہیں۔ ”میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں اور میں ملک ہندوستان کے ایک گاؤں لہانور میں ہوں جو کہ ملتان کے نواح میں واقع ہے اور بالکل غیر جنسوں میں گرفتار ہوں“ (۱۴)

خطہ ملتان میں اسلام کی آمد:

اسلام دنیا کے بڑے مذاہب میں ایک ہے یہ مذہب باقی مذاہب کی نسبت تیزی سے پھیلا اور صرف ایک سو سال کے عرصہ کے اندر ہی دنیا کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا تذکرہ کافی کتب میں درج ہے لیکن اس کا باقاعدہ آغاز جس کو ہم اشاعت اسلام کا آغاز بھی کہہ سکتے ہیں وہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد شروع ہوا۔ عزیز احمد نے یہاں مسلمانوں کی آمد کی اس طرح بیان کیا کہ

”اول وہ جنوبی ہند کے ساحلوں پر بطور تجار اور مبلغین کے آئے پھر بنی امیہ کی فتوحات کے بڑھتے ہوئے ریلے میں آئے جو انہیں دریائے رون، سیر دریا اور دریائے سندھ تک لے آیا اور آخر میں یونانیوں ساکاؤں اور ہنوں کی طرح زیادہ منظم طریقہ پر وسطی ایشیاء کے ترکوں اور افغانوں کی فتوحات و ہجرت کی تحریک کے سلسلے میں ہندوستان پہنچے“ (۱۵)

محمد بن قاسم نے فتح ملتان کے بعد یہاں پہلی مسجد تعمیر کی اس کی رواداری سے متاثر ہو کر بہت سے ہندوؤں نے نہ صرف اسلام قبول کر لیا بلکہ محمد بن قاسم کے لشکر میں بھی شامل ہو گئے۔ مسلمانوں نے بھی ہندو عورتوں سے شادیاں کیں۔ تاہم محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد اس کے مفتوح علاقوں میں بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس

اقتدار میں آئے تو وادی سندھ کے علاقے خود مختار ہونے لگے اور بعض ہندو جو مسلمان ہو گئے تھے پھر ہندو ہو گئے۔ اس سے متعلقہ مزید بحث اس تحقیق کے باب اول میں آئے گی۔

اموی خلیفہ مروان (م ۱۳۱ھ، ۷۴۸ء) کے بعد ابو العباس عبد اللہ السفاح حکمران ہوا۔ اسی دور میں ان تمام عناصر نے جو اموی و عباسی خلفاء کے خلاف تھے ملتان میں جمع ہو گئے سب سے قبل شیعان علی آئے جو حضرت علی کو بلا فصل خلیفہ رسول ﷺ قرار دیتے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے فوری بعد ہی اختلافی گروہ کی صورت اختیار کر گئے۔ بنو امیہ کے حکمرانوں نے شیعان علی پر تشدد کیا اس کے نتیجے میں ان کے خلاف سازشوں اور اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شیعان علی نے عرب سے نکل کر دنیا کے دیگر علاقوں میں پناہ ڈھونڈھی اور ملتان میں بھی داخل ہوئے۔ ملتان تاریخی اعتبار سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا مشترکہ شہر تھا۔ مگر ملتان کی پہچان کا مستند حوالہ تصوف بنا۔ بنیادی طور پر تصوف کی جڑیں اسلام میں ہیں اس کا اصل منبع قرآن پاک اور سیرت الرسول ﷺ تھے۔ تصوف کے میدان کو بارہویں صدی عیسوی میں امام غزالی، عبد القادر جیلانی اور شہاب الدین سہروری نے مکمل طور پر مستحکم کیا۔

ان اولیاء کرام کی خدمات کا ذکر جتنا کیا جائے کم ہے کیونکہ انہی کی بدولت اس خطہ کے لوگ دین کی شمع سے روشنی حاصل کرتے رہے اور روحانی کمالات میں ترقی کا عمل جاری رہا ان شخصیات کے کارنامے روز روش کی طرح عیاں ہیں اس خطہ میں بالعموم اور ملتان میں خاص طور پر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (۱۱۷۰ء / ۵۶۶ھ تا ۱۲۶۲ء / ۶۵۸ھ) کے قائم کردہ مدرسہ بہائیہ اور کتب خانے کا شہرہ برصغیر میں کونے کونے تک تھا آپ کو شمس الدین التمش نے "شیخ السلام" کے عہدے پر مامور کیا۔ آپ کا کیا ہوا تبلیغی اور تحقیقی کام تھا جسکی وجہ سے آپ اس عزت و شرف سے نوازے گئے یہ کوئی سفارش یا بخشش کے طور پر نہیں ملا اور آپ نے ملتان میں غیر اسلامی و غیر شرعی کاموں کا زور توڑنے کیلئے موثر مساعی کی۔ لیکن اب حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا علمی کام، قائم کیا ہوا مدرسہ اور بلا تفریق رنگ و نسل خدمت انسانیت کیلئے کام کرنے والے ادارے مٹ چکے ہیں۔ اب ایک مزار کی عمارت اور اس کے اندر چند قبریں اور اس کے گدی نشین جو عوام پر خرچ کرنے کی بجائے نذرانے لے کر قارون بن چکے ہیں اور سیاسی، معاشی اور مذہبی رہنمائی کے منصب پر فائز اسمبلی کی رکنیت اور وزارتوں کے مزے اڑا رہے ہیں۔ جبکہ عوام آزادی، عزت، ترقی، تعلیم اور صحت جیسی بنیادی

سہولیات سے محروم رہنے کے باوجود ان گدیوں پر براجمان ہستیوں سے عقیدت نبھانے اور ان کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔

ملتان کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں متعدد ایسی شخصیات کے علوم وفنون حاصل کرنے کا ذکر ملتا ہے جو بعد میں وقت کے ولی اور عظیم مبلغ ثابت ہوئے جن میں حضرت بابا فرید گنج شکر (۱۱۷۰ء تا ۱۲۶۲ء) کا نام قابل ذکر ہے۔ حضرت بابا فرید نے اعلیٰ تعلیم مولانا منہاج الدین ترمذیؒ سے حاصل کی آپ کے اس دور میں بولے گئے فقروں کو ماہرین لسانیات نے اپنی تحریروں میں نقل کیا ہے ان کے منہ سے نکلے جملے موجودہ دور سے مماثلت رکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

"(۱) پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے (۲) سرسہ کبھی سرسہ کبھی نرسہ (۳) آنکھ آئی ہے" (۱۶)

ملتان کا جائزہ ایک خلاصہ کی صورت میں ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ درحقیقت ملتان ایک فصیل پر مشتمل ہے اور اس کے قریب ایک ٹیلہ جس کو قلعہ کہا جاتا ہے۔ فصیل تقریباً تین میل دائرے میں ہے اور اس کے چھ دروازے ہیں قدیم ملتان یہی ہے اور قدیم زمانے میں لاہور تک ملتان کا ہی علاقہ تھا۔ ضلعی نظام سے قبل ملتان ڈویژن میں چھ اضلاع تھے ساہیوال، خانیوال، لودھراں، پاک پتن اور وہاڑی ضلعی نظام میں اب ملتان الگ ضلع ہے اور اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ شجاع آباد اور جلال پور اسکی تحصیلیں ہیں اس کے ساتھ ساتھ ملتان سے ملحقہ ضلع مظفر گڑھ کی ایک علمی شخصیت مولانا عبد العزیز پرہارویؒ کا تحقیقی کام بھی اس تحقیق میں شامل ہے۔ ملتان کی شہرت اور مقبولیت بہت سارے طرق سے ثابت ہے کہ ملتان کی علمی، ادبی، تہذیبی اور تحقیقی سرگرمیوں کو شاعروں، ادیبوں اور مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں محفوظ کیا اور ملتان کے احوال پر بات کی۔ مثال کے طور پر انسائیکلوپیڈیا آف Collier's ملتان کے احوال یوں درج ہیں:

"Multan is very ancient town. It derives its present name from that of famous idols and Temple of the Sun of pre – Muslim period"(۱۷)

موضوع تحقیق کا تعارف اور پس منظر (Indroduction and Background of the ResearchTopic)

حدیث شریعت اسلامی کا دوسرا ماٰخذ ہے اور شریعت سازی میں ایک مستقل اور واضح مقام رکھتی ہے۔ حدیث وحی خفی ہے اور قرآن حکیم کی توضیح و تشریح ہے۔ علم حدیث ایک وسیع موضوع ہے حدیث رسول اللہ ﷺ سے متعلقہ جو بھی کام ہوا ہے اسے علم حدیث کہا جاتا ہے مگر ہم اس تحقیقی مقالہ میں علم حدیث سے جو مراد لیں گے وہ درج ذیل ہے۔

(۱) تاریخ واصول حدیث (۲) حدیث کا موضوعاتی مطالعہ (۳) شروح حدیث (۴) حجیت و تدوین حدیث (۵) تراجم و حواشی حدیث۔

(۱) حدیث شریف کی تاریخی حیثیت اور اس کے قبول و عدم قبول کے حوالے سے متعدد کتب دستیاب ہیں جن مین حدیث کی تاریخ کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے جن میں تدوین حدیث از مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور تدوین حدیث از مولانا محمد ادریس کاندھلوی قابل ذکر ہیں۔ ان کتب میں حدیث کی تاریخ کو عام تاریخی ذخیرہ سے ممتاز و منفرد بیان کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ملتان میں جو کام ہوا ہے ان کا تعارف و تجزیہ اور ان پر تنقیدی جائزہ اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے اور احادیث مبارکہ کو سمجھنے کیلئے علم (اصول حدیث) کا ہونا لازم ہے حدیث کے جواز و عدم جواز اور حکم کے معیار کی جانچ پڑتال میں جو اصول استعمال ہوتے ہیں۔ اس میں راوی پر جرح ہوتی ہے اور حدیث کی جانچ پرکھ کی جاتی ہے اور اس کے بعد حدیث کا حکم معلوم کیا جاتا ہے اس موضوع پر امام فخر الدین رازی محمد بن عمر م ۶۰۶ھ کی المحصول فی علم الاصول، امام ابن کثیر م ۷۷۴ھ کی علوم الحدیث اور حافظ ابن الصلاح کی مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث قابل ذکر ہیں اس موضوع پر ملتان میں کام کرنے والی شخصیات اور ان کا کام کا معیار مرتبہ اس تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔

(۲) موضوعات حدیث کو منتخب کرنا اور ان پر علمی جرح کرنا اور نتائج فکر دینا ایک جدید طرز تحریر ہے۔ اس عنوان پر سید محمود حسن شاہ صاحب کی ترجمان الحدیث حصہ اول اور حصہ دوم اور پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ اور زہد مفہوم اور تقاضے صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ سر فہرست ہیں۔ ان کے علاوہ اس موضوع پر ملتان میں جو کتب اور مواد میسر آیا ہے اس پر مکمل بحث کی گئی ہے۔

(۳) حدیث رسول اللہ ﷺ کی وضاحت کی غرض میں ملتان میں شروح حدیث (جزوی و مکمل) تحریر کی گئی ہے ان کا کافی مواد ملتان میں میسر آیا ہے۔ یہ شروح مختلف انداز میں تحریر کی گئی ہے جن میں خیر الفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح از مولانا شبیر الحق کشمیری اور تشریحات بخاری از مولانا عبد القادر قاسمی قابل ذکر ہیں۔ ان مختلف انداز میں تحریر کی گئی شروح کا تعارف و تجزیہ اور ان پر تنقیدی جائزہ ہماری اس تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔

(۴) حجیت حدیث ایک مستقل موضوع ہے اس میں حدیث مبارک کی اہمیت و فضیلت اور اسکی قانونی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے۔ ملتان میں حجیت و تدوین کے موضوع پر کام انفرادی طور پر کم مگر دیگر موضوعات حدیث کے ضمن میں اس پر بھی بحث کی گئی ہے مثال کے طور پر مقالات کاظمی میں علم حدیث کے دیگر عنوانات کے ساتھ حجیت و تدوین حدیث کی بحث بھی شامل ہے۔ البتہ ملتان کی ایک اور شخصیت مفتی اللہ بخش شیخ الحدیث مرکز ابن القاسم ملتان نے ایک کتاب حجیت حدیث کے موضوع پر الگ سے بھی تالیف فرمائی ہے جس کا نام ہے "حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت"۔ اس کتاب میں حجیت حدیث پر کافی مواد موجود ہے۔ ملتان میں اس موضوع پر ہونے والے کام کا تعارف اور تجزیہ و تنقیدی جائزہ اس تحقیق کا موضوع ہے۔

(۵) مندرجہ بالا موضوعات کے ساتھ ساتھ ملتان میں تراجم و حواشی پر بھی کام ہوا ہے۔ بلاشبہ عربی کتب کو مقامی زبان میں تبدیل کرنے کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ امت کیلئے بالعموم اور اردو داں طبقہ کیلئے بالخصوص کیونکہ وہ عربی سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے عربی کتب استفادہ نہیں کر سکتے۔ ملتان میں ترجمہ بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام از حافظ حجر عسقلانی مترجم (مولانا عبد التواب ملتانی) اور ترجمہ اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی مترجم (مولانا نعیم احمد) قابل ذکر ہیں۔ اس تحقیقی مقالہ میں ان تراجم کا تعارف اور جائزہ پیش کیا گیا ہے اس میں حواشی بھی ہیں۔ ان کا تفصیلی جائزہ اور معیار بھی شامل تحریر کیا گیا ہے۔

مسئلہ تحقیق (Research Problem)

ملتان میں علم حدیث پر مواد تو مطبوعہ و غیر مطبوعہ موجود تھا مگر آج تک اس منتشر مواد کو اکٹھا اور محفوظ نہیں کیا گیا جسکی وجہ سے بہت سارا مواد ضائع ہو گیا۔ جس میں مولانا عبد التواب صاحب کا ترجمہ بخاری شریف

شامل ہے کہ انہوں نے تقریباً آٹھ پارے صحیح بخاری کے اردو زبان میں تبدیل فرمائے مگر محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے منظر عام پر نہیں آسکے تو مسئلہ یہ تھا کہ اس کام کو یکجا کیا جائے تاکہ اس کے اسلوب اور معیار کا تعین کیا جاسکے کہ اس کی تحقیقی نوعیت کیا ہے۔ اس موضوع کے مواد کی تلاش میں مدارس، شیوخ الحدیث اور نائب شیوخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہونے کا کئی مرتبہ موقع ملا اکثر صاحبان نے مہربانی فرماتے ہوئے رہنمائی بھی کی اور مواد بھی عطا کیا جس میں مولانا شبیر الحق کشمیری استاد الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان، مولانا محمد صدیق جامع خیر المدارس ملتان اور مولانا غلام حسین استاد الحدیث جامع خیر المعاد ملتان اور بعض مقامات پر معلومات دینے کے انکار کے ساتھ ساتھ، سخت الفاظ کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مگر کوشش جاری رہی حرکت کا عمل نہیں رکا تو الحمد اللہ یہ تحقیق مکمل ہوئی اور بکھرا ہوا مواد یکجا ہو کر ایک تحقیقی مقالہ کی صورت میں سامنے آگیا۔

مقاصد تحقیق (Objective of Research)

اس موضوع پر کام کرنے کا سب سے اول مقصد خطہ ملتان کے محدثین کی علمی و تخلیقی خدمات کو نمایاں کرنا، اہل علم کے اس کام کے اسلوب سے جانکاری حاصل کرنا اور لوگوں کو اس کام کے معیار کے بارے میں آگاہ کرنا ہے۔ کیونکہ ملتان ایک قدیمی شہر ہے اس کا تاریخی ورثہ ہے تو اس ورثہ میں لامحالہ علمی خدمات کا ہونا لازم سی بات ہے اب غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد اسلامی علوم میں حدیث ماخذ قانون کے طور پر سامنے آتی ہے تو اس خطہ میں حدیث کی تشریح پر اور اس کی حجت پر کیا کام ہوا۔ اگر اس کام کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اس پر تحقیق نہ کی جائے تو اس علمی ذخیرہ سے صحیح معنوں میں استفادہ بھی نہیں کیا جاسکتا اور اس علمی ورثہ کے ضائع ہونے کو خدشہ بھی ظاہر سی بات ہے۔

دائرہ تحقیق (Delimitation of Research)

اس مقالہ میں ملتان سے متعلقہ اہل علم بالخصوص علم حدیث کے میدان میں خدمات سرانجام دینے والی شخصیات پر مبنی معلومات درج کی گئی ہیں اور ان کے کام کا تعارف اور اسکی عصری اہمیت کو زیادہ واضح کیا گیا ہے اور ان کے کام میں جس پہلو کا غلبہ ہے اس پر تحقیقی و تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے ایسا کرنا ان کی شخصیت پر نقد نہیں بلکہ ان کے کام پر جرح کرنا مراد ہے اور جہاں جہاں ان حضرات نے واقعتاً خطہ و ملک کی علمی پیاس کو کم کیا ہے اور قوم میں اتحاد،

امن اور یکجہتی کی فضاء قائم کی ہے ان کو خراج عقیدت بھی پیش کیا گیا ہے اور بالخصوص فرقہ واریت، انتہا پسندی اور شخصیت پرستی کی حوصلہ شکنی کرنے والی شخصیات کے کام کو نمایاں کیا گیا ہے جس میں سید محمود حسن شاہ صاحب اور پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب کے نام قابل ذکر ہیں اور تحقیق کا دائرہ کار یہی رکھا گیا ہے کہ جدید عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام کی اور بالخصوص علم حدیث کی خدمت کرنے والی شخصیات کو اور ان کے کام کو نمایاں کیا جائے اور غیر متعلقہ مواد اور بحثوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

فرضیہ تحقیق (Hypothesis of Research)

ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام ادب حدیث میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ علوم الحدیث پر ہونے والا کام گزشتہ کام کا محض تکرار ہے۔ علم حدیث پر ہونے والا کام اردو زبان میں تو اہمیت وافادیت کا حامل ہے اور اردو دان طبقہ کے لئے تو وقعت رکھتا ہے مگر کوئی نیا اضافہ نہیں ہے۔

موضوع تحقیق پر ہونے والے سابقہ کام کا جائزہ (Analysis of Earlier Research on the Topic)

ملتان میں علم حدیث پر کافی مواد کتابت کی صورت میں موجود ہے جس میں تاریخ حدیث، اصول حدیث، تدوین وحجیت حدیث، شروح حدیث، تراجم وحواشی حدیث اور حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر کتابیں تحریر ہوئی ہیں جن شخصیات نے اس خطہ میں تالیفات تحریر کی ہیں ان کی کتابوں اور ان کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے تو اس موضوع پر ہونے والے سابقہ کام کے جائزہ کی تفصیل سامنے آجائے گی ان میں زمانی ترتیب کے مطابق پہلی شخصیت مولانا پرھاروی صاحب ہیں۔

(۱) مولانا پرھاروی کا پورا نام عبد العزیز پرھاروی ہے آپ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء میں بستی پرھاراں ضلع مظفر گڑھ ملحقہ ملتان میں پید ہوئے۔ ملتان کی قدیمی درسگاہ دولت دروازہ ملتان میں حافظ جمال اللہ ملتانی سے تعلیم حاصل کی۔ کند ذہن ہونے کی وجہ سے مدرسے میں روتے رہتے تھے۔ حافظ جمال اللہ ملتانی کی نگاہ ولایت سے مشکلیں حل ہو گئیں اور جلد ہی علامہ پرھاروی کی ذکاوت طبع اور ذہن رسا کا چرچہ دور دور تک پھیل گیا اور آپ نے بستی پرھاراں میں عہد شباب میں ہی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء میں وفات پائی (۱۸) مولانا پرھاروی کی کتاب کا نام "کوثر النبی ﷺ فی اصول

الحدیث النبوی" ہے اس کتاب میں اصول حدیث اصطلاحات حدیث پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔

(۲) دوسری شخصیت مولانا عبد التواب ملتانی ہیں۔ آپ ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی جن کا اسم مولانا قمر الدین ملتانی تھا صاحب علم و شرح تھے۔ آپ نے اپنے والد سے ہی دورہ حدیث مکمل کیا۔ سید نذیر حسن محدث دہلوی سے خصوصی شرف تلمذ حاصل کیا اور اندرون و بیرون ملک علم حدیث کے لئے سفر کیے۔ علم حدیث اور کتب حدیث سے خاص محبت تھی۔ بیشتر کتب طلباء میں تحفۃً تقسیم فرماتے تھے آپ نے ۱۹ رجب بروز اتوار ۱۳۶۶ھ / ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء کو وفات پائی۔ (۱۹)

مولانا ملتانی نے حافظ ابن حجر عسقلانی م ۵۸۲ ھ کی معرکۃ الآراء کتاب "**بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام**" کا اردو زبان میں ترجمہ تحریر کیا ہے اور ساتھ ہی اس کا حاشیہ بھی تالیف کیا ہے جس میں راوی کے مختصر حالات اور حدیث کی تشریح اور اس کے حکم کا تعین کیا گیا ہے یہ کام اردو بولنے اور پڑھنے والوں کیلئے بہت اہمیت رکھتا ہے اس کے سواء آپ نے صحیح بخاری کا ترجمہ بھی تحریر کیا تھا جو شروع سے آٹھ پاروں پر مشتمل تھا محفوظ اور طباعت سے آراستہ نہ ہونے کی وجہ سے او جھل ہو گیا ہے البتہ ترجمہ بلوغ المرام طبع ہے اور ہمارے موضوع تحقیق کا حصہ ہے۔

(۳) تیسری شخصیت مولانا خیر محمد ہیں۔ آپ کا پورا نام مولانا خیر محمد جالندھری ہے والد صاحب کا نام میاں الٰہی بخش ہے آپ ضلع جالندھر (انڈیا) میں ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء کے آخر یا ۱۳۱۳ھ کے شروع میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے کیا اس کے بعد وقت کے جید علماء سے شرف تلمذ حاصل کیا جن میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور سید حسین احمد مدنی صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔ جالندھر میں تعلیمی خدمات دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان تشریف لائے اور خیر المدارس ملتان کی بنیاد رکھی۔ آپ کا حسن تدبیر، حسن انتظام اور حسن اہتمام بزبان علماء بہت مشہور ہے مثلاً سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے ان کے

بارے میں فرمایا کہ "اگر کسی نے مدرسہ چلانے کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے اس کا ڈھنگ سیکھے" آپ نے ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۳ء میں وفات پائی۔ دارالحدیث خیر المدارس میں سپرد خاک کیے گئے (۲۰)

علم حدیث کے میدان میں آپ کا رسالہ "خیر الاصول فی حدیث الرسول ﷺ" مشہور و مقبول عام وخاص ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان اور ملحقہ ممالک میں بھی دینی مدارس کے نصاب کا حصہ ہے۔ اس میں اصول حدیث پر کافی بحث کی گئی ہے اور آپ کے دروس حدیث بھی اساتذہ و طلباء میں بے حد مقبول ہیں۔

(۴) چوتھی شخصیت علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب ہے۔ آپ کا پورا نام سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی ہے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء میں مراد آباد (بھارت) کے مضافاتی شہر امروہی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید مختار احمد کاظمی تھا۔ آپ کی پرورش برادرم اکبر سید خلیل شاہ کاظمی نے فرمائی۔ وہ خود عظیم محدث اور فاضل جلیل تھے اور شعر و سخن سے کافی لگاؤ تھا اور رسول اکرم ﷺ کے عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی نعتیں تحریر کیا کرتے تھے۔ علامہ کاظمی بھائی سے دست بیعت تھے۔ آپ نے تعلیمی و ملی خدمات سرانجام دیں۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور شیخ الحدیث خدمات سر انجام دیں۔ تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ پاکستان کے قیام کیلئے بنارس کی کانفرنس میں شرکت کی اور ملتان میں جامعہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی اور متعدد مقالات تحریر فرمائے۔ یوں رمضان المبارک جمعہ کے روز ۱۹۸۴ء کو اس جہاں سے پردہ فرما گئے (۲۱)

علامہ کاظمی شاہ صاحب نے مختلف مواقع پر مقالات پیش کیے۔ ان کو یکجا کر کے ایک کتاب کی شکل میں طبع کرایا گیا ہے اس میں علم حدیث پر مقالات درج ہیں۔ جن میں تاریخ حدیث، تدوین حدیث، حجیت حدیث اور اصول حدیث پر مواد موجود ہے۔ کتاب کا اندازہ سادہ ہے مگر کہیں کہیں مشکل الفاظ کے استعمال سے بات کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مجموعی طور پر کتاب مفید اور متوازن انداز تحریر کی علامت ہے۔ اس کتاب کا نام مقالات کاظمی ہے اور اس کی تین جلدیں طبع ہو چکی ہیں باقی پر کام جاری ہے۔

(۵) پانچویں شخصیت مولانا قاسمی صاحب ہیں۔ آپ کا پورا نام مولانا محمد عبد القادر قاسمی ہے۔ والد کا نام ملک محمد حمزہ آپ یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں بستی باغوالہ موضع سہو تحصیل جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا

صدیق حسن خان صاحب فاضل دیوبند سے علم اخذ کیا اور وقت کے ولی کامل خواجہ غلام حسن سواگ کے دست پر بیعت لی اور مولانا حسین احمد المدنی سے بھی درس حدیث لیا اور ساری زندگی درس حدیث دیتے ہوئے گزاری اور قاسم العلوم ملتان میں ۳۵ سال درس حدیث دیتے رہے آپ نے ۱۳ ربیع اول ۱۴۱۹ھ / ۸ جولائی ۱۹۹۸ء بروز بدھ نشتر ہسپتال ملتان میں وفاتی پائی۔(۲۲)

مولانا قاسمی کی تالیف کا پورا نام " تشریحات بخاری اردو " ہے۔یہ شرح ہے الجامع الصحیح البخاری کی ۷ ضخیم جلدیں طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں باقی پر کام جاری ہے۔اس شرح میں علم حدیث پر کافی مواد موجود ہے۔

(۶) چھٹی شخصیت مولانا فیض احمد ہیں۔آپ کا پورا نام مولانا فیض احمد ملتانی ہے آپ ۱۹۲۵ء کو ملتان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ملتان سے ہی حاصل کی اور علم حدیث کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں وقت کے جید علماء سے درس حدیث لیا جن میں سید حسین احمد مدنی اور محمد ادریس کاندھلوی کے نام قابل ذکر ہیں۔جامعہ خیر المدارس ملتان میں شیخ الحدیث رہے اور حدیث مبارک کا درد دیتے رہے اور ۱۹۹۹ء کو وفات پائی(۲۳)

آپ نے علم حدیث پر دو کتابیں تحریر فرمائی۔پہلی کتاب "مقام حدیث مع ازالہ شبہات " ہے اور دوسری کتاب کا نام "المسائل والدلائل " ہے۔اول الذکر رسالہ کی صورت میں ہے اور آخر الذکر ضخیم ہے۔اس کے پانچ سو تاسی صفحات ہیں۔ان کتابوں میں علم حدیث سے متعلقہ کافی مواد ہے جس میں تاریخ حدیث، ضرورت حدیث، حجیت حدیث، کتابت حدیث مختلف ادوار میں اور حدیث پر شبہات اور ان کے ازالہ پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

(۷) ساتویں شخصیت سید محمود حسن شاہ صاحب ہیں۔آپ کا پورا نام سید محمود حسن شاہ بخاری ہے آپ ۱۹۲۶ء رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔حفظ قرآن اور دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث حضرت حسین احمد المدنی کی نگرانی میں مکمل کیا اور مدرسہ جامع العلوم ملتان میں بطور شیخ الحدیث ۱۶ سال خدمات سرانجام دیں۔سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔۱۴ جنوری ۲۰۱۴ء میں وفات پائی۔(۲۴)

علم حدیث کے موضوع پر آپ کی کتاب کا نام "ترجمان الحدیث " ہے۔یہ کتاب دو جلدوں میں ہے حصہ اول و حصہ دوم اس کتاب میں علم حدیث پر کافی مواد ہے اور عصری مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے احادیث رسول ﷺ کی

روشنی میں ان مسائل کے حل کی نشاندیہی فرمائی ہے۔ دور جدید کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث کے موضوعاتی مطالعہ کے میدان میں منفرد کتاب ہے۔ امت کی اصلاح اور معاشرتی مسائل کے حل میں بہترین زادراہ کا سامان رکھتی ہے۔

(۸) آٹھویں شخصیت مولانا قاری طاہر رحیمی ہیں۔ آپ کا پورا نام مولانا قاری محمد طاہر رحیمی ہے۔ آپ ۱۹۲۷ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ملتان میں ہی حاصل کی ماہر قراۃ عشرہ اور سید القراء ے نام سے مشہور تھے۔ ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم اور جامعہ رحیمیہ اشاع القرآن میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد خاندان سمیت مدینہ منورہ سکونت اختیار کر گئے اور مدینہ منورہ میں ہی ۲۰۱۴ء میں وفات پائی اور دیار حبیب خدا ﷺ میں ہی دفن ہوئے۔(۲۵)

علم حدیث کے موضوع پر آپ نے دو کتابیں تحریر فرمائی۔ پہلی کا نام "ما ینفع الناس فی شرح قال بعض الناس" ہے اور دوسری کتاب کا نام "زبدہ المقصود فی حل قال ابوداؤد" ہے۔ اول الذکر کتاب میں بخاری شریف کے ان مقامات کی وضاحت ہے جن پر امام بخاری نے بعض الناس کا لفظ استعمال کیا ہے اور آخر الذکر میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جہاں قال ابوداؤد کے لفظ تحریر کیے ہیں۔ ان کی وضاحت فرمائی۔ علم حدیث میں ملتان کی سرزمین پر اپنی نوعیت کا یہ منفرد کام ہے۔ ان کتب میں علم حدیث سے متعلقہ کافی مواد ہے۔

(۹) نویں شخصیت مولانا محمد صدیق ہیں۔ آپ کا پورا نام محمد صدیق بن حاجی نبی بخش بن اکبر دین بن ابراہیم ہے آپ کی کنیت ابوالفاروق ستمبر ۱۹۲۶ء کو ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے سکول سے حاصل کی اور دینی تعلیم جالندھر سے مولانا خیر محمد جالندھری سے حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان تشریف لائے اور تعلیم مکمل فرمائی اور تا حال جامعہ خیر المدارس ملتان میں بطور شیخ الحدیث خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔(۲۶)

علم حدیث پر آپ کی کتاب کا نام "الخیر الساری فی تشریحات البخاری" ہے۔ اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس میں بخاری شریف کی احادیث کی وضاحت کی گئی ہے اور کافی مواد کی حامل ہے۔

(۱۰) دسویں شخصیت مفتی اللہ بخش ملتانی ہیں۔ آپ ۱۹۳۲ء کو تحصیل جلال پور ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد پرورش بہن نے کی۔ بھائی غلار سول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی وقت کے معروف اساتذہ سے علم حدیث

حاصل کیا آپ شروع میں حنفی تھے۔ بعد میں اہل حدیث ہو گئے۔ جامعہ مرکز ابن القاسم میں شیخ الحدیث رہے اور ملتان میں ہی وفات پائی۔(۲۷)

علم حدیث کے موضوع پر آپ کی کتاب کا نام اربعین احادیث المعرف (چہل حدیث) ہے۔ اس میں مردوں کے نہ سننے کے بارے میں کافی بحث کی گئی ہے اور دوسری کتاب کا نام ہے صلوۃ الموحدین۔ اس میں احادیث کی روشنی میں طریقہ نماز پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۱۱) گیارہویں شخصیت مولانا مفتی محمد عبد اللہ ہیں۔ آپ ۱۹۳۸ء میں شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔ جلال پور پیر والہ میں دارالحدیث محمدیہ میں تعلیم کا آغاز کیا۔ صرف و نحو اور فارسی، گلستان فقہ، قدوری وغیرہ پڑھیں۔ وقت کے مشہور اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۹۹۹ء سے مرکز ابن القاسم الاسلامی کے ساتھ تاحال وابستہ ہیں اور حدیث کی خدمت کر رہے ہیں۔ (۲۹) علم حدیث کے موضوع پر آپ کی کتاب کا نام ہے "مکانۃ الحدیث فی التشریح الاسلامی حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت" ہے۔ اس کتاب میں حجیت حدیث پر کافی بحث کی گئی ہے اور حدیث کے مقام و مرتبہ پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

(۱۲) بارہویں شخصیت مولانا کشمیری ہیں۔ آپ کا پورا نام شبیر الحق کشمیری بن مولانا عبد اللطیف بن محمد زبیر ہے۔ ۱۹۵۲ء میں مظفر آباد آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آبائی علاقہ سے حاصل کی درس نظامی انوار العلوم ایبٹ آباد سے کیا۔ آپ نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی م ۱۳۹۴ھ اور مولانا موسیٰ خان م ۱۴۱۹ھ سے درس حدیث کی تعلیم حاصل کی تاحال جامعہ خیر المدارس میں استاذ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔(۲۸)

شرح حدیث کے میدان میں آپ کی کتاب کا نام "خیر المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح" ہے۔ ملتان میں اردو زبان میں یہ مشکوۃ شریف کی پہلی شرح ہے۔ یہ تین جلدوں میں ہے اور اس میں علوم الحدیث پر کافی بحث کی گئی ہے۔

(۱۳) تیرہویں شخصیت پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب ہیں۔ آپ آبائی گاؤں رحمٰن آباد (چکوال) میں ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء میں مشہور عالم دین مولانا بدیع الزمانؒ (۱۹۳۱ء-۲۰۰۰ء) کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قرآن حکیم کے حفظ سے کی۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد سے

ایل۔ایل۔ایم شریعہ کی سند حاصل کی۔۱۹۸۴ء سے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ علوم اسلامیہ میں بطور پروفیسر کام کر رہے ہیں۔علاوہ ازیں ۱۹۹۶ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور تاحال علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔(۲۹)

آپ نے علم حدیث پر دو کتب تحریر فرمائی ہیں۔پہلی کا نام "ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ" اور دوسری "زھد مفہوم،اور تقاضے" ہے۔اول الذکر کتاب میں صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی احادیث کی عصری تشریح کی گئی ہے اور آخر الذکر کتاب میں صحیح مسلم کی کتاب الزھد کی احادیث کی عصری تشریح فرمائی ہے۔علم حدیث کے میدان میں جدید فکری انداز کی خوبصورت کتب ہیں اور ان میں علم حدیث سے متعلق کافی مواد اور بحث موجود ہے۔

(۱۴) چودھویں شخصیت مولانا نعیم احمد ہے۔آپ ۱۹۷۰ء کو ملتان میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام مولانا نور احمد تھا۔ مدرسہ امدادیہ ملتان سے تعلیم کا آغاز کیا۔۱۹۸۸ء میں ملتان بورڈ سے ایف اے کیا۔۱۹۹۲ء میں وفاق العربیہ پاکستان سے عالمیہ کا امتحان پاس کیا اور جامعہ خیر المدارس ملتان میں شعبہ تدریس سے منسلک ہوگئے۔تاحال جامعہ خیر المدارس میں منطق،فلسفہ،حدیث پڑھا رہے ہیں۔(۳۰)

علوم الحدیث کے میدان میں آپ نے مولانا ظفر احمد تھانوی م ۱۳۹۴ھ عثمانی کی مشہور کتاب "اعلاء السنن" کا ترجمہ کیا ہے۔جس کا نام احیاء السنن رکھا ہے۔اس میں علوم الحدیث سے متعلقہ کافی بحث کی گئی ہے۔

(۱۵) پندرھویں شخصیت مولانا حافظ ریاض احمد ہیں۔آپ ۱۹۸۲ء کو ضلع لودھراں میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں کی مسجد سے حفظ قرآن کی صورت میں کی اور پھر مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان میں تعلیم حاصل کی اور تاحال اسی مرکز میں استاذ الحدیث کے طور پر کام کر رہے ہیں۔(۳۱)

علم حدیث پر آپ کی کتاب کا نام ہے "انعام الباری علیٰ حکم معلقات البخاری"۔اس کتاب میں بھی حدیث اور اصول حدیث کے موضوع پر مواد موجود ہے اور فنی انداز میں علم حدیث کی وضاحت پر بحث کی گئی ہے۔علاوہ ازیں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی سے علم حدیث ایک مقالہ پر پروفیسر محمد باقر خان خاکوانی صاحب نے تحریر کیا جس کا عنوان ہے "اصول روایت حدیث اصول فقہ کی روشنی میں"۔یہ تحقیقی کام پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے تحریر ہوا اس

میں اصول حدیث پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے۔ علم حدیث کا کافی قابل قدر مواموجود ہے۔ یہ مقالہ تین سو پچھتر صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا مقالہ محمد بلال ایم فل علوم اسلامیہ کیلئے تحریر کیا۔ اس کا عنوان ہے " حضور ﷺ کا تمثیلی اسلوب "(مشکوٰۃ المصابیح کی روشنی میں) ۔ اس مقالہ کی نگرانی پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب نے فرمائی۔ اس میں علم حدیث اور حضور اکرم ﷺ کے تمثیلی اسلوب پر کافی علمی مواد موجود ہے۔

اسلوب تحقیق (Research Methodology)

اس تحقیقی مقالہ میں بیانیہ طریق تحقیق اور تاریخی وتجزیاتی طریقہ تحقیق اپنایا گیاہے۔ اس مقالہ کو چھ مراحل میں مکمل کیا گیاہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا مرحلہ: اس مرحلہ میں موضوع سے متعلق لٹریچر کو اکٹھا کیا گیاہے۔ اس مرحلہ میں مزید چار مراحل ہیں۔

(۱) پبلک لائبریوں سے مواد اکٹھا کرنا

(۲) ذاتی لائبریوں سے مواد اکٹھا کرنا

(۳) مصنفین سے ملاقات کرنا اور مواد حاصل کرنا

(۴) معاصرین سے ملاقات کرنا

دوسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں مواد کی موضوعاتی تقسیم کی گئی ہے۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں مواد کا تعارف اور تجزیہ پیش کیا گیاہے۔

چوتھامرحلہ :اس مرحلہ میں موضوع تحقیق پر کام کے رجحانات کا جائزہ لیا گیاہے۔

پانچواں مرحلہ: اس مرحلہ میں موضوع پر کام کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیاہے۔

چھٹامرحلہ: اس مرحلہ میں مقدمہ، تجاویز وسفارشات، اشاریہ، فہرست، مصادر و مراجع اور دوسری ضروری امور کی تکمیل کی گئی ہے۔

خاکہ تحقیق (Synopsis of Research)

ابواب بندی: یہ مقالہ چھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب کو مختلف فصول پر تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول کی چار فصول، باب دوئم کی تین فصول، باب سوئم کی دو فصول، باب چہارم کی تین فصول، باب پنجم کی چار فصول اور باب ششم کی بھی چار فصول ہیں۔

ابواب کا مختصر تعارف درج ذیل ہیں۔

باب اول: اس باب میں برصغیر میں علم حدیث کا آغاز وارتقاء کا جائزہ بیان کیا گیا ہے اور اس کام کے معیار کی نشاندہی کرتے ہوئے تجریاتی بحث کی گئی ہے۔

باب دوئم: اس باب میں اصول حدیث و تاریخ حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ بیان کیا گیا ہے۔

باب سوئم : اس باب میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

باب چہارم: اس باب میں شرح حدیث (مکمل و جزوی) کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

باب پنجم: اس باب میں، حجیت حدیث، تدوین حدیث اور تراجم کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ششم: اس باب میں ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

خاکہ تحقیق درج ذیل ہے۔

"ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تجزیاتی مطالعہ"

باب اول: برصغیر میں علم حدیث کا آغاز وارتقاء

فصل اول: ظہور اسلام تا ۴۰۰ھ

فصل دوم: ۴۰۰ھ تا ۹۰۰ھ

فصل سوئم: ۹۰۰ھ تا تاحال

باب دوئم: ملتان میں تاریخ حدیث واصول حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اول: تاریخ حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف

فصل دوم: اصول حدیث پر ہونے والا کام کا تعارف

فصل سوئم: تجزیاتی مطالعہ

باب سوئم: ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اول: موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تعارف

فصل دوم: تجزیاتی مطالعہ

باب چہارم: ملتان میں شروح حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اول: مکمل شروح حدیث

فصل دوئم: جزوی شروح حدیث

فصل سوئم: تجزیاتی مطالعہ

باب پنجم: ملتان میں حجیت، تدوین، تراجم وحواشی حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اول: حجیت حدیث پر ہونے والے کام تعارف

فصل دوئم: تدوین حدیث پر ہونے کام کا تعارف

فصل سوئم: تراجم وحواشی حدیث پر ہونے کام کا تعارف

فصل چہارم: تجزیاتی مطالعہ

باب ششم: ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

فصل اول: تاریخ حدیث واصول حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

فصل دوئم: حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے کو والے کام کا تنقیدی جائزہ

فصل سوئم: شروح حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

فصل چہارم: تراجم، حواشی وحجیت حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

آخر میں سفارشات وتجاویز، خلاصہ تحقیق، اشاریہ مصادر ومراجع درج کئے گئے ہیں۔

مقدمہ

حوالہ جات

۱۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر ۱۹۸۳ء، ص ۲۰

۲۔ Mashraqi, Anayatullah, God, Man & Universe, Dawn Publishers, P 200

۳۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار، دارالاشاعت لاہور، ۱۹۳۷ء، ص ۱۸

۴۔ یحییٰ امجد، تاریخ پاکستان قدیم دور، لاہور سنگ میل پبلشرز، طبع اول ۱۹۸۹ء، ص ۵۹

۵۔ Cunningham, Alexander, Archaeological Survey of India, Vol 5, Report for the year of 1872 – 73, Calcutta, P 127

۶۔ ابن حنیف، سات دریاؤں کی سرزمین، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۵ء، ص ۲۲۱

۷۔ ایضاً، ص ۲۷

۸۔ زیڈ، اے، راگوزن، ویدک ہند، حمید احمد انصاری مترجم، حیدر آباد دکن، دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۲۳ء، ص ۳۰۳

۹۔ ابن حنیف، سات دریاؤں کی سرزمین، ص ۱۵۳

۱۰۔ Latif S.M, Early History of Multan, Lahore: People Publishing House, 1965,P129

۱۱۔ اکرام الحق، شیخ، ارض ملتان، ملتان: الاکرام شعبہ نشر و اشاعت، ۱۹۷۲ء، ص ۲۶۰

۱۲۔ سات دریاؤں کی سرزمین، ص ۱۴۷

۱۳۔ المسعودی، علی بن حسین، مروج الذھب ومعاون الجوہر، جز اول، دارا الاندلس بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۹۶۵ء ص ۱۸۷

۱۴۔ علی بن عثمان، ہجویری ابوالحسن سید، کشف المحجوب، محمد حسین مناظر مترجم، لاہور ملک دین محمد سنز پبلشرز، ۱۹۲۸ء، ص ۱۱۳

۱۵۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ڈاکٹر جمیل احمد جالبی مترجم، لاہور ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع دوم، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۴

۱۶۔ رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر، اردو نثر کا آغاز وارتقاء، کراچی، کریم سنز پبلشرز، اول ۱۹۷۰ء، ص ۲۷

۱۷۔ Collier Encyclopedia, V – 6, P 696

۱۸۔ پرھاروی، عبدالعزیز، مولانا، الناھیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ، مکتبہ حقانیہ ملتان، ۲۰۱۰ء، ص ۳۳-۳۱

۱۹۔ ملتانی، عبوالتواب، مولانا، بلوغ المرام (ترجمہ)، فاروقی کتب خانہ ملتان، ۲۰۱۴ء، ص ۶۰-۵۵

۲۰۔ آفتاب، احمد، مولانا، خیر السوانح، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۵-۹۵

۲۱۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، کاظمی پبلشرز ملتان، ۲۰۱۳ء، ج ۱، ص ۲۰ - ۲۵

۲۲۔ قاسمی، عبدالقادر، مولانا، تشریحات بخاری، کتب خانہ مجیدیہ ملتان، ۱۹۹۴ء، ج ۶، ص ۱۵-۸

۲۳۔ (از قلم حافظ عبدالقدوس جالندھری) (شاگرد رشید) (مضمون تعارف مولانا فیض احمد) ص ۱

۲۴۔ (از قلم صاجزادہ سجاد حسن بخاری) (غیر مطبوعہ مواد بملکیت راقم الحروف)

۲۵۔ (از بیان صاجزادہ قاری محمد اشرف)

۲۶۔ محمد صدیق، مولانا، الخیر الساری فی تشریحات البخاری، مکتبہ امدادیہ ملتان، س، ن، ج ۱ ص ۲۰ تا ۲۵

۲۷۔ ہفت روزہ اعتصام لاہور، ص ۳۴ تا ۳۶، مضمون نگار (حافظ ریاض احمد)

۲۸۔ کشمیری، شبیر الحق، علامہ، خیر المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ۱۴۲۹ھ، ج۱، ص ۵-۴

۲۹۔ حسان، محمد انس، ولی اللہی فکر میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ (تحقیقی مطالعہ ایم فل علوم اسلامیہ) ۱۳ – ۲۰۱۱ء، ص ۵۷-۱۵۲

۳۰۔ از قلم (عبد القدوس جالندھری (شاگرد رشید)) (غیر مطبوعہ مواد بملکیت راقم الحروف)

۳۱۔ از قلم حافظ ریاض احمد، غیر مطبوعہ مواد (بملکیت حافظ ریاض احمد)

باب اوّل

برصغیر میں علم حدیث کا آغاز و ارتقاء

فصل اول

علم حدیث کا ابتدائی دور (ظہورِ اسلام تا ۴۰۰ھ)

حدیث رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل تقریر کا نام ہے آپ نے لوگوں کے سامنے قرآن پیش فرمایا اور اس کی تشریح ووضاحت بھی کی۔ پھر آپؐ نے اپنے عمل کے ذریعے لوگوں کو متاثر کیا اور آخر میں آپؐ نے اسلامی ریاست قائم کی جس میں قرآن کے احکام نافذ کیے اور اس قرآن کی ہدایت کے مطابق تفصیلی احکام مرتب کیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کے علاوہ آپؐ کا قول وفعل تقریر حدیث کے نام پر مرتب ہوا۔ ہم اس باب میں قرآن کی تشریح وتفسیر اور آپؐ کے تمام دینی اقدامات کو وضاحت سے بیان کریں گے جو اب حدیث وسیرت کے نام پر ہمارے ذخیرہ علم میں اپنی روشنی مہیّا کر رہے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ بحثیت معلم مبعوث ہوئے تو مکہ مکرمہ کے حالات موزوں نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ اپنے فرائض معلمی سرانجام دیتے رہے اس دور میں باقاعدہ طور پر تو درسگاہ نہیں تھی البتہ دارِارقم، شعب ابی طالب اور بیتِ فاطمہ بنتِ خطاب کو کسی حد تک درسگاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ امام حاکم نے دارِارقم کو مرکز علم وحکمت قرار دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ "كانَ النبی ﷺ یسکن فیھَا فی اول الاسلام و فیھَا یدعو الناسَ الی الاِسلام فاسلم فیھا قوم کثیر"(۱)

"رسول ﷺ ابتدائے اسلام سے اسی مکان دارارقم میں قیام فرماتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے" اور ابولولید ارزقی کے مطابق "یجتمع ھو واصحبه عندالارقم بن الارقم ویقرء ھم القران ویعلھم فیه"(۲)

رسول ﷺ اور صحابہ کرام دارارقم میں جمع ہوتے ہوتے تھے اور آپ ﷺ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی مدت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں میں ایمان وایقان کا جذبہ بیدار ہوا اور علی الاعلان کعبہ میں نماز ادا ہونا شروع ہوئی۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مرکزی درسگاہ صفہ مسجد نبوی میں قائم ہوئی جس میں سید المعلمین رسول ﷺ خود تعلیم دیتے تھے آپ ؐ کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبارہ بن صامتؓ اس عظیم درسگاہ علم وحکمت کے معلم تھے(۳) رسول ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ کی مساعی جمیلہ کی بدولت اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور اردگرد کے خطوں تک اسلام کی روشنی پہنچی تو ان ملکوں میں بسنے والے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو وہ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے کا تقاضا کرنے لگے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے ان شہروں کو پسند کرکے انہیں اپنا وطن بنالیا پھر زندگی بھر وہیں مقیم رہے۔ وہاں قرآن وحدیث کے مراکز کھولے ان صحابہ کرام سے مختلف علاقوں کے طلباء ان کے چشمہ علم سے اپنی پیاس بجھاتے اور ان سے وہ فیوض حاصل کرتے جو انہوں نے سرکار کائنات ﷺ سے ورثہ میں پائے تھے(۴) عرب اور برصغیر کے تعلق کو تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قدامت کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ البتہ اتنا وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ رشتہ کرہ ارض پر انسانی وجود کے ساتھ سے ہی چلا آرہا ہے۔ قصص الانبیاء کی اہم کتب سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا کی طرف بھیجے گئے تو ارضِ ہند کے جنوبی علاقہ سری لنکا میں اتارے گئے(۵) جبکہ ان کی بیوی حضرت حوا علیہ السلام سعودی عرب کے موجودہ جدہ میں اتاری گئی حضرت آدمؑ ہند سے چل کر حضرت حواؑ کو عرفات (جو مکہ کے قریب ایک میدان ہے) میں جاملے(۶) یہ عرب اور ہند سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی پہلی ملاقات تھی اس کے بعد زمانہ قدیم سے دورِ حاضر تک یہ تعلقات چلے آرہے ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ایک فطری عمل تھا۔ کیونکہ عرب لوگ تاجر تھے اور آس پاس کے ملکوں کی منڈیوں تک مال لاتے اور لے جاتے تھے ہندوستانیوں اور عربوں میں قدرے مشترک بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا تھی بعض عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں رہائش اختیار کرلی تھی اس طرح قبل از اسلام ہی سے دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے سے متعارف تھے(۷)

رسالت مآب ﷺ اور آپؐ کے جاںنثاران برصغیر کی اور اس خطہ کی مختلف چیزوں کی واقفیت رکھتے تھے ان چیزوں میں مشک، کافور، قرنفل (لونگ) فلفل (مرچ) عود ھندی، قسط ہندی، مساج (مارساگوان کی لکڑی) ہندی تلواریں اور ہند کے بعض کپڑے بھی عرب میں پسند اور استعمال کیے جاتے تھے ان اشیاء کو حضور اکرم ﷺ خود بھی استعمال فرماتے تھے احادیث رسول ﷺ میں بھی ہندوستان کا ذکر موجود ہے روایات میں غزوہ ہند کا بھی تذکرہ ملتا ہے (۸)

برصغیر میں اسلام کی خبر تو اسی وقت پہنچ گئی تھی جب اس عالمگیر دین کا دروازہ اہل عرب (مکہ) پر کھلا (۹) تاریخ کے ورق اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ قافلے جو عرب و ہند کے درمیان بغرض تجارت رواں دواں تھے پہلے پہل اسلام نے انہی کے ہاتھوں ہندوستان کی سرحد پار کی (۱۰) دراصل برصغیر میں خلفاءراشدین کے زمانہ سے اسلام آ گیا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مغربی ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہو گئی تھیں عام طور پر یہ تابعین تھے جو ہندوستان میں آئے انہی تابعین کے ہاتھوں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا (۱۱)

سرزمین عجم پر فتوحات کا سلسلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے شروع ہوا اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ کار بہت وسیع ہو گیا۔ اگر حضرت عمرؓ نے ان مہم جو عربوں کو منع نہ کیا ہوتا جو ہند کو فتح کرنے کی غرض سے ۲۳ھ / ۶۴۳ء میں بری اور بحری حملوں کے ساتھ مہم جوئی پر مصروف تھے تو برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کا آغاز خود صحابہ کرام کے زمانہ سے ہو گیا ہوتا۔ اس واقعہ کے بعد اس علاقہ کو فتح کرنے کی منظم کوشش اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان ۸۲ھ / ۹۶ء، ۵۰۷ھ تا ۱۴ ۷ء کے عہد سے قبل کی گئی پھر اسی خلیفہ کے عہد میں سندھ فتح ہوا یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کا شماران مسلم ممالک میں نہیں کیا جاتا جہاں صحابہ کرام نے اپنی زبان سے احادیث بیان کیں (۱۲) البتہ کئی ایک صحابہ کرام کے ہندوستان میں آنے کا ذکر ملتا ہے کہ وہ اس خطہ میں علم حدیث کی تبلیغ کے چلتے پھرتے مدرسے تھے تاہم اس زمانے میں حالات ایسے نہ تھے جن میں اشاعت دین کا کام پوری توجہ سے سرانجام دیا جا سکتا تھا (۱۳)

پہلی صدی کے آخری حصہ میں سندھ میں مسلمانوں کی خود مختار اور مستقبل سلطنت کا دارالحکومت قائم ہوا جب ۱۲ ۷ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا برصغیر میں اسلامی علوم کے آغاز اور ان کی اشاعت کے بارے میں سب سے پہلا

اور باقاعدہ تحریری ثبوت محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے حاصل ہوتا ہے۔ عرب فوج میں قرآن مجید کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ قرآن کی قرأت پابندی سے کیا کریں(۱۴)

سندھ کے علاوہ شمالی مغربی سرحد سے سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ / ۱۰۰۲ء میں داخل ہو کر اسلام کے فروغ اور ترویج واشاعت کے لئے راہ ہموار کی اور غزنوی عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور گردنواح میں پھیل گئیں (۱۵) ابتدائی چار صدیوں میں لوگوں کا رجحان صرف حدیث نبویؐ کی طرف تھا کیونکہ جب برصغیر میں اسلام داخل ہوا تو قرآن وحدیث کے علاوہ اس خطہ میں کسی اور علم کا وجود نہ تھا۔ لوگ علماء ومحدثین کو قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ ابوالقاسم مقدسی جس نے غزنوی کے حملہ سے قبل ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء میں سندھ کو دیکھا تھا وہ لکھتا ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حدیث کی طرف رجحان رکھنے والے ہیں(۱۶)

اس دور میں سندھ اور ملتان سے تعلق رکھنے والے کئی محدثین مشہور ہوئے جن کو ان کے مراکز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے سندھ ہندوستان موجودہ پاکستان کا بہت بڑا علاقہ ہے اس میں کرمان، سجستان، دیبل، کراچی، منصورہ اور قصدار کے علاقے شامل ہیں بعض لوگوں نے ملتان کو بھی سندھ میں شامل کیا ہے(۱۷)

اس علاقہ کے مشہور محدثین مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ابو معشد نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی م(۱۷۰ھ / ۷۸۴ھ) (۱۸)

(۲) حافظ ابوبکر محمد بن رجاء السندھی م(۲۸۶ھ / ۸۹۹ھ) (۱۹)

(۳) ابوعبداللہ محمد بن رجاء سندھی م(۲۴۶ھ / ۸۴۰ھ) (۲۰)

(۴) ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح منصوری یہ چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے منصورہ دوسری صدی ہجری کا مشہور شہر تھا جس کو اہل ہند بھکر کہتے تھے اور اس میں علم حدیث کی کافی نشرواشاعت ہوئی۔(۲۱)

(۵) ابو محمد عبداللہ بن جعفر مرہ منصوری (م ۳۹۰ھ / ۱۰۰۰ء) (۲۲)

(٦) ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م ۳۳۲ھ/ ۹۸۴ء) دیبل کراچی کا مشہور شہر ہے۔ جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا اس کے واقعات کافی مشہور ہیں (۲۳)

چوتھی صدی کے آخری حصہ تک اس خطہ میں علم حدیث کی خدمت ہوتی رہی اور مختلف علاقوں سے طلباء اس علم سے سیر اب ہوتے رہے مگر جب اس خطہ پر اسمٰعیلیوں کی حکومت قائم ہوئی تو ان کا اثر آٹھویں صدی ہجری تک کسی نہ کسی شکل میں باقی رہا۔ بر صغیر کے ان علاقوں پر عربوں کی حکومت ختم ہونے سے عرب میں موجود مراکز علم حدیث سے سندھ کا رابطہ منقطع ہو گیا سندھ میں عرب حکومت کمزور ہونے کی وجہ سے جب غزنویوں اور غوریوں کی حکومت بر صغیر میں قائم ہوئی تو براہِ راست محدثین کرام کی آمد کم ہو گئی اور خراسان کے علماء یہاں تشریف لائے اس دور میں مذاہب اربعہ کا رواج بھی متعارف ہو چکا تھا اور فاتحین بھی حنفی مکتب سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے ساتھ جو لوگ فقہاء کرام تشریف لائے ان کو علم حدیث سے کم شغف تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس بات کی صراحت کی ہے "واشتغالھم بعلم الحدیث قلیل قدیما و حدیثاً" (۲۴)

اور ان کی قدیم اور جدید زمانہ میں علم حدیث کے ساتھ مشغولیت کم تھی اور سید عبد الحیی حسنی نے اسی بات کو کچھ یوں لکھا ہے کہ ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد کے بعد بر صغیر میں حدیث کی طرف رجحان کم رہا زیادہ تر ادب ، شعر، فقہ، اصولِ فقہ، ریاضی اور یونانی علوم کی طرف رجحان کرتے تھے علم حدیث پر جو کام محمد بن قاسم سے شروع ہوا اس کو ادب حدیث پر با قاعدہ کام کہا جا سکتا ہے مگر یہ کام جو سلطنت ابن قاسم میں ہوا جو سلطنت دیبل، منصورہ اور ملتان پر مشتمل تھی انہی تین شہروں سے علم حدیث کی ابتداء ہوئی قیاس کیا جاتا ہے کہ علم حدیث کے ابتدائی دور میں یہ تینوں شہر علم حدیث کے مرکز ہوں گے اور یہاں پر تصنیف و تالیف کا کام بھی ہوا ہو گا جو یا تو امتداد زمانہ کی نذر ہو گیا یا بعد میں قرامطہ اہل تشیع کی ایک شاخ ہے جو بہت متشدد اور غالی ہیں یہ لوگ اپنے عقائد بزور شمشیر قبول کرنے پر مسلمانوں کو مجبور کرتے تھے انہوں نے اس علم کو نقصان پہنچایا۔ (۲۵)

ان خطوں میں جن محدثین نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں ان میں موسیٰ بن یعقوب ثقفی بصری کا نام بہت معتبر ہے آپ حدیث کے میدان میں مہارت اور دسترس رکھتے تھے آپ کو محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں شہر روڑ کا قاضی

مقرر کیا اور انہوں نے ساری زندگی سندھ میں گزاری اور اسی خطہ میں وفات پائی (۲۶) ان کے بعد جس محدث نے اس خطہ میں علم حدیث کی اشاعت کی وہ ابو حفص ربیع بن صبیح السعدی البصری تبع تابعی تھے یہ ۱۵۹ھ میں بنو عباس کے خلیفہ مہدی کے حکم سے جو فوج ہندوستان روانہ ہوئی اس کے ساتھ آئے اور پھر سندھ میں ہی سکونت پذیر رہے انہوں نے تصنیف و تالیف کا کافی کام کیا اور اس خطہ میں علم حدیث کو پھیلایا اور تقریباً ۱۷۰ھ میں وفات پائی اور گجرات کے ضلع بھروج کا مقام پہاڑ بھوت میں مدفون ہیں (۲۷) ان کے ساتھ ایک اور محدث جو اس دور میں مشہور ہیں وہ اسرائیل بن موسیٰ بصری تابعی ہیں یہ امام حسن بصری، وہب بن منبہ اور محمد ین سیرین کے شاگرد ہیں ان کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ یہ اکثر ہندوستان کا سفر کرتے تھے اور اس دوران یہاں علم حدیث کی نشر و اشاعت کا کام کرتے ہوں گے اور دوسری روایت یہ کہ انہوں نے بصرہ ترک کر کے ہندوستان میں سکونت رکھی اور یہی وفات پائی (۲۸) ان کے ساتھ اور مشہور محدثین گزرے ہیں جنہوں نے اس خطہ میں حدیث کی خدمت کی ہے ان میں عبداللہ بن محمد علوی، عمرو بن مسلم باہلی ان کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے سندھ کا عامل بنا کر بھیجا تھا یہ حدیث میں کافی ذوق رکھتے تھے (۲۹)

اس خطہ پر جب تک عربوں کی حکومت رہی حدیث کے علم سے طلباء سیر اب ہوتے رہے اور حدیث پر کام ہوتا رہا۔ لیکن یہ کام محفوظ نہیں ہو سکا تاریخ کے اوراق اسے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ سکے بہر حال چوتھی صدی میں ملتان پر قرامطہ نے قبضہ کر لیا جسکی وجہ سے منصورہ اور دیبل کی اہمیت بھی ختم ہوگئی قرامطیوں نے ملتان کو اپنے نظریات وعقائد کا مرکز بنالیا اور اشاعت شروع کر دی جسکی وجہ سے اس خطہ سے خدام علم حدیث کی تابانیاں ختم ہونے لگیں اور اس طرح برصغیر میں حدیث کے علم کے ساتھ رغبت کم ہونے لگی اور بقول ڈاکٹر خاکوانی کہ "اس طرح سے برصغیر سے علم حدیث کے ابتدائی دور کا خاتمہ ہوا" (۳۰)

فصل دوئم

علم حدیث کا وسطی دور (۴۰۰ھ تا ۹۰۰ھ)

برصغیر میں علم حدیث کا وسطی دور ترک حکمران محمود غزنوی سے شروع ہوتا ہے اور مغلیہ دورِ حکومت سے ذرا قبل یعنی سکندر لودھی دورِ حکومت تک جاتا ہے یہ تقریباً پانچ صدیوں پر محیط دور ہے اس دور کو اس خطہ میں علم حدیث کی ترقی کا نیم تاریک دور کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس دور میں مدارس میں حدیث کی بجائے دوسرے علوم عقلی کی بڑی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں مگر حدیث کی کتب برائے نام ہوتی تھی اور دوسری بات یہ کہ اس پانچ سو سال کے دوران کوئی احیاء علوم حدیث کی تحریک بھی نہیں اٹھی اس کی وجوہات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں حکومت کا پایہ تخت دہلی رہا ہے جسکا کوئی باقاعدہ رابطہ عرب کی حکومتوں کے ساتھ نہیں تھا۔ کیونکہ عرب جانے کے لیے خشکی کا طویل راستہ یا بحری راستہ تھا اس لئے خاطر خواہ تعداد میں علماء حدیث اس خطہ میں نہ آسکے جو علماء اس خطہ میں آئے وہ ایران اور خراسان سے تشریف لائے وہ یا تو میدان تصوف کے شہسوار اور علوم حدیث میں کم ادراک رکھنے والے تھے اور حقائق یہ بھی بتائے ہیں کہ یہ مکمل طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس دور میں علم حدیث کی خدمت بالکل ہوئی بھی نہیں بلکہ جس طرح برصغیر میں حدیث کے ابتدائی دور میں نامور محدثین کا تذکرہ ہوا ہے وہ حالات اس وسطی دور میں نہیں البتہ درس وتدریس کے ذریعے حدیث کی اشاعت نہیں ہوسکی۔(۳۱)

سلاطین دہلی کے آخری ادوار میں مسلمانوں نے گجرات (کاٹھیاوار) کے صوبہ پر قبضہ کرلیا اور سمندری راستے کو بحری قزاقوں سے پاک کرلیا عرب اور برصغیر کا بحری تعلق مضبوط کیا اس بحری راستہ کے ذریعہ برصغیر کے مسلمان عرب گئے وہاں سے علوم حدیث سے مالامال ہوکر واپس آئے علم حدیث کے وسطی دور کا آغاز محمود غزنوی کی برصغیر میں آمد کے بعد لاہور سے ہوتا ہے کیونکہ لاہور غزنوی حکومت کا دارالخلافہ تھا محمود غزنوی ۳۸۸ھ میں فاتح کی حثیت سے برصغیر میں داخل ہوا اس کے دور میں حدیث پر جو کام ہوا اسکا تعارف پیش خدمت ہے۔ سب سے پہلے محدث جو غزنوی کے دور میں برصغیر میں تشریف لائے ان کا نام شیخ اسمٰعیل لاہوری تھا آپ حدیث کے میدان میں امام کی حثیت رکھتے تھے بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ اور کردار سے مسلمان ہوئے آپ کی وجہ سے حدیث اور تفسیر پہلی بار لاہور میں عام ہوئی آپ علم حدیث کی خدمت کرتے رہے اور ۴۸۸ھ میں آپ کا انتقال لاہور میں ہوا۔(۳۲)

اس دور میں حدیث کے ایک اور امام جن کا نام رضی الدین الحسن الصنعانی القرشی تھا آپ خسرو شاہ غزنوی کے دور حکومت ۵۷۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے صنعان ان کے خاندان کا نام تھا جو ہندوستان میں صنعان اور عرب میں صفان کے نام سے مشہور ہوا یہ نام ایران کے ایک علاقہ صفانیاں کی طرف منسوب ہے آپ کے قلم سے تحریر ہونے والی (علم حدیث کے موضوع پر) ایک کتاب کو علم حدیث کے میدان معرکۃ الاراء کتاب تصور کیا جاتا ہے۔ جس کا نام ہے "مشارق الانوار" جو حدیث کی مختلف کتابوں کا مجموعہ ہے برصغیر میں اس کی اتنی مقبولیت تھی کہ اس کے بارے میں مشہور ہے جو مشارق الانوار اور مشکٰوۃ پڑھ لیتا تھا تو اسے محدث سمجھا جاتا تھا۔(۳۳)

غزنوی اور غوری دور میں علم حدیث پر ہونے والے کام کی شہادت امام صنعانی کے حالات اور تحریرات کی بدولت منظر پر ظاہر ہوتی ہے۔ امام صنعانی نے ابتدائی تعلیم برصغیر سے حاصل کرنے کے بعد عرب کا سفر کیا اور مکہ مکرمہ میں یہ کتاب تحریر فرمائی اور ۶۵۰ھ میں آپ نے وفات پائی بغداد میں دفن ہوئے امام صنعانی کے دور میں بھی لاہور مرکز علم حدیث رہا آپ کو قطب الدین ایبک نے لاہور کا قاضی بننے کی پیشکش کی لیکن آپ نے یہ عہدہ قبول نہیں کیا(۳۴) اس کے بعد آپ مستقل بغداد میں قیام پذیر رہے لیکن جب شمس الدین التمش نے حکومت سنبھالی تو امام صنعانی نے دہلی کا سفر کیا اور بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی کتاب مشارق الانوار پیش کی جس پر بادشاہ نے ان سے دہلی میں رہنے کی درخواست کی آپ کچھ مدت دہلی میں رہے پھر معذرت کرلی اور واپس بغداد چلے گئے(۳۵) اسی دور میں ملتان میں دو بزرگ حضرت موج دریا اور حضرت شاہ یوسف گردیز تشریف لائے انہوں نے علم حدیث کا احیاء کیا اور قرامطیوں کا زور توڑا(۳۶)

غزنوی خاندان کے اختتام اور سلطنت غوریہ کے آغاز کے بعد خاندان غلاماں کے بانی قطب الدین ایبک نے دارالخلافہ لاہور سے دہلی منتقل کر دیا تو اس کے نتیجہ میں دہلی اور ملتان علوم حدیث کے مرکز تصور ہونے لگے اس دور میں ملتان سے علم حدیث کا احیاء ہوا حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی جو برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں آپ صاحب علم اور عالم باعمل تھے۔ آپ ۵۶۶ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے اور عمر کے ابتدائی سالوں میں خراسان اور عرب کا سفر کیا اور مدینہ منورہ میں دیار حبیب خدا ﷺ پر شیخ کمال الدین محمد محدث یمن سے درس حدیث لیا اور کافی عرصہ وہیں مقیم رہے اور علم حدیث کے درس و تدریس میں مشغول رہے۔ سند فراغت پا کر آپ بغداد تشریف لائے اور حضرت شہاب الدین

سہر وردی سے بیعت کی اور بادشاہ قطب الدین ایبک کی حکومت میں ملتان تشریف لائے اور یہاں آکر آپ نے مدرسہ ناصریہ کی بنیاد رکھی اور علم حدیث کی خدمت میں مصروف ہوگئے (۳۷)

حضرت بہاءالدین زکریاملتانی نے اس خطہ میں علم حدیث کو خوب پھیلایااور علوم عقلی و نقلی سے لوگ آپ سے متاثر ہوکر آپ سے عقیدت و محبت کرنے لگے اور مریدین کی صف میں شامل ہوتے گئے ان کے عقیدت مندوں کے بارے میں سید سلیمان ندوی یوں تحریر کرتے ہیں کہ "حضرت بہاءالدین زکریاملتانی کے مریدین سندھ سے لے کر بنگال تک پھیلے ہوئے تھے (۳۸) آپ نے ملتان میں سو سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کا مزار آج بھی مرجہ خلائق بناہوا ہے اور لوگ طول و عرض سے سلام عقیدت کرنے آتے ہیں اور برصغیر کی عظیم درسگاہ بہاءالدین زکریایونیورسٹی ملتان بھی آپ کے نام سے منسوب ہے جو پاکستان کی عظیم درسگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے شیخ صدرالدین اور پھر ان کے پوتے شیخ رکن الدین نے ملتان میں علم حدیث کا درس جاری رکھاان کے ساتھ ساتھ دہلی میں مولانابرھان الدین محمود جو کہ شاگرد خاص تھے صاحب مشارق الانوار کے آپ غیاث الدین بلبن کے دور میں دہلی میں آئے اور علم حدیث کی اشاعت و تبلیغ کاموثر کام کیا آپ کی وفات ۶۷۸ھ میں ہوئی ان کے بعد ان کے شاگرد کمال الدین زاہد نے درس حدیث شرع کیا آپ نے بھی شاہ بلبن کازمانہ پایا آپ کی زیادہ وجہ شہرت یہ بنی کہ آپ حدیث کے میدان میں شیخ نظام الدین اولیاء کے استاد تھے (۳۹)

آپ نے ۶۸۳ھ ہجری میں دہلی میں وفات پائی شاہ بلبن نے آپ کو امام کا عہدہ دیناچاہاپر آپ نے انکار کر دیااور درویشی اور سادگی کو پسند فرمایاان کے بعد ایک اور قابل ذکر محدث امام محمود البلخی میں جو غیاث الدین بلبن کے دور میں دہلی آئے سلطان ہر جمعہ ان کے پاس آتے اور ان کی صحبت سے علمی نفع حاصل کرتے۔ امام بلخی کی وفات ۶۸۷ھ میں ہوئی اور دہلی میں سپرد خاک ہیں۔

ان حضرات خدام الحدیث کی وفات کے بعد برصغیر میں بالعموم اور دہلی میں بالخصوص خدمت علم حدیث کا سہرا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی قسمت میں آیااور آپ نے بڑی بہادری، جرات اور جانفشانی سے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی سعی کی اور اس راہ میں مشکلات، رکاوٹوں کو اور رواجوں کو پس پشت ڈال کر لوگوں کو علم حدیث پر عمل

کرانے کے لیے باقاعدہ درس حدیث کا آغاز کیا۔ اس راستہ پر آپ کو شدید مخالفت اور تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر آپ نے مناظرہ جات بھی کیے اور خدمت حدیث میں اپنا نام روز روشن کی طرح عیاں کیا۔ یہ وہ دور تھا جب لوگ حدیث سے نا واقف تھے اور نہ حدیث کی کتب کو پڑھتے نہ جانتے تھے اور نہ ہی محدثین کے بارے میں زیادہ جانتے تھے مشکوٰۃ کو بھی علم و فہم کے لیے نہیں برکت کیلئے پڑھا جاتا تھا لوگ تقلید کے قائل تھے تحقیق کی طرف ان کا میلان نہیں تھا اس لیے یہاں زیادہ تر ایسے فتاوٰی جات دیئے جاتے تھے جن میں فقہ کو احادیث پر فوقیت دی جاتی تھی(۴۰) اس کی تائید فقہاء ہند میں درج اس تحریر سے ہوتی ہے کہ شیخ شمس الدین ترک برصغیر میں سلطان علاء الدین خلجی کے دور میں وارد ہوئے تو یہاں کے حالات کے بارے میں سلطان کو لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے تمہارے شہر میں حدیث مصطفٰی ﷺ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں تو وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں پھوٹنے لگتے(۴۱)

سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں کہ اس دور میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کی جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں مسئلہ سماع کی تحقیق کیلئے ایک مجلس منعقد ہوئی مناظرہ کے ایک فریق خواجہ نظام الدین اولیاء تھے اور دوسری طرف قاضی رکن الدین قاضی القضاء اور باقی سب درباری علماء تھے شیخ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث پیش کرتا تو علماء بڑی جرات اور بے باکی سے کہتے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی کہتے کہ اس حدیث سے شافعی نے استدلال کیا ہے اور ہم اس حدیث کو نہیں مانتے کیونکہ شافعی ہمارا مخالف ہے۔(۴۲) اس عمومی صورت حال کے باوجود بھی خواجہ نظام الدین نے علم حدیث کو برصغیر میں پھیلانے کیلئے بہت کوششیں کیں اور اس بے اعتنائی بے اعتدالی اور جمود کو ہر گز قبول نہ کیا اور اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی اور آپ کو سلطان والاولیاء کا لقب دیا گیا آپ نے ۷۲۰ھ کو وفات پائی(۴۳) ایک اور عالم حدیث مولانا شمس الدین جو مصر کے مشہور محدث تھے ۷۰۰ھ میں تین سو علم حدیث کی کتابوں کے ساتھ برصغیر میں وارد ہوئے تاکہ حدیث کی اشاعت کرسکیں مگر جب ملتان پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ بادشاہ (علاء الدین خلجی) بے نمازی ہے ان پڑھ ہے جمعہ کو بھی مسجد میں نہیں آتا۔ تو ان کو بہت مایوسی ہوئی اور بادشاہ کو ایک خط لکھ کر واپس معر چلے گئے۔(۴۴) مولانا کا واپس جانا برصغیر میں اشاعت حدیث کے میدان میں ایک ناقابل تلافی نقصان تھا کیونکہ جس خطہ میں صرف مشارق

الانوار پائی جاتی تھی اگر اس خطہ میں علم حدیث کی تین صد کتابیں پائیں جائیں تو لازماً آج اس کا پھل امت مسلمہ میں زیادہ لذیذ بن کر ابھرتا۔

خواجہ نظام الدین کی وفات کے بعد آپ کے شاگردوں جن میں مولانا فخر الدین زواری، نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور حضرت خواجہ گیسو درازم ۸۲۵ھ علم حدیث کو فروغ دینے کی کوشش تو کی مگر وہ مستعدی نہ رہی جو خواجہ نظام الدین اولیاء کی حیات میں تھی تعلق دور حکومت میں حدیث کے مقابلہ میں علم فقہ پر زیادہ کام ہوا اور علم حدیث سے لوگوں کی توجہ ہٹتی گئی یہاں تک کہ نواب مظفر خاں نے م ۸۱۳ھ جب دہلی سے بغاوت کی اور گجرات کاٹھیاوار جو آجکل ہندوستان میں ہے وہاں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کیا اور عرب وہند کو بحری راستہ سے ملایا اور بحری راستہ سے عرب کی بلا واسطہ آمد ورفت شروع ہوئی (۴۵) جسکے نتیجے میں محدثین عرب سے برصغیر میں تشریف لائے جن کے آنے کی وجہ سے علم حدیث کے سنہری دور کا آغاز ہوا جسکا ذکر علم حدیث کے تیسرے دور سے منسوب کیا جاتا ہے اس تیسرے دور کا تعارف پیش خدمت ہے۔

فصل سوئم

علم حدیث کا تیسرا دور ۹۰۰ھ تا دم حاضر

برصغیر میں علم حدیث کا عروج اس دور میں ہوا اور اس زمانہ کو حدیث کے فروغ کا حقیقی زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دور نویں صدی کا خاتمہ اور دسویں صدی کے شروع سے شروع ہوا اور الحمد اللہ عصر حاضر تک جاری ہے۔ اسی دور میں احیاء علوم حدیث پر کافی کام ہوا اور حدیث رسول ﷺ کی اہمیت و فضیلت پر نئے انداز سے کام کیا گیا اور علم حدیث کی ترویج واشاعت کیلئے تین تحریکیں اٹھیں پہلی تحریک کا آغاز اس عہد میں ہوا جب مصر، شام، حجاز میں حافظ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی آپ ۸۵۶ھ / ۱۴۵۶ء کو والد صاحب سے علوم صرف و نحو مصر میں حاصل کیے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور عظیم اساتذہ کرام سے علم حدیث حاصل کیا اور ہند میں تشریف لائے تو آپ کو ملک المحدثین کا خطاب دیا گیا اور سلطان ہند محمود شاہ کی طرف سے آپ کی بہت عزت آفرائی ہوئی حافظ سخاوی کے فیض کی کرنیں دنیاء اسلام کے ہر گوشہ پر پڑی اور ہندوستان کے علماء نے ان سے بہت استفادہ کیا عمر آصفی کے مطابق آپ کی وفات ۹۶۹ھ / ۱۵۶۶ء میں احمد آباد میں ہوئی۴۹ جبکہ عبدالحیی حسنی کے مطابق آپ کی وفات ۹۱۹ھ میں ہوئی

(۴۷)۔ ہندوستان کے علماء نے علامہ سخاوی سے علم حدیث کے میدان کافی استعفادہ کیا اس کا سبب یہ تھا کہ گجرات کا صوبہ جو ساحل سمندر پر واقعہ تھا ہندوؤں کے زیر اثر تھا جس کی وجہ سے مسلمان عرب جانے کے لئے بحری راستہ استعمال کرنے سے قاصر تھے تغلق دور میں نواب مظفر خاں جو اس صوبہ کا گورنر تھا نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور عرب و ہند کو بحری راستہ سے ملا دیا نواب صاحب کی وفات کے بعد ان کا بیٹا تخت نشین ہوا اس نے علماء کی بہت قدر کی اس وجہ سے محدثین گجرات تشریف لائے اور گجرات علم حدیث کا مرکز بن گیا بعد میں دسویں صدی ہجری میں اکبر نے جب گجرات کی حکومت پر قبضہ کر لیا تو گجرات دہلی و آگرہ کے ساتھ مل گیا تو پھر گجرات کی بجائے دہلی علم حدیث کا مرکز بن گیا جو مغلیہ دور کے آخر تک رہا۔ ہندوستان میں علم حدیث کو جو فروغ ملا اور علم حدیث میں ترقی اور عروج آیا اس کا سہرا گجرات (کاٹھیاوار) کے محدثین کے سر ہے۔ اس سرزمین پر جو سب سے قبل علم حدیث کی خدمت کرنے بزرگ آئے ان کا نام مولانا وجیہہ الدین محمد ہے انہوں نے علم حدیث کے فروغ کیلئے بہت کام کیا اور ان کا شمار اکابر علماء و شیوخ میں ہوتا ہے ان کو حکومت وقت نے ملک المحدثین کا خطاب دیا۔

آپ نے بہت ساری تالیفات لکھیں بالخصوص مولانا وجہہ الدین کا ذوق شروح اور تعلیقات کی طرف تھا۔ شرح جامی شرح ارشاد کے حواشی اور بعض کتب کی شروح مثال کے طور پر شرح التجرید اور شرح دقایہ تحریر کیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے علامہ عسقلانی کی کتاب نخبۃالفکر کی شرح بھی تحریر کی آپ نے بہت عظیم مقام پایا اور ۹۲۹ھ میں وفات پائی آپ احمد آباد بھارت میں دفن ہوئے (۴۸) انہی دنوں ایران میں صفوی شیعہ اقتدار کی وجہ سے اہل سنت کے بے شمار خدام الحدیث وہاں سے ہجرت فرما کر برصغیر میں تشریف لائے ان میں ایک عظیم بزرگ نورالدین شیرازی تھے آپ بھی گجرات میں آئے علم حدیث کی خدمت کی علاوہ ازیں مولانا راجح بخش داؤد گجراتی آپ ۸۷۱ھ میں احمد آباد میں پیدا ہوئے علم حدیث میں خاص شہرت کے حامل ہیں صرف نحو، منطق میں اپنی مثال آپ تھے آپ نے ۹۰۴ ہجری میں وفات پائی (۴۹) ان کے ساتھ مولانا علاؤالدین احمد ہرو الی ۹۴۹ھ جمال الدین محمد بن عمر حضرمی ۹۳۱ھ بہت معروف تھے اور بادشاہ وقت نے ان کی بہت قدر کی ان بزرگوں کی بدولت گجرات علم حدیث کے فروغ کا مرکز رہا۔ مگر مغلیہ خاندان کے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے حملہ کے بعد یہ مرکز گجرات سے دہلی منتقل ہو گیا دہلی میں سب سے پہلے جس شخصیت نے خدام الحدیث میں اپنا نام اور کام پیش کیا ان کا تعارف سید رفیع الدین صفوی شیرازی ہے آپ حافظ سخاویؒ کے شاگرد تھے گجرات میں تھے سلطان سکندر لودھی نے ۹۰۰ھ میں آپ کو آگرہ بلوایا پھر آپ وہیں خدمت علم حدیث میں مشغول ہو گئے ان کی سعی مسلسل سے علم حدیث ہندوستان کے سارے علاقوں مثلاً پنجاب، سندھ، سرحد، حیدر آباد دکن، اور کشمیر وغیرہ میں روشنی بکھیرنے لگے۔ عربی ادبیات میں صدیقی صاحب رقمطراز ہیں کہ انکی آمد سے قبل ہندوستان میں صرف علم فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی مگر انہوں نے علم حدیث کو فروغ دیا ان کے شاگردوں میں ابوالفتح تھا تیسری بہت مشہور ہوئے (۵۰) انہی کی خدمت حدیث کے نتیجہ میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "یہ ہندوستان کے پہلے شخص تھے جنہیں محدث کا لقب دیا گیا انہوں نے پچاس برس تک آگرہ میں بیٹھ کر علم حدیث کی خدمت کی اور حدیث کی تحریک کو تقویت بخشی ان کے شاگردوں میں ملا بدایونی "مصنف تاریخ بدایونی" مولانا کمال الدین حسین اور ملا عیسیٰ مشہور ہیں (۵۱) ملا بدایونی جلال الدین اکبر کے امام اور ملا عیسیٰ آگرہ کے مفتی مقرر ہوئے۔

مولانا تھا تیسری کے ایک اور معاصر سید عبداللہ حسینی تھے یہ وہ محدث ہیں جنہوں نے برصغیر میں سب سے پہلے فیض الباری کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھ پر امت کو پہلی شرح بخاری سے نوازا اور خادم حدیث ہونے کا شرف

حاصل کیا۔ آپ نے ۹۶۵ھ میں آگرہ میں ہی وفات پائی ان عظیم محدثین کے علاوہ سید عبد الاول حسینی آپ جونپور سے تعلق رکھتے تھے ۸۳۲ھ میں پیدا ہوئے آپ علم حدیث میں بہت کمال رکھتے تھے احمد آباد میں درس و تدریس حدیث میں قیام پذیر رہے کہ ۹۶۸ھ میں وفات پائی اور قلعہ دہلی کے اندر مدفون ہیں درس و تدریس کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف میں کافی خدمات سرانجام دیں مثال کے طور پر علم الفرائض کی کتاب سراجی کی منظوم شرح تحریر کی علم تصوف میں فارسی میں پر مغز کتاب تحریر فرمائی اور انہوں نے بخاری کی شرح تحریر فرمائی اور خدمت علم حدیث کا شرف حاصل کیا ان کی شرح بخاری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے بر صغیر میں اولین شروح حدیث میں اس کو اعلیٰ مقام حاصل ہے (۵۲)

آپ کے تلامذہ میں مولانا عبد المالک عباسی گجراتی، شیخ طیب محدث سندھی بہت مشہور ہوئے ان کے علاوہ شیخ عبد المعطیٰ المکی م ۹۸۳ھ شہاب الدین احمد عباسی م ۹۹۲ھ شیخ محمد ین عبد اللہ خاکی م ۹۹۲ھ سید عبد اللہ عبد دوس م ۹۹۰ھ بھی گجرات کے مشہور محدث تھے۔ شیخ یعقوب کشمیری بھی بہت عظیم محدث تھے آپ عالم شباب میں ۲۶ برس کی عمر میں وفات پاگئے آپ نے شرح صحیح بخاری اور مغازی النبوۃ دو کتب تحریر فرمائیں یہ مجدد الف ثانی کے اساتذہ میں سے تھے اور ان کے علاوہ محدث سرحندی م ۱۰۶۰ھ حضرت مجدد الف ثانی کے اساتذہ میں سے تھے اور بہترین محدث تھے۔ ان کے بعد شیخ علی متقی جو کہ شیخ ان حجر مکی، محمد بن سخاوی کے شاگرد تھے ان کا دور آتا ہے۔ آپ برھان پور دکن میں ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گجرات سے حاصل کی اور پھر مجاز مقدس جا کر مذکورہ شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا پھر مکہ مکرمہ میں درس و تدریس میں مشغول رہے ۹۶۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے آپ نے علم حدیث میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں ۹۹۵ھ میں وفات پائی۔ آپ علم حدیث کے امام تھے آپ نے ایک جامع کتاب کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال تحریر کی جو عرب و عجم میں مقبول خاص و عام ہوئی اور نادر روزگار ہے اس کے علاوہ ایک مختصر مجموعہ منہج العمال تحریر کیا اور آپ کی تصانیف کی تعداد ایک صد بتائی جاتی ہے۔ (۵۴)

آپ کے شاگردوں میں شیخ محمد طاہر پٹنی ۹۹۲ھ شیخ عبد اللہ ۹۸۴ھ، شیخ عبد النبی گنگوہی ۹۹۱ھ۔ شیخ گنگوہی بر صغیر کے ممتاز محدثین میں شمار ہوتے ہیں آپ نے تصوف کے نام پر غیر اسلامی و غیر شرعی مشرکانہ رسومات کے خلاف جہاد شروع کیا اور سنت محمدیہ ﷺ اور اسلاف کے طریقوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ اس راہ میں آپ کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ والد صاحب نے بھی مخالفت کی مگر آپ ڈٹے رہے آخر کار ۹۷۱ھ میں اکبر شاہ تیمور نے آپکو طلب

کیا اور آپ کو ہند کے طول و عرض کا والی بنا دیا۔ علامہ گنگوہیؒ ایک مدت تک اس عہدہ پر فائز رہے اس دوران آپ کی خاص و عام میں کافی مقبولیت ہو گئی۔ اکبر شاہ کے دل میں آپ کی خاصی مقبولیت تھی اور بڑی قدو منزلت کرتا تھا وہ آپ سے حدیث سننے کیلئے خود آپ کے گھر آتا۔ آپ سے سماع حدیث کرتا، آپ کی خدمت کرتا، یہاں تک کہ آپ کو اپنے ہاتھ سے جوتے پہناتا اور آپ کے ہر فرمان کو اپنے لئے قابل اطاعت سمجھتا۔ اکبر کی اس عقیدت کی بنا پر بادشاہ کے وزراء و مقربین حسد کرنے لگے اور آپ کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں اور آپ کو برصغیر سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا آپ حجاز مقدس چلے گئے کافی عرصہ بعد آپ واپس آئے تو آپ پر تشدد کیا جانے لگا آخر کار آپ نے ۹۹۱ھ وفات پائی۔ آپ کی مشہور تالیفات میں وظائف النبی ﷺ، سنن الھدیٰ مشہور ہیں۔(۵۵) ان کے علاوہ شیخ پٹنی نے مجمع البحار حدیث کی لغت پر معروف کتاب تحریر کی علاوہ ازیں ان کے ساتھ اس دور میں شیخ بہلول لودھی اور مولانا لاہوری بہت معروف محدثین تھے (۵۶) احیاء علم حدیث کے پہلے تذکرے کے بعد اب دوسرے حصہ کا تعارف پیش خدمت ہے۔

احیاء حدیث کی دوسری تحریک جو کہ تیسرے دور میں شروع ہوتی ہے اس کا سہرا برصغیر کی عظیم شخصیت مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے سر ہے۔ آپ محرم ۹۵۸ھ / جنوری ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد سیف الدین اور دوسرے ممتاز علماء سے دہلی میں ہی حاصل کی آپ کے والد بھی محدث تھے قیاس کیا جاتا ھے کہ انہوں نے شیخ عبد الحق کو حدیث کی تعلیم بھی دی ہو گی مگر اس کا تحریری ثبوت نہیں ملتا مگر ۹۹۶ھ میں جب آپ نے حجاز کا سفر کیا تو ساری توجہ علم حدیث کے حصول پر گامزن کی اور مکہ میں اپنے شیخ سے صحاح ستہ کی اجارت حاصل کی۔ یہ زمانہ شیخ عبد الحق کی زندگی میں انقلابی موثر ثابت ہوا۔ اسی زمانہ نے انہیں مستقبل کا نامور محدث اور بلند پایہ مصنف بنانے کی راہ ہموار کر دی یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ علم حدیث پر توجہ سے قبل آپ درباری زندگی کی طرف کسی قدر مائل تھے لیکن جب وہ حجاز سے واپس آئے تو ان میں زبردست تبدیلی آچکی تھی آپ سادہ زندگی کو تمام چیزوں پر ترجیح دیتے تھے آپ سے قبل برصغیر میں حدیث کی وہ کتب پڑھائی جاتی تھیں جو عرب کے محدثین کی لکھی ہوئی تھیں اور تدوین کا کام بھی خال خال ہوتا تھا۔ مگر آپ نے فروغ علم حدیث کی ایسی شاندار تحریک چلائی کہ حدیث کی شروح تحریر کیں یہ اتنا اہم اور مقبول کام تھا کہ مولانا عبد الحق کی زندگی میں ہی ان کی تحریر کی ہوئی شروح کو مقبول خاص و عام کا درجہ حاصل ہونے لگا۔ آپ نے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا جسمیں دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے متعلق کتابیں بڑی تعداد میں

موجود تھیں۔ یہ کتابیں انہوں نے حرمین میں اپنی تعلیم کے دوران جمع کیں اور علم حدیث پر کتابیں دوسرے عرب ممالک سے بھی منگوائیں۔ علم حدیث کی نادر و کم یاب کتابیں نقل کرنے کے لئے آپ نے کاتب بھی رکھے علامہ طاہر پٹنی کی مجمع بحار الانوار کے ایک مخطوطہ پر درج ہے کہ یہ نسخہ ۱۰۱۹ھ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کیلئے نقل کیا گیا۔ یہ مخطوطہ نول کشور پریس لکھنو نے طبع کیا یہ دور آپ کے عروج کا دور ہے آپ ایک محدث اور خدا رسیدہ بزرگ کی حثیت سے اس قدر مشہور ہو گئے کہ شہنشاہ شاہ جہاں نے ملاقات کی خواہش کی اور خود آیا عقیدت کا اظہار کیا اور آپ سے دعاؤں کا طلبگار ہوا۔ آپ کی تحریر کی ہوئی کتابیں مدارس میں پڑھائی جانے لگی جسکی وجہ سے برصغیر کے لوگوں نے حدیث پر قلم اٹھایا اور یہ خطہ میدان حدیث میں عرب کے مقابلے پر آگیا۔(۵۷)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۲ء میں دہلی میں وفات پائی اور حوض شمسی کے قریب ایک مقبرہ جو انہوں نے خود تعمیر کرایا تھا اس میں دفن کیے گئے۔ آپ نے کافی تعداد میں کتابیں تحریر فرمائیں علم حدیث پر مندرجہ ذیل بہت مشہور و مقبول ہوئیں۔

(۱)۔ **الطریق القویم فی شرح صراط مستقیم:** یہ کتاب مستند احادیث کا مجموعہ ہے جو رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ، سیرت و کردار، عادات اور اخلاق مطہرہ سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کی قدر و قیمت اس حوالے سے بھی بڑھ گئی کہ جن احادیث کو چھوڑ دیا گیا تھا یا ضعیف قرار دے کہ مسترد کر دیا تھا آپ نے انہی احادیث کی چھان بین کر کے مستند احادیث کو اضافے کے ساتھ شرح میں درج کیا ہے۔ آپ نے جن ماخذ سے معلومات حاصل کیں ہیں ان کا ذکر مقدمہ میں وضاحت سے کیا ہے۔

(۲)۔ **الشعۃ اللمعات فی المشکوٰۃ:** یہ مشکوۃ کی شرح ہے جو آپ نے فارسی میں تحریر فرمائی نول کشور پریس لکھنؤ نے ۱۵-۱۹۱۳ء میں یہ کتاب ۵ جلدوں میں شائع کی اور ایک مشکوٰۃ کی شرح آپ نے للمعات بھی تحریر کی جو عربی زبان میں ہے دونوں شروح بیک وقت مکمل کیں۔ یہ شرح دو حصوں پر مشتمل ہے آپ نے فارسی میں مشکوۃ کے پورے متن کا ترجمہ کیا ہے اور مذاہب اربع سے متعلق احادیث کی واضح تشریح کی ہے اوران کے بارے میں سوالات کا بڑی وضاحت سے مدلل جواب دیا ہے۔

(۳)۔ **لعمات التنفہ فی شرح مشکوٰۃ المصابیح:** یہ کتاب بھی مشکوٰۃ کی شرح ہے اس میں فقہی مسائل پر جو بحث کی گئی ہے وہ مذکورہ بالا شرح سے زیادہ واضح اور مفصل ہے حالانکہ یہ کتاب بالا کتاب سے ضخامت میں کم ہے اول الذکر میں اسی ہزار سطریں ہیں اور موخر الذکر میں ایک لاکھ تیس ہزار سطریں ہیں (۵۸) اس فرق کا سبب یہ ہے فارسی میں اصل متن کو ترجمہ کرنا پڑا اور یہ شرح کیونکہ عربی میں تھی تو ترجمہ کی ضرورت نہیں ہوئی تو اسکی ضخامت کم ہوئی۔

(۴)۔ **الاکمال فی اسماء الرجال:** یہ کتاب ان راویوں پر ہے جن کا حوالہ مشکوٰۃ میں آتا ہے اس میں آپ نے راویوں کے حالات پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب شروح کے بعد آپ نے تحریر فرمائی۔ اس کتاب کے شروع میں چاروں خلفائے راشدین، ازواجِ مطہرات اور آل رسول ﷺ کے مختصر حالات درج کئے ہیں اصل کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کی ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے ابتداء ابو اللحم سے اور اختتام یا پر ہوا ہے اس کتاب میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے جو ممتاز محدثین کے مختصر حالات پر مشتمل ہے سب سے اول امام مالک اور آخر میں امام الطحاوی کے حالات لکھے گئے ہیں۔

(۵)۔ **جامع البرکات منتخب شرح مشکوٰۃ:** اس کتاب میں آپ نے مشکوٰۃ کے ہر ایک باب سے ایک یا دو احادیث منتخب کی ہیں اور ان احادیث کے مفہوم پر فارسی زبان میں عمدہ اور عالمانہ بحث فرمائی ہے۔

(٦)۔ **مَاثبتَ بالسنۃِ فی ایام السنۃ:** اس کتاب میں حدیث کی اقسام یعنی صحیح، حسن، ضعیف اور ان احادیث کا مجموعہ ہے جن کا تعلق نماز، روزہ اور دوسری عبادت و رسوم سے ہے۔ جو مہینوں، دنوں، اور راتوں سے متعلق ہیں۔ علامہ عبد الحق نے اس کتاب میں ہر ایسی مذہبی رسم جس کی علت متغیر روایات سے ثابت ہوا اسے جائز قرار دیتے ہیں اور جو رسمیں اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتی انہیں ناجائز اور مسترد کرتے ہیں۔ کتاب کا جو حصہ ماہ ربیع الاول سے متعلق ہے اس کا تیسرا حصہ رسول ﷺ کے حالات پر مشتمل ہے اور محرم سے متعلق حصہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کے بیان کو زیادہ جگہ دی گئی ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب شیخ عبد الحق محدث کی فارسی تصانیف کا ضمیمہ کہی جاسکتی ہے جن میں محدثین اور صوفیاء کے درمیان ان اختلافات پر بحث کی گئی ہے جو ہر سال مختلف رسوم کی ادائیگی کے سلسلہ میں پائے جاتے

ہیں۔اس کتاب میں شیخ عبدالحق نے اپنی رائے کا بھی اظہار کیاہے یہ کتاب مجموعی طور پر بہت اہمیت کی حاصل ہے۔یہ کتاب ۱۲۵۳ھ میں کلکتہ سے اور ۱۳۰۷ھ میں لاہور سے طبع ہو چکی ہے۔

(۷)۔ **الاحادیث الاَربعین فی ابواب الدین:** یہ ایک رسالہ ہے جس میں عبدالحق محدث دہلوی نے چالیس احادیث شامل کی ہیں جو دینی علوم سے متعلق ہیں اور اس میں تنبیہ کا انداز اپنایا گیاہے بعد میں آپ نے اس رسالہ کا ترجمہ بھی کیا جس میں بادشاہ اور شہنشاہوں کو تنبیہ کی گئی۔

(۸)۔ **دستور فیض النور:** یہ رسالہ فارسی میں ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کے لباس مبارک کے بارے میں وضاحت ہے اس میں اپ ﷺ کے لباس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔موضوع کے اعتبار سے یہ ایک اور رسالہ کے مماثل ہے جس کا عنوان ہے "رسالہ در آداب لباس۔"

(۹)۔ **ذکر اِجازۃَالحدیث فی القدَیم الحدیث :** یہ کتاب علم حدیث پر بہت اہم اور اپنے دور کی مشہور کتاب ہے اس کتاب میں علم حدیث کی قدیم وجدید ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بحث کی گئی ہے اور علم حدیث کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا گیاہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بر صغیر میں علم حدیث کا بانی تصور کیا جاتاہے کیونکہ آپ کا یہ کارنامہ ہے کہ آپ کے انتہائی عقیدت وخلوص سے علم حدیث کی اشاعت وترقی کیلئے تمام عمر کام کیا اور آپ کی کوششوں اور سعی مسلسل سے شمالی ہند میں بالخصوص اور پورے بر صغیر میں بالعموم علم حدیث کو عظیم القدر فروغ ملا۔ محدث دہلوی کی ہی بدولت محدثین کرام کا ایک طویل سلسلہ بھی قائم ہوا۔ جنہوں نے نسل در نسل علم حدیث کی مشعل کو روشن کیا بلاشبہ یہ بہت عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن راقم الحروف کی رائے میں شیخ محدث دہلوی سے ایک صدی قبل وہ محدثین جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں مذکور ہے بر صغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کا آغاز کر چکے تھے۔ تاہم آپ نے اس سلسلے میں احسن اور پر تاثیر کردار ادا کیا اور علم حدیث کی خدمت کی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتب حدیث سے وابسطہ محدثین کو خدام الحدیث کے دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے ایک گروہ تو خود ان کے خاندان پر مشتمل ہے اور دوسرا ان کے شاگرد اور ان سے خاندانی تعلق رکھنے والے محدثین کا ہے۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے فرزند مولانا نورالحق جنہوں نے شرح بخاری ۴ جلدوں میں تحریر کی اور اس کا نام تیسر القاری ہے یہ فارسی میں تحریر کی گئی۔

مولانا نورالحق نے موطا کی شرح بھی لکھی اور صحیح مسلم کی شرح لکھ رہے تھے کہ ۱۰۷۳ھ میں وفات پا گئے پھر اس شرح جس کا نام منبع العلم ہے اسے مولانا نورالحق کے صاحبزادے حافظ فخر الدین نے مکمل کیا۔(۵۹) ملا حیدر کشمیری بھی محدث دہلوی کے شاگرد تھے کشمیر میں علم حدیث کو پھیلایا ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی۔ شیخ محدث دہلوی کے پوتے سلام اللہ نے دہلی سے رام پور سکونت اختیار کی اور وہاں آپ نے موطا امام مالک کی شرح تحریر کی اسی دور میں دو اور محدث مشہور ہیں ان میں ایک عبداللہ لاہوری مکہ میں رہتے تھے جبکہ ابوالحسن علی سندھی مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے ان کے حالات زندگی تو نہیں ملتے مگر ابوالحسن نے صحاح ستہ کی بیشتر کتب شرحیں یا حاشیہ جات لکھے ہیں۔(۶۰)

احیاءِ علم حدیث کی تیسری تحریک کے روحِ رواں برصغیر کی عظیم علمی وادبی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ ہیں شاہ صاحب کے دور کو علم حدیث کا سنہری دور کہا جاسکتا ہے آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریک کو سنبھالا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اپنے بعد ایسے عظیم جانشین چھوڑے جنہوں نے ایسی مضبوط اور مربوط بنیادیں استوار کی کہ جن پر آج تک برصغیر میں علم حدیث کی عمارت قائم ودائم ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی چار شوال ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء کو دہلی میں شاہ عبدالرحیم کے گھر پیدا ہوئے سن بلوغت کی عمر تک اپنے والد سے علم تفسیر، علم حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے اور ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء کو آپ نے حرمین کا سفر کیا اور وہاں جید علماء سے علم حدیث سیکھا بالخصوص مدینہ منورہ میں امام ابوطاہر محمد بن اسراھیم کردی سے استفادہ کیا۔(۶۱)

آپ نے صحیحین وسنن کے علاوہ جامع ترمذی، موطا امام مالک، مسند دارمی احمد، الجامع الکبیر للشافعی کا علامہ کردی سے سماع کیا اور کردی نے آپ کو اجازت حدیث دی پھر ۱۱۴۴ھ میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں شیخ وفد اللہ مکی سے موطا امام مالک کا سماع کیا شیخ تاج الدین قلعی مکی کے درس حدیث میں حاضر ہوئے ان سے کچھ حصہ صحاح ستہ موطا امام مالک اور کتاب الاثار لامام محمد کا سماع کیا امام قلعی نے بھی آپ کو روایت حدیث کی اجازت دی ۱۱۴۵ھ میں آپ ہند واپس لوٹ آئے شاہ ولی اللہ نے علم حدیث کی خدمت بہت شاندار انداز میں کی ایک طرف تو آپ نے علم حدیث کی کتب اور شروح تحریر کیں اور دوسری طرف درس حدیث کا سلسلہ ایک خوبصورت اور منظم انداز میں شروع کیا۔ بلاشبہ آپ نے علم حدیث کی ایسی بے مثال خدمت کی کہ ان کے بعد علم حدیث کی کوئی قابل قدر خدمت اگر برصغیر میں نظر آتی ہے تو وہ براہِ راست یا بلواسطہ شاہ ولی اللہ سے ہی منسوب نظر آتی ہے۔(۶۲) شاہ ولیؒ اللہ نے حدیث کے میدان میں قابل قدر

تالیفات تحریر فرمائیں جن میں درج ذیل بہت مشہور ہیں(۱)المصطفیٰ: یہ کتاب موطا کی شرح ہے یہ صرف شرح حدیث پر مشتمل ہے اس میں اختلافِ فقہاء کو بیان نہیں کیا۔(۲) المسویٰ: یہ بھی موطا کی شرح ہے اس میں بیان اختلاف پر بحث کی گئی۔(۳)شرح ابواب تراجم بخاری۔(۴) النوادِر من الحدیث۔(۵)اربعین(۶)الدر الثمین اور(۷) حجۃ اللہ البالغہ بہت مشہور ہیں۔(۶۳)

شاہ ولی اللہ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۲ء میں وفات پائی۔ان کے بعد ان کے صاحبزدہ گان شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی جو کہ آپ کے تلامذہ بھی ہیں اور ان کے علاوہ آپ کے دوسرے شاگردوں نے شاہ ولی اللہ کی عطا کی ہوئی علم حدیث کی شمع کو منور رکھا اور پورے برصغیر میں الگ الگ حلقہ درس قائم کیا اور آپ کی ہدایت کے مطابق علم حدیث کی ترویج واشاعت کی آپ کی اولاد میں قابل بیاں کام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ نے سرانجام دیا والد کی مسند کو ذمہ داری سے سنبھالا اور ان کے شاگردوں میں مولانا عبدالحیی جو کہ ان کے داماد تھے شاہ اسمٰعیل شہید جو ان کے بھتیجے تھے شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسحٰق جو ان کے نواسے تھے۔سید قطب الھدٰی رائے پوری قاضی ثناء اللہ پانی پتی بہت مشہور اور صاحب قلم علماء تھے اور برصغیر میں ترویج علم حدیث کی گراں قدر خدمات سرانجام دینے والے ہیں۔ان تلامذہ نے پھر ہزاروں شاگرد پیدا کیے اور یوں شاہ ولی اللہ کی تحریک عرب و عجم میں پھیل گئی۔شاہ ولی اللہ کے پڑنواسے شاہ محمد اسحٰق کے ایک شاگرد عبدالغنی مجددی مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور وہیں علم حدیث کا درس دیتے رہے ان کے دوشاگرد مولانا محمد قاسم نوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی بہت مشہور ہوئے۔ان دونوں کی کوشش سے مدرسہ دیوبند ہندوستان میں قائم ہوا اور یوں آپ کی تحریک ہندوستان میں آج بھی زندہ ہے انہی تحریک کے اثرات آج برصغیر کے تمام مذہبی فرقوں دیوبندی، بریلوی، اوراہل حدیث کے تمام مدارس میں دیکھے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ تینوں مسالک اپنی نسبت شاہ ولی اللہ کی طرف کرتے ہیں۔(۶۴)

شاہ ولی اللہ کی علم حدیث کی خدمات کے اثرات بہت دیرپا رہے برصغیر میں جب مغلیہ دور کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں نے بالخصوص دہلی پر قبضہ جمالیا تو علم حدیث کی مرکزیت دیوبندی، سہارنپور، فرنگی محل اور لکھنؤ کی طرف لوٹ گئی۔ان مقامات پر حدیث پر بہت کام ہوا انگریزوں کے جانے کے بعد پھر علم حدیث کا دور دورہ پاک وہند میں ہونے لگا۔پاکستان کے علاقوں میں لاہور، راولپنڈی، ملتان، کراچی اور پشاور اس کے مرکز ہوئے اور ہندوستان میں دیوبند، ندوۃ العلماء اعظم

گڑھ اور دہلی اس علم کے مشہور مرکز بن گئے یہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث کا نتیجہ تھا کہ برصغیر میں عظیم مدارس اسلامیہ جن میں دواول الذکر اور تیسرا مظاہر العلوم (سہارنپور) چوتھا مدرسہ فرنگی محل اور پانچواں بھوپال میں نواب صدیق حسن خان کا مدرسہ میں حدیث کی تعلیم با قاعدہ شروع ہوئی۔ ان میں ندوۃ العماء اور دیوبند تو ابھی تک حدیث کی ترویج واشاعت کا کام کررہے ہیں مگر فرنگی محل کا وہ عروج نہیں جو شروع میں تھا برصغیر میں خدمت حدیث کے اس تیسرے دور میں ایک اور محدث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ۱۳۵۲ھ ہیں۔ جنہوں نے علم حدیث کی اتنی خدمت کی آج کل جتنے بھی مدارس میں اور ان مدارس میں جتنے بھی شیخ الحدیث ہیں ان میں سے اکثر ان کے تلامذہ میں اور یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ایک اور وصف کشمیری صاحب کا یہ ہے کہ جو انہوں نے کتب تصنیف کی ہیں وہ اپنی افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے ابن حجر عسقلانی اور امام نووی کی کتب کی برابری کرتی ہیں (٦٥)

ان علماء کے علاوہ نواب صدیق خان مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی اور سید احمد سعید کاظمی اور ان کے شاگردوں نے بھی حدیث پر ایک ادارہ کی حیثیت سے کام کیا اور یہ کام آج بھی برصغیر پاک ہند کے طول وعرض میں اپنی چمک اور دمک کے ساتھ جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت حدیث کی روشنی اس کرہ ارض کو منور کرتی رہے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ برصغیر کے اس خطہ کو یہ اہمیت حاصل رہی ہے کہ یہاں صرف علم حدیث کی ترویج واشاعت کیلئے ایک خاص فرقہ اہل حدیث کے نام سے معرض وجود میں آیا۔ یہ فرقہ ائمہ اربعہ کی تقلید کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی فقہ کی تقلید کرتے ہیں یہ فقہ کو چھوڑ کر صرف حدیث پر عمل کرنے کے داعی ہیں۔ اس۔ اس فرقہ کے بانی سید محمد نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) ہیں۔ ان کو شاہ ولی اللہ کے خانوادے میں سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نواسے شاہ اسحاق (۱۲۶۲ھ) نے شیخ الکل کا خطاب دیا۔ کیونکہ وہ مکہ ہجرت کررہے تھے اور انہوں نے اپنے سارے معاملات ان کے سپرد کردیئے اس فرقہ نے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں بہت کام کیا اور ابھی تک کررہے ہیں۔ شیخ الکل نے دہلی میں شب وروز محنت کرکے برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کی اور ان کے ساتھ بھوپال کے نواب صدیق الحسن منوجی (۱۳۰۷ھ) نے بھی حدیث اور اصول حدیث پر قابل قدر کام کیا۔ اس فرقہ میں عظیم شارح پیدا ہوئے اور علم حدیث کی خوبصورت انداز مین خدمت کی جن میں (صاحب عون المعبود) مولانا شمس الحق عظیمی (۱۳۲۹ھ) (صاحب تحفۃ الاحوذی) مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری اس فرقہ میں ایک اور عظیم نام مولانا وحید الزمان کا ہے انہوں نے تقریباً

اکثر حدیث کی کتب کے تراجم کیے جو عوام الناس میں بے حد مقبول اور مشہور ہیں برصغیر کے خطہ کو علم حدیث کے حوالے سے یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس خطہ میں عربی ادب کی ابتداء علم حدیث سے ہوئی۔(٦٦)

اس علاقہ میں مسلمانوں اوراسلام کے داخل ہونے سے آج تک علم حدیث کی شمع کو صرف منور وروشن نہیں کیا گیابلکہ ہر لمحہ اس میں نیا طور نئی برقِ تجلی کے مصداق مزید بہتری پیدا کی جاتی رہی اور علم حدیث کے حوالے سے اس خطہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس میں مدارس عربیہ سے علم حاصل کرنے والے لاکھوں طلباء کو سند فراغت سے پہلے پورا سال دورہ حدیث کرایا جاتا ہے۔ جس میں صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری اہم کتب کا تفصیلاً مطالعہ کرایا جاتا ہے یہ صورت حال عالم اسلام میں کسی اور خطہ حتی کہ سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

مندرجہ بالا پوری بحث کی روشنی میں ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر کے خدام حدیث نے علم حدیث کی خدمت انس اور محبت سے کی جس میں خصوصاً رسول اکرم، خاتم المرسلین ﷺ سے عشق اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے اور انشاءاللہ یہ سلسلہ رہتی دنیا تک جاری وساری رہے گا اور جب تک یہ کائنات آباد ہے تو اس خطہ سے قال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گیں۔

باب اوّل

حوالہ جات

۱۔ حاکم، نیشاپوری، معرفت علوم الحدیث، بیروت دارالجلیل، ۱۳۵۲ھ، ج۳، ص ۵۲

۲۔ الارزقی، ابوالولید، محمد بن عبد اللہ، اخبار مکہ، مکہ مطابع الثقافۃ مکہ المکرّمہ ۱۳۹۸ھ، ج۲، ص ۲۴۰

۳۔ امام حاکم، نیشاپوری، معرفت علوم الحدیث، بیروت دارالجلیل، ۱۳۵۲ھ، ج۳، ص ۱۹۲

۴۔ ظفر، عبد الرؤف، ڈاکٹر، علوم الحدیث فنی فکر جائزہ، ادارہ نشریات لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۴۱۷

۵۔ الطبری، جامع البیان، تفسیر سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۳۸

۶۔ صدیقی، زبیر احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۳۱

۷۔ قاضی، محمد اسلم، سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، ادار ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۷

۸۔ نسائی، السنن، حدیث نمبر ۳۱۷۳، ص ۱۳۸

۹۔ بلدزری، احمد عیسیٰ، فتوح البلدان، القاہرہ ۱۹۳۲ء، ص ۸۴

۱۰۔ ندوی، سید، سلیمان، عربوں کی جہاز بانی، اسلامک کلچر حیدر آباد دکن ۱۳۷۶ھ، ص ۵۲ تا ۵۳

۱۱۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرت حدیث، الفیصل ناشران لاہور ۲۰۰۴، ص ۴۱۳

۱۲۔ محمد اسحٰق، ڈاکٹر، علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۴۱۳

۱۳۔ ایضاً ص ۴۱۴

۱۴۔ مرزا، قلیچ بیگ، چچ نامہ، مترجم انگلش فریدوں بیگ کراچی، س ن، ص ۷۸

۱۵۔ فریوانی، عبد الرحمٰن بن عبد الجبار، **جهود المخلصه في خدمة السنة المطهره**، جامعہ سلفیہ بنارس ہند ۱۴۰۴ھ، ص ۳

۱۶۔ ایضاً ص ۴

۱۷۔ مبارکپوری، قاضی، محمد اطہر، رجال السنہ الہند، المطبعہ مجازیہ بھارت ۱۹۰۸ء، ص ۳۰

۱۸۔ عبد الحیی حسنی، سید، نذھۃ الخواطر، دائرہ معارف اسلامیہ حیدر آباد بھارت، ج۱، ص ۳

۱۹۔ جہود المخلصہ، ص ۱۴۹

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۵۱

۲۲۔ نذھۃ الخواطر، ج۱، ص ۴۵

۲۳۔ رجال السنہ والہند، ص ۲۱۷ تا ۲۱۸

۲۴۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، الانصاف، ادارہ تجارت کتب کراچی ۱۳۰۴ھ، ص ۷۷

۲۵۔ خاکوانی، باقر خان، ڈاکٹر، علوم الحدیث، مطبوعات سلیمانی لاہور ۲۰۱۱ء، ص ۱۷۴

۲۶۔ نذھۃ الخواطر، ص ۲۳۱

۲۷۔ مبارکپوری، قاضی، اطہر، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، المطبعہ مجازیہ ۱۹۰۸ء، ص ۱۵۷

۲۸۔ نذھۃ الخواطر، ج۱، ص ۲۳

۲۹۔ تقریر بخاری از مولانا زکریا، ص ۱۴

۳۰۔ علوم الحدیث، ص ۱۷۹

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۸۰

۳۲۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۲۵۳

۳۳۔ جہود المخلصۃ، ص ۳۴

۳۴۔ محمد اسحٰق، ڈاکٹر، علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۳۴۱

۳۵۔ مشارق الانوار علم حدیث کے وسطی دور میں تمام مدارس کے نصاب کا حصہ تھی

۳۶۔ برصغیر پاک وہند میں علم فقہ، ص ۲۳

۳۷۔ نقوش ۲۳/ ۴ مقالہ سید سلیمان ندوی

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص ۲۷

۴۰۔ نزھۃ الخواطر، ص ۱۷۴

۴۱۔ فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۱۳۵

۴۲۔ نقوش ۱۰/ ۲ مقالہ سید سلیمان ندوی

۴۳۔ نقوش ۲۵/ ۲

۴۴۔ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۱۵

۴۵۔ نواب مظفر خان کاٹھیاوار کے گورنر تھے ۸۱۳ ہجری میں فوت ہوئے۔

۴۶۔ آصفی، محمد بن عمر، ظفر الوالہ، معارف اسلامیہ بھارت، ص ۲۰۰

۴۷۔ نزھۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۱۳

۴۸۔ نذھۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۸۵

۴۹۔ نقوش، ج ۲ ص ۱۳

۵۰۔ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۱۸

۵۱۔ نقوش، ج ۴، ص ۱۲

۵۲۔ ایضاً، ص ۱۳

۵۳۔ ندوی، سلیمان، سید، مقالات سلیمان، مرتب معین الدین ندوی، اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء، ص ۲۷

۵۴۔ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۲۷

۵۵۔ نزھۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۱۹

۵۶۔ نقوش، ج ۴، ص ۱۸

۵۷۔ علوم الحدیث، ص ۱۸۸

۵۸۔ علوم الحدیث اور پاکستان میں اسکی کی خدمت، ص ۲۵۷

۵۹۔ نزھۃ الخواطر، ج ۵، ص ۲۳۷

۶۰۔ علوم الحدیث، ص ۱۸۸

۶۱۔ برکاتی حکیم، محمد احمد، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، لاہور سنگ میل ۱۹۶۷ء، ص ۲۷

۶۲۔ اختر، احسان الحق، حضرت شاہ ولی اللہ، لاہور سنگ میل، ص ۱۲۱

۶۳۔ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۷۵

۶۴۔ علوم الحدیث، ص ۱۹۰

۶۵۔ علوم الحدیث، ص ۱۹۱

۶۶۔ عربی ادبیات میں برصغیر کا حصہ، ص ۴۱

باب دوئم

ملتان میں تاریخ حدیث و اصول حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اول

تاریخ حدیث کا تعارف

زیر بحث موضوع کا تعارف پیش کرنے سے قبل حدیث کی لغوی تعریف بیان کرنا ضروری ہے۔ حدیث عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ حَ۔دَ۔ثَ تمام الفاظ کے لغوی طور پر دو معنی ہوتے ہیں لغوی و اصطلاحی۔ لغوی طور پر حدیث قدیم کی ضد ہے یعنی نئی چیز۔ صاحب لسان العرب اس کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں:

"حدث! الحدیث، نقیض القدیم و الحدوث نقیض القدمه"۔(۱)

"حدث! حدیث قدیم کی ضد ہے اور حدوث قدامت کی ضد ہے"۔

لغت میں حدیث کا لفظ اکثر دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک بات چیت یا گفتگو اور دوسرا نئی یا جدید چیز جسے بعض اوقات حادثہ بھی کہتے ہیں(۲)

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالی نے لفظ حدیث کو گفتگو اور کلام کے مفہوم میں استعمال کیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (۳)"پس کس بات پر اس کے بعد وہ لوگ ایمان لائیں گے" اور سورۃ یوسف میں ارشاد فرمایا کہ ﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى﴾(۴)۔"یہ کوئی بناوٹی بات نہیں" ایک اور مقام پر فرمایا "﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ﴾(۵)"پس اس شان کا کلام بنالائیں"۔ اردو دائرہ معارف میں بھی حدیث کے لفظ کی وضاحت اِن الفاظ سے کی گئی ہے "لفظ حدیث کے بنیادی معنی ہیں کوئی خبر یا کوئی بیان یا کوئی نئی بات خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات سے اسی سے حدوث، حادثہ اور حادث جیسے الفاظ بنتے ہیں"۔(۶)

قرآن کریم کی درج بالہ آیات اور دوسرے ماخذ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث کا پہلا معنی بات چیت یا گفتگو ہے اور دوسرا معنی نئی یا جدید چیز جسے بعض اوقات حادثہ بھی کہتے ہیں۔ لفظ حدیث کی لغوی تحقیق کے بعد اب حدیث کے

اصطلاحی مفہوم کو بیان کیا جائے گا۔ ڈاکٹر محمود الطحان کے مطابق حدیث کے اصطلاحی معنی ہیں۔ "الحدیث: اِصطلاحاً ما اضیف الی النبی ﷺ مِن قولٍ او فعلٍ او تقریرٍ او صفة" (۷)

"حدیث اصطلاحی معنی میں وہ چیز ہے جس کی رسول اکرم ﷺ کی طرف نسبت کی جائے قول، فعل، تقریر یا صفت کے اعتبار سے" نورالدین عتر نے درج ذیل الفاظ میں حدیث کی اصطلاحی تعریف کی ہے:

"ما اضیف الی النبی ﷺ مِن قول او فعلِ او تقریر او وصفِ خِلقی او خَلقی" (۸)

"حدیث ہر وہ قول، فعل، تقریر اور عادت وسیرت ہے جسکی نسبت سید المرسلین ﷺ کی طرف کیجائے"۔

یہ تعریف پہلی تعریف سے زیادہ جامع اور پُر تاثیر ہے کیونکہ پہلی تعریف میں صرف آپ ﷺ کی عادات کا تذکرہ ہے اور دوسری تعریف میں خِلقی اور خَلقی کا ذکر کرکے جہاں رسول کریم ﷺ کی عادات کو حدیث میں شامل کیا ہے وہاں آپ ﷺ کی ان خوبیوں اور خصائص کو بھی شامل کیا ہے جو فطری اور پیدائشی طور پر آپ کی ذات پُر نور میں ودیعت کر دی گئی ہیں۔

مثال کے طور پر رحمت للعالمین ﷺ کے چہرے کا حسین ہونا، آپ ﷺ کے دانتوں کا ہموار ہونا، جسم کا متناسب ہونا، ہر قسم کے عیب سے پاک ہونا، پیشانی کا کشادہ ہونا اور زلفوں کا خوبصورت ہونا یہ تمام صفات بھی اس تعریف کے ذریعے حدیث میں شامل ہو گئیں گویا حدیث میں آپ ﷺ کے قول، فعل، تقریر اور صفات کے علاوہ وہ خِلقی صفات بھی شامل ہو گئیں جن کو علماء سیئر بیان کرتے ہیں۔

صاحب شرح نخبۃ الفکر نے حدیث کی اصطلاحی تعریف میں ایک اور چیز کا اضافہ کیا اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ رؤیا اور خواب کو بھی حجت کے طور پر داخل کیا ہ اور یہ بات اصول پر مبنی بھی ہے کہ انبیاء کے خواب وحی خداوندی ہوا کرتے ہیں اور شریعت میں حجت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں کہ

"وفی اصطلاحهم قول رسول الله ﷺ و فعله و تقریره و صفة حتیٰ فی الحرکات و السکنات فی الیقظة المنام" (۹)

"اصطلاح (محدثین) میں نبی کریم ﷺ کا قول، فعل، تقریر، صفات اور وہ امور جو رسول اللہ ﷺ نے بیداری میں سرانجام دیے یا حالت نوم میں سب حدیث کے ضمرے میں داخل ہو گئے۔"

درج بالا بات سے یہ واضح ہوا کہ حالت نوم میں رسول مکرم ﷺ کے خواب اور رؤیا کے علاوہ آپ ﷺ کے سونے کے اوقات، سونے کی کیفیات، جاگنے کے اوقات اور کیفیت بھی حدیث میں شامل ہو گئے اور سکنات میں وہ تمام امور شامل ہو گئے جن کے انجام دینے سے آپ ﷺ رک گئے اور آپ کا کسی امر کے سرانجام دینے سے رکنا اور کسی کام کے متعلق کوئی حکم نہ دینا یہ تمام امور بھی حدیث کا حصہ بن گئے۔ ایسے امور جن پر رسول اکرم ﷺ نے خود عمل نہیں فرمایا مگر اس پر عمل کرنے سے روکا بھی نہیں ایسے اعمال دنیاوی ضرورت یا دنیاوی زندگی میں سرانجام دیے جاسکتے ہیں مگر دین میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے اور اس پر دلیل دینا کہ حدیث رسول ﷺ میں اس کی ممانعت نہیں درست نہیں ہے ۔راقم الحروف کے نزدیک اس سے دین میں اضافہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے معاشرہ میں عدم توازن کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

حدیث کی یہ تعریفات ہیں جن کو علمائے محدثین نے اپنی کتب حدیث میں بیان کیا ہے ان تمام تعریفات پر غور و فکر کرنے کے بعد جو چیزیں لفظ حدیث کے مفہوم میں شامل قرار پاتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) رسول اکرم ﷺ کے اقوال

(۲) آپ ﷺ کے افعال

(۳) تقریر (جو عمل آپ کے سامنے ہوا اور اس پر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی)

(۴) آپ ﷺ کی صفات کسبی و وہبی

(۵) آپ ﷺ کی تمام عادات و کیفیات بیداری و حالت نوم کی

(۶) آپ ﷺ کے تمام خواب

علمائے اصولیین کے ہاں مصادر اسلامی میں دوسرا مصدر سنت ہے۔ بعض علماء سنت کو حدیث کے مترادف قرار دیتے ہیں البتہ ان علماء اصولیین کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات داخل حدیث ہیں اور آپ ﷺ کی عادات و خصائص خِلقیہ اور خُلقیہ اس میں داخل نہیں۔ جیسا کہ سیف الدین آمدی تحریر کرتے ہیں کہ

"واما فی الشرع فقد تطلق علیٰ ما کان مِن العبارات نافلۃ منقولۃ عن النبی علیہ السلام و قد تطلق علٰی ما صدر عَنِ الرسول مِن الادلۃ الشرعیۃ مما لیس بمتلو وہو معجز و لا دخل فی المعجز و یدخل فی ذٰلک اقوال النبی علیہ السلام و افعالہ وتقاریرہ"(١٠)

"اسلامی شریعت میں سنت کے لفظ کا اطلاق ان سب امور پر ہو گا جو رسول اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ اسی طرح ان دلائل پر بھی ہو گا جو آپ ﷺ سے قولاً اور عملاً ثابت ہیں۔ اس طرح لفظ سنت میں رسول اکرم ﷺ کے تمام اقوال افعال اور تقاریر شامل ہوں گی"۔ ایک دوسرے مقام پر لفظ سنت کی تعریف یوں درج ہے

"یطلق اللفظ السنۃ علیٰ مَاجاء منقولا عن رسول اللہ ﷺ من قول او فعل او تقریر و تطلق فی مقابلۃ البدعۃ"(١١)

"سنت کے لفظ کا اطلاق رسول اکرم ﷺ سے منقول ہر قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے اور اس (سنت) کا اطلاق بدعت کی ضد کے طور پر ہوتا ہے۔"

مذکور دو تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے افعال عبادیہ جو آپ نے عبادت کے طور پر سرانجام دیئے وہ حجت ہیں۔ وہ عمل اگر نبی پاک ﷺ نے بطور شریعت سے کیا تو امت پر اس پر عمل کرنا واجب ہے بصورت دیگر سنت اور مستحب ہو گا۔ لیکن جو عبادتیں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھیں مثلاً چاشت کی نماز، تہجد کی نماز ان امور پر امت کا عمل کرنا لازم نہیں اور جو امور آپ ﷺ نے عادت کے طور پر سرانجام دیئے اور امت کو ان پر عمل کا حکم نہیں دیا ایسے امور جواز کے ضمن میں ہوں گے ان پر عمل کرنا راجح ہو گا نہ کرنے میں حرج نہیں ہو گا جیسے سنت غیر موکدہ۔

محدثین نے حدیث اور سنت کو مترادف قرار دیا ہے لیکن بعض علماء اصولین نے اس میں فرق کیا ہے۔ سنت کے معنی "طریقہ" ہے یہ لفظ اللہ تعالی نے قرآن میں انہی معنی میں بیان فرمایا ہے کہ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾(١٢)"اور تو اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہ پائے گا" دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾(١٣)

اصطلاحی طور پر محدثین کرام سنت اور حدیث میں کوئی فرق نہیں کرتے ان کے نزدیک سنت اور حدیث ایک چیز ہے لیکن فقہائے کرام سنت کا اور مفہوم لیتے ہیں ان کے نزدیک لفظ حدیث خاص ہے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اور

سنت میں رسول اکرم ﷺ کے قول، فعل، سکوت کے ساتھ صحابہ کا قول و فعل ہوتا ہے(۱۴) سنت کے علاوہ حدیث کے مترادفات یا متقاربات میں دو لفظ اور بھی استعمال ہوتے ہیں۔(۱)خبر (۲)اثر۔

خبر کا لغوی معنی "اطلاع" ہے ماضی کی ہو چاہے حال کی ہو یا مستقبل کی لیکن اسطلاحی طور پر ماضی کی خبر کو اطلاع کہتے ہیں۔ اسکی جمع اخبار ہے۔

اثر کا لغوی معنی نتیجہ یا علامت ہے۔ خبر اور اثر کی تشریح ان الفاظ سے واضح ہوتی ہے۔

"واما الاثر فقد خصه فقهاء خراسان بالموقوف اصطلاحاً و منهم جماعة خصوا المرفوع بالخبر "(۱۵)

"اثر کو فقہاء خراساں نے اصطلاحاً موقوف کے ساتھ خاص کیا ہے اور ان میں ایک جماعت ایسی ہے کہ جس نے خبر کو مرفوع کے ساتھ مخصوص کیا ہے"

اس بحث سے نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ حدیث کا لفظ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اثر کا لفظ صحابہ و تابعین کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا لفظ عام ہے اس کا اطلاق اقوال و افعال نبی ﷺ پر بھی ہوتا ہے اور صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال پر بھی جبکہ خبر کا مفہوم اس لیے وسیع ہو جاتا ہے کہ مورخین کی روایت کو بھی خبر کہا جاتا ہے۔

علم حدیث اور حدیث کے مترادفات پر گفتگو کرتے ہوئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وحی کا لغوی مفہوم کیا ہے اور اس کے اصطلاحی معنی کیا ہیں اور اس کے مصداقات کیا ہیں چنانچہ لسان العرب میں درج ہے کہ "الوحی الاءشارہ، والکتابة، ولرسالة، والالهام، والکلام الخفی "(۱۶) یعنی وحی اشارہ، کتابت، پیغام، الہام، یا خفیہ گفتگو کو کہا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وحی کی لغت کے حصول کیلیے خفیہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ مذکورہ تمام چیزیں اپنے معنی میں پوشیدگی رکھتی ہیں اور امام راغب نے وحی کی اصل کو بیان کرتے ہوئے درج کیا ہے کہ "وحی: اصل الوحی الاشارة السریعة"(۱۷) یعنی وحی کی اصل ایک فوری اشارہ ہے۔ تو امام راغب اصفہانی نے وحی کی اصل کے مفہوم میں سرعت کی صدا لگائی ہے کہ وحی ایسا اشارہ ہے جو خفیہ اور سرعت کے ساتھ ہو جائے اور اس انداز میں ہو کہ اس کو صرف اور صرف

وہ سمجھے اور اخذ کرے جس کی طرف وہ اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا شخص اس کو دیکھ سکے اور نہ سمجھ سکے۔ علامہ ابن حجر نے اس مفہوم کو خوبصورت انداز میں واضح کیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ

"والوحی لغۃ الاعلام فی خفاء، والوحی ایضاً الکتابۃ والمکتوب والبعث والاِلھام والامر والاِیما والاِشارۃ والتصویت شیئا بعد شیئٍ: وقیل اصلہ التفھیم، وکل مادلالت بہِ من کلامِ او کتابۃ او رسالۃ او اشارۃ فھو وحی وشرعاً الاعلام بالشرع "(۱۸)۔ "لغت کے اعتبار سے وحی خفیہ علامت کے تعین کو کہا جاتا ہے اس کے علاوہ یکے بعد دیگرے تحریر کرنے کو۔ لکھی ہوئی چیز کو، الہام کو، کسی خاص معاملہ کو، اشارہ کو اور خاموشی کو وحی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل سمجھنا ہے اور ہر وہ چیز جس پر کسی کلام کے ذریعہ کتابت کے ذریعہ پیغام رسانی یا اشارہ کے ذریعہ دلالت کی جائے وہ وحی ہے اور شرعاً کسی شرعی اشارہ (دینی حکم) کو وحی کہتے ہیں"

وحی کے مفہوم کے تعین میں ابن حجر کی یہ تحقیق نہایت ہی جامع ہے اس تحقیق کی روشنی میں جو چیزیں وحی کی مصداق بنتی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) خفیہ اشارہ

(۲) کتابت

(۳) مکتوب

(۴) رسالت

(۵) الہام

ابن حجر نے وحی کو اعلام بالشرع کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ یہ تمام چیزیں شروع ہو جائیں تو وہ وحی شروع ہو گی۔ علاوہ ازیں علامہ بدرالدین عینی نے کلام خفی کو بھی وحی میں شامل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ

"وحیت الیہ الکلام واوحیت وھو ان تکلمہ بکلام تخفیہ "(۱۹)

"وحی اس کلام کو کہا جاتا ہے جو خفیہ طریقہ سے تو کسی سے کرتا ہے"

اسی طرح علامہ عینی نے وحی کی اصطلاحی تعریف بھی نہایت جامع الفاظ میں کی ہے یہ الفاظ وحی کی اصطلاحی تعریف کیلیے بنیاد کی حثیت رکھتے ہیں آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"وفی اصطلاح الشریعة ھو کلام اللہ المنزل علی النبیؤ من انبیائہِ"(۲۰)

''اصطلاح شریعت میں وحی کے معنی اللہ کے اس کلام کے ہیں جو کسی نبی پر نازل ہو''

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ بنیادی طور پر وحی کے معنی کلام پوشیدہ کے ہیں خواہ یہ کلام بذریعہ الہام ہو، بذریعہ اشارہ ہو، جب یہ اشارہ خفیہ انداز میں بذریعہ فرشتہ نبیؐ پر ہوتا ہے تو وہ کلام وحی اصطلاحی بن جاتا ہے۔

بنیادی طور پر وحی کی دو اقسام ہیں (ا) وحی متلو (ب) وحی غیر متلو۔ قرآن حکیم کی زبان میں وحی کی صورتیں درج ذیل ہیں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ﴾ (۲۱) ''کسی بھی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ سے گفتگو کر سکے سوائے ان صورتوں کے کہ وحی ہو، یا پردے کے پیچھے یا ایک پیغام بر اللہ بھیجے اور وہ نازل کردے اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے''

اس آیت پر غور و فکر کرنے سے جو باتیں وحی کے متعلق فہم میں آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(ا) جب اللہ تعالی چاہے اپنے نبی پر بغیر کسی وسیلہ اور واسطہ کسے براہِ راست نبیؐ کے دل پر اس بات کو اتار دیتا ہے۔

(۲) صرف آواز کے ذریعے پردہ میں متکلم نظر نہ آئے اور بات صرف آواز سے پہنچادی جائے۔

(۳) اور تیسری صورت ہے قاسد کے ذریعے وحی کا نزول ہو۔

اس میں پہلی صورت الہام نبوی ﷺ کی ہے یہ وحی غیر متلو ہوتی ہے کہ ایک چیز نبیؐ کے دل میں القاء فرمادی اور پیغمبر نے اسے اپنے الفاظ میں آگے منتقل کر دیا۔ اس بحث سے ثابت ہوا کہ نبی کی گفتگو (حدیث) میں اگرچہ الفاظ نبیؐ کے ہوتے ہیں لیکن وہ معانی و مفاہیم منزل من اللہ ہوتے ہیں۔ لیکن وحی متلو کی صورت میں الفاظ بھی منزل منَ اللہ

ہوتے ہیں۔ وحی متلو کی صورت یہ ہے کہ فرشتہ آکر رسول اکرم ﷺ کے سامنے تلاوت کرتا ہے اور وہ الفاظ نبیؑ کے دل میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں الفاظ رسول اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں لیکن معانی اور مفاہیم کے اعتبار سے القائے ربانی ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرماتا ہے اس اعتبار سے جہاں قرآن حکیم کو حجت اور مصدر شرعی مانا جاتا ہے تو اس طرح ہمیں حدیث رسول ﷺ کو بھی بحثیت وحی الٰہی حجت اور مصدر ماننا ہو گا۔ حدیث کی لغوی تحقیق اور اصطلاحی مفہوم بیان کرنے کے بعد اب تاریخ کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ تاریخ حدیث کے موضوع پر معلومات کو میں پیش کیا جا سکے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ ذی شعور اور صاحب فہم لوگوں نے اپنے مستقبل کی اصلاح ماضی کے واقعات و تجربات اور حالات و مشاہدات کی روشنی میں سرانجام دینے کی سعی کی ہے۔ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ماضی سے رخ ہٹا کر کسی قوم کے حال و مستقبل کی تعمیر نہ آج تک ہو سکی ہے نہ ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں احکام و اصول کے ساتھ ساتھ سابقہ قوموں کے سبق آموز واقعات و قصص کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور جگہ جگہ گزشتہ اقوام کے واقعات و حکایات سے پیدا ہونے والے پر حکمت اور ایمان افروز نتائج پر متنبہ فرمایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی طویل تاریخ بیان کرتے ہوئے ان کی سرکشی، ایمان سے روگردانی اور حق سے اعراض کرنے کی سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا: ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (۲۲)

"پھر ہم نے اس کو عبرت انگیز واقعہ بنا دیا، ان کے لیے بھی جو اس قوم کے ساتھ تھے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی اور موجب نصیحت بنا دیا متقین کیلئے"

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صحیح تاریخی واقعات طالبین حق اور خدا ترس بندوں کیلئے بہترین رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہ ان سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ ہود میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراھیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوموں کے واقعات کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ‌ ۚ وَجَآءَكَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَـقُّ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾(۲۳)

"اور ہم پیغمبروں کے قصوں میں سے یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ ﷺ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ ﷺ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود حق ہے اور اہل ایمان کے لیے نصیحت و یاددہانی ہے"

مندرجہ بالا ارشاد ربانی سے ہمیں پتہ چلا کہ گزشتہ انبیاء و رسل علیہ السلام اور ان کے حالات میں ایک مومن کی زندگی کیلیے اطمینان و سکون اور دل کی تقویت کا بہترین سامان اور تذکیر و نصیحت کا بھرپور مواد موجود ہے ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ ﴿فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ﴾(۲۴)"پس یہ حال بیان کیجیے تاکہ وہ غور کریں"

بہرحال مستقبل کی ترقی، مضبوطی و استحکام کے حصول کیلیئے سابقہ واقعات سے استغناء نہیں برتا جا سکتا۔ماضی کے حالات و واقعات سے صرف نظر کر کے زندگی گزارنا گویا جنگل کی زندگی بسر کرنا ہے اسی تخیل کو سید مناظر احسن گیلانی نے کچھ یوں بیان کیا ہے کہ "آخر ریچھوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جد اعلیٰ کون تھے کن کن جنگلوں اور وادیوں پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے ان کے آباؤ اجداد موجودہ مقام تک پہنچے کن کن حالات سے ان کو دوچار ہونا پڑا"(۲۵)اور صاحب مقام حدیث اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ "آخر بھیڑیوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جد اعلیٰ کون تھے کن کن جنگلوں، وادیوں اور پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے ان کے آباؤ اجداد موجودہ مقام تک پہنچے اور کن کن حالات سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔"(۲۶)

ان کے برعکس عقل مند انسان ہی ہے ذی شعور اور ذی فہم انسان ہی کا یہ فطری خاصا ہے کہ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے ابنائے جنس کو کس کس کام کی پاداش میں ناکامی و نامرادی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ تباہ و ہلاک ہوئے تو وہ اس کام سے بچنے کی سعی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جب وہ یہ سنتا ہے کہ اس کے پیش رؤں نے فلاں راستہ اختیار کر کے کامیابی و کامرانی اور فلاح حاصل کی تو وہ طبعاً اس راستے کی طرف رجوع کرتا ہے اور زندگی کو کامیاب گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔

گزرے ہوئے حالات سے واقفیت حاصل کرنے اور حال کی تعبیریں ماضی کے تجربات اور واقعات سے نفع اٹھانے کے لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ گزرے ہوئے واقعات کو کسی نہ کسی طرح محفوظ کیا جائے تو در اصل انسانیت کے

اس گروہ کی کوشش کا نام تاریخ ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابتداء میں تاریخ کی بقاء اور حفاظت کا شوق قوموں میں کم تھا لیکن اب صورتحال اس کے برعکس ہے جس سے ہم بخوبی واقف ہیں اور درج ذیل الفاظ سے اسکی اہمیت واضح ہوتی ہے:

"ہر قوم اپنی توانائیوں کا بڑا حصہ اس پر خرچ کر رہی ہے جس سے ہم اور آپ سب واقف ہیں جنگل کی زندگی بسر کرنے والے بھی اپنے اجداد و اسلاف کے کارناموں کی جستجو گڑی ہوئی ہڈیوں اور پرانے مقبروں اور مرگھٹوں میں کر رہے ہیں کونے کونے سے قدیم سکے برآمد کیے جا رہے ہیں، کہیں قبروں کے کتبوں کے حروف پڑھنے کی کوشش کی جارہی ہے پرانے کھنڈروں کی ایک ایک ٹھیکری چنی جارہی ہے ان ہی پر واقعی یا خیالی بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں گویا اس علم کی ناگزیر ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے اب تسلیم کر لیا ہے اور بجز ارتیابی الطبع، شکی مزاجی خشک دماغ فلسفیوں کے عام دنیا کا شدید رجحان بھی ان چیزوں کے جاننے کی طرف ہے"۔(۲۷)

تاریخ کی ضرورت واہمیت کو جاننے کے بعد اب تاریخ اور حدیث نبوی ﷺ کو ملا کر بیان کیا جاتا ہے یہ خیال کہ حدیث تو بیش از پیش تاریخ کا ایک حصہ ہے اور تاریخ کو دین یا دینی حجت نہیں کہا جا سکتا اور تاریخ اسلامی احکام کے ثبوت میں نہیں۔ سب سے قبل تو یہ دعوٰی ہی غلط ہے کہ تاریخ دین کے باب میں مطلقاً حجت نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم کے تیس پاروں میں سے کوئی پارہ کوئی بڑی سورت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی جس میں اقوام ماضیہ کے احوال و اعمال پر متنبہ نہ کیا گیا ہو۔ تاریخ کی حقیقتیں اور ان کے عبرتناک عواقب و نتائج سے دنیا کو باخبر نہ کیا گیا ہو تو صحیح تاریخ پر مشتمل قرآن حکیم کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

"ہر وہ کلام دینی حجت ہے جسکی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف مستند طریق سے ثابت ہو گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو"(۲۸)

یہ بات تو عام تاریخ کے بارے میں ہے پھر حدیث رسول ﷺ تو تاریخ کے عام ذخیروں سے وزنی اور ٹھوس امتیازات وخصائص سے مزین ہے جن امتیازات کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) عام تاریخی ذخیروں کا تعلق عام طور پر کسی قوم کی حکومت، کسی عظیم انسان، جنگ، کسی قابل تعریف اور قابل بیان واقعہ سے ہوتا ہے جس سے اس قوم کی بہادری، بے باکی اور کارناموں کی تفصیل ہمیں جاننے کو ملتی ہے ان داستانوں کا

احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں حدیث کا تعلق اس عظیم ہستی سے ہے اور براہِ راست جس ذات بابرکات سے ہے وہ رسول اکرم ﷺ ہیں۔ ایک قوم، ایک جنگ، ایک قبیلہ کے تمام اطراف وجوانب کو سمیٹنا ایک طرف اور بسیط ذات ستودہ صفات کے حالات وواقعات کو ضبط تحریر کرنا ایک طرف ایک عادل قاری خود فیصلہ کرے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں میں آسانی ودشواری کی کوئی نسبت ہے پہلی صورت میں غلطیوں، غلط فہمیوں اور کوتاہیوں کے جتنے اندیشے ہیں اتنی نسبت سے دوسری صورت یعنی (تاریخ حدیث) میں صحت وواقفیت اور حقیقت کی عقلاً توقع کی جاسکتی ہے۔ صاحب تدوین حدیث نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے:

"حدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہِ راست ایک خاص شخصی وجود، یعنی سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس سے ہے ایک قوم، ایک ملک، ایک حکومت، ایک جنگ کے تمام اطراف وجوانب کو صحیح طور سے سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف اور دوسری طرف ملک نہیں، ملک کی کوئی خاص قوم نہیں، کسی قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قوم کا کوئی خاص خانوادہ نہیں بلکہ صرف ایک واحد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کو بیان کرنا ہے خود اندازہ کیجیے کہ احاطہ وتدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی ودشواری میں کوئی نسبت ہے "(۲۹)

(۲) دوسرا وصف وامتیاز جو پہلے سے بھی زیادہ اہم وپر تاثیر ہے وہ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ اور آپ ﷺ کے مورخوں یعنی صحابہ کرامؓ کا باہمی ربط وتعلق ہے: بلاشبہ اس ترقی یافتہ دور میں جبکہ دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کرچکی ہے اور ہمارے سامنے مختلف اقوام، مختلف ممالک، سلاطین اور مختلف ممالک کی تاریخ ہمارے سامنے ہے لیکن جن مورخوں کے ذریعہ یہ تاریخ ہم تک پہنچی ہے کیا ان میں سے کسی تاریخ کا اپنے مورخ یا مورخین سے وہ تعلق ثابت ہوتا ہے جو صحابہ کرام کا سید المرسلین ﷺ سے تعلق تھا۔ اور اسی بات کو مناظر گیلانی نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

"کچھ بھی ہو کسی کی تاریخ ہو، ان کے مورخوں کو ان واقعات سے یا صاحب واقعات سے قطعاً وہ تعلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام کو ذات قدسی صفات سے تھا یہی نہیں کہ ان بزرگوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان کی بیعت کی تھی، آپ کی نبوت پر وہ ایمان لائے تھے۔ آپ ﷺ سے ان کو وہ تعلق تھا جو ایک امتی کو اپنے پیغمبر سے ہونا چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے وہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی زندگی کو عزیز

رکھتے تھے وہ سب کچھ حضور ﷺ پر قربان کرنے کے لیے تیار تھے گویا ایک قسم کے عشق و سرمستی کے نشہ میں مخمور تھے۔ (۳۰)"

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یقیناً یہ امتیاز ایسا ہے جو کسی تاریخی واقعہ کو اپنے مورخین کے ساتھ حاصل نہیں جیسا حدیث کو بیان کرنے والے مورخین بالخصوص صحابہ کرام کو رسول اکرم ﷺ کی ذات سے حاصل تھی ۔یہ مکہ اور مدینہ کے در و دیوار، یہ بدر و احد کے میدان جنگ، یہ خیبر و حنین کے معرکہ ہائے کارزار اور سرزمین عرب کا چپہ چپہ گواہ ہے ان حضرات کرامؓ کو حضور ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی زندگی سے بے مثال والہانہ، وعاشقانہ ربط اور تعلق تھا محبت و عظمت، عقیدت واحترام اور اطاعت کے باب میں وہ اپنی نظیر آپ تھے اور کائنات اس تعلق اور محبت کی تصویر دکھانے سے قاصر ہے۔ کیونکہ اس طرح کا تعلق دکھانے میں تاریخ کے اوراق جب بھی پلٹے جائیں گے تو صرف اور صرف صحابہ کرامؓ اور رسول اکرم ﷺ کے تعلق کا ذکر ہی آئے گا۔

(۳) تیسرا وصف و امتیاز جو حدیث کو دوسری تاریخ سے ممتاز و تمیز کرتا ہے وہ ہے کہ حدیث کے مذکورہ بالا براہِ راست یا چشم دید راویوں اور گواہوں نے سید المرسلین ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہی اس عہد کے ساتھ کی تھی کہ وہ اس تاریخ کے ہر ہر جز اور ایک ایک خدوخال کے زندہ نقوش اپنے اندر پیدا کریں گے نیز جس قرآن کو اللہ کی شریعت اور قدرت کا قانونِ یقین کر کے مانا تھا اس میں بار بار مطالبہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی زندگی کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ محمد رسول ﷺ فرماتے ہیں اسے سنو، سن کر یاد رکھو اور اس پر ایمان ویقین رکھو اور محمد رسول ﷺ جو کچھ کرتے ہیں اُن کی ہر ہر ادا پر غور کرو اور جس طرح انہیں کرتا ہوا دیکھو تو ان کی طرح کرنے کی کوشش کرو کیونکہ فلاح اور کامیابی اسی میں ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(۳۱)

"رسول ﷺ نے جو کچھ تمہیں عطا کیا اسے پکڑے رکھو اور جس سے منع کیا اس سے رک جاؤ" اور سورۃ احزاب میں بیان فرمایا کہ

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۳۲)

"یقیناً تمہارے لیے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے" اور سورۃ النور میں فرمایا کہ

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ (۳۳)

"اور اگر رسول ﷺ کی پیروی کروگے تو ہدایت یافتہ بن جاؤ گے"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی تاریخ اور صاحب تاریخ ایسا نہیں جس سے اس کے مورخوں کا اس جیسا عظیم، پاک اور مقدس تعلق ہو دیگر انبیاء کرام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو مد نظر رکھنا ہوگا کہ قرآن حکیم نے نہ صرف خود پر ہی رسول ﷺ کی اتباع کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ ان کی نشر و اشاعت اور موجود کا غیر موجود تک اور حاضر کا غیر حاضر تک پہنچانا بھی لازمی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (۳۴)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کیلیے بھیجی گئی ہو نیکی کا حکم دیتی ہو اور بدی سے روکتی ہو۔"

مذکورہ بالا امتیازات سے تاریخ حدیث کا دوسری تاریخ سے ممتاز اور ممیز ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایک اور اہم بات بھی اس ضمن میں ملحوظ نظر رہے کہ جن حضرات نے اس امانت نبویہ ﷺ کی تبلیغ و اشاعت کا ذمہ لیا وہ بذات خود بلند کردار کے مالک تھے ان سے غلط بیانی کی توقع کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کے سامنے قرآن کی یہ تعلیم بھی تھی کہ رسول خدا ﷺ دین کے باب میں جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب وحی الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن نے بیان کیا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (۳۵)

"اور نہیں بولتے آپ ﷺ اپنی خواہش سے آپ کا ارشاد تو ساری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے"

اس بنا پر ان حضرات کا ایمان تھا کہ رسول خدا ﷺ کی طرف کسی بے بنیاد بات کی نسبت کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانہ پر بہتان باندھنے کے مترادف ہے اس کام کے انجام دینے والے کو اللہ تعالیٰ نے ظالم قرار دیا ہے ارشاد ہوا کہ:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (۳۶)

"اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے"

حدیث کی لغوی تحقیق اور تاریخ کی ضرورت واہمیت پر بحث کرنے کے بعد اب ملتان میں اس موضوع پر ہونے والے کام کا تعارف اور تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

ملتان میں اس موضوع پر جن شخصیات نے اس موضوع پر کام کیا ہے ان میں سید احمد سعید کاظمی امروہی کا نام قابل ذکر ہے۔ علامہ کاظمی کی شخصیت علمی، سماجی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کا شمار نابغہ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۳مارچ ۱۹۱۳ء مرادآباد (بھارت) کے مضافاتی شہر امروہہ میں پیدا ہوئے والد کا نام سید مختار احمد کاظمی تھا ایام طفولیت میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے برادر معظم سید محمد خلیل کاظمی کی نگرانی میں ہوئی(۳۷)۔ سید محمد خلیل کاظمی فاضل عظیم محدث اور صاحب نظر درویش تھے۔ آپ کو شعر وسخن سے بھی کافی دلچسپی تھی اور حضور ﷺ کی محبت اور عشق میں ڈوبی ہوئی نعتیں کہا کرتے تھے تعلیم و تعلم سے وابستہ رہے اور ہر سفر میں حضرت علامہ کاظمی کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ نے برادر اکبر سے ہی مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی اور انہی کے دست پر بیعت ہوئے۔(۳۸) سند فراغت کے بعد آپ جامعہ نعمانیہ لاہور میں بطور مدرس خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ لاہور سے امروہہ واپس چلے گئے وہاں مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں مقیم رہے دو سال بعد لاہور سے تعلق رکھنے والے آپ کے دوست حکیم خان عالم نے بذریعہ خط وکتابت اصرار کیا کہ اوکاڑہ میں گستاخان رسول کی بڑی شورش ہے ہر طرف تنقیص رسالت کی مہم جاری ہے آپ مرد مجاہد کی طرح وہاں پہنچے اور درس تدریس کے سلسلہ کو شروع کیا اور محبت وعشق رسول ﷺ کو لوگوں کے دلوں میں بیدار کیا آپ کی اس مساعی اور محنت کا نتیجہ علامہ رسول سعیدی کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"آپ کی مساعی سے بہت جلد فضا بہتر ہو گئی اور عظمت رسول ﷺ کے نعروں سے اوکاڑا کے در و دیوار گونجنے لگے"(۳۹)

ملتان میں خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیری کا عرس تھا اور آپ خطاب کیلیے تشریف لائے اور اس کی صدارت درویش صفت بزرگ سید نصیر عالم فرما رہے تھے۔ صاحب صدر آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کو ملتان میں قیام کرنے کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ ملتان آمد کا یہی سبب بنا۔ بالآخر

ملتان میں ۱۹۳۵ء میں تشریف لائے اور مختلف مقامات پر قیام اور درس و تدریس سے وابستہ رہے آپ کے درس میں بالخصوص درس حدیث میں لوگوں کا ہجوم اور سننے والوں کی آپ سے عقیدت کو دیکھنے والے ہی بتا سکتے ہیں کہ کس طرح روح پرور اور ایمان افروز فضا ہوتی تھی علامہ کاظمی کے درس حدیث میں آپ کی اس شہرت اور کمال سے مخالف بھی سازش کرنے میں لگے رہے اور آپ کو بہاولپور بلا کر حملہ کر دیا کلہاڑیوں سے وار کیے شور مچ گیا کہ قتل ہو گیا ایک جندو نامی عورت آئی اس نے کہا یہ سید کا بچہ ہے بے ہوشی کی حالت میں اپنے گھر لے گئی علاج معالجہ کیا تین دن آپ وہاں بے ہوش رہے اس کے بعد بھی آپ چھ ماہ تک زیر علاج رہے اس حملہ کے بعد جو آپ نے ارشادات فرمائے وہ کچھ یوں ہیں کہ

”ایک مرتبہ آپ نے فرمایا اس حملہ کا تو کوئی افسوس نہیں لیکن یہ حسرت دل میں رہ گئی کہ زندگی میں کوئی عظیم کام سر انجام نہیں دیا“(۴۰)

یہ حسرت تھی کہ کوئی ادارہ کا قیام عمل میں نہیں لا سکا اس پر آپ کو مختلف اہل ثروت حضرات سے مدد ہوئی اور آپ نے ملتان میں جامعہ انوار العلوم قائم کر دیا۔ جو آج اس خطہ کی علم کی پیاس بجھانے میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے اور یہاں سے فارغ التحصیل علمأ ملک کے مختلف علاقوں میں علم کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ علامہ کاظمی نے ملی خدمات میں بھی اپنا کردار پیش کیا اور تحریک پاکستان کی نہ صرف توثیق کی بلکہ دوسرے اکابر علماء کو ساتھ ملا کر پاکستان کے قیام کے لیے بنارس کی کانفرس میں شرکت کی اس کے علاوہ جمیت العلماء پاکستان کی بیناد بھی علامہ کاظمی نے رکھی اور ملتان میں ہی اس کا قیام مارچ ۱۹۴۸ء کو عمل میں آیا۔ جس میں ملک کے کونے کونے سے اکابرین شریک ہوئے اور اس جمیعت کے آپ ناظم اعلیٰ منتخب کیے گئے۔ اور مولانا ابوالحسنات (لاہور) صدر منتخب ہوئے۔ نیز آپ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور شیخ الحدیث خدمات سرانجام دیتے رہے اور امت کی خدمت آپ نے پرزور اور شاندار انداز میں کی۔

ایک دن جامعہ اسلامیہ میں درس حدیث کے دوران آپ نے فرمایا ایک تابعی نے رسول ﷺ سے روایت کی ایک طالب علم نے سوال کیا کہ تابعی تو وہ ہوتا ہے جس نے صحابی کو دیکھا ہو اور رسول اکرم ﷺ کو نہ دیکھا ہو تو تابعی رسول ﷺ سے کیسے روایت کر سکتا ہے اس پر آپ نے اس انداز میں گفتگو فرمائی کہ ”ایک صحابی نے رسول ﷺ سے حدیث سنی بعد میں وہ الصیاذ باللہ مرتد ہو گیا اور قرآن کریم کی روشنی میں ﴿وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾(۴۱) مرتد ہونے کے بعد اس کے تمام اعمال اکارت ہوئے شرف صحابیت بھی جاتا رہا۔ رسول ﷺ کے وصال کے بعد وہ پھر ایمان لے آیا اور اس

نے صحابہ کو دیکھا اب وہ تابعی ہوا اس کے بعد اگر وہ حضور ﷺ سے سنی ہوئی کسی روایت کو بیان کرے تو وہ حضور ﷺ سے تابعی کی روایت ہو گی صحابی کی نہیں۔"(۴۲)

یوں علامہ کاظمی نے اپنی زندگی خدمت اسلام اور خاص طور پر خدمت حدیث میں گزاری اور رمضان المبارک جمعہ کے روز ۱۹۸۶ء کو اپنی جان سپرد خدا کی اور آپ کا دربار ملتان میں مرجہ خلائق ہے۔

ان کے مختصر تعارف کے بعد ان کی تاریخ حدیث کے میدان میں خدمات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

زیر بحث موضوع پر علامہ کاظمی نے مختلف مقامات پر جو مقالات پیش کیے ان مقالات کو یکجا کر کے ایک کتاب کی شکل میں طبع کرایا گیا ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں مقالات کاظمی کے نام سے طبع ہو چکی ہیں اور ان پر ابھی کام جاری ہے اور اس کام کو موصوف کے صاجزادے سید ارشد سعید کاظمی اپنی نگرانی میں کروارہے ہیں اس کتاب کی جلد اول میں علم حدیث پر مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ اس باب میں صرف تاریخ حدیث پر مبنی مقالات کا تعارف پیش کیا جائے گا باقی مقالات کا تذکرہ ان سے متعلقہ ابواب میں شامل کیا جائے گا۔ مقالات کاظمی کی جلد اوّل میں چونیتس مقالات درج ہیں ان میں زیادہ مقالات علم حدیث کے عنوان پر مبنی ہیں اور یہ جلد پانچ سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے اور کاظمی پبلشرز ملتان سے شائع ہوئی ہے۔

تاریخ حدیث پر بحث کے مقالہ میں شروع میں علامہ کاظمی نے حدیث کی فضیلت اور ضرورت بیان کی ہے۔ حدیث کی اہمیت وفضیلت کے ضمن میں آپ نے کافی دلائل دیے ہیں اور سادہ انداز میں بات پہنچانے کی کوشش کی ہے اور نکات کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر آپ فضیلت کے باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"حدیث کی فضیلت کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس کے قائل صاحب لولاک، باعث تخلیق کائنات، حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے فضائل ومکارم اور محالد ومرائح کا احصاء کسی بشر کیلیے ممکن نہیں۔"(۴۳)

فضیلت حدیث میں علامہ کاظمی نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ اپنی زندگی چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاملات ہوں یا عبادات، طعام ہو یا انتظام اور شب وروز تمام کی ضروریات میں حدیث کے محتاج ہیں اس ضمن میں اقوال محدیثین پیش کیے ہیں اور علم حدیث کو اشرف العلوم کہا ہے اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ" اشرف العلوم اس لیے کہ باقی علوم

شرعیہ کے لیے اس کی طرف ضرورت واقع ہوئی، علم فقہ میں اس کی ضرورت ظاہر ہے اور علم تفسیر میں حدیث کی ضرورت اس لیے ہے کہ جب تک رسول ﷺ کے قول و فعل پر نظر نہ ڈالی جائے کلام الٰہی کا مدعا اور مراد ظاہر نہیں ہوتا یعنی قرآن کریم کا علم حدیث کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ معنیٰ کو جانے بغیر عمل ممکن نہیں اس لیے تفسیر قرآن اور عمل بالقرآن دونوں کا مدار حدیث پر ہے۔ موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے لہٰذا علم حدیث علم تفسیر پر مقدم اور اس سے اشرف ہے۔"(۴۴) کیونکہ علم تفسیر اپنی وضاحت میں علم حدیث کا محتاج ہے۔

اس رائے میں راقم الحروف بھی علامہ کاظمی کی رائے سے اتفاق کرتا ہے کہ حدیث واقعتاً اشرف العلوم اور افضل العلوم ہے۔ کیونکہ حدیث کا تعلق اور علم حدیث کا موضوع رسول انور ﷺ کی ذات کے ساتھ ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رسول خدا ﷺ افضل الخلق ہیں لہٰذا علم حدیث بھی افضل العلوم قرار پائے گا۔

اس بات میں بھی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن حکیم ایسی جامع کتاب ہے جس میں عقائد و اعمال و عبادات و اخلاق کی حلت و حرمت کے احکام اور بنی نوع انسان کی تمام جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے پورا ہونے اور دونوں جہان کی فوز و فلاح حاصل کرنے کے اصول موجود ہیں لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ ان اصولوں کی ایسی تشریح جو پیش آنے والے واقعات اور ضروریات کے تمام جزئیات پر منطبق ہوجائیں قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ ظاہر ہے جب تک وہ تشریحات سامنے نہ آئیں تو قرآنی اصول کے مطابق عمل ممکن نہیں اور کوئی شخص یا معاشرہ اپنی زندگی کو اصول قرآن کے مطابق اس وقت تک نہیں گزار سکتا جب تک وہ اس حکم کی تفصیلی وضاحت اور تشریح کو جان نہ لے اس ضمن میں علامہ کاظمی فرماتے ہیں کہ

"معلوم ہوا ایک مسلمان کو بحثیت مسلمان ہونے کے حدیث کی اشد ضرورت ہے اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو کتاب مفصل قرار دیا ہے اور اس کے حق میں ﴿اتبیانًا لِکُلِ شیءٍ﴾(۴۵) فرمایا ہے تو ایسی صورت میں تو قرآن کے علاوہ کسی تشریح کی ضرورت کیونکر صحیح ہوگی۔"

دراصل یہ شبہ علامہ کاظمی نے خود بیان کیا ہے اور اس کا جواب بھی مدلل اور جامع انداز میں دینے کی سعی کی ہے کیونکہ قرآن کا بالواسطہ مخالف تو ہر وہ شخص ہے جو احکام خداوندی کا مکلف ہے اور بلاواسطہ اس کے مخاطب صرف رسول اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ ہیں۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ

"مذکورہ بالا آیت اور دوسرے مقام پر بیان کردہ آیت ﴿ تفصیلاً لکلِ شیءٍ ﴾ (۴۶) کا یہی مطلب لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسائل کی جزئیات قرآن میں بیان فرمادی ہیں تو یہ بات قرآن مجید کی روشنی میں غلط ہے دیکھئے اقیمو الصلوٰۃ و اتو الزکوٰۃ قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کے بنیادی اصول بیان ہوئے لیکن اصولوں کی تشریحات مثلاً ارکان صلوٰۃ کی ترتیب، تعداد، رکعت مقادیر زکوٰۃ اور ان کی شرائط قرآن مجید میں مذکور نہیں معلوم ہوا کہ تفصیل و بیان سے مراد احکام کی لفظی تفصیل و تشریح مراد نہیں بلکہ وہ معنوی تشریح مراد ہے جو الفاظ کے نزول کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے نور نبوت کی روشنی میں عطا فرمائی" (۴۷)۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر کس و ناکس بلاواسطہ قرآن سے اس کا حکم معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن کا بلاواسطہ مخاطب رسول ﷺ اور قرآن کی آیات صرف ان پر روشن مفصل اور واضح ہیں اور وہ اس کلام پاک کو جس طرح شرح کے ساتھ سمجھتا اور جانتا ہے اور کوئی اسطرح نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے اس لیے قرآن فہمی کے لیے علم حدیث کی طرف رجوع کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

تاریخ حدیث کے حوالے سے علامہ کاظمی نے اس نکتہ کی طرف سب سے قبل اشارہ فرمایا ہے کہ حدیث کی تاریخ میں ایک ربط مسلسل ہے کہ علم حدیث صحابہ کرامؓ سے تابعینؒ اور ان سے تبع تابعین اور ائماء حدیث، سلف صالحین سے آج تک جو ذخیرہ حدیث ہم تک پہنچا ہے تو یہ ایک سلسلہ ہے جو خود اسکی اہمیت اور حجت میں اضافہ کرتا ہے کہ یہ اسلامی ادب کس طرح ہم تک آیا چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

"دس ہزار صحابہ کرامؓ نے احادیث مقدسہ اپنے سینوں میں ضبط کر کے تابعین کو پہنچائیں اور تابعین نے تبع تابعین کو اور اس طرح سنن مقدسہ اور احادیث کریمہ کی نعمت عظمی ہم تک پہنچی" (۴۸)

اس اہمیت وفضیلت کی بات کرتے ہوئے مصنف موصوف نے صحابہ کرام کے اکثار فی الروایہ کا تذکرہ کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان سے خطا ہو جائے گی تو انہوں نے قلت روایت کو اختیار کیا اور جن کو یہ اندیشہ نہ تھا انہوں نے اکثار فی الروایہ پر عمل کیا اور پھر علامہ کاظمی نے ان دونوں گروہوں کے طرز عمل کی حکمت کو آسان اور واضح انداز میں پیش کیا ہے اور مقلین صحابہ مکثرین صحابہؓ اور اعلی مرتبہ پانے والے تابعین کرام کے اسماء گرامی درج کیے نمونہ کے طور پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

"در حقیقت ہر گروہ کا طرز عمل اس حکمت ایزدی کے موافق تھا کہ خاصانِ بارگاہ رسالت روایتِ حدیث میں محتاط رہیں اور رسول ﷺ کی احادیث مقدسہ کی تبلیغ بھی ہو جائے مقلین صحابہؓ میں خلفائے راشدین حضرت ابو بکرؓ م ۱۳ھ، حضرت عمرؓ م ۲۳ھ، حضرت عثمانؓ م ۳۵ھ اور حضرت علیؓ م ۴۰ھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مکثرین صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ م ۵۷ھ حضرت عبداللہ بن عباس م ۶۸ھ حضرت انس بن مالک ۹۳ھ اور حضرت عائشہ صدیقہ متوفیہ ۴۹، ۵۷، ۵۸، ۵۹ھ اور اعلی مرتبہ پانے والے تابعین میں بعض کے اسماء حسب ذیل ہیں: سعید بن مسید م ۹۳ھ، حسن بصری م ۱۱۰ھ محمد بن سیرین م ۱۱۰ھ عروہ بن زبیر م ۹۴ھ علی بن حسین (زین العابدین) م ۹۴ھ۔"

علامہ کاظمی نے تاریخ حدیث کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے پہلا دور حدیث رسول ﷺ کے عہد میں، دوسرا دور صحابہ کرام کے عہد میں اور تیسرا دور تابعین کے عہد میں۔ دور رسول میں حدیث پر کام کو آپ تاریخ حدیث کی ابتداء کے طور پر بیان کرتے ہیں اور نبی پاک ﷺ کا اپنے احکامات صحابہؓ کو بتانا اور تحریر کروانا مثال کے طور پر مختلف بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو خطوط کا تذکرہ کر کے یہ بات باور کرائی ہے کہ تاریخ حدیث کا آغاز دور رسول ﷺ سے ہوا ہے نہ کہ اس کو رسول ﷺ کے بعد متعارف کرایا گیا ہے اور حوالہ جات سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دور میں حدیث کو تحریر کرنے کا حکم دیا۔

دور رسول ﷺ میں حدیث پر کام کے بعد حدیث کے دوسرے دور یعنی صحابہ کرام کے دور میں حدیث رسول ﷺ کی جس انداز میں خدمت کی گئی اور جس احتیاط اور ذوق وشوق سے اس میں پیش رفت کی گئی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں یہ بات ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ قرآن نے بار بار اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا اور رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو دردناک عذاب سے ڈرایا گیا پھر علامہ کاظمی نے اس دور میں صحابہ

کرام سے لیکر قیامت تک ہر مومن کو ان آیات قرآنی کی روشنی میں مکلف اور ذمہ دار قرار دیا ہے کہ ہر مومن کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ رسول ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کو پوری طرح پیش نظر رکھے۔ اور آپ نے اس عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس سے تاریخ حدیث کا تسلسل اور مضبوط ہو گا۔ اور علم حدیث کی خدمت احسن انداز میں ہوتی رہے گی۔ اور خاتم النبیین ﷺ کے اقوال و افعال و احوال زیادہ محفوظ اور زیادہ پر تاثیر ہوں گے۔

تاریخ حدیث کے تیسرے دور میں علامہ کاظمی نے تابعین کرام کا ذکر کیا ہے اس دور میں علم حدیث پر جس انداز میں کام ہوا اس کا تذکرہ کیا ہے وہ تابعین جن کو حدیث کے ساتھ خصوصی محبت اور لگاؤ تھا ان کے نام اور مقام کا بھی ذکر کیا ہے جن میں بعض تابعینؒ کے نام سابقہ صفحہ پر درج کیے جا چکے ہیں۔ بالخصوص علامہ کاظمی نے ان حضرات کے علاقے اور تعداد بھی درج کی ہے کہ کتنے تابعین کس شہر میں حدیث پر کام کرتے رہے۔ مثال کے طور پر آپ نے مدینہ میں چار سو چراسی تابعین اور مکہ میں ایک سو اکتیس اور کوفہ میں چار سو تیرہ تابعین کو حدیث کے ساتھ زیادہ شغف اور لگاؤ تھا۔(۵۰)

اس کے ساتھ ساتھ علامہ کاظمی نے تاریخ حدیث کی وجوہات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ یہ تاریخ کیوں لکھی گئی اور علم حدیث کو تاریخی ثبوت بنانے کی وجہ کیا بنی تو اس ضمن میں آپ نے بیان کیا ہے کہ جب صحابہ کرام اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ اگر اس علم کو محفوظ نہ کیا گیا تو اس نعمت عظمیٰ سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ اس حوالے سے سیدنا عمر بن عبد العزیز کی خدمات حدیث کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس دور میں جن شخصیات نے کام کیا ان کا تذکرہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ آخر میں علامہ کاظمی نے ان تمام حضرات جن میں صحابہ کرام، تابعین، عظام اور اجلہ محدثین کے اس کام کو احسان عظیم کہا ہے۔ کہ انہوں نے رسول ﷺ کی حدیث کو اس انداز میں تحریر کیا کہ امت مسلمہ کیلیے ہدایت کا ایک روشن مینار قائم کر دیا اور حق و باطل سے ممتاز کر کے سنن نبویہ ﷺ کے انوار سے ہر مومن کے دل کو منور کر دیا۔

ملتان سے تعلق رکھنے والی ایک اور شخصیت جس نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ان کا نام ہے مولانا فیض احمد ملتانی ہے۔

مولانا فیض احمد ملتانی کی زیر بحث موضوع پر پہلی تصنیف کا نام ہے المسائل والدلائل۔ اس کتاب میں مولانا ملتانی نے مسائل پر ائمہ اربعہ کے دلائل بیان کیے ہیں اور مسئلے میں ترجیح کی طرف بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب پانچ سو ستاسی صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ حقانیہ ملتان سے طبع شدہ ہے۔ نیز اس کتاب میں تاریخ حدیث پر مفصل اور جامع گفتگو کی گئی ہے اور بالخصوص عہد نبوی ﷺ میں جو حدیث کی حفاظت کی گئی اس بحث کو موصوف نے انتہائی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ نے حدیث نبوی ﷺ کے حفظ کرنے والوں اور اس کی نشر و اشاعت کرنے والوں کے بڑے بڑے فضائل و مناقب ارشاد فرمائے اور ایسے لوگوں کیلئے سرسبزی و تازگی کی دعائیں فرمائیں جو لوگ صحابہ کرامؓ سے ان کے حالات اور ان کے عشق رسول ﷺ کی کچھ بھی خبر رکھتے ہیں وہ بآسانی یہ باور کر لیں گے کہ شمع نبوت ﷺ کے پروانوں نے اس دعا کی تحصیل میں ہرگز کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہوگا۔" (۵۱)

اس طرح آپ نے دور صحابہؓ اور تابعین میں حدیث کی تاریخ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اس دور میں آپ نے وہ ہدایات درج کی ہیں جو صحابہ کرام اپنے شاگردوں کو حدیث کے احتیاط کے ضمن میں دیا کرتے تھے اور تلامذہ کو حدیث رسول ﷺ کا دور (مذاکرہ) کرنے اور اس کی ترغیب دینے کی معلومات بھی درج کی ہیں۔ اور مولانا ملتانی نے کتابت حدیث کو ایک مستحسن فعل کہا ہے کہ ضرورت و مصلحت کے تحت کسی بات کا تحریر کر لینا عقلاً و نقلاً پسندیدہ امر ہے اور اسکی وضاحت میں دور حاضر میں رائج نظام کی مثال دی ہے کہ آجکل کتنا زر مبادلہ خرچ کر کے تحریری سرمایہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ تعلیم کا میدان ہو یا پریس کا کاروبار اور آخر میں آپ نے مذہب کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب الہامی یا غیر الہامی زیور کتابت سے آراستہ ہیں اور قرآن حکیم نے بھی اپنا تعارف ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ﴾ (۵۲) کے عنوان سے کرایا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں مصنف موصوف نے تاریخ حدیث کے ضمن میں جو اشکالات ہو سکتے ہیں ان کو درج کر کے ان کا تسلی بخش جواب تحریر کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب علمی اور تکنیکی خوبیوں سے مزین ہے اور حدیث کے طلباء کیلیے ایک تحفہ ہے۔

اس عنوان پر دوسری کتاب بھی مولانا ملتانی کی قلم سے تحریر ہوتی ہے اس کا نام ہے "مقام حدیث مع ازالہ شبہات" یہ تصنیف مکتبہ حقانیہ ملتان سے طبع ہوئی ہے اور ۱۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں علامہ موصوف نے

تاریخ حدیث پر مدلل اور مفصل بحث کے ساتھ ساتھ تمام تاریخ اور تاریخ حدیث کے بنیادی امتیاز کو واضح انداز میں تحریر کیا ہے اور حدیث کے مقبول ہونے کی شرائط، صحیح اور جعلی حدیث کو پرکھنے کا معیار اور حدیث کی قانونی حثیت پر بحث کی ہے اس ضمن میں آپ رقمطراز ہیں کہ ”جس حدیث میں درج ذیل امور میں سے کوئی ایک امر بھی پایا جائے تو وہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی علامت ہے اور اگر حدیث ان تمام باتوں سے پاک ہو تو اسے موضوع جعلی نہیں جاسکتا۔ موضوع حدیث کی علامتیں درج ذیل ہیں۔(۱) لغت قرآنی کے مخالف ہو۔(۲) سنت منورہ کے مخالف ہو،(۳) اجماع قطعی کے مخالف ہو۔(۴) عقل سلیم اسے محال سمجھتی ہو۔(۵) شریعت کے فوائد کے خلاف ہو۔(۶) غیر ثقہ راوی پایا جائے۔(۷) صحابہؓ کے مطاعن میں رافضی یا اہل بیتؓ کے مطاعن میں خارجی روایت کرے۔(۸) قرنیہ حالیہ اس کے کذب پر شاہد ہو مثلاً بادشاہ کی خوشنودی کیلیے برجستہ کوئی حدیث بیان کرے۔(۹) تاریخی شہادت کے صریح خلاف ہو۔(۱۰) حدیث کا معنی قواعد عربیت کے خلاف ہو یا شانِ نبوت ورسالت ﷺ کے مناسب نہ ہو۔(۱۱) معمولی کام پر غیر معمولی ثواب یا عذاب کی دھمکی “

علامہ موصوف نے جعلی اور صحیح حدیث کو پرکھنے کے لیے درج بالا امور کا ذکر کیا ہے۔ مندرجہ بالا امور کے مطابق اگر حدیث ان تمام باتوں سے پاک ہو تو اسے جعلی نہیں کہیں گے بلکہ مقبول و معتبر روایت کے جس درجہ کی مستحق ہوگی اسے درجہ میں شامل کیا جائے گا۔

اس بحث کی تکمیل کے بعد اس کتاب میں مصنف نے ڈاکٹر محمد اقبال کے نزدیک جو حدیث رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ ہے اس کا ذکر کیا ہے کہ علامہ محمد اقبال کو حدیث کے ساتھ کس قدر عشق و محبت تھی کہ آپ اپنی تمام تر عقلیت کو مکی مدنی نبی امی ﷺ کے مبارک قدموں میں ایک حقیر چیز کی طرح نذر کرتے تھے۔ جن حدیثوں پر لوگ کان کھڑا کرتے تھے تو ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے لفظی مفہوم پر دل و جان سے ایمان رکھتے تھے تو اس حوالے سے مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ

”ایک مرتبہ کسی صاحب نے آپ کے سامنے بڑے اچنبھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول ﷺ ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ احد پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے اتنے میں احد لرزنے لگا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیقؓ اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا کہ اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے میں اس کو استعارہ و مجاز نہیں بلکہ ایک

مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی حاجت نہیں اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبیؑ کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز جاتے ہیں مجازی طور پر نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں۔"(۵۴)

چنانچہ اس کتاب میں علامہ اقبال اور حدیث رسول ﷺ کے حوالہ سے بحث شامل کر کے مصنف موصوف یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اقبال حدیث نبوی ﷺ کو نہ صرف حجت اور ذریعہ ہدایت سمجھتے ہیں بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر مسلم قوم کی زندگی اور بقاء کو حدیث نبوی ﷺ اور شعار محمدی ﷺ پر موقوف اور منحصر قرار دیتے ہیں چنانچہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ

اشعار مصطفیٰ ﷺ از دست رفت

قوم را رمز بقا از دست رفت(۵۵)

اس کے ساتھ ساتھ اس تصنیف میں حدیث کی کتابت کے ادوار کو وضاحت کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے اس بحث میں کتابت دور رسول ﷺ میں اور کتابت حدیث دور صحابہ میں کتاب حدیث دور تابعین اور تبع تابعین میں کس انداز میں ہوئی اس پر مدلل اور مفصل بحث کی گئی ہے۔ بالخصوص کتابت حدیث کو تین ادوار پر تقسیم کیا گیا ہے اس تصنیف میں ایک اہم بات جو اس کتاب کی اہمیت کو بڑھا دیتی ہے وہ ہے حدیث رسول ﷺ کے ضمن میں جو شبہات مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ذہنوں میں پیدا ہوئے یا ہوتے ہیں ان کا ازالہ علمی انداز میں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث کی تعداد کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تعداد حدیث میں اضافہ کی وجہ تو یہ ہے کہ ابتداء میں حدیث کا لفظ صرف حضور ﷺ کے اقوال مبارکہ پر بولا جاتا تھا مگر پھر اس میں وسعت ہوئی آپ کے افعال و تقریرات بھی اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ اطلاق میں اور وسعت پیدا ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال و تقاریر بلکہ تابعین و تبع تابعین کے اقوال و افعال وغیرہ کو بھی حدیث میں شامل کر لیا گیا جس کی وجہ سے قدرۃ حدیث کا دائرہ ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک جا پہنچا۔"(۵۶) اور دوسری وجہ کہ محدثین کو اگر ایک حدیث دس سندوں اور دس طریقوں سے حاصل ہو تو اسے ایک کی بجائے دس حدیثیں شمار کیا جاتا ہے اس لحاظ سے بھی تعداد حدیث میں اضافہ ہوا۔

اس کتاب کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں تاریخ حدیث پر گفتگو کے ساتھ ساتھ اصول حدیث پر بھی بحث کی گئی ہے اور خبر واحد کے مفہوم کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ ادب حدیث میں اکثر حدیثیں خبر واحد کے درجہ کی ہیں مصنف موصوف نے خبر واحد کے لغوی مفہوم کے مخالف مطلب بیان کیا ہے۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں کہ ”خبر واحد کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا راوی اور ناقل صرف ایک ہو جیسا کہ اس کے لغوی معنی سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ خبر واحد وہ ہے جس کے نقل کرنے والے کسی دور میں حد تواتر سے کم ہو جائیں خواہ وہ ایک ہو یا دو یا تین یا کم و بیش۔“(۵۷)

راقم الحروف کے نزدیک یہ کتاب طلباء حدیث اور علم حدیث کے متوالوں کے بعد تاریخ حدیث کیلیے ایک مفید اور جامع کتاب ہے جس کی بدولت ہم علم حدیث کے سارے پہلوؤں پر آراء اور علمی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگلی فصل میں اس خطہ میں اصول حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

فصل دوم

اصول حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف

ملتان میں اصول حدیث پر کئے جانے والے کام کا تعارف و تجزیہ پیش کرنے سے قبل اس علم کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے اصول حدیث سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعہ حدیث کے احوال معلوم کیے جائیں اور اصول حدیث کی غایت یہ ہے کہ حدیث کے احوال معلوم کر کے مقبول حدیث پر عمل کیا جائے اور غیر مقبول سے بچا جائے (۵۸) ڈاکٹر طحان نے مقبول حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ

"ھو ماترجح صدق المخبر بہ و حکمہٗ وجوب الاحتجاج و العمل بہِ" (۵۹)

"مقبول وہ خبر ہے جس میں مخبر کی طرف سے دی جانے والی خبر کی تصدیق کا رجحان پایا جاتا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو حجت ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے"

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث مقبول وہ خبر یا حدیث ہوئی کہ جس میں ایسے قرائن پائے جائیں کہ جن کی بنا پر اس خبر کی تصدیق کرنے پر انسان مجبور ہو جائے۔ پھر ان قرائن کی نوعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض قرائن قوی ہوتے ہیں اور بعض نسبتاً ضعیف اس لیے بعض احادیث پر عمل واجب ہوتا ہے اور بعض پر مستحب۔

خبر مقبول کی طرح خبر غیر مقبول یا خبر مردود کی تعریف بھی ڈاکٹر طحان نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ

"وھو مالم ترجح صدق المخبر بہ و حکمہ انہٗ لا یحتج و لا یجب العمل بہ" (۶۰)

"خبر مردود اس خبر کا نام ہے جس میں مخبر کی طرف سے دی جانے والی خبر کی تصدیق کا رجحان غالب نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب نہیں"

گویا مردود مقبول کی ضد ہے کہ مقبول کی تصدیق، اس کو حجت ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ مردود میں یہ تینوں باتیں ناجائز ہیں جس طرح حدیث مقبول کی قبولیت کی مختلف نوعیتیں ہیں اسی طرح حدیث مردود کی تردید کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں۔

اس کے علاوہ علم اصول حدیث میں حدیث سے متعلقہ اصطلاحات، راویوں کے اسماء، ان کے نسبت، عمریں اور حالات زندگی پر بحث ہوتی ہے، راویوں کی صفات ان کے اخذ حدیث کے طریقہ کار، سند حدیث کی تقسیمات اور روایت باللفظ یا روایت بالمعنی اور اس کا حکم کیا ہے اس پر بحث ہوتی ہے۔ یہ سب معلومات ہیں جو علم اصول حدیث سے حاصل ہوتی ہیں اور اس علم کی اہمیت درج ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

"جو شخص ان (مندرجہ بالا) باتوں کو ذہن نشین کر لے اور ان میں عبور حاصل کر لے وہی اس علم حدیث کے گھر میں اس کے دروازے سے داخل ہو سکتا ہے اور جس میں جتنا نقص رہے گا اور اس فن کے مباحث و مسائل کی جس شاخ سے جتنا ناواقف رہے گا، اس مناسبت سے اس کا درجہ کم ہو گا اور رتبہ گھٹے گا۔"(۶۱)

ملتان میں اصول حدیث پر جس شخصیت نے کام کیا ان کا نام مولانا عبد العزیز پرھاروی ہے آپ کے کام پر تبصرہ سے قبل ان کا تعاف پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مولانا عبد العزیز پرھاروی ضلع مظفر گڑھ ملحقہ ضلع ملتان ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء بستی پرہاراں میں پیدا ہوئے۔ (۶۲)

آپ ملتان کی قدیمی درس گاہ دولت دروازہ ملتان میں حافظ جمال اللہ ملتانی سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ کا ذہن سبق یاد کرنے سے قاصر تھا تو ایک دن مدرسے کے کونے میں بیٹھ کر زار و قطار رونے لگے اتفاقاً حافظ جمال اللہ ملتانی کی نظر ان پر پڑی تو آپ نے بکمال شفقت ان سے دریافت فرمایا عبد العزیز کیوں رنجیدہ ہو عرض کیا کہ حضرت انتہائی کوشش کے باوجود سبق یاد نہیں ہوتا تو حضرت نے فرمایا ہمارے پاس آؤ ہمارے سامنے پڑھو، علامہ پرھاوری نے حافظ جمال اللہ کے سامنے سبق پڑھنا شروع کیا تو حافظ ملتانی کی عنایت سے ان کی تمام مشکلیں حل ہو گئیں اور پھر یہ عالم ہو گیا کہ جو کتاب ایک مرتبہ پڑھتے کبھی نہ بھولتے مشکل سے مشکل کتاب پڑھ کر اس کا مطلب بیان کرنے لگتے اور آہستہ آہستہ ان کی ذکاوت طبع اور ذہن رسا کا چرچا دور دور تک پھیل گیا(۶۳)

اس سلسلہ میں علامہ موصوف خود فرماتے ہیں کہ "میں کیا ہوں اللہ تعالی کی مدد اور فضل خاص ہے اس کے بعد حضور پاک ﷺ اور میرے پیر و مرشد کا فیض ہے یہ فقیر اپنے فہم و فراست پر فخر نہیں کرتا لیکن اللہ تعالی کی حکمت اور بے مثال فضل

پر متعجب ہے کہ اس نے اس عاجز کے ذہن پر علوم کی مختلف اقسام بغیر پڑھے منکشف کر دیں۔ جبکہ یہ عاجز بچپن میں کند ذہن مشہور تھا۔"(۶۴)

علامہ موصوف عزت ایمانی وملی میں بہت سخت تھے راجہ رنجیت کے ملتان پر قابض ہونے کے بعد علامہ پر ھاروی کو اپنے دربار میں طلب کیا تو آپ نے اہل ایمان ہونے کے ناطے آپ کی غیرت ایمانی وملی نے گوارہ نہ کیا کہ بے دین حکمران کے دربار میں حاضر ہوں چنانچہ آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔ خودداری اور سادگی اور فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی اور کوئی سرکاری عہدہ قبول نہ کیا۔(۶۵)

مولانا نے اصول حدیث، اصول تفسیر اور فقہ و دیگر علوم پر کتب تحریر فرمائیں۔ مولانا نے بستی پرہاراں میں عہد شباب میں ہی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء میں وصال فرمایا اور آپ کو اسی مسجد اور مدرسہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں آپ طلباء کو درس دیتے تھے بوقت وفات آپ کی عمر ۳۰ سے ۳۲ سال تھی۔ آپ کا مرقد منور غیر پختہ حالت میں موجود ہے آپ کی اولاد میں ایک بیٹا تولد ہوا۔ جسکا نام عبد الرحمن رکھا جو اڑھائی سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اسکی قبر بھی آپ کی قبر سے متصل ہے۔(۶۶)

ملتان کی دھرتی میں اصول حدیث کے موضوع پر آپ کی تحریر کردہ کتاب کا نام "کوثر النبی ﷺ فی اصول الحدیث النبوی" ہے یہ کتاب مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ اس کی زبان عربی ہے اور ایک سو اناسی صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں علامہ پرھاروی نے ابواب کی تقسیم کی بجائے فصول کی بنا پر بحث کی ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں حدیث اور اصول حدیث اور حدیث کی اقسام کے بارے میں تعارفی بحث درج ہے۔ اس کے بعد کتاب کا مقدمہ ہے اس میں علامہ موصوف نے حدیث کا معنی و مفہوم پر کافی وضاحت سے گفتگو کی ہے حدیث کا معنی و مفہوم متعین کرنے کے بعد سند اور متن کی لغوی اور اصطلاحی بحث تحریر ہے۔ اس بحث میں علامہ موصوف نے سند کی اہمیت اور خاصیت بیان کی ہے۔ اس فصل میں اکابر آئمہ حدیث نے سند اور متن کے بارے میں جو آراء دی ہیں ان کو درج کیا ہے۔ متن اور سند کی

بحث کے بعد اس تصنیف میں خبر متواتر اور اسکی اقسام پر بحث کی گئی ہے نمونہ کے طور پر علامہ پرھاروی تحریر کرتے ہیں کہ

"الخبر المتواتر مایفید الیقین بکوته مسموعا من قوم لا یتصور تواطوهم علی الکذب"(٦٧)

خبر متواتر ایسی یقین والی بات کو کہتے ہیں جس کو زیادہ تعداد میں لوگ بیان کریں۔ جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادتاً محال ہو۔

اس کے بعد تواتر کی شرطیں بیان کیں ہیں اور حدیث متواتر کی اقسام اور حکم کا بھی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

علامہ عبد العزیز پرھاروی نے اس تصنیف میں علم حدیث سے متعلقہ اصطلاحات کو الگ الگ فصل کے تحت درج کر کے اس پر علمی انداز میں بحث کی ہے اور اس کا درجہ اور حکم بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں حدیث کی کتابت کے اصول اور قواعد کا ذکر بھی ہے۔ اور کتابت حدیث میں حدیث مرفوع کو علامہ موصوف نے کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے کہ:

"بعض السلف کابن عمر و ابن مسعود و زید بن ثابت و ابی موسی الاشعری و ابی سعید الخدری للحدیث المرفوع لاتکتبو عنی غیر القران"(٦٨)

یعنی حدیث کی کتابت کے ضمن میں یہ حدیث مرفوع بیان کی جاتی ہے کہ کتاب حدیث منع ہے۔ تو علامہ موصوف نے اس حدیث کی تشریح مدلل انداز میں کر کے یہ بات صریحاً درج کی ہے کہ یہ حکم اس لیے تھا کہ قرآن اور حدیث کو صحیفہ واحدہ نہ سمجھ لیا جائے تو آپ تحریر کرتے ہیں کہ:

"و قیل النھی عن کتابة القرآن و الحدیث فی صحیفة واحده "(٦٩)

اس کے ساتھ ساتھ علامہ پرھاروی نے اس تصنیف میں کتابت حدیث کی شرائط کا تذکرہ بھی کیا ہے جس انداز میں ذکر ہے ملاحظہ فرمائیں۔

”کتابة الحدیث عبادة فیتقی خلوص النیة و طھارة، البدن و اللباس و المکان الکف عن اللغو و سماعه“(۷۰)

یعنی حدیث رسول ﷺ کی کتابت کو اتنی افضلیت اور کاملیت حاصل ہے اس کیلئے خلوص نیت، پاکیزگیِ بدن، پاکیزگی لباس، مکان اور انداز ضروری ہے۔

اس بات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خدام الحدیث کو کس قدر محبت اور عشق ہے اس فن سے اور کس درجہ کا لگاؤ ہے۔ وہ مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہے۔ اس فن کی خدمت کو ہی عبادت کا درجہ دیتے ہیں اور علم حدیث کی ترویج و اشاعت کو ہی اپنی زندگی کا مرکز و محور اور مقصد حیات گردانتے ہیں۔

کوثر النبی ﷺ کے بغور مطالعہ سے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ایک عجمی علم حدیث کا عربی ادب میں اتنا ذوق و شوق ظاہر کرتا ہے کہ علامہ عبد العزیز پرھاروی نے بے شک زندگی کی کم ساعتیں پائیں مگر اس کم عرصہ میں جو حدیث رسول ﷺ کی خدمت کی اور جس حسن اور کمال سے اس فن پر کام کیا وہ کام طویل عرصہ میں بھی نہیں ہو پاتا۔ اس کتاب کی ایک جلد جو راقم الحروف نے اپنی تحقیق میں شامل کی ہے ابھی اور کام بھی ہے اس حوالے سے ہے جو غیر مطبوعہ ہے کوشش جاری ہے اگر میسر ہوا تو اس کو بھی شامل کیا جائے گا۔ اس خطہ کی خوش بختی کہ علامہ پرھاروی جیسے لوگ یہاں پیدا ہوئے اور خدام الحدیث میں اپنا نام منوایا۔ یہ دھرتی علامہ پرھاروی کے احسان کی ممنون ہے اور ان کے اس علمی و تحقیقی کام کو سلام پیش کرتی ہے۔ الغرض کتاب کوثر النبی ﷺ بیک وقت علم حدیث کے اساتذہ و طلباء کے لیے قیمتی تحفہ ہے اور حدیث کی کتب میں ایک علمی اضافہ ہے اور ادب حدیث کا حسین شاہکار ہے۔

ملتان میں ایک اور شخصیت جنہوں نے اصول حدیث پر اپنی خدمات پیش کی ان کا نام مولانا خیر محمد جالندھری ہے۔ ان کی خدمات کو پیش کرنے سے قبل ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

مولانا خیر محمد جالندھری بمقام عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء کے اواخر یا ۱۳۱۳ھ کے شروع میں پیدا ہوئے۔ بچپن عمروال بلہ میں گزارا۔(۷۱) سات سال کی عمر میں آپ والدین کے ہمراہ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور تشریف لے گئے۔ آپ نے میاں کوٹ چک نمبر ۲۵۵ گ ب میں روزانہ جا کر والد صاحب میاں الٰہی

بخش بن خدا بخش بن میلد کی ہدایت پر حافظ پیر و صاحب (نابینا) سے قرآن مجید ناظرہ شروع کیا(۷۲)۔ اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اور آپ نے اپنے دور کے جید علماء سے شرف تلمذ حاصل کیا جن میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور سید حسین احمد مدنی کے نام قابل ذکر ہیں(۷۳)۔ آپ جالندھر میں تعلیمی خدمات سر انجام دیتے رہے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جالندھر اور گردونواح میں فسادات شروع ہوئے تو آپ نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور ۲۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو آپ لاہور پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے تو وہاں سے ملتان آنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے ساتھ موضع بستی نو میں مکان الاٹ ہوا تو آپ نے حسین آگاہی ملتان میں خیر المدارس ملتان کا اجراء کر دیا جسے خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے(۷۴)۔ یہ مدرسہ آج بھی تشنگان علم کی علمی پیاس بجھانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے اور ملک و بیرون ملک سے طلباء دینی و عصری علوم سے بہرور ہو رہے ہیں۔ علامہ جالندھری ماہر تعلیم اور جامع منقول و معقول تھے آپ کا حسن تدبیر، حسن انتظام اور حسن اہتمام بزبان علماء بہت مشہور ہے۔ مثال کے طور پر ملتان کی ایک عظیم شخصیت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری ان کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ "اگر کسی کو مدرسہ چلانے اور اس کے انتظام و اہتمام کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو وہ میرا مشورہ مانے تو وہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے اس کا ڈھنگ سیکھے(۷۵)۔" گراں قدر علمی و ملی خدمات سر انجام دینے کے بعد ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ میں آپ نے وفات پائی اور ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کو دارالحدیث خیر المدارس کے پیچھے سپرد خاک کیا گیا(۷۶)۔

مولانا خیر محمد جالندھری کی عمر کا زیادہ حصہ درس و تدریس اور نظم و اہتمام مدرسہ میں گزرا اس کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کا میدان بھی خالی نہیں چھوڑا۔ علم حدیث کی خدمت کے حوالے سے آپ کا مختصر، سہل اور قابل حفظ رسالہ "خیر الاصول فی حدیث الرسول ﷺ" مشہور و مقبول خاص و عام ہے۔ جو نہ صرف مبتدین حدیث کے لیے نفع رساں ہے بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور ملحقہ ممالک کے اکثر دینی مدارس کے نصاب کا حصہ ہے اس کی ابتداء حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کی اور خیر الاصول کو مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اسے مشکوٰۃ شریف سے پہلے پڑھانے کے لئے داخل نصاب فرما دیا اور بذریعہ خط مولانا جالندھری کو بھی مطلع فرمایا کہ "حدیث شروع کرنے والوں

کیلیے رسالہ، خیر الاصول فی حدیث الرسول، اصطلاحات واصول حدیث میں مولفہ مولانا خیر محمد صاحب داخل نصاب کیا گیا۔"(۷۷)

زیر بحث رسالہ مکتبہ مجیدیہ ملتان سے شائع ہوا ہے اور سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مولف موصوف نے اصول حدیث کی تعریف اور غرض وغایت کو آسان اور سہل انداز میں بیان کیا ہے اور حدیث کی تعریف اور تقسیم کو درج کیا ہے کہ خبر متواتر اور خبر واحد اور پھر خبر واحد کی پانچ قسمیں درج کہ ہیں اور کتب حدیث کی اقسام کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مولانا جالندھری کے اس رسالہ میں فن حدیث کی معتبر کتب سے اصطلاحات حدیث منتخب کر کے آسان انداز میں مترجم و مرتب کیا گیا ہے یہ رسالہ اتنا سہل اور سادہ ہے کہ وہ طلباء جو فن حدیث کے کتب کا مطالعہ کرنے کا ذوق و شوق رکھتے ہوں ان کے لئے رسالہ ہذا یاد کرنا از حد مفید اور اہم ثابت ہو گا۔

اس رسالہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں آخری صفحات پر ایک فارسی رسالہ اصول حدیث کا منظوم حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی تبرکاً طلبا کیلئے ملحق کیا گیا ہے جو یاد کرنا بھی آسان ہے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو

روایت اگر تا پیمبر رسد ۔۔۔ درانام مرفوع شد اے سند
دگر تا صحابی رسانی و بس ۔۔۔ بودنام موقوف آں راسپس(۷۸)

فصل سوئم

تجزیاتی مطالعہ

مملکت خداداد پاکستان اس حوالہ سے زرخیز ہے کہ اس میں خدام القرآن اور حدیث کثیر تعداد میں پیدا ہوئے اور خطہ ملتان بھی ان علاقوں میں شمار ہوتا ہے جن میں کسی نہ کسی درجے میں علم حدیث پر کام ہوا۔ مندرجہ بالا باب میں فصل اول میں تاریخ حدیث اور فصل دوم میں اصول حدیث پر ملتان میں ہونے والے کام کا اور ان شخصیات کا تعارف بھی مختصر انداز میں بیان ہوا جنہوں نے یہ خدمت سرانجام دی۔ اس کام پر اگر تجزیاتی بحث کی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان خدام الحدیث نے علم حدیث کی خدمت کر کے اور اسکی تدوین واشاعت میں اپنا کردار ادا کر کے سب سے قبل تو محبت و عشق رسول ﷺ سے وفاداری اور ایمانی جذبات کا اظہار کیا اور دوسرے نمبر پر تشنگان علم حدیث کو حدیث کے متعلق معلومات فراہم کر کے ملتان کے باسیوں پر احسان عظیم کیا اور اس دھرتی کو ان شخصیات پر ناز کرنا چاہیے اور ان کے درجات کی بلندی کی دعا اللہ رب العزت کے حضور بجالانی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ پاک کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ان عظیم لوگوں کو اس خطہ کیلیے منتخب فرمایا۔

ان شخصیات میں مولانا عبدالعزیز پرھاروی ایسی شخصیت ہیں کہ جن کے تحقیقی کام پر کئی مقالاجات تحریر کیے جا چکے ہیں جس میں پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی مرحوم (پروفیسر شعبہ عربی بہاء الدین زکریا ملتان)، پروفیسر ڈاکٹر محمد شفقت اللہ (پروفیسر شعبہ عربی بہاء الدین زکریا ملتان) اور راقم الحروف کے مقالہ میں مواد بھی اس میں شامل ہے۔ اول الذکر دو شخصیات نے مولانا عبدالعزیز کے مخطوطات غیر مطبوعہ پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے مقصد سے کام کیا اور مولانا پر بہت سے رسالہ جات بھی تحریر کیے جا چکے ہیں اور اخبارات و جرائد میں ان پر مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ الغرض مولانا عبدالعزیز نے کم عمر کے باوجود ایسا کام چھوڑا ہے جو عربی زبان کے حوالے سے اپنی خاص شناخت رکھتا ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔

ان میں دوسری شخصیت بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ جن کا نام مولانا سید احمد سعید شاہ کاظمی جن پر بھی کافی تحقیقی کام ہوا ہے۔ جس میں راقم الحروف کا ایم۔ فل اور دیگر طلبہ کے ایم۔ اے کی سطح پر کافی مقالہ جات شامل ہیں۔

خدمت حدیث کے حوالے سے علامہ کاظمی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور شیخ الحدیث اور جامعہ انوار العلوم ملتان میں عمر بھر حدیث پڑھاتے رہے ہیں اور اگر ان کی خدمت کو بیان کیا جائے تو موصوف کی اپنے اور بیگانے برابر کی عزت اور قدر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مذکورہ بالا باب میں تیسری شخصیت مولانا خیر محمد جالندھری کی ہے۔ آپ کی ذات پر بھی بہت سے مضامین اور مقالات تحریر ہوئے ہیں۔ خدمت حدیث میں مولانا جالندھری کی تحریروں کو مقبول عام و خاص حاصل ہے اور طلباء کو آپ کی تحریریں اور درس حدیث کی مدد سے اصطلاحات حدیث کو سمجھنے اور یاد کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ بالخصوص اصول حدیث پر آپ کا کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ ان شخصیات کے درجات بلند فرمائے۔ آمین !(مولانا کی علمی دینی و ملی خدمت کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب تحریر کی گئی ہے جس کا نام خیر السوانح ہے)۔

مندرجہ بالا باب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ علم حدیث کتنا اہم علم ہے کہ ان شخصیات نے زندگی کے اہم ترین ایام اسکی خدمت میں گزارے اور بنیادی مآخذ تک رسائی حاصل کر کے محدود وسائل کے باوجود بھی اہم معلومات حاصل کیں اور امت کے لیے علم حدیث کے فہم کو آسان بنایا۔ اس تعلیمی اور تحقیقی کام کا مطالعہ کرتے ہوئے تمام علماء کرام کو تعصب اور گروہ پرستی کی روش سے بالاتر ہو کر امت کی اصلاح اور اتحاد کا درس دیتے ہوئے محسوس کیا۔ اس چیز کی آج کے مشکل سے دوچار دور میں بہت ضرورت ہے۔ یہ ہمارے تمام مذھبی مکاتب فکر کے لوگ قومی سوچ کے ساتھ متحد ہو کر امت کی خدمت کریں اور راقم الحروف کی ذاتی رائے کے مطابق وہ نکتہ، وہ مرکز، وہ محور اور وہ ذات جن کی ہستی کائنات کا حسن ہے جن کا نام نام اسم گرامی محمد رسول اللہ ﷺ ہے اس ذات پر ہم متحد ہو سکتے ہیں اور ملت اسلامیہ کی اصلاح و فلاح میں اپنا کردار بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں اس تحقیق کے مذکورہ باب میں علم حدیث کی تاریخی اور اصول حدیث کی بحثوں میں علماء کے موقف میں ایسی کرن اور امید نظر آتی ہے جو قوم کو متحد ہونے کے لیے اور اکٹھا رکھنے کیلیے بے حد ضروری ہے۔ اس میں نمایاں پیغام محبت و عشق اور اس ذات

مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کا جذبہ شامل ہے۔ کیونکہ دنیا ہو یا آخرت، کاروبار یا ملازمت، معاملات ہوں یا عبادات الغرض زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو اگر کامیابی و کامرانی کا حصول مطلوب ہے تو وہ اطاعت رسول خدا ﷺ میں ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل
جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ(۷۹)

حوالہ جات باب دوئم

۱۔ ابن منظور، افریقی، لسان العرب، دارالمعارف قاہرہ، س ن، ج ۲، ص ۷۹۶

۲۔ ندوی، عبد القیوم، مولانا، فہم حدیث، تاج کمپنی کراچی، ص ۲۱

۳۔ مرسلات: ۷۷: ۵۰

۴۔ یوسف: ۱۲: ۱۱۱

۵۔ طور: ۵۲: ۳۴

۶۔ اردو دائرہ معاف اسلامیہ، لاہور دانشگاہ، پنجاب ۱۹۷۱ء، ص ۹۶۲

۷۔ طحان، محمود، ڈاکٹر، تیسیر مصطلح الحدیث، لاہور دار نشر الکتب ۱۹۷۹ء، ص ۱۴

۸۔ عتر، نورالدین، ڈاکٹر، منہج النقد فی علوم الحدیث، دار الفکر دمشق ۱۹۸۱ء، ص ۲۴

۹۔ القاری، علی، بن سلطان، الہروی، شرح نخبۃ الفکر، کوئٹہ دار لاشاعت ۱۳۹۷ھ، ص ۱۴

۱۰۔ آمدی، سیف الدین، ابی الحسن، الاحکام فی اصول الاحکام، دار العلم بیروت ۱۹۸۰ء، ج ۱، ص ۲۴۱

۱۱۔ خضری بک، محمد، اصول فقہ، دار العلم بیروت ۱۹۴۶ء، ص ۲۱۴

۱۲۔ فاطر: ۳۵: ۴۳

۱۳۔ احزاب: ۳۳: ۶۲

۱۴۔ تقی امینی، مولانا، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، لاہور پبلشرز ۱۹۷۸۸ء، ص ۱۱۴

۱۵۔ منہج النقد فی علوم الحدیث، ص ۲۸

۱۶۔ لسان العرب، ج ۵، ص ۳۷۹

۱۷۔ راغب، ابی القاسم، الحسین بن محمد، الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دار العلم بیروت ص ۸۶

۱۸۔ ابن حجر، احمد بن علی، العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دار العلم بیروت، س ن، ج ۱، ص ۹

۱۹۔ عینی، بدرالدین، علامہ، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، دمشق، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۱۴

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۵

۲۱۔ الشعریٰ: ۴۲: ۵۱

۲۲۔ البقرہ: ۲: ٦٦

۲۳۔ ہود: ۱۱: ۱۲۰

۲۴۔ الاعراف: ۷: ۱۷٦

۲۵۔ گیلانی، مناظر احسن، سید، تدوین حدیث، مکتبہ العلم لاہور، س ن، ص۵۹

۲٦۔ فیض احمد، مولانا، مقام حدیث، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ص۷

۲۷۔ تدوین حدیث، ص۲۰

۲۸۔ مقام حدیث، ص۸

۲۹۔ تدوین حدیث، ص٦۷

۳۰۔ ایضاً، ص٦۹

۳۱۔ الحشر:۵۹: ۷

۳۲۔ الاحزاب:۳۳: ۲۱

۳۳۔ النور: ۲۴: ۵۴

۳۴۔ العمران: ۳: ۱۱۰

۳۵۔ النجم: ۵۳: ۳-۴

۳٦۔ العنکبوت: ۲۹: ٦۸

۳۷۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، کاظمی پبلشرز ملتان، ۲۰۱۳ء، ج۱، ص۱۰

۳۸۔ ایضاً، ص۱۱

۳۹۔ ایضاً، ص۱۳

۴۰۔ سعیدی، امانت علی، حیات غزالی زماں، کاظمی پبلشرز ملتان ۲۰۰۳ء، ص۴۱

۴۱۔ المائدہ: ۵: ۵

۴۲۔ مقالات کاظمی، ج ا، ص ۲۵

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۳۹

۴۴۔ ایضاً، ص ۲۴۱

۴۵۔ النحل: ۱۶: ۸۹

۴۶۔ الاعراف: ۷: ۱۴۵

۴۷۔ مقالات کاظمی، ج ا، ص ۲۴۱

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۴۷

۴۹۔ ایضاً، ص ۲۴۸

۵۰۔ ایضاً، ص ۲۴۹

۵۱۔ ملتانی، فیض احمد، مولانا، المسائل والدلائل، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ص ۴۴

۵۲۔ البقرہ: ۲: ۲

۵۳۔ ملتانی، فیض احمد، مولانا، مقام حدیث مع ازالہ شبہات، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ص ۱۴

۵۴۔ ایضاً، ص ۵

۵۵۔ اقبال، علامہ، ڈاکٹر، بال جبریل (بحوالہ اقبالیات) مطبوعہ لاہور، ص ۱۲۲

۵۶۔ مقام حدیث، ص ۶۲

۵۷۔ ایضاً، ص ۹۵

۵۸۔ جالندھری، خیر محمد، مولانا، خیر الاصول فی حدیث الرسول، کتب خانہ مجیدیہ ملتان، س ن، ص ۳

۵۹۔ الطحان، محمود، الدکتور، تیسر مصطلح الحدیث، دار العلم بیروت، ۱۹۷۹ء، ص ۳۱

۶۰۔ ایضاً، ص ۳۲

۶۱۔ علوم الحدیث، ص ۳۲

۶۲۔ محمد اسحٰق، مولانا، فقہائے پاک وہند، مکتبہ العلم لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۰

۶۳۔ پرھاوری، عبد العزیز، علامہ، النّاھیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ (مترجم مولانا غلام یٰسین) مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ص ۷

۶۴۔ ایضاً، ص ۸

۶۵۔ ہفت روزہ، سفینہ خبر ۱۰ جولائی ۱۹۸۹ء

۶۶۔ روزنامہ کوہستان ملتان ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ (مضمون عبد القادر تونسوی)

۶۷۔ پرھاوری، عبد العزیز، کوثر النبی ﷺ، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن، ص ۱۳

۶۸۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۶۹۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۷۰۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۷۱۔ آفتاب، احمد، مولانا، خیر السوانح، کتبہ امدادیہ ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۹۵

۷۲۔ ایضاً، ص ۹۷

۷۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵

۷۴۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۷۵۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۷۶۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۷۷۔ ایضاً، ص ۳۵۱

۷۸۔ جالندھری، خیر محمد، مولانا، خیر الاصول فی حدیث الرسول، مکتبہ مجیدیہ ملتان ۱۳۴۴ھ، ص ۱۳

۷۹۔ اقبالیات، مطبوعہ لاہور، ص ۲۲۰

باب سوئم

ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اوّل

حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تعارف

موضوعاتی مطالعہ سے مراد مختلف موضوعات پر احادیث کو جمع کر کے اس کی تشریح اور وضاحت کر کے ایک عنوان پر صاحب تصنیف کے نتائج فکر ہیں۔ یہ کام برصغیر پاک و ہند میں حدیث کے میدان میں اردو زبان میں بھی ہوا ہے بلکہ کافی قابل قدر کام ہوا ہے۔ اس عنوان پر ملتان میں ہونے والے کام کا تعارف پیش خدمت ہے۔

ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر زمانی اعتبار سے کام کرنے والی پہلی شخصیت کا نام مفتی اللہ بخش ملتانی ہے ان کا تعارف مندرجہ ذیل سطروں میں بیان کیا جاتا ہے۔

مفتی اللہ بخش ملتانی ۱۹۳۲ء تحصیل جلالپور ضلع ملتان کے قریب موضع موتھا میں پیدا ہوئے پیدائش کے چند دنوں بعد والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش کا ذمہ بہن کے حصہ آیا ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا غلام رسول سے حاصل کی۔ آپ کے والد محمد مراد سادہ اور ہر دلعزیز شخصیت تھے زراعت ان کا پیشہ تھا۔ مولانا مفتی اللہ بخش نے وقت کے معروف علماء سے شرف تلمذ حاصل کیا جن میں مولانا غلام اللہ مدرس جامعہ تعلیم القرآن پنڈی مولانا سلطان محمود دیو بندی کے نام قابل ذکر ہیں۔ سند فراغت کے بعد مفتی اللہ بخش موضع ٹھل نجیب نزد سلاروہن ملتان میں تدریس کی مسند پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد مفتی اللہ بخش کبیر والا میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد ملتان تشریف لائے۔ ملتان کے علاقے قادر پور راں میں امامت اور خطابت کے فرائض شروع کیے۔ اس وقت آپ حنفی المذہب تھے بعد میں آپ اہل حدیث بن گئے اس پاداش میں آپ کو سخت حالات کا سامنا بھی کرنا پڑا اور آپ کو وہابی، غیر مقلد اور ملحد کے القابات سے پکارا جانے لگا۔ اس کے بعد جماعت اہل حدیث نے آپ کو سہارا دیا اور ساتھ ہی جامعہ محمدیہ عام خاص ملتان میں تدریس پیش کر دی۔ یہاں آپ تین سال مدرس رہے اس کے بعد آپ نے مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان میں تقریباً ۸ سال بطور شیخ الحدیث کام کیا اور کافی طلباء کو علم حدیث سے بہرور کیا۔ مفتی صاحب بہت ہی کامیاب مدرس تھے۔ طریقہ تدریس

سہل اور سادہ، مشکل عبارت حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مرکز ابن القاسم میں تدریس کے دوران میں آپ کی صحت خراب ہونے لگی۔ مرگی کا مرض لاحق ہوا اور ۲۰۰۷ء کو نشتر ہسپتال ملتان میں وفات پائی اور عام خاص باغ ملتان میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تالیف میں بھی خدمات سر انجام دیں۔ (۱)

آپ کی درج ذیل مشہور تالیفات یہ ہیں:

i. **قصص القرآن:** اس کتاب میں انبیاء علیہ السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ہر واقعہ کے بعد توحید کی دعوت پیش کی گئی ہے۔

ii. **مایفید الناس فیما قال بعض الناس:** یہ ایک علمی اور تحقیقی کتاب ہے۔ جس میں امام بخاری کی سیرت پر مشتمل مقدمہ اور اس کتاب میں ان مقامات کی وضاحت کی گئی ہے جہاں پر بعض الناس کا تذکرہ ہے یہ کتاب علم حدیث پر اہم کتاب ہے اور میری تحقیق میں شامل ہے۔ اس کا تعارف و تجزیہ اگلی سطور میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

iii. **دینی امور پر اجرت:** اس کتاب میں دینی امور پر اجرت کے جواز میں دلائل سے بحث کی گئی ہے۔

iv. **اربعین حدیث و اربعین آیات:** یہ دو رسائل ہیں اور ان میں تفصیل سے سماع موتی کے رد پر بحث کی گئی ہے یہ رسائل بھی علم حدیث پر ہیں ان کی وضاحت بھی آگے بیان ہو گی۔

v. **صلوٰۃ الموحدین:** اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریقہ کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ملتان میں متن حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر تحریر کی گئی مفتی اللہ بخش کی پہلی تصنیف کا نام ہے اربعین احادیث۔ یہ کتاب سو صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ توحید و سنت ملتان سے طبع ہوئی ہے۔ یہ کتاب چہل حدیث کے نام سے بھی مشہور ہے۔

اس میں مصنف موصوف نے صحاح ستہ سے احادیث مع متن درج کر کے ان کا ترجمہ اور تشریح بیان کی ہے اور تقلید کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ " ہمیں جب کسی مسئلہ پر بحث کرنا ہو تو سب سے قبل اصل ذخیرہ یعنی بنیادی مأخذ کی طرف رجوع کرنا چاہیے" چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ "اب لوگ اپنی طرف سے نئے اصول تجویز کرنے لگے ہیں کہ سب

سے پہلے بزرگوں کے اقوال، پھر احادیث اور پھر کتاب اللہ۔ ان کی گنگا اب الٹی بہنے لگی ہے ان کو چاہیے کہ متقدمین کے اصولوں کو نذر آتش کر دیں کیونکہ عقائد کے بارے میں تقلید منع ہے اور عقائد کے بارے میں سوچ وبچار کرنا اور تقلید کو چھوڑنا واجب ہے۔"(۲)

اس تحریر میں حدیث کو بیان کرنے کے بعد یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کوئی شخص چاہے وہ نبی ہو، مومن ہو، شہید ہو چاہے جو کوئی بھی ہو اس دنیا سے اس کا تعلق مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے نہ وہ کسی کو نظر آسکتا ہے نہ کسی سے بات کر سکتا ہے، نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقل وحرکت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ان کے الفاظ ہیں کہ "موت کے بعد زندہ مردہ کے درمیان مکمل فراق بائیکاٹ ہوتا ہے اور اگر کوئی میت زندہ کو دیکھ سکتا یا اسکی باتین سن سکتا تو پھر فراق کا کیا مطلب۔ فراق تو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جانبین سے پوری طرح جدائی ہو نہ زندہ مردہ سے بات چیت کر سکے اور نہ مردہ زندہ سے حال وغیرہ پوچھ سکے۔ "(۳)

اس کے ساتھ ساتھ اس تحریر میں مفتی موصوف نے ان تمام روایات کا انکار کیا ہے جو موت کے بعد سماع کے حق میں ہیں اور مسئلہ سماع موتیٰ میں جو آراء موجود ہیں کہ مردے سنتے ہیں بات کرتے ہیں جواب دیتے ہیں ان سب کا انکار کر کے سماع موتی کی نفی کی ہے اور دلائل میں احادیث درج کی ہیں نمونہ کیلئے ایک حدیث ملاحظہ ہو:

((عن عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ملیکۃ سمع عائشہ تقول سمعت رسول اللہ ﷺ ھو بین ظھزانی اصحابہ انی علےٰ الحوض انتظر من یرِدُ علیَ منکم فو اللہ لیقتطعن اللہ دونی رجال" فلاقولن ایی رب منی و من امتی فیقول انک لا تدری ماعملو البعدک مازالو یرجعون علی اعقابھم))(۴)

"حضرت عبید اللہ نے حضرت عائشہؓ سے سنا فرماتی تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر فرما رہے تھے کہ میں حوض کوثر پر اپنے ساتھیوں اور امیتوں میں سے ہر ایک کا انتظار کروں گا پس قسم ہے اللہ کی کئی آدمیوں کو میرے سامنے سے ہٹالیا جائے گا تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے امتی ہیں اللہ تعالی فرمائیں گے اے پیغمبر علیہ السلام آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا عمل کیے یہ دین سے پھرے رہے۔"

مندرجہ بالا حدیث رسول ﷺ کو دلیل کے طور پر درج کر کے مفتی صاحب نے اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اپنے امتی کے حال احوال سے آگاہ نہیں ہیں اور وہ دنیا سے بے خبر ہیں: اعمال سے واقفیت کی نفی کے بعد مفتی اللہ بخش نے صحیح مسلم کی ایک اور حدیث پیش کر کے یہ تحریر کیا ہے کہ دیدار رسول

ﷺ بھی ممکن نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا وصال کر جانے کے بعد صحابی رسول ﷺ اگر دیدار کی تمنا کرتا تو اس کو نصیب نہیں ہو سکتا تو آجکل یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((عن ابی ھریرہ قال قال رسول ﷺ والذی نفس محمد بیدہ لیاتینّ علیٰ احدکم یوم و لا یزانی ثم لان یزانی احبَ الیہ من اھلہ و مالہٖ معھ))(۵)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم پر ایک دن ایسا آئے گا کہ مجھے نہ دیکھ سکو گے اس وقت تمہیں میرا دیکھنا اتنا محبوب ہو گا کہ تم کہو گے کاش سب مال کنبہ بال بچے دیکر بھی کہیں دیدار نصیب ہو جائے۔"

اس حدیث کو دلیل بنا کر مصنف نے اس تصور کا رد کیا ہے کہ دیدار مصطفی ﷺ اس جہاں میں ہو جاتا ہے اور اولیاء اور سلف صالحین اس کو ایمان کی معراج اقرار دیتے ہیں اور بڑے بڑے نامور مفکرین مصنفین اور شعراء کے دیدار مصطفی ﷺ کی آرزو تمنا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر اس نظریہ کا انکار مفتی اللہ بخش نے بہت زور سے کیا ہے چنانچہ مندرجہ بالا حدیث کی وضاحت میں درج کرتے ہیں کہ "صحابہؓ کو تو اتنی قربانی کے باوجود بھی نبی کریم ﷺ نہ ملیں لیکن آجکل کے ولائیت کے مدعیوں کو ہر روز اور ہر بار قبر مبارک پر حاضری دینے سے مصافحہ کریں اور بات چیت کریں اور سوال جواب دیں۔"(۶)

الغرض اس کتاب کو ان کے مسلک کے علماء اور طلباء نے سراہا اور اس کو شرک وبدعت کے رد میں ایک اچھی کاوش کا نام دیا۔ چنانچہ تائید کے طور پر کتاب کے صفحہ نمبر ایک پر درج تحریر اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ "اربعین حدیث میں کتاب اللہ اور حدیث صحیحہ سے عمدہ طریق سے استدلال کیا ہے مصنف حضرت مولانا اللہ بخش صاحب نے شرک وبدعت کے رد میں مخلصانہ سعی کی ہے اللہ تعالی اس سعی کو مشکور بنائے اور خواص وعوام کے لیے باعث ہدایت بنا کر مصنف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔"(۷)

اس موضوع پر کام کرنے والی ملتان کی سرزمین سے تعلق رکھنے والی ایک اور شخصیت جن کا نام محمد طاہر رحیمی ہے ان کے حالات زندگی تفصیل سے تو نہیں مل سکے کیونکہ آپ ملتان میں علمی خدمات سرانجام دینے کے دوران آپ اپنے خاندان سمیت مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر گئے راقم الحروف کا ان کے صاحبزادے قاری محمد اشرف سے ٹیلیفون پر رابطہ ہوا تو انہوں نے جو معلومات دیں وہ پیش خدمت ہیں:

"مولانا محمد طاہر رحیمی ماہر قراۃ عشر اور سید القراء کے نام سے مشہور تھے ملتان میں مدرسہ قاسم العلوم اور جامعہ رحیمیہ اشاعت القرآن میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا خیر محمد جالندھری اور مولانا مفتی محمود شامل ہیں قاری محمد طاہر رحیمی علم تجوید و علم قرائت کے فن میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے اور موصوف گزشتہ ڈیڑھ عشرہ سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے اور تقریباً تین سال قبل مدینہ منورہ دیار حبیب خدا ﷺ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔"

علم حدیث پر قاری طاہر رحیمی کی پہلی تصنیف کا نام " ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس " ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں اور ۲۱۸ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ مدینہ لاہور سے شائع ہوئی ہے اور علم حدیث کے معلمین اور متعلمین کے لئے نسخہ ءنافعہ اور مفیدہ ہے۔

اس تحریر میں الجامع الصحیح البخاری کے ان مقامات کی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے جن مقامات پر "قال بعض الناس" کے الفاظ بیان ہوئے ہیں (۸) اور صاحب کتاب کی تحقیق کے مطابق صحیح بخاری میں ایسے پچیس مواضعات ہیں جہاں قال بعض الناس کے انداز میں بحث ہوئی ہے۔ یہ کتاب ان مقامات کے فہم و ادراک میں ایک مفید اور اہم تحریر کے طور پر جانی جاتی ہے۔

اس کتاب کے دیباچہ میں صحیح بخاری کا تعارف علمی مقام و مرتبہ اس کے عجائب و لطائف اور بالخصوص امیر المومنین فی الحدیث محدث اعظم ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم البخاری المتوفی (۲۵۶)ھ کی علم حدیث کے میدان میں خدمات پر بحث کی گئی اور قال بعض الناس کے اغراض و مقاصد اور ان کے اسباب و علل کا تعین کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب نے مذکورہ بالا موضوع پر جہاں قال بعض الناس کی تشریح میں موزوں اور مناسب الفاظ کا انتخاب کیا ہے وہاں محدث اعظم حضرت امام بخاری اور فقیہ اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ ان دونوں حضرات کے ادب کا خصوصی خیال رکھا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ "ناچیز مولف کے لیے اس تالیف میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ دونوں ہی کا پاس ادب رہے بندہ نے کامل سعی کی ہے کہ کسی کی شان میں بھی کوئی ناقص کلمہ قلم سے نہ نکلے اور کسی کے حق میں بھی سوء ادبی کا قطعی ارتکاب نہ ہونے پائے ہمارے لیے دونوں ہی ائمۂ کبار انتہائی معزز و مکرم ہیں" (۹)

اس بات میں کوئی شک و شبہ بھی نہیں کہ امام ابو حنیفہ شمس الفقہاء تو امام بخاری قمر المحدثین ہیں اس کتاب میں مولف نے دفاع حنفیت میں امام بخاری کا اور تقریر اعتراضات میں امام ابو حنیفہ کا ادب و احترام احسن انداز میں

ملحوظ رکھا ہے۔اس موقع پر ان حضرات کو حضرت مولانا کی پیروی کرنے کا کہنے کو جی چاہتا ہے جنہوں نے علمی مباحث میں توہین مخالفین کو وطیرہ بنا کر فرقہ پرستی کی گہری کاشت کر رکھی ہے اور عوام کو ایک دوسرے سے متنفر کیا ہوا ہے۔

اس تحریر میں دو مقدمات شامل کیے گئے ہیں پہلے مقدمہ میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کے حالات ومناقب اور فضائل وکمالات کا بقدر ضرورت تفصیلی تذکرہ ہے اس کے ساتھ ساتھ امام صاحب پر کئے جانے والے اعتراضات کا منصفانہ جائزہ لیا گیا ہے اور ان اعتراضات کا شافی وکافی جواب دیا گیا ہے مولف موصوف نے امام ابو حنیفہ کا تعارف اور محاسن جس انداز میں تحریر کیے ہیں اس کا نمونہ پیش خدمت ہے:

"نعمان نام ابو حنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب شجرہ نسب آپ کا یوں ہے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ بن ثعلبہ کوفی" آپ کے والد ثابت کو صغر سنی میں حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کی خدمت میں لایا گیا تو مولا علیؓ نے آپ کی اور آپ کی اولاد کے حق میں برکت کی دعا کی پیدائش بمقام کوفہ ۸۰ھ اور بمقام بغداد مشہور قول کے مطابق عہدہ قضاء قبول نہ کرنے کی وجہ سے قید اور حالت سجدہ میں وفات ۱۵۰ھ میں "(۱۰) ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ﴾(۱۱)

امام اعظم کے تعارف کے حوالے سے مصنف نے کوشش کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا ذکر کتاب میں شامل ہو جائے چنانچہ آپ کا حلیہ مناقب وامتیازی کمالات، آپ کے شیوخ، جس میں مشہور اساتذہ کے نام بھی درج کیے ہیں۔ حماد بن سلیمان، حسن بصری وغیرہ آپ کی تالیفات اور ان کے موضوع بھی اس تحریر میں نقل کیے ہیں۔ مشہور کتب میں اختلاف الصحابہ، کتاب الجامع، کتاب السیئر، الکتاب الاوسط، الفقہ الاکبر، الفقہ الاسط اور کتاب الاثار شامل ہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ کی ذہانت وفراست اور کرامات کا بھی تذکرہ ہے اور آپ کی ذاتی خوبیوں اور محاسن کو حسین انداز میں بیان کیا ہے۔

دوسرا مقدمہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری کے حالات زندگی نام ونسب تاریخ ولادت ووفات حلیہ مبارک، شیوخ وتلامذہ مسلک اور آپ کی مشہور تصنیفات کا تذکرہ ہے اس ضمن میں آپ یوں تحریر کرتے ہیں کہ

"نام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل ۱۹۴ھ کو بخارا ازبکستان کے شہر میں ولادت ہوئی والد ماجد اسمٰعیل اپنے زمانہ کے بڑے عالم ومحدث کبیر اور روایت میں ثقہ تھے آپ نے اس پاک فضا میں تربیت پائی آپ حفظ حدیث، فہم معانی، تیزی ذہن، باریکی نظر، کثرت فقاہت، زہد تقویٰ، طرق وعلل حدیث کی وسعت معلومات قوت حافظہ، ملکہ اجتہاد واستنباط ان تمام حیثیات میں اپنی مثال

آپ تھے زہد و تقویٰ آپ کا معمول تھا۔ تلاوت قرآن حکیم رمضان المبارک میں بالخصوص تلاوت فرماتے تہجد میں طویل تلاوت اور طویل سجدہ معمول تھا ترکہ میں بہت مال ملا تھا غرباء اور بالخصوص طلباء حدیث پر سرف فرماتے تھے (۱۲)"۔

امام بخاری نے ۲۵۶ھ عید الفطر کی رات بوقت عشاء اس دار فانی سے دار بقا کی طرف لوٹ گئے عید نماز کے بعد بوقت ظہر نماز جنازہ ادا کی گئی متعدد حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور بستی خرتنگ جو سمرقند سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اس بستی کا نام خرتنگ اس لیے پڑ گیا کہ اس مقام پر لوگ بکثرت آئے جسکی بناء پر سواری کی تنگی پیش آئی اس لیے اس بستی کا نام خرتنگ مشہور ہو گیا۔ آپ کی رمز ولادت ۱۹۴ھ رمز وفات نور ۲۵۶ھ اور رمز مدت حیات حمید ۶۲ سال (۱۳) مدت دراز تک آپ کی قبر سے عطر سے بڑھ کہ مشک کی خوشبو مہکتی رہی اور اہل بخارا بطور تبرک قبر سے خاک کو اٹھا کر لے جاتے شادی بیاہ کے موقع پر دلہن کے عطر میں ملاتے کیونکہ اس مٹی کی خوشبو تمام عطروں سے بڑھکر دلآویز تھی بالآخر مجبوراً مزار پر لکڑی سے چار دیواری کر دی گئی۔ ایک ایمان افروز واقعہ جو مولف نے اس کتاب میں نقل کیا ہے کہ " امام بخاری کی وفات کی شب میں مشہور محدث شیخ عبد الواحد طوادلسی نے حضور اکرم ﷺ کو مجمع صحابہؓ کرام کے ہمراہ خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ اور صحابہؓ کرام کسی صاحب کا انتظار فرمارہے ہیں محدث مذکور کہتے ہیں میں نے سلام کیا اور عرض کیا یارسول ﷺ آپ یہاں کس کا انتظار فرمارہے ہیں؟ فرمایا "انتظر محمد بن اسمٰعیل البخاری" بعد میں معلوم ہوا کہ اسی وقت امام بخاری کا انتقال ہوا تھا" (۱۴)۔

حلیہ مبارک پر بحث کرتے ہوئے مولف نے آپ کو ایک متوازن و میانہ قد اور ان کے بارے میں جو بات مشہور ہے کہ امام بخاری بچپن میں نابینا تھے اس کا انکار کیا ہے کہ اور تحریر کیا ہے کہ آپ کی بچپن میں کسی مرض کی وجہ سے بینائی چلی گئی جسکا آپکی والدہ ماجدہ کو بہت صدمہ تھا۔ بارگاہ ایزدی میں روئیں عجز انکسار کے ساتھ ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگیں اللہ تعالی مجیب الدعوات نے والدہ کی دعا قبول فرمائی اور خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آپ کی بے چین و مضطرب والدہ کو بینائی آنے کی بشارت دی صبح کو نیند سے بیدار ہوئیں تو امام بخاری کی آنکھیں روشن پائی پھر نگاہ اتنی تیز ہوئی کہ آپ نے اپنی کتاب الکبیر چاند کی چاندنی میں تحریر کی (۱۵) اس کتاب میں آپ کے محاسن و کمالات کے ساتھ ساتھ آپ کے اباء کا بھی مختصر مگر جامع تذکرہ ہے کہ آپ کو جعفی کیوں کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے پردادا مغیرہ حاکم بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تو اس وقت کے دستور کے مطابق جعفی کہلانے لگے۔

اس مقدمہ کے آخری حصہ میں مولف نے احوال و متعلقات صحیح بخاری پر بحث کی ہے اور اس ضمن میں درج ذیل سات امور درج کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ پہلے امر میں کتاب کا پورا نام تحریر کیا ہے کہ اس کا پورا نام ہے کہ الجامع المسند، المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ نام کے بعد ان اصطلاحات کی وضاحت کا جان لینا بھی ضروری ہے تو اب صحیح بخاری کے نام کی تشریح پیش خدمت ہے۔

(۱) جامع: اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں درج ذیل آٹھ قسم کی احادیث درج ہوں:

(۱) عقائد (۲) سیئر (۳) آداب (۴) تفسیر (۵) احکام (۶) مناقب (۷) رقاق (۸) متن

انہی آٹھ اقسام کو مولانا طاہر رحیمی نے بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ

"سیئر آداب و تفسیر و عقائد متن رقاق و احکام و مناقب" (۱۶)

اور مشہور جوامع تین ہیں (۱) جامع بخاری (۲) جامع مسلم (۳) جامع ترمذی

(۲) الصحیح: ایسی کتاب جس میں ضعیف روایات کو شامل نہ کیا جائے۔

(۳) مسند: ایسی کتاب جس میں ایسی احادیث شامل ہوں جنکی سند مرفوع اور متصل ہو۔

(۴) من امور رسول اللہ ﷺ سے مراد آپ ﷺ کے قول فعل اور تقریر اس کی وضاحت گذشتہ بحث میں ہو چکی ہے۔

(۵) سننہ سے مراد احکام الفقہ ہیں جن کی مدد سے معاملات زندگی میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

(۶) ایامہِ سے مراد مغازیہ ﷺ ہیں۔

۲۔ امر دوم میں سبب تالیف جامع الصحیح بخاری پر قلم کاری کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ امام بخاری کے اکابر استاد امیر المومنین فی الحدیث اسحٰق بن راہویہ سبب ہیں۔ انہوں نے ایک بار تمنا فرمائی کہ کوئی صحیح احادیث کا مجموعہ مرتب ہو جائے امام بخاری بھی اس مجلس میں شریک تھے اللہ تعالی نے ان کے دل میں اس کا داعیہ پیدا کیا اور انہیں اس اہم و مہتم بالشان کام کی توفیق بھی مرحمت فرمائی نیز اس سلسلہ میں آپ نے ایک خواب دیکھا جو متعدد حدیث کی کتب میں درج ہے۔ خواب کچھ یوں ہے جو امام بخاری کے حوالے سے مشہور ہے:

" میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا پنکھا جھل رہا ہوں اور مکھیاں اڑا رہا ہوں فن تعبیر کے ماہرین سے اسکی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ کے کلام سے کذب و افتراء کی مکھیاں اڑاؤ گے اور صحیح و ضعیف احادیث میں تمیز کرو گے۔"(۱۷)

۳۔ امر سوم میں صحیح بخاری کی خصوصیات و امتیازات کا ذکر ہے اس عنوان کے تحت صحیح بخاری کے متعلق ماہرین علم حدیث کی آراء کا ذکر تفصیل سے تحریر کیا ہے مثال کے طور پر علامہ ابن کثیر کا قول جو جامع بخاری کے متعلق ہے وہ بیان کرتے ہوئے علامہ رحیمی رقمطراز ہیں کہ " قراۃ بخاری سے طلب باراں کی جاتی ہے جس گھر میں بخاری کی تلاوت کی جائے وہ طاعون سے محفوظ رہتا ہے"۔(۱۸)

۴۔ امر چہارم میں جامع بخاری کا درجہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اس عنوان کے تحت صحیح بخاری کی روایات اور روایوں کے خصائص اور امام بخاری کا انداز روایت بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ امر پنجم میں امام موصوف کے آباء کا دین اور ان کا اسلام قبول کرنا بیان ہوا جو بحث گذشتہ صفحات میں درج ہو چکی ہے۔

۶۔ امر ششم امام میں بخاری کے حصول علم حدیث کیلئے دنیا کے علمی مراکز کا تذکرہ ہے جن کا سفر آپ نے طے کیا اور جو مشکلیں اور رکاوٹیں آڑے آئیں ان کو بیان کیا ہے جن ممالک کا آپ نے سفر کیا ان میں خراسان، عراق، حجاز، شام، مصر اور بغداد میں اس وقت کے جید شیوخ سے امام بخاری نے اخذ حدیث اور بھرپور استفادہ کیا۔ ان جلیل القدر محدثین اور نامور فقہاء جن میں اسحٰق بن رہویہ، علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین حنفی اور عبداللہ بن حمیدی شافعی کے نام سرفہرست ہیں۔ ان حضرت گرامی سے امام بخاری علم حدیث اور اسرار شریعت کے حصول کے بعد اپنے

وطن بخارا واپس ہوئے تو اہل بخارا نے پانچ میل آگے جاکر استقبال کیا اور اظہار مسرت کے طور پر ان پر اشرفیاں نچھاور کیں۔

۷۔ امر ہفتم میں ان نیک بخت لوگوں کا ذکر ہے جن حضرات نے امام بخاری سے کسب فیض کیا اس کو مولف موصوف نے لاتعداد مخلوق کے ساتھ منسوب کیا ہے مولف کتاب کے مطابق امام بخاری کی زندگی ہی میں نوے ہزار سے زائد افراد نے بلاواسطہ صحیح بخاری سنی اور دیگر شاہیر تلامذہ میں مسلم بن حجاج قشیری، امام ترمذی، ابن خزیمہ ابوزرعہ اور امام ابوحاتم کا نام سر فہرست ہے (۱۹)۔ اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری کے مسلک کا تذکرہ کیا ہے اور اس ضمن میں علماء کی آراء بیان کیں ہیں اور آخر میں یہ درج کیا ہے کہ امام بخاری نہ حنبلی تھے نہ شافعی بلکہ وہ خود مستقل مجتہد مطلق وامام الفقہ ہیں امام بخاری کا علمی مقام بیان کرنے کے بعد مولف نے فضائل و مناقب صحیح بخاری درج کیے ہیں اور صحیح بخاری کے اغراض ومقاصد کا تذکرہ بھی کیا ہے اس ضمن میں موازنہ بین البخاری ومسلم پر بحث کی ہے اور صحیح بخاری کی ترجیح کی وجوہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مقدمہ البخاری کی تکمیل کرتے ہوئے صاحب کتاب نے تعداد احادیث بخاری، شروح صحیح بخاری اور سند کتاب البخاری کو مختصر انداز میں بیان کیا ہے۔

ان مقدمات کے تفصیلی ذکر کے بعد مولف نے قال بعض الناس کے مقامات کی نشاندہی کی ہے اور قال بعض الناس کے تمام مقامات کو بالترتیب بحوالہ درج کیا ہے اور ان تمام مقامات پر تفصیلاً بحث فرمائی ہے نمونہ کیلئے ایک مقام کی بحث ملاحظہ کریں: ” وقال بعض الناس لایجوز شهادة القاذف وان تاب“ ”اور بعض کے نزدیک قاذف کی شہادت تائب ہونے کے بعد بھی جائز نہیں“۔

یہ بحث دراصل مسئلہ شہادت القاذف ہے یعنی ایسا آدمی جس پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کے سبب حد قذف لگی ہو جب تک یہ شخص اظہار ندامت وطلب معافی کے ذریعہ توبہ واصلاح حال نہ کرے اس وقت تک تو باجماع امت اس کی شہادت قطعاً مسترد ہے لیکن اگر وہ توبہ تائب ہو جائے تو پھر اختلاف ہے۔

اس معاملے میں امام بخاری کا نقطہ نظر ان حضرات کے ساتھ ہے جو توبہ کے بعد شہادت کو جائز سمجھتے ہیں تب انہوں نے اس ضمن میں قال بعض الناس کا لفظ استعمال فرمایا اور مولف کتاب کے نزدیک اس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ ایسے شخص کی شہادت کو غیر مقبول سمجھتے ہیں چاہے وہ توبہ بھی کرلے زیر نظر کتاب میں دونوں طرف

سے دیئے گئے دلائل کو بھی بیان کیا ہے اور ان پر تبصرہ کرنے بھی سعی کی ہے۔ تبصرہ کرتے ہوئے علامہ رحیمی نے دونوں ائمہ کے اختلاف کو علمی اختلاف کا نام دیا ہے اور اس ضمن میں آپ رقمطراز ہیں کہ

"امام ابو حنیفہ کی امامت وعدالت حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے بڑے بڑے آئمہ حدیث نے آپکے علم و تقویٰ کو خراج تحسین پیش کیا ہے اس لیے آحاد اور محض چند افراد کی جرح معتبر نہیں اور آپ پر کی جانے والی جرحیں سب مبہم ہیں اور آپ کے جارحین کے مقابلے میں معدّلین ومادحین اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کو گنا بھی نہیں جاسکتا اور امام بخاری نے صحیح بخاری میں امام ابو حنیفہ کے اقوال قال بعض الناس کے عنوان سے نقل کیے ہیں۔"(۲۰)

مذکورہ بالا بحث کی وضاحت میں علامہ رحیمی نے امام بخاریؒ کے قال بعض الناس کے عنوان کو شیخ کے تعظیم کے طور پر ان کا نام استعمال نہ کرنا قرار دیا ہے کیونکہ سید الفقہاء امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ بھی امام بخاریؒ کے شیخ الشیوخ ہیں۔

چنانچہ شہادۃ القاذف کے بارے میں مولف نے دونوں آئماء اور ان کے موافق ومخالف آراء کو درج کیا ہے اور تمام حضرات کے دلائل کو وضاحت سے نقل کیا ہے پھر ان دلائل پر جرح بھی کی ہے اور آخر میں امام ابو حنیفہ کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور ان پر کیے جانے والے اعتراضات کا شافی وکافی جواب دینے کی سعی کی ہے۔

یوں اس کتاب میں بالترتیب پچیس مواقع پر قال بعض الناس کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے اور اس کا تجزیاتی مطالعہ کے بعد حل تلاش کیا گیا ہے۔ قال بعض الناس کی بحثوں کو مکمل کرنے کے بعد اس تالیف کی اختتام پر دو ضمائم کا الحاق کیا گیا ہے پہلے ضمیمہ میں وفاق المدارس کے مختلف سنین کے دس مشکل سوالات کا حل بترتیب صفحات بخاری درج کیا گیا ہے دوسرے ضمیمہ میں متفرق سوالات جامع بخاری شریف کا حل کے عنوان سے درج ہے جو حضرت مولانا زکریاؒ کے افادات وارشادات کا مجموعہ ہے ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد یہ تحریر مکمل ہوئی اور اس کی تکمیل پر جو مصنف نے خوشی کا اظہار کیا ہے وہ اس کتاب کو منفرد کرتا ہے وہ انداز ملاحظہ ہو:

"ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد یہ مجموعہ بحمدہٖ وعونہٖ سبحانہ اپنی شان میں منفرد وبے مثال بن گیا جو طلباء و اساتذہ دونوں ہی کیلئے نافع ومفید ثابت ہوگا آج کی طباعت واشاعت پر بندہ ناچیز کا دل خوشی سے لبریز ومعمور ہے اور فرحت و انبساط سے لبالب بھرپور ہے مگر احقر کو اپنی علمی بے مائگی وتہی دستی کا پورا اعتراف ہے جسکی وجہ سے اس میں غلطیاں رہ جانے کا بھی کافی امکان ہے قادر مطلق اس خدمت ومحنت کو صدقہ جاریہ اور الباقیات الصالحات کی فہرست میں داخل فرماکر ذخیرہ آخرت

بنائے آمین برحمتک یاارحم الرحمین وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وﷺ علی سید العالمین محمد و علی آلہٖ واصحابہٖ اجمیعن"(۲۱)

یہ اسلوب جو مولف نے اختیار کیا ہے وہ ہمارے روایتی اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے جہاں ان کے انداز سے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اپنے علم اور تحریر کی تعریف خود فرمارہے ہوں جو کہ عام طور پر خود نمائی اور خود پسندی کے مترادف سمجھا جاتا ہے مگر دوسرے ہی جملہ میں اپنی ذات اور کام کو اس طرح پیش کیا کہ عجز وانکساری کی جھلک ظاہر ہونے لگی۔ اور علم حدیث کی اس خدمت کو نافع امت بنانے کی دعارب العالمین کے دربار پر انوار سے طلب کی اس کتاب کا تعارف اور تجزیاتی جائزہ لینے کے بعد ہم کہ سکتے ہیں کہ یہ تحریر علم حدیث کے قارئین کے لیے ایک بہترین اور قیمتی تحفہ ہے جس میں سید الفقہاء امام ابو حنیفہ اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی شخصیات ان کا علمی مقام و مرتبہ، ان کی علمی خدمات ان کے علمی اختلافات کو یکجا بیان کیا ہے اوان کے علمی اختلاف کا حل احسن انداز میں تحریر کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کاوش علمی میدان میں بہت اہمیت وافادیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ مولف موصوف کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔

ملتان میں موضوعات حدیث کے میدان میں ایک اور تحریر جسکا کانام " زَبدَۃالمقصود فی حل قال ابو داؤد" ہے یہ بھی مولانا طاہر رحیمی کی تصنیف ہے یہ تحریر مکتبہ مدینہ لاہور سے شائع ہوئی ہے اور ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے اس تحریر میں علم حدیث کی معروف کتاب سنن ابی داؤد کے اندر اقوال امام ابی داؤد کی ضروری تشریحات وتوضیحات اور بالا حتیاط شروح کی منتخب خلاصے درج کیے گئے ہیں علم حدیث کے طلباء سنن ابی داؤد کے مطالعہ میں قال ابو داؤد والے اکثر مقامات کو مشکل مقامات خیال کرتے ہیں تو ان مقامات کو سہل اور قابل فہم بنانے کی غرض وغایت سے یہ کاوش عمل میں لائی گئی چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہین کہ

"احقر وبندہ ناچیز کو سنن ابی داؤد کی تدریس کی سعادت نصیب ہوئی۔ اثناء تدریس میں اندازہ ہوا کہ طلباء دورہ حدیث اس کتاب کے "اقوال ابی داؤد" میں کافی دقت ودشواری محسوس کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ابو داؤد کے اقوال جن کے ذیل میں صاحب سنن عموماً وغالباً اسانید ومتون حدیث کے اختلاف واضطراب، جرح وتعدیل رواۃ جیسی اہم چیزوں پر بحث کرتے ہیں وہ متعدد مواقع میں اغلاق ودقت کے حامل ہیں اس لئے خیال ہوا کہ ایک مختصر وجامع رسالہ مرتب کر دیا جائے تاکہ بالخصوص طلباء کیلئے سہولت میسر آجائے"(۲۲)۔

اس تالیف کے مقدمہ میں سابق کتاب کی طرز پر البحث الاول کے عنوان سے حالات امام ابو داؤد نام و نسب اور آپکی ولادت ووفات، اساتذہ وتلامذہ، فضائل ومناقب اور آپ کا مسلک ومذہب نقل ہوا ہے۔ اس تحقیق میں بھی آپ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے: آپ کا پورا نام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران ازدی (قبیلہ کا نام ہے) سجستانی اور بعض مقامات پر امام ابو داؤد کو سجزی بھی کہتے ہیں۔ سجستان سندھ اور ہرات کے درمیان قندھار وچشت کے قریب ایک مشہور علاقہ لیکن وہاں کے جغرافیہ کے مطابق اس نام کا شہر معلوم نہیں ہوتا مگر معجم البلدان میں ہے کہ یہ شہر خراسان کے اطراف میں ہی ہے اور اس کو سجز بھی کہتے ہیں (۲۳)۔

آپ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۵ھ میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف (بعمر ۷۳ سال) پردہ فرما گئے تذکرۃ الحفاظ میں نقل ہے کہ امام ابو داؤد کی نماز جنازہ ۸۰ دفعہ ہوئی کل نمازیوں کا تخمینہ کیا گیا تو تین لاکھ ہوئے (۲۴) آپ کا مرقد مبارک بصرہ میں ہے آپ نے حصول علم کیلئے مختلف بلاد اسلامیہ مثلاً خراسان، عراق، شام، حجاز، مصر، بغداد وغیرہ کے بے شمار مشہور وجید شیوخ سے کسب فیض کیا ہے جسمیں مشہور مشاہیر یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، محمود بن غسلان، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی۔ امام ابی داؤد سے لاتعداد مخلوق نے شرف تلمذ حاصل کیا جس میں بہت مشہور تلامذہ میں ان کے اپنے صاحبزادے ابو بکر عبد اللہ وعبد الرحمن نیشاپوری امام ترمذی اور امام انسائی شامل ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپکے استاد امام احمد بن حنبل نے بھی ایک حدیث آپ سے روایت کی ہے (۲۵)۔

صاحب کتاب نے ابو داؤد کے تعارف کے بعد سنن ابو داؤد کا تعارف اور فضائل ومناقب تحریر کیے ہیں اس بحث کے بعد مولف نے شروح وحواشی سنن ابی داؤد کا تذکرہ کیا ہے جس میں مشہور ومعروف درج ذیل ہیں:

(۱) معالم السنن مصنف علامہ ابو سلیمان خطابی شافعی یہ سب سے پہلی شرح ہے

(۲) غایۃ المقصود یہ تیس جلدوں میں بڑی مفصل شرح ہے جسکو شیخ علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے تحریر کیا ہے۔

(۳) اور ایک بہت معروف شرح جیسے علامہ بدر الدین عینی حنفی نے تصنیف کیا ہے وہ اقتضاء السنن ہے ان کے علاوہ اور بھی شروح ہیں جو مختلف علماء نے تحریر کی ہیں۔ اس بحث کے بعد اس سنن کے نسخ کا ذکر ہے جسمیں چار نسخ بہت مشہور ہیں تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) لؤلؤی: اس نسخہ کا پورا نام نسخہ ابو علی محمد لؤلؤی ہے یہ مشرقی شہروں میں بہت مشہور ہے۔

(۲)　　نسخہ ءابو بکر بن داسیہ یہ مغربی شہروں اندلس وغیرہ میں زیادہ مشہور ہے یہ دونوں نسخ تقریباً برابر ہیں اور ان میں غالباً محض تقدیم و تاخیر کا فرق ہے اور اس وقت اکثر ممالک میں پہلا نسخہ زیادہ رائج ہے جسکی دو وجوہات ہیں اول یہ کہ یہ نسخہ تمام نسخوں میں اشہر و اضح و اکمل ہے دوم یہ کہ ابو علی لوکوئی نے یہ نسخہ امام داوٗد سے انکی وفات کے سال میں یعنی محرم ۲۷۵ھ میں سنا جو مصنف کا سب سے آخری املا ہے(۲۶)

(۳)　　نسخہ ابو سعید احمد ابن الاعرابی: یہ نا مکمل نسخہ ہے۔ اسمیں کتاب الملاحم، کتاب الفتن اور کتاب القرأت موجود نہیں۔

(۴)　　نسخہ ابو عیسی اسحق رملی: یہ نسخہ اول الذکر دو نسخوں کے قریب ہے مگر پہلا نسخہ (لوکوی) اصح و اشہر ہے اور سنن ابو داوٗد کی احادیث کی تعداد (۴۸۰۰) چار ہزار آٹھ سو اسی نسخہ لوکوی کے مطابق ہے (۲۷)۔

مقدمہ کے اختتام کے بعد مولف نے سنن ابی داوٗد میں "قال ابو داوٗد" کے الفاظ جہاں جہاں استعمال ہوئے ہیں ان مقامات کو بالترتیب نقل کیا ہے اور باب کا عنوان دے کر بحث کو شروع کیا ہے قال ابو داوٗ کی وجوہ معنی و مفہوم اور حکم کا تعین واضح اور آسان انداز میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

نمونہ کے لیے ملاحظہ ہو مولف کی "باب ماجاء بیرءبضاعة" (۲۸) کے عنوان کے تحت ہونے والی بحث چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ "بعض لوگوں نے بیر بضاعۃ (مطلب ایسا چشمہ جس کا پانی ایک طرف سے آئے دوسری طرف نکل جائے) کا یہ جواب دیا تھا کہ اس کا پانی جاری و کثیر تھا۔ اس لئے باوجود نجاست کے وہ ناپاک نہ ہوتا تھا"۔ ابو داوٗد اس جواب کا رد کرنا چاہتے ہیں انہوں نے اس کے متعلق یہاں چار امور بیان کیے ہیں وہ الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

((حدثنا احمد بن شعیب قولہٗ ابو داؤد و سمعت قتیبہ بن سعید قال سائلت قیم بیر بضاعۃ عن عمقھا قال اکثر مایکون فیھا الماء الی العانۃ))(۲۹)

چنانچہ امام ابو داوٗد کے چار امور کی وضاحت مولف نے درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:

امر اول میرے استاد قتیبہ بن سعید کا بیان ہے کہ بیر بضاء کا پانی زیادہ تر زیر ناف اور کم از کم گھٹنے سے نیچے تک پہنچتا تھا معلوم ہوا کہ جاری نہ تھا۔ پانی کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا پانی نہر کی طرح بہتا تھا بلکہ مقصد یہ ہے کہ ڈول وغیرہ سے کھینچ کر باغ و کھیتی کو سیر اب کیا جاتا تھا اگر اس پر شبہ ہو کہ اگر یہی مراد ہوتی کہ اخراج نجاسات کے

بعد بیر بضاعہ کا پانی پاک رہتا تھا پھر صحابہ کرامؓ نے سوال کیوں کیا کہ امر تو ظاہر ہے اس کا جواب یہ کہ کنویں کے فرش اور دیواروں کا دھونا ممکن نہ تھا اور صحابہ کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ شاید کنواں بغیر اس کے پاک نہ ہوتا ہو اس لیے سوال کیا۔ امر دوم ابو داؤد کی پیمائش کے مطابق بیر بضاعہ کا عرض چھ ہاتھ تھا معلوم ہوا کہ اس کا پانی کثیر نہ تھا امر سوئم میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ شاید ان حضرات کے زمانہ میں اس کنویں کی کوئی دوسری شکل ہو جو حالیہ شکل سے مختلف ہو تو ابو داؤد کا اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں نے کنویں کے متولی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ یہ کنواں اپنی اصلی حالت پر قائم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی"(۳۰)۔ امر چہارم میں امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے بیر بضاعہ کے پانی کو متغیر اللّون دیکھا۔(۳۱)

"اس بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے مولف نے تحریر کیا ہے کہ پہلی بات تو یہ کہ حضور اکرم ﷺ کا زمانہ اور امام ابو داؤد کے زمانہ میں تقریباً ۲۰۰ سال کا فرق ہے رسول اکرم ﷺ کا زمانہ مبارک سے امام ابو داؤد کے زمانہ میں کنواں وسیع تھا اور پانی جاری تھا اور ابو داؤد کے زمانہ میں کنواں تنگ ہو گیا اور پانی کم ہو گیا اور دوسری بات کہ پانی میں تغیر دیکھا تو اس کا مطلب ہوا کہ جاری پانی میں تغیر نہیں ہوتا اور یہ تغیر پانی کے رنگ کا تھا نہ کہ نجاست کی وجہ سے تھا۔ درخت کے پتوں یا زمانہ کے بعد طول مکث کی وجہ سے ہو گیا تھا"(۳۲)۔

دوسرے مقام پر قال ابو داؤد کی مثال ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد کے باب التیمّم فی الحضر میں سند ہے کہ ((**حدثنا احمد بن ابراھیم الموصلی قولہ قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول روٰی محمد بن ثابت حدیثاً منکراً فی التیمم**))(۳۳)۔

یہاں ابو داؤد نے حدیث مذکورہ پر دو اعتراض کیے ہیں اول یہ کہ امام احمد بن حنبل کے مطابق محمد بن ثابت کی یہ روایت منکر ہے (حدیث منکر وہ ہے جسکو ضعیف راوی سوء حفظ یا جہالت وغیرہ کی بناء پر ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے) تو حدیث منکر کا ثبوت دو امور کی تحقیق پر موقوف ہے اول مخالفت ثقہ راوی دوم ضعیف راوی۔ مولف موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ "مذکورہ صورت میں مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ محمد بن ثابت نے ضربہ ثانیہ کی زیادتی کی ہے اس میں ایک امر کا اثبات کیا ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور یہاں ضعف راوی بھی ثابت نہیں کیونکہ بہت سے محدثین نے محمد بن ثابت کی توثیق کی ہے"(۳۴)

مولف موصوف کی اور اس تحریر پر بہت سارے علماء نے اپنی اپنی آراء تحریر کی ہیں جس میں مشہور علماء کی آراء پیش خدمت ہیں:

(۱) مفتی محمودؒ سابق صدر پاکستان قومی اتحاد و رئیس جمیعۃ علماء اسلام پاکستان رقمطراز ہیں کہ "احقر نے زبدۃ المقصود فی حل قال ابو داؤد مولفہ عزیز محترم سید القراء والحفاظ ماہر قراءات سبعہ وعشرہ جناب مولانا القاری محمد طاہر صاحب زاداللہ علومہ کا مختلف مقامات سے مطالعہ کیا سنن ابی داؤد میں قال ابو داؤد کا حل کرنا مدرسین کے نزدیک مشکل مسئلہ ہے جناب قاری صاحب موصوف نے اس مشکل کو حل کرنے کی طرف توجہ فرمائی ہے اور اسے سنن ابی داؤد کے مطالعہ کرنے والوں (مدرسین و طلباء) کے لیے اردو زبان میں لکھ کر آسان بنادیا ہے۔ قاری صاحب موصوف جہاں علم تجوید و قراءات کے فن میں ماہر اور معتمد ہیں اور فن قرائت میں بیش بہا تصانیف کے مولف ہیں وہاں اس کتاب کی تالیف سے انہوں ثابت کر دیا کہ وہ علم حدیث کے مشکل مقامات کے حل کرنے میں بھی کافی دل چسپی رکھتے ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اس تالیف کو دیگر تالیف کی طرح قبول فرما کر نافع و مفید بنائے اور حضرت قاری صاحب کو اس طرح کی تالیفات کی مزید توفیق بخشے واللہ الموفق والمعین محمود عفااللہ عنہ خادم مدرسہ قاسم العلوم ملتان یکم رجب ۱۳۹۸ھ" (۳۵)۔

(۲) مفتی عبد الستار شیخ الحدیث و مدرس کبیر جامعہ خیر المدارس ملتان تحریر کرتے ہیں کہ "نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم امابعد رسالہ ھذا "زبدہ" کو جو بفضلہ تعالی واقعی زبدہ ہی ثابت ہو گا بعض مقامات سے سنا۔ امید سے بڑھ کر محقق پایا جیسا کہ حضرت قاری محمد طاہر صاحب مسلم کے تبحر علمی محققانہ طرزِ تصنیف و تالیف سے توقع تھی موصوف فاضل نوجوان کے علمی کارنامے شیوخ کے لیے باعث رشک ہیں اللھم زد فزد و تقبل ثم تقبل ہر چند لکھنے پڑھنے کے یہ ناکارہ قابل نہیں رہا لیکن عزیزم محترم کی فرمائش کارد کرنا بھی گوارا نہ ہوا یہ سطریں علامہ عبد الستار نے بستر مرض پر ہسپتال سے لکھیں تھیں جیسا کہ آپ رقمطراز ہیں کہ "اس لیے ہسپتال کے بستر پر ہی یہ چند سطریں لکھ دی ہیں جو پڑھے ناکارہ کے لیے دعا سلامتی ایمان و شفائے کاملہ سے نوازے آمین بندہ عبد الستار (عفااللہ ۸ رجب ۱۳۹۸ھ بروز پنجشبنہ" (۳٦)

(۳) "مولانا قاری رحیم بخش مقری وقت پانی پتی سابق صدر درجہ قرآن خیر المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ "حسبی اللہ حامداً و مصلیاً امابعد زیر نظر تحریر زبدۃ المقصود فی حل قال ابو داؤد میرے پیارے عزیز جناب قاری محمد طاہر سلمہ ماہر قرات عشرہ و حافظ شاطبی و درّہ وغیرہ شارح النشر فی القرائت عشرہ کا تالیف شدہ ہے موصوف کی حسب منشاء اس ناکارہ نے اس کو متعدد مقامات دیکھا گو "قال ابو داؤد" والے اکثر مقامات سنن ابو داؤد میں مشکل مقامات خیال کیے جاتے ہیں لیکن اس ناچیز نے جہاں سے بھی

دیکھاماشاء اللہ اس رسالہ کو ان کے حل کے لیے بالکل کافی ووافی پایا چونکہ موصوف نے اس کو صرف طلباء حدیث کیلئے ان کی سہولت کے لیے بہت محنت و عرق ریزی سے تالیف فرمایا ہے اس لیے خدا تعالیٰ کی ذات سے توقع ہے کہ اس سے طلباء کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان کی اس خدمت کو اور تمام کوششوں کو اپنی ذات مقدسہ کیلئے بنائے اور قبولیت کے اعلیٰ ترین خلعت سے مزین فرما کر نفع کو عام و تام فرمائے اور آخری سانس تک قرآن وحدیث اور ان کے علوم کی خدمت میں مشغول رہنا نصیب فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرما کر ان کے لیے اور ان کے والدین اور اس روسیاہ اور تمام اساتذہ کے لیے آخرت کا اعلیٰ ترین ذخیرہ بنائے۔آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ و علیٰ و اصحابہ و ذریۃ و اہل مدینہ اجمعین و السلام خیر ختام"

(۴) از استاد المعقول المنقول شیخ الادب و حدیث حضرت علامہ مولانا موسیٰ استاد اعلیٰ مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور رقمطراز ہیں کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد بندہ نے مختصر وقت میں کتاب زبدۃ المقصود فی حل قال ابی داؤد تالیف الشیخ علامہ سید القراء مولانا القاری محمد طاہر رحیمی استاذ قاسم العلوم ملتان کے چند مقامات کا مطالعہ کیا اسکا ہر مضمون صحیح و مفید ہے اور بہت مفید ہے انشاء اللہ طلبہ کے علاوہ اساتذہ کے لئے ابوداؤد کے مشکل مقامات کے آسان طریقے سے حل تحریر فرمائے ہیں یہ کتاب بے شک حسبِ نام مقاصد قال ابوداؤد کا بہترین خلاصہ و حسین انتخاب ہے" (۵)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ استاذ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان اس تالیف کی ورق گردانی کے بعد فرماتے ہیں کہ "نحمدہ نصلی علی رسولہِ الکریم امابعد۔ بندہ نے فخر القراء حافظ سبعہ عشرہ قرأت قرآن کریم مولانا القاری محمد طاہر رحیمی مد ظلہ کا رسالہ زبدۃ المقصود فی حل قال ابوداؤد دیکھا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور مسرت حاصل ہوئی اور دل سے دعا نکلی اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ آپ نے قبل ازیں بھی تالیف کے میدان میں خدمات سرانجام دیں ہیں زیر نظر تحریر مغلقات سنن ابی داؤد کا بہترین حل ہے اس میں موصوف نے طالبان علم حدیث پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ابوداؤد کے مشکل مباحث جو قال ابوداؤد کے تحت ہیں خوب حل کیا ہے اور اس کے علاوہ ایک مقدمہ بھی ابتداء میں شامل فرمایا ہے جس میں مصنف کے علاوہ خصائص و فضائل کتاب وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے آمین بجاہِ سید المرسلین"(۳۷)

(۶) استاذ الفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی علی محمد مہتمم دار لعلوم کبیر والا ضلع خانیوال تحریر کرتے ہیں کہ "نحمدہ مصلیاً و سلماً امابعد اقوال ابوداؤد کے اغراض کے متعلق حضرت قاری محمد طاھر رحیمی کے مرتبہ فوائد بے حد مفید

ہیں بالا حتیاط شروح کے منتخب خلاصے ہیں سنن ابو داؤد شریف کے مدرسین اور طلباء کیلئے نادر تحفہ ہے دعا ہے کہ اللہ تعالی قاری صاحب کی یہ خدمت علمیہ قبول فرما کر مقبول علماء و طلباء بنائے آمین "(۳۸)۔

حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر کام کرنے والی ایک اور علمی اور فکری شخصیت کا نام سید محمود حسن شاہ صاحب ہے ان کا تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۹۲۶ء میں ایک مجذوب کی دعا سے پیدا ہونے والے بچے کا نام پہلے پہل وزیر حسین رکھا گیا جسے بعد میں خود اس نے وزیر احمد سے بدل لیا۔ دوراں حمل ماں جی کے بقول کوئی نماز نہ چھوٹی اور نہ کوئی روزہ۔

قرآن پاک کی تعلیم اپنی جائے پیدائش بستی عظیم شاہ کی مسجد میں مولوی چراغ صاحب سے حاصل کی۔ بستی عظیم شاہ خان پور شہر سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

تعلیم کے شعبے سے طبعاً دلچسپی تھی۔ حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوا تو بستی سے چوری چھپے خان پور چل پڑے۔ وہاں والد محترم پیر کرم شاہ صاحب کے مرید کی رہائش تھی، اسی کے ہاں ڈیرہ ڈال لیا اور قرآن حفظ کرنا شروع کر دیا۔ مگر اسی دوران صحت خراب ہو گئی۔ والد محترم واپس بستی لائے اور گورنمنٹ سکول بستی عظیم شاہ میں داخل کر دیا۔ چوتھی کلاس میں امتحان دیا تو تحصیل خان پور میں اوّل نمبر حاصل کیا۔

پانچویں جماعت میں کچھ ایسے حالات اور اسباب پیدا ہو گئے کہ انھوں نے دینی علوم پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ والدین ان کے اس فیصلے سے مطمئن نہ تھے مگر ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے بہاول پور کے نواحی قبضہ نور پور نورنگا میں ایک صالح عالم مولانا اللہ بخش صاحب فارسی پڑھانے میں مشہور تھے حاضر ہوئے تو داخلہ مل گیا۔ دو چار مہینوں میں زلیخا، بوستان اور گلستان کے درجہ تک پہنچ گئے۔ استاذ محترم اس کارگردگی پر بے حد خوش تھے۔ پھر گھر واپس تشریف لے آئے اسی دوران اپنا نام محمود حسن رکھ لیا۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی کے قائم کردہ مدرسہ مفتاح العلوم بستی مومن موضع مڈھ الیاس تحصیل خان پور میں داخلہ لے لیا۔ صرف بہائی سے لے کر کافیہ تک کتابیں پڑھ لیں۔ اس کے بعد ایک سال کوٹ مٹھن میں مولانا واحد بخش صاحب سے استفادہ کیا۔ ٹھیڑی خیر پور میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب سے مناظرہ کے فن کی

مشہور کتاب رشیدیہ پڑھی۔ مدرسہ انوریہ گمانی میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب سے مرقاۃ (فی المنطق) پڑھی پھر مدرسہ مخزن العلوم میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب سے ترمذی کا درس لیا۔

مدرسہ انہی شریف گجرات میں بھی دو سال تک مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دورہ حدیث کیلئے دار لعلوم دیوبند عازم سفر ہوئے۔ جون جولائی ۱۹۴۶ء سے اگست ۱۹۴۷ء تک دورہ حدیث استاذ المحدثین حضرت حسین احمد مدنیؒ کی نگرانی میں مکمل کیا۔

دار لعلوم دیوبند سے واپسی پر کچھ عرصہ مخزن العلوم خان پور میں بطور مدرس کام کیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مختلف مدارس میں خدمات پر انجام دیں۔ مدرسہ جامع العلوم ملتان میں بطور شیخ الحدیث ۱۴ سال تک مصروف رہے۔ ۱۹۹۶ء میں خرابی صحت کی بنا پر استعفیٰ دیا اور آبائی شہر خان پور منتقل ہو گئے۔

عمر بھر عاجزی اور انکساری وطیرہ رہی۔ ہمیشہ خود کو طالب حدیث کہا۔ خود کو کم علم سمجھا۔ مطالعہ ان کا مشغلہ تھا۔ شفقت اور توجہ لوگوں کو ان کی طرف کھینچ لاتی دنیاداری اور دنیاوالوں سے ہمیشہ خود کو بچائے رکھا۔ اللہ نے بے پناہ عزت سے نوازا غریب سے لیکر امیر، کاروباری افراد سے سیاستدان ان سے دعا کرواتے ان کے پاس حاضر ہوتے ہمیشہ سچ بات کہہ دیتے، مصلحت کا شکار نہ ہوتے۔ سچے عاشق رسول ﷺ تھے عمر بھر سرکار ﷺ کے احکامات ہمیشہ پیش نظر رہے۔

آخر عمر میں صحت خراب رہنے لگی چلنا پھرنا موقوف ہو گیا۔ نماز چارپائی پر ادا کرتے، عقیدت مند زیارت کے لئے حاضر ہوئے سب کو احکام شریعت اور نماز کی پابندی کی تلقین کرتے۔

۱۴ جنوری ۲۰۱۴ء کو ۱۲ ربیع اوّل کی رات جب فضائیں دورود پاک کی پاکیزہ صداؤں سے گونج رہی تھیں وہ اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ (۳۹)

سید محمود حسن صاحب کے تعارف کے بعد ان کی علم حدیث کے میدان میں کتاب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے

آپ کی تحریر کردہ کتاب کا نام "ترجمان الحدیث" ہے یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اسلامک پبلیکشنز لاہور سے طبع ہوئی ہے یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اوّل کے ۴۰۷ صفحات ہیں۔

ترجمان الحدیث کے آغاز میں مولف نے مسلمان معاشرہ اور مسلمانوں کو مادی ترقی کے نشہ میں غرق اور دولت کی ہوس میں مارامارا پھرنے والا قرار دیا ہے اور مثال پیش کی ہے کہ کافر فرقوں کے مقام کو پانے کیلئے ہم نے ان کی نقالی تو کی ہے مگر عقل سے کام نہیں لیا اس فکر پر ان کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں کہ

"ان کی کمزوریوں اور بے راہ روایوں کو تو دوڑ دوڑ کر ہم نے اپنا لیا لیکن محنت، نظم وضبط، دیانتداری اور اس طرح کی دوسری انسانی خوبیوں میں ان کی تقلید نہ کرسکے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نہ تو مادی اعتبار سے ترقی کرسکے اور نہ ہی دینی، اخلاقی اور سیاسی لحاظ سے اسلام کی نمائندگی اور علمبرداری کا حق ادا کرسکے۔ امت مسلمہ کے اس زوال اور پستی کو ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے بہت سے بھیڑیے انسانی روپ میں ان منتشر بھیڑ بکریوں کو جدھر چاہتے ہیں ہنکا کر لے جاتے ہیں ہماری عظیم اکثریت عملاً اسلام سے دور رہے ہمارے خواص اور بااثر عمائدین کی اکثریت اپنے اقتدار عزت اور اپنی معیشت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہے وہ اسلام کہیں نظر آتا جسے حضور ﷺ نے زمین پر رائج کیا تھا۔"(۴۰)

اس کے بعد سید صاحب کے نزدیک امت مسلمہ کے زوال اور پستی کی وجوہات اور اسباب کا ذکر کیا ہے کہ جنکی وجہ سے یہ امت مسائل مصیبتوں اور معاشی تنزلی کا شکار ہوئی اور ہوتی چلی جارہی ہے اور مندرجہ ذیل اسباب کو عنوان پر ان کی تفصیل بھی درج کی ہے۔ سید محمود حسن کے نزدیک مندرجہ ذیل اسباب امت کی زوال کی علامات ہیں۔

۱۔ دنیا سے بے پناہ محبت

۲۔ آخرت فراموشی

۳۔ منافقت

زیر نظر کتاب کے دس ابواب میں جنکا تعارف یہ ہے:

باب "یہ دنیا ہے" کے عنوان سے درج ہے اس میں رسول اکرم ﷺ کے ۱۳۱ ارشادات گرامی مختلف ذخیرہ حدیث سے لئے گئے ہیں اور اس میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کا مال ومتاع آخرت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ مال ومتاع کے نتائج کیا نکلتے ہیں۔ دین میں بگاڑ کس راستہ سے آتا ہے۔ دنیا سے محبت کرنے کا انجام اور نتیجتاً یہ بحث کہ عقل مند آدمی دنیا میں محتاط رہ کر آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے مومن کو دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔

باب دوئم کا عنوان ہے ''ایک دن مرنا ہے'' اس باب میں ۲۴ احادیث ہیں یہ باب بڑے حقائق ورموز پر مشتمل ہے اس میں موت کی حقیقت مرنے کے بعد کیا ہو گا، عالم برزخ کسے کہتے ہیں، موت کو بار بار یاد کرنے کے فائدے، قبر کیا کہتی ہے، عذاب قبر کا نقشہ نوحہ، ایصال ثواب اور زیارت قبور کا مسئلہ اس سب سے متعلقہ بحث تفصیل کے ساتھ باب دوئم میں درج ہے۔

باب سوئم کا عنوان ہے ''آخرت''۔ اس باب میں ۴۳ احادیث ہیں اس میں علامات قیامت، میدان حشر کی کیفیت، اللہ رب العزت کا جلال، قیامت کے دن ہولناک دہشت اور سورج کی ہوشربا گرمی، اللہ کی عدالت میں ہر شخص کا محاسبہ اور جواب طلبی، جنت اور دوزخ کا تفصیلی تعارف، خدا فراموشی کا انجام، جنت کی نعمتوں کا تذکرہ، جنت کی معاشرت کا ذکر اور آخرت میں کامیابی و کامرانی کا مدار ایمان پر ہے مندرجہ بالا تمام امور تفصیل سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔

باب چہارم ''اللہ پر ایمان'' کے عنوان سے درج ہے اس باب میں ۲۶ احادیث نقل کی گئی ہیں اور ان میں بتایا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے معنی کیا ہیں اور علامات کیا ہیں توحید اور ذکر کا مفہوم بیان ہوا ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے اللہ کے ذکر کی اہمیت اور اس کا طریقہ۔ دنیا کے کاروبار میں حصہ لینے کے باوجود آدمی اللہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ انسان کو اپنی حاجات کیلئے صرف اللہ سے رجوع کرنا چاہیے۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی مشکل کشا اور حاجت روا ہے، استغفار، وسیلہ اور شرک کی توضیح اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ آدمی اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرے اور آخرت میں اللہ کے احتساب سے خائف رہے۔

باب پنجم عنوان سید محمود حسن نے خوف خدا اور پرہیز گاری تجویز کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت ۱۹ احادیث اس ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی گئی ہیں کہ ان کے مطالعہ سے قاری پر واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کا خوف ایمان کی روح ہے، آخرت کی جوابدہی کے احساس سے صحابہ کرامؓ کس قدر خائف تھے؟ گناہ کی حقیقت، مومن کا کردار، تقویٰ کیا ہے، معیار تقویٰ اور زندگی پر اس کے اثرات کا تفصیلی ذکر ہے۔

باب ششم کا عنوان ہے ''رسول پر ایمان'' اس میں ۲۱ احادیث ہیں اور عقیدہ رسالت کو تفصیل سے مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے اور رسول ﷺ پر ایمان کا مفہوم و مطلب، حضور ﷺ کی نافرمانی، رسالت کا انکار، مقام رسالت،

ختم نبوت، سنت رسول ﷺ کا دین میں مقام، صحابہ کا عشق رسول، اخلاق نبوی اور آپ ﷺ کا مقام بندگی اور اس باب کا اختتام اس بات پر کیا ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زمین پر دین قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی اس میں کھپا دی۔“

باب ہفتم ”اقامت دین“ کے عنوان کے ساتھ درج ہے اس باب میں ۱۳۳احادیث درج ہیں جنہیں ملت اسلامیہ کے عروج وزوال کے اسباب، اقامت دین کے کام سے انحراف کی سزا، دعوت دین کا طریق کار، دین میں قرآن و سنت کا مقام، قرآن کے علم کی اہمیت اور غلبہ دین کیلئے اجتمائی کوششیں ناگزیر ہے اور ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ غلبہ دین کیلئے کوشش کرنے والوں کو خود بھی دین پر عمل کرنا چاہیے یہ کام صرف اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے ورنہ نمائش اور ریاکاری پر اجر نہیں بلکہ سزا ملے گی اور اس باب کے آخر میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے بغیر زمین پر دین قائم نہیں ہو سکتا اس لئے باب ہشتم کا عنوان ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے اس بات میں ۱۳۸احادیث درج ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

سب سے بڑا جہاد ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا، مومن غازی ہے یا شہید، عہد نبوی کے مجاہدین کے کارنامے، راہ حق میں شہید ہونے والوں کا اعزاز و مرتبہ، صحابہ کرامؓ کا شوق شہادت، جہاد وہ ہے جو صرف اللہ کے لئے ہو، ترک جہاد کا انجام ذلت، راہِ خدا میں حرام مال قبول نہیں ہوتا، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بھی جہاد ہے، انفاق فی سبیل اللہ میں صحابہؓ کا مثالی کردار اور اس باب کے آخر میں آپ نے یہ تحریر کیا ہے کہ اقامت دین کے لئے جہاد کرنے سے ہر طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

باب نہم کا عنوان ہے ”اقامت دین کی راہ میں آزمائش“۔ اس باب میں ۲۳ احادیث کے مضامین کی جھلک یہ ہے کلمہ حق بلند کرنے میں معاشی مشکلات، بھوک، مارپٹائی، دھمکی، قید و بند اور جسمانی اذیت برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا پڑتا ہے، داعی الی اللہ کو آرے سے چیرا جاتا ہے، لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت کو ہڈیوں سے الگ کیا جاتا ہے دانت ٹوٹتے ہیں انگلیاں خونچکاں ہوتی ہیں۔ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے والی جماعت جب صبر و حکمت کے ساتھ ہر طرح کی آزمائش سے دوچار ہونے کے باوجود اپنے مقصد کی طرف بڑھتی رہتی ہے تو اللہ کی مدد آجاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ غلبہ و

کامیابی عطا فرماتے ہیں۔ اقتدار مل جانے کے بعد ریاست چلانے کے لئے اور اسلامی حکومت کا مزاج کیا ہونا چاہیے اس سلسلہ میں حضور انور ﷺ کی عطا کی ہوئیں ہدایات باب دہم "اسلامی سیاست" کے عنوان سے ترتیب ہے۔ اس باب کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

اس باب میں ۵۴ احادیث ہیں جس میں اسلامی طرز حکومت، ریاست کی اطاعت، اسکی حدود دائرہ کار، ریاست کے سربراہ کے فرائض، اچھے اور برے حکمران کی پہچان، غیر مسلموں کے حقوق، خیانت اور رشوت، حکمران تحفے قبول نہ کریں، قانون سے کوئی بالاتر نہیں ہے، عدلیہ کے حصول، آداب استغاثہ، قیامت کے دن حکمران سے بازپرس ہو گی اور خائن، غدار اور ظالم حکمران رسوا ہوں گے۔

ترجمان الحدیث حصہ اوّل کے تعارف کے بعد حصہ دوئم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ترجمان الحدیث حصہ دوئم میں شاہ صاحب نے ابواب بندی کے ساتھ ساتھ عنوانات کے ذریعے فصول بنا کر بحث کی ہے اور یہ جلد ۴۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کے تین باب ہیں:

باب اوّل کا عنوان ہے "اسلام میں خاندان کی تشکیل"۔ پھر اس باب کی پہلی فصل میں نکاح سے متعلقہ احکامات جس میں پیغام نکاح کے اصول بیٹے کی شادی، خاندانی منصوبہ بندی اور شادی کے موقع پر ہونے وای رسومات اور طریقہ کار پر مفصل بحث کی گئی ہے اور فصل دوئم میں مہر، اسکی مقدار اور بالخصوص ازواج مطہرات کے مہر کے بارے میں مفید معلومات جمع کیں ہیں۔ اس کے بعد جہیز، ولیمہ، اور ولیمہ میں ہونے والے انتظام کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔ تیسری فصل میں حقوق الزوجین کا ذکر ہے اس میں میاں بیوی سے متعلقہ تمام امور پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ چوتھی فصل میں اولاد کے حقوق، اسکی پیدائش، عقیقہ، نام، تعلیم اور بچوں کی شادی تک کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

پانچویں فصل میں والدین کے حقوق، والدین کی خدمت، ماں کا حق، رضاعی ماں کا حق، غیر مسلم والدین کے ساتھ صلہ رحمی، والدین کی رضا کو اللہ کی رضا اور ناراضگی کو اللہ کی ناراضگی، والدین کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک کا ذکر کیا ہے۔

چھٹی فصل میں رشتہ داروں کے حقوق سے متعلقہ بحث فرمائی ہے جس میں سب سے قبل قطعہ رحمی کی سختی سے ممانعت کی ہے اور رشتہ داری کے مقام، صلہ رحمی کا کمال، صلہ رحمی کے فوائد و برکات غریب رشتہ داروں کی مالی اعانت کی تلقین بھرپور انداز میں کی گئی ہے۔

ساتویں فصل میں یتیم کے حقوق کا تذکرہ ہے اس کے ضمن میں یتیم کی سرپرستی کے انعامات اور ان کے سرپرست بننے پر کیا مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس کی تفصیلی مباحث قارئین کی نظر کی گئی ہے۔

آٹھویں فصل کا عنوان ہے ملازم اور خادم کے حقوق۔ اس فصل میں خادم کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی عزت نفس کا لحاظ کرنے کی تعلیمات سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں۔

اب دوسرے باب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

باب دوئم کا عنوان ہے "خاندان کی بربادی کے اسباب"۔ اس کی بھی آٹھ فصول ہیں جن کا تعارف درج ذیل ہے۔

پہلی فصل میں طلاق سے متعلقہ امور کا تذکرہ ہے اور اس فعل کی حوصلہ شکنی اور اللہ کے ہاں قابل نفرت عمل بیان کیا گیا ہے اور موجودہ حالات کے تناظر میں تین طلاقوں کے مسئلے کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور بیک وقت تین مرتبہ طلاق دینے کو غلط قرار دیا ہے۔

باب دوئم کی دوسری فصل میں بے پردگی اور آزادانہ میل جول کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور عورت کو آزادانہ ماحول میں گھر سے نکلنا اور محرم کو بھی گھر میں اجازت کے بغیر جانے کو منع فرمایا ہے اور پردے کے احکام پر بھی تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

چوتھی فصل کا عنوان ہے "بدنگاہی"۔ اس میں نگاہ کی حفاظت، نگاہ کی پاکیزگی اور نگاہ کو قابو میں رکھنے کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ پانچویں فصل میں عریانی و فحاشی کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اس فصل میں مردوں کو عورتوں کے مشابہ بننا اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ بننا فحاشی کی وجوہات میں شامل کیا گیا ہے اور دوسری وجوہات فحاشی کو مفصل انداز میں بیان کر کے اس کو ختم کرنے کی تفصیلات مرتب کی گئی ہیں۔

چھٹی فصل کا موضوع ہے زنا اور اغوا۔ اس فصل میں زنا کی مذمت، اسکی کی خرابیاں، زنا کی سزا اور کسی عورت کو بہکانا اور اغوا کرنا اسکی وعید اور سزا کے بارے میں معلومات درج کی گئی ہیں۔

ساتویں فصل میں عصمت فروشی کو اور قحبہ گری کو جرم اور سماجی زندگی کی ترقی کیلیئے بڑی رکاوٹ قرار دیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کو بے غیرت اور بے حیا کہہ کر خدا رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

باب دوئم کی آٹھویں فصل اور آخری فصل میں عمل قوم لوط کا تذکرہ ہے اور غیر فطری شہوت، رانی لواطت اور اسکی کی سزا کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

باب سوئم کا عنوان ہے ''اصلاح معاشرہ''۔ اس باب کی بھی آٹھ فصلیں ہیں فصل اوّل میں باہمی تعلقات کے موضوع سے متعلقہ بحث ہے کہ باہمی تعلق و محبت ہی ایمان کامل کی نشانی ہے۔

فصل دوئم میں عیادت، اسکی فضیلت اور بیمار کو تسلی دینے کے طریقے اور اسکے لیے دعا کے مسنون انداز کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

تیسری فصل میں علاج کے متعلق احکامات اور علاج کی اہمیت وضرورت کی عقلی و تفصیلی بحث کی گئی ہے اور جاہل طبیبوں وعطائیوں سے بچنے کی تلقین خاص کی گئی ہے۔

چوتھی فصل کا عنوان ہے جنازہ اس میں جنازہ تک میت کی حفاظت کے امور کا ذکر ہے جس میں میت کا غسل، اچھا کفن، جنازہ کا طریقہ، میت کے لئے استغفار اور دعا کا تذکرہ شامل ہے۔

پانچویں فصل میں مہمان کے حقوق کے موضوع پر مفصل بحث درج ہے جس میں ضیافت کے آداب اور میزبانی کے طریقے اور واقعات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

چھٹی فصل میں غریبوں اور کمزوروں کے حقوق کا تذکرہ شامل ہے اور آخری فصل آٹھویں میں خلق خدا کی خدمت کے موضوع پر علمی بحث کی گئی ہے کہ اصل زندگی اور سنت رسول ﷺ ہے کہ بے نواؤں، بے آسروں، بے سہاروں کے ساتھ حسن سلوک کر کے ان کی زندگی کو اندھیروں اور محرومیوں سے نکال کر روشنیوں اور امیدوں کی طرف لایا جائے اور مظلوم کی مدد کرنے کو خدمت خلق کا نہایت ہی اہم کام بیان کیا ہے۔

ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر کام کرنے والی ایک اور علمی شخصیت جن کا نام پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن ہے ان کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

خاندان و نسب

آپ کا خاندان علم و فضل میں خصوصی مقام اور شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد بدیع الزمانؒ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء میں مشہور عالم دین علامہ قاضی غلام رسول صاحبؒ کے ہاں اپنے گاؤں رحمٰن آباد، تلہ گنگ، ضلع چکوال میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حفظ و ناظرہ کے بعد فارسی اور درس نظامی کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ درسِ نظامی کی تکمیل کے لئے دارالعلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ) کا قصد کیا، جہاں محدث عصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری اور مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی جیسی شخصیات موجود تھیں ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم کراچی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے اور پھر ۱۳۸۶ھ /۱۹۶۷ء میں "جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن" تشریف لے آئے۔ اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کے باعث "جامعہ علوم اسلامیہ" کی نظامت تعلیم کے منصب پر فائز رہے۔ ابتدائی کتب سے لے کر حدیث کی انتہائی کتب کی کامیاب تدریس فرمائی۔ ۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء میں طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال فرماگئے۔ دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں تین صاجزادیوں کے علاوہ باقی سب اولاد عالم و فاضل اور درس نظامی کی تعلیم سے آراستہ ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن اپنے آبائی گاؤں رحمٰن آباد (چکوال) میں ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ ذات اور برادری کے اعتبار سے آپ "اعوان" ہوتے ہیں۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم قرآن حکیم کے حفظ سے شروع ہوئی اور "دارالسلام" (کراچی) سے ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء میں جبکہ آپ کی عمر صرف دس سال تھی قرآن کریم کا حفظ مکمل کرلیا۔ قرآن حکیم کے حفظ کے بعد درس نظامی کی تعلیم شروع ہوئی اور "جامعہ علوم اسلامیہ" بنوری ٹاؤن کراچی کے علمی ماحول اور والد محترم کی سرپرستی میں ۱۳۹۸ھ /۱۹۷۸ء میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ بعد ازاں درجہ تخصص میں داخلہ لیا اور ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء میں اسے مکمل کرلیا۔ اس کے بعد آپ

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد تشریف لے گئے اور ایل ایل ایم شریعہ میں داخلہ لے لیا۔ اس دوران دیگر اہل علم کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ سے بھی خصوصی استفادہ کیا۔ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء میں ڈگری مکمل کی اور ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں آپ کی لیکچرر شپ ہو گئی۔ ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی سے ہی "استحسان" جیسے نازک اور دقیق موضوع پر پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کی زیر نگرانی تحقیقی مقالہ تحریر کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی۔ (۴۱)

اساتذہ کرام:

آپ کے اساتذہ میں درج ذیل کے اسماء ممتاز ہیں۔

(۱) مولانا محمد یوسف بنوریؒ

(۲) مولانا محمد بدیع الزماںؒ

(۳) مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

(۴) مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

(۵) مولانا حبیب اللہ مختار شہید

(۶) ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

(۷) پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقیؒ

درس و تدریس:

آپ ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء سے اب تک شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں تدریس کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ "شعبہ علوم اسلامیہ" کے نصاب کی تیاری اور ترقی میں دیگر اساتذہ کے ساتھ ساتھ آپ کا بڑا نمایاں کردار رہا ہے۔ تقریباً ۸ پی۔ ایچ۔ ڈی اور ۱۳۶ ایم فل سطح کے تحقیقی مقالات آپ کی نگرانی میں طلباء نے مکمل کیے ہیں۔ ایم۔ اے سطح کے مقالات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ آپ ایک کامیاب استاد اور بہترین محقق ہیں۔ آپ کے اسلوب تدریس کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(۱) عصری و دینی اداروں کے اسلوب تدریس کا حسین امتزاج ہے۔

(۲) طلباء میں مسائل کی تخریج و تحقیق کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) تحقیقی نوعیت کے مسائل میں طلباء کی بھرپور مدد اور معاونت کرتے ہیں۔

(۴) سنجیدگی، متانت اور بردباری کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

(۵) اپنے وقت کے پابند اور کام کے حوالے سے انتہائی ذمہ دار ہیں۔

(۶) طلباء کو لکیر کا فقیر اور منزل سے ناواقف رکھنے کی بجائے ان میں تحقیق اور منزل کی جستجو کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

(۷) اسلوب تدریس انتہائی سائنٹفک اور دلائل و براہین سے مرصع ہیں۔

بیعت وارادت:

جن دنوں آپ "جامعہ علوم اسلامیہ" میں زیر تعلیم تھے انہی دنوں حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رائے پوری قدس سرہ بھی اکثر "جامعہ" میں تشریف لاتے رہتے تھے۔ دوران تعلیم ہی آپ ان کے گرویدہ ہو گئے اور ان سے اپنا روحانی تعلق قائم کر لیا۔ مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے بھی اسی دوران تعارف ہوا، جو ان دنوں "جمعیت طلباء اسلام" کو منظم کرنے اور ولی اللّٰہی فکر کو نوجوانوں میں منتقل کرنے کی مساعی میں مصروف عمل تھے۔ دوران تعلیم ہی آپ حضرت شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ کی سرپرستی اور حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی راہنمائی میں ولی اللّٰہی فکر اور جماعت سے وابستہ ہو گئے۔ اس پاداش میں آپ کو بہت سی مشکلات اور مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ تاہم آپ مکمل یکسوئی اور کامل لگن کے ساتھ اس فکر سے منسلک رہے۔ اسی دوران آپ سلوک واحسان کی منازل طے کرنے میں کامیاب ہوئے اور اپنے شیوخ سے مکمل طور پر مستفید ہوتے رہے۔ ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء میں مولانا شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ کے انتقال کے بعد براہِ راست مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے زیر تربیت رہے۔ مولانا شاہ سعید احمدؒ کو آپ پر بہت اعتماد تھا۔

اجازت وخلافت:

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے دین کی جامعیت کے ولی اللّٰہی فلسفے کے تناظر میں آپ کی خصوصی تربیت فرمائی اور آپ کو اس فکر کے فروغ اور نوجوانوں میں اس فکر کی ترویج واشاعت کے لئے ہارون آباد کے قیام میں اجازت وخلافت کے اہم منصب پر فائز فرمایا۔

عصری مصروفیات:

آپ کی عصری مصروفیات درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت کی حیات میں ”ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ“ کی صدارت کے فرائض سر انجام دیے اور اب بھی سرپرستی فرما رہے ہیں۔

(۲) سہ ماہی ”شعور و آگہی“ کی مجلس ادارت میں شامل ہونے کے ساتھ ”مجلّہ عزم“ اور ”رحیمیہ“ کی بھی سرپرستی فرما رہے ہیں۔

(۳) بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی (ملتان) میں ”شعبہ علوم اسلامیہ“ کے چیئرمین کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں ”شعبہ علوم اسلامیہ“ مسلسل ترقی کی طرف گامزن ہے۔

(۴) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی (اسلام آباد) کے ”بورڈ آف شریعہ اینڈ لاء“ کے ممبر ہیں۔

(۵) ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ملتان) میں نوجوانوں کی فکری و شعوری تربیت کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔

(۶) حضرت مفتی عبد الخالق آزاد کے رفیق کار اور ان کی سرپرستی میں ولی اللّٰہی فکر کو پھیلانے کے لئے بھرپور اور موثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

عادات و خصائل: آپ عادات و خصائل میں اپنے شیخ سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتے ہیں۔ وسیع مطالعہ اور عمیق مشاہدہ کے باوجود تواضع و انکساری کا پیکر ہیں۔ تفقہ و رسوخ فی الدین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کے ساتھ ساتھ ذہانت، متانت اور دیانت کے ارکان ثلاثہ کے حامل ہیں۔ ولی اللّٰہی و عبید اللّٰہی فکر و فلاسفی پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ اس فکر کی عصری و عملی تطبیق کے حوالے سے انتہائی بلند شعور رکھتے ہیں۔ فطرتاً کم گو د و خاموش طبع ہیں۔ گفتگو اس قدر سلیقہ اور شائستگی سے کرتے ہیں کہ اگر گفتگو کے الفاظ گنے یا تولے جا سکیں تو کوئی لفظ بھی زائد نہیں ہو گا۔ تاہم گفتگو کے معاملے میں جس درجہ بخل سے کام لیتے ہیں اسی درجہ تحمل اور بردباری سے دوسروں کی طویل مگر فضول گفتگو سننے کا وصف بھی رکھتے ہیں اور اس وصف میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ آپ کی چال ڈھال اور گفتگو غرض ہر چیز باوقار اور باسلیقہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے مدبر و مفکر ہیں جنہیں دیکھ کر اکابرین کی یاد تازہ

ہو جاتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ علمی زوال کے اس گئے گزرے دور کی مثال ہیں۔ تقویٰ، زہد، للٰہیت، بے نفسی، سادگی اور تواضع وانکساری میں دوسرے "مولانا محمد بدیع الزمان" ہی۔ آپ کی شخصیت نبی کریم ﷺ کے اسوہ اور اپنے شیوخ کی تربیت کے سانچے میں ایسی ڈھلی ہے کہ بقول شاعر:

تو من شدم من تو شدی

تو تن شدم من جاں شدی

تا کس نگوید بعد ازیں

من دیگرم تو دیگری

تصانیف ومقالات:

آپ درج ذیل کتب تحریر کر چکے ہیں:

(۱) جریمہ البغی فی الشریعۃ الاسلامیہ (عربی)

(۲) ایمان کی چھاؤں میں (اردو)

(۳) زہد، مفہوم اور تقاضے (اردو)

(۴) تذکرہ موسیٰ پاک شہید (اردو)

ان کتب کے علاوہ "استحسان بحثیت ماخذ قانون (ایک تقابلی جائزہ)" کے عنوان سے پی۔ایچ۔ڈی کا وقیع مقالہ بھی تحریر کر چکے ہیں جو ہنوز شائع نہیں ہو سکا ہے۔ ایک درجن سے زائد تحقیقی مقالات بھی تحریر کر چکے ہیں جو ملک کے علمی و تحقیقی مجلّات میں شائع ہو کر دادِ تحسین پا چکے ہیں۔ دو درجن کے قریب علمی تحقیقی کانفرنسز میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔(۴۲)

آپ کے تعارف کے بعد اس موضوع پر آپ کے کام کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ اس موضوع پر آپ کی پہلی کتاب کا نام ہے "ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ" یہ کتاب بیکن بکس ملتان سے شائع ہوئی ہے اور اس کے ۲۰۸ صفحات ہیں۔

اس کتاب میں معاشرتی وسماجی پہلوں سے متعلقہ متنوع کو زیر بحث لایا گیا ہے اور دور حاضر کے ان مسائل کی وضاحت کی گئی ہے جو ان متعلقہ احادیث کے دائرہ کار میں آتے ہیں اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب سے متن حدیث کی تخریج کر کے متن کو مع سند اور معرب درج کیا ہے اور حدیث کی توضیح وتشریح کر کے اس حدیث کا حکم روایتی اور درایتی انداز میں بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو "باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمسٍ وھو قول وفعل ویزید وینقص" اس باب کے تحت کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲ پر آپ نے ایمان کی بنیادی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"ایمان کی بنیادی حقیقت میں گو اہل حق کا اتفاق ہے جبکہ تعبیر میں اختلاف پایا جاتا ہے محدثین (بشمول امام بخاری) کے ہاں ایمان کی تعبیر قلبی معرفت زبانی اقرار اور عمل صالح سے کی گئی ہے بظاہر یہ تعبیر خوارج ومعتزلہ کے موقف سے ملتی جلتی ہے لیکن محدثین کی تصریح ہے کہ عمل صالح تصدیق کی مانند ایمان کا جز نہیں ہے کہ اس کا ترک کرنے والا ایمان سے محروم ہو جائے جبکہ متکلمین کی اکثریت ایمان، تصدیق واقرار کے مجموعہ کو قرار دیتی ہے اور عمل کو ایمان جزو قرار نہیں دیتی گویہ انداز بیان ارجائی نظریہ کے قریب ہے لیکن اہل کلام اس کے قائل ہیں کہ گناہوں کا مرتکب ان کی سزا سے ضرور دوچار ہو گا الاّ یہ کہ اللہ رحم فرمائے"(۴۳)

مولف نے ایمان کی حقیقت کی بحث میں پائے جائے والے اختلافات کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور ان کے ماخذ کی نشاہدہی بھی فرمائی ہے اور ایمان کے متعلق پائے جانے والے اختلافات کو اس وقت کے ماحول اور گردوپیش کے معروضی حالات کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ امام بخاریؒ کے دور کے حالات کا تذکرہ اور اس دور میں ایمان کو "قول وفعل" دونوں کا نام دینے کی ضرورت وامام بخاری کے موقف کی وضاحت مع دلائل بیان کی ہے کہ ان کے دور میں اعمال صالحہ کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی اور مرجہء کے موقف کی ترویج ہورہی تھی تو امام بخاریؒ نے نہ صرف عمل کی اہمیت کو اجاگر کیا بلکہ قرآن وحدیث کے دلائل سے مرجہء کے نظریہ کی تردید بھی کی۔

اس بحث کے بعد عصر حاضر میں ایمان واسلام کی حیثیت کا تعین بھی ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے کہ آج کے مسلم معاشروں میں اسلام کی حیثیت محض روایتی اور رسمی ہو کر رہ گئی ہے چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"موجودہ دور میں جبکہ مسلم معاشروں میں ایمان کے تقاضوں سے انحراف کو ایمان کیلئے نقصان دہ نہیں سمجھا جاتا امام بخاری کا انداز بیان اس جدید "ارجائی" انداز فکر کی بھی بھرتردید کرتا ہے اور یہ یاد دلاتا ہے کہ ایمان کو زبان تک محدود ہونے کی بجائے عملی زندگی میں بھی جاری وساری ہونا چاہیے ایمان درحقیقت فطری اصول و نظریات پر اس عزم ویقین کا نام ہے جو انسان کو سرتاپا عمل بناتا ہے جس کے ذریعے زندگی میں فکری نظم اور اجتمائی مرکزیت قائم ہوتی ہے اور اوہام وخیالات کی بجائے ٹھوس حقائق پر زندگی استوار ہوتی ہے اللہ پر ایمان تو ایک نصب العین ہے جس پر نظر ثانی پختگی انسان کو تن پروری، عیش پرستی، عافیت کوشی، مصلحت پسندی، سخن آرائی، حیلہ سازی اور شکوہ جیسے جراثیم سے نجات عطا کرتی ہے اور اجتمائی مفاد کو ایثار و قربانی کے جذبہ کے تحت ہر صورت مقدم رکھتی ہے اس بنا پر صاحب ایمان کیلئے ملی شعائر کی ادائیگی ضروری قرار پائی ہے۔"(۴۴)

علاوہ ازیں اس کتاب میں ایمان میں کمی بیشی کے اختلاف کی بحث بھی مفصل انداز میں درج کی ہے۔ اس حوالے سے دونوں آراء کو مع حوالہ جات درج کیا ہے۔ قرآن وحدیث وکتب سیئر سے واقعات درج کر کے ایمان میں کمی بیشی کی بحث کی گئی ہے۔

زیر مطالعہ کتاب میں دوسرا عنوان ایمانی امور ہے اس میں دین کے امور پر بحث ہے اور ایمان اور ہر بھلائی کو یکساں مفہوم میں استعمال کیا ہے اور حدیث کا متن درج ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا تذکرہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے زائد تقریباً ستر شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔" تیسرا عنوان مسلمان کی خصوصیت ہے اس میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھنے کے حکم کی بحث ہے اور حدیث کی توضیح بھی فرمائی گئی ہے۔ "لسانی" ایذاء و "ید" کی ایذاء کی وضاحت کر کے لسانی ایذا کو زیادہ خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ چوتھا عنوان صاحب فضیلت مسلمان کے نام سے درج ہے اور اس میں حدیث مبارکہ بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری کہ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کون سا مسلمان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذاء سے مسلمان بچے رہیں۔ اس حدیث کی توضیح وتشریح مفصل انداز میں بیان کی گئی ہے۔ پانچواں عنوان ہے "خوراک کی ضرورت پوری کرنا"۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت کہ

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سی خصلت اچھی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا((تطعم الطعام وتقراأالسلام)) "اچھی خصلت ہے کھانا کھانا اور سلام کرنا"۔اس متن کی تشریح وتوضیح فرمائی گئی ہے۔

اور زیر تعارف کتاب میں مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ صحیح بخاری کے ابواب سے ایک ایک حدیث کا متن لے کر اس کی تشریح وتوضیح فرمائی گئی ہے۔اسطرح انتالیس عنوانوں کے تحت صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ بیان کیا گیاہے اور ہر عنوان امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب کی ترتیب کے مطابق درج کرکے اس سے ایک حدیث پاک متن لے کر اس کی تشریح اور عصری اہمیت واضح کی گئی ہے۔مثال کے طور پر ملاحظہ ہو عنوان درج ہے ساتویں نمبر پر کہ "رسول اکرم ﷺ سے محبت" اس عنوان کے تحت ڈاکٹر صاحب نے حدیث کا متن مکمل درج کیاہے اور اس کی لغوی واصطلاحی تشریح بھی بیان کی ہے یہ حدیث بخاری شریف کی "کتاب الایمان" باب "حب الرسول ﷺ من الایمان" سے ماخوذ ہے حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

((عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ قال فوالذی نفسی بیدہ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ))(۴۵)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا پس قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوجاؤں"

اس حدیث کی تشریح ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن صاحب نے محبت رسول ﷺ کو ایمان کا جزو لازم قرار دیاہے اور مثالیں بھی دی ہیں نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

"دائرہ اسلام میں آنے کے لئے بنیادی طور پر مقصود ایمان عقلی محبت ہے کہ ہر مسلمان یہ جان کر رسول اکرم ﷺ سے محبت کرے کہ اس پر چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت لازم ہے اور اس کی محبت کیلئے ضروری ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے محبت اور آپ کی اتباع کی جائے ساتھ ہی حب احسانی کا تقاضاہے کہ آپ کے انسانیت پر احسانات کو مستحضر رکھا جائے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے معاشرہ دین فطرت اور فلاح ابدی کی منزل سے روشناس ہوا بز حب کمالی کا منشاء یہ کہ آپ کے کمالات کو بھی مد نظر رکھا جائے بلکہ ہر مسلمان کو رسول اکرم ﷺ کی محبت کو اس حد تک ترقی دینی چاہیے کہ اس پر والدین اور اولاد سمیت تمام طبعی محبتیں قربان ہو جائیں اس درجہ کی محبت ہی کی ترغیب اس حدیث میں دی گئی ہے اور جب تک محبت کا یہ مقام حاصل نہ ہو تو وہ ناقص ہے۔اعلیٰ کامل محبت کا اندازہ تاریخ میں رقم صحابہ کرامؓ کے بے شمار واقعات سے لگایا جاسکتاہے مثلاً اس صحابیہ خاتون کا واقعہ جس کا بیٹا، باپ اور

شوہر راہِ حق میں شہید ہوگئے لیکن وہ اس کے باوجود آپ ﷺ کی خیریت جاننے کے لئے بیتاب تھی اور آپ ﷺ کی خیریت معلوم کر کے ہی اس کا اضطراب دور ہوا۔"(۴۶)

الغرض دور حاضر میں اس اسلوب پر تحریر کی جانے والی یہ منفرد کتاب ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی علم حدیث بالعموم اور حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر بالخصوص ایک احسن کاوش ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور موصوف کو مزید علم حدیث کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

متن حدیث کے میدان میں مفتی ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب کی دوسری کتاب کا نام ہے "زھد، مفہوم اور تقاضے صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ"۔ یہ کتاب بیکن بکس ملتان سے شائع ہوئی ہے اس کتاب کے ایک سو اڑسٹھ صفحات ہیں اس کتاب کے شروع میں عرض مؤلف کے عنوان سے ابتدائی بحث بیان کی ہے اس بحث میں ڈاکٹر صاحب نے ان محدثین کرام کو خراج عقیدت پیش کیا ہے جنہوں نے مختلف پہلوؤں سے حدیث کو جمع کیا ہے اور دینی ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے پھر ان کے نام درج کیے ہیں جس میں سر فہرست امام ابو محمد عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ اور ان کے شاگرد امام مسلم بن حجاج قشیری کا نام درج کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام مسلم کی کتاب "الصحیح" کی خصوصیات درج کی ہیں:

اگر اس کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب زہد سے متعلقہ احادیث کی تشریح میں خاص اہمیت کی حامل ہے اور یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ زہد کے حوالے سے دستیاب سرمایہ حدیث بالخصوص اردو زبان میں اس قدر دستیاب نہیں کہ ان احادیث کی توضیح و تشریح کے فہم کیلئے کافی ہو اور اس کتاب میں ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب نے احادیث زہد کی وضاحت اسلام کے حقیقی مزاج اور قرآن و حدیث کے وسیع تر تناظر میں کی ہے۔ اور اس سلسلے میں صحیح مسلم کی جو شروح میسر ہیں ان سے استفادہ بھی کیا ہے علاوہ ازیں دیگر اہم کتب سے بھی مدد لی گئی ہے۔

سب سے قبل زہد کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش فرماتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے تحریر کیا ہے کہ

"زہد کا قطعی طور پر یہ مفہوم نہیں ہے کہ انسان اس دنیا میں جوگیانہ یا سادھوانہ زندگی بسر کرے اور دنیاوی نعمتوں سے کنارا کشی اختیار کر لے چنانچہ قرآن حکیم میں انسانی فلاح و کامیابی کی جو تعلیم دی گئی ہے اس کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔ دنیا سے بے رغبتی نہ تو کسی حلال کے حرام قرار دینے میں ہے اور نہ ہی مال ضائع کرنے میں ہے دنیا سے بے رغبتی کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی زیر تحویل اشیاء پر اللہ کے براہِ راست قبضہ میں موجود اشیاء کے مقابلے میں زیادہ بھروسہ نہ ہو نیز درپیش مصیبت کے ثواب حاصل کرنے میں زیادہ رغبت ہو۔"(۴۷)

علاوہ ازیں زہد کے مفہوم کو مزید واضح کرنے کیلئے امت کے علماء کی کی گئی تعریفیں درج فرمائی ہیں تا کہ قاری کیلئے زہد کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو نمونہ کے طور پر ملاحظہ امام احمد بن حنبل کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

"امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ دنیا کے آجانے پر حد سے زیادہ خوش نہ ہوان اور اس کے جانے پر ضرورت سے زیادہ غم زدہ نہ ہوناہی زہد ہے جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک ہزار دینار کا مالک زہد ہو سکتا ہے؟ فرمایاہاں! بشر طیکہ اس سے زیادہ ملنے پر آپے سے باہر کرنے والی خوشی نہ ہو اور کم ہونے پر دل سے لگالینے والا غم نہ ہو چنانچہ حضرت ابوداؤد اور حضرت سلیمانؑ اپنے زمانے میں سب سے بڑے زاہد ہیں حالانکہ ان کے پاس مال ودولت اور دنیا کی بادشاہت تھی"(۴۸)

اور اس بحث کو سمیٹتے ہوئے خلاصہ کے طور پر یوں تحریر کرتے ہیں کہ "خلاصہ کلام یہ ہے کہ زہد در حقیقت سرمایہ پرستی اور رہبانیت کے مابین حقیقت کا دوسرا نام ہے جس کا اپنانا ہر صاحب ایمان کیلئے سعادت اور ہر معاشرہ کی فلاح کا ذریعہ ہے۔"(۴۹)

اس کے بعد صحیح مسلم کے حوالہ سے زہد کی احادیث کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اس کے تحت آغاز میں حدیث کو اردو زبان میں عنوان دیا ہے پھر اصل متن درج کیا ہے اور پھر خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اس طرح صحیح مسلم کی ترتیب کے مطابق اڑھتالیس عنوانات قائم کر کے زہد کی احادیث کی تشریح وتوضیح بیان کی گئی اور ہر حدیث کی عصری اہمیت بھی بتائی گئی ہے۔ پہلا عنوان "دنیا کی حیثیت" اور آخری عنوان "واقعہ ہجرت" ہے۔ یوں ڈاکٹر صاحب کی متن حدیث کے موضوع پر دو کتب کا تعارف پیش کیا گیا ہے اب انشاء اللہ ان کتب کی مزید تفصیل اس باب کے تجزیاتی مطالعہ کی فصل میں پیش کی جائے گی۔

موضوعات حدیث کے موضوع پر مرکز ابن القاسم اسلامی ملتان کے ایک استاد الحدیث نے کتاب تحریر کی ہے جسکا نام انعام الباری علی حکم معلقات البخاری ہے کتاب پر تبصرہ سے قبل ان کی شخصیت کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔ آپ کا پورا نام حافظ ریاض احمد عاقب ہے آپ یکم مئی ۱۹۸۲ء کو چک نمبر $\frac{۲۵۵}{B.W}$ تحصیل دنیاپور ضلع لودھراں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم چک کے سکول سے اور قرآن پاک چک کی مسجد میں پڑھا۔ پرائمری تعلیم کے بعد والدہ محترم کو خواہش پر قرآن پاک حفظ کرنا شروع کر دیا۔ حفظ آپ نے دوکوٹہ روڈ دنیاپور کے مدرسہ عارف العلوم میں مکمل کیا۔(۵۰)

حافظ ریاض احمد نے مرکز ابن القاسم میں علوم اسلامیہ کی تعلیم حاصل کی اور مفتی اللہ بخش اور ان کے معاصر اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور آجکل مرکز ابن القاسم الاسلامی میں استاد الحدیث کے منصب پر کام کر رہے ہیں۔ حافظ موصوف کے قلم سے متن حدیث پر لکھی جانے والی کتاب "انعام الباری علی حکم معلقات البخاری" ہے۔ یہ مجلس التحقیق العلمی ملتان سے شائع ہوئی ہے اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اس میں مصنف موصوف نے حدیث کی اہمیت اور مقام کو وضاحت سے درج کیا ہے۔ علم حدیث کو بلند پایہ علم اور ہر دور میں محدثین کرام کی گراں قدر خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے ان ہستیوں کی علم حدیث کے ساتھ محبت وعقیدت ان کا حدیث کے متن اور سند کو محفوظ کرنے کا انتظام واہتمام اور نسل در نسل محفوظ کرنے کو اس امت پر احسان عظیم کہا گیا ہے۔ اس کتاب میں اصول حدیث پر بالعموم اور معلق احادیث پر بالخصوص بحث کی ہے۔ اصول حدیث میں مصنف نے حدیث کی اقسام کا ذکر کیا ہے۔ جن میں صحیح، حسن، ضعیف، مسند، متصل، مرفوع، موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، معضل، مدلس اور معلق قابل ذکر ہیں کتاب پر مزید تحریر کرنے سے قبل معلق کی لغوی تحقیق پیش خدمت ہے۔

لغت میں معلق کی تعریف یوں درج ہے کہ

"هو اسم مفعول من علق، الشيء، بالشيء أي ناطه وربطه به وجعله معلقاً سمي هذا السند معلقاً بسبب اتصاله بالجهة العليا فقط، وانقطاعه من الجهة الدنيا فصار كالشيء المعلق بالسقف ونحوه"(۵۱)

"لغوی طور پر یہ لفظ علق فعل سے مفعول بہ ہے (جسکا معنی لٹکانا مطلب اس نے ایک چیز کو دوسری سے لٹکا دیا یا باندھ دیا) حدیث کی اس نوع کو معلق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سند اوپر کی جانب سے (یعنی جس طرف صحابیؓ ہوتا ہے) متصل مگر دوسری جانب سے منقطع ہوتی ہے گویا یہ سند اس چیز کی مانند ہو گئی جو کسی چھت کے ساتھ لٹکی یا باندھی ہوئی ہو۔"

لغوی مفہوم کے بعد اصطلاحی طور پر حدیث معلق کی تشریح اس طرح درج ہے:

"ماحذف من مبدأ اسناده راء وفاكثير على التوالي "(۵۲)

"ایسی حدیث جسکی ابتدائے سند سے ایک یا زیادہ راوی اکٹھے ہی حذف کر دیئے گئے ہوں معلق کہلاتی ہے"

زیر مطالعہ کتاب میں معلق احادیث کی صورتیں اور مثالیں بھی درج کی گئی ہیں راویوں کے حذف کی دو صورتیں ہوتی ہیں جن کی تفصیل اس کتاب میں بیان کی گئی راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اس صورت میں پوری کی پوری سند حذف کر کے یوں کہتے ہیں (قال رسول اللہ ﷺ)(۵۳)

۲۔ اور دوسری صورت میں صرف صحابی یا کبھی تابعی اور صحابی کا ذکر دیتے اور باقی کو حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں کہ

"و منها انن یحذف کل الاسناد الا الصحابی او الا التابعی و الصحابی معاً "(۵۴)

یہ تحریر چار فصول پر مشتمل ہے پہلی فصل میں معلق کے معنی اور مفہوم پر بحث کی گئی ہے۔ اس کی حالتیں اور حکم کا تعین کیا گیا۔ حکم کے حوالے سے معلق حدیث کو مردود کے درجہ میں شامل کیا ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمود طحان کے الفاظ ہیں کہ

"الحدیث المعلق مردود لانه فقد شرطاًمن شروط القبول و هو اتصال السند و ذالک بحذف راو او کثر من اسناد مع عدم علمنا بحال ذالک المحذوف "(۵۵)

"معلق حدیث مردود اور غیر مقبول شمار ہوتی کیونکہ مقبول حدیث کی لازمی شرطوں میں ایک اہم شرط سند کا متصل ہونا ہے جبکہ اس کی سند سے شروع سے راوی ایک یا زیادہ معلق / محذوف ہوتے اور ہمیں ان کی کوئی تفصیل بھی معلوم نہیں ہوتی"

اس بحث کے بعد ایک خاص بحث کا ذکر بھی ضروری ہے کہ معلق حدیث نامقبول ہوتی ہے یہ ایک عام اور مطلق حکم ہے مگر اگر ایسی حدیث کسی ایسی کتاب میں آجائے جس میں صرف صحیح حدیث جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو مثال کے طور پر صحیح بخاری میں یا صحیح مسلم میں تو اس کا حکم عام اور مطلق نہیں رہے گا بلکہ خاص ہو گا جسکی وضاحت مندرجہ ذیل عبارت کو ملاحظہ کرنے سے سمجھی جاسکتی ہے۔

"ماذکر بصیغته الجزم لحو قال و ذکر و حکی فهو حکم بصحته عن المضاف الیه "(۵۶)

"جو روایت صیغہ جزم یعنی یقینی الفاظ کے ساتھ مروی ہو ان کی اپنے منسوب الیہ راوی کی طرف نسبت صحیح ہوتی ہے (نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف) مثلاً قال ذکر۔ حکیٰ، وغیرہ"

دوسری عبارت میں اسکی مزید وضاحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے یہ عبارت ڈاکٹر محمود طحان کی کتاب میں درج ہے کہ

"و ماذکر بصیعة التمریض لحو قیل و ذکر و حکی فلیس فیه حکم بصحته عن المعناف الیه بل فیه الصحیح و الحسن و الضعیف لکن لیس فیه حدیث و لو جو ده فی الکتاب المسمی بالصحیح "(۵۷)

"اور جو روایت صیغہ تمریض یعنی غیر یقینی الفاظ کے ساتھ بیان ہو مثلاً قیل، ذُکر، حکی وغیرہ ان کی اپنے راوی کی طرف بھی نسبت صحیح نہیں ہوتی بلکہ ان میں صحیح، حسن یا ضعیف کا امکان ہوتا ہے لیکن ان میں کوئی حدیث از حد رڈی اور لا معنی نہیں ہوتی کیونکہ صاحب کتاب نے صحیح حدیث جمع کرنے کا انتظام کیا ہوتا ہے۔"

اس تحریر کی دوسری فصل میں صحیح بخاری میں موجود معلق احادیث ان کی تعداد اقسام معلقات کا ذکر ہے۔

تیسری فصل میں موقوف معلقات کا ذکر ہے اور آخری فصل میں ان تمام مباحث کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں موجود معلق روایات کی تعداد اس کتاب میں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے درج کی گئی ہے الفاظ کچھ یوں ہیں۔:

"فجملةمافی الکتاب من التعالیق الف و ثلثمائةو احدو اربعون حدیثاًو اکثرھامکرر مخرج فی الکتاب اصول متونهِ لیس فیه من المتون التی لم تخرج فی الکتاب و لو من طریق اخری الامائةو ستون حدیثاًقدافرادتھافی کتاب مفرد "(۵۸)

" صحیح بخاری میں ۱۳سو اکتالیس احادیث معلق ہیں جن میں اکثر مکرر ہیں اور ایک سو انسٹھ احادیث معلق مرفوع ہیں۔"

اس بحث میں مولف کتاب نے معلق احادیث کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ معلقات مرفوعہ: وہ معلق حدیث جو بخاری میں دوسری جگہ متصل پائی جاتی ہے۔

۲۔ معلقات موقوفہ: ایسی حدیث جو صرف معلق ہی پائی جائے چاہے معروف الفاظ کے ساتھ مثلاً قال، ذکر، یا مجہول انداز میں مثلاً قیل ذُکرَ(۵۹)

دوسری فصل کی چوتھی بحث میں مولف نے تعلیق جازم کی اقسام بیان کی ہیں اور اس ضمن میں صحیح بخاری کی روایت کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے حدیث کا متن ملاحظہ ہو۔

((قال ابراھیم بن طھمان عن حسین المعلم عن یحییٰ بن ابی کثیر عن عکرمہ قال: کان رسول اللہ ﷺ یجمع بین الصلوةِ الصلوةِ الظھر و العصر و المغرب و العشاء))(۶۰)

پانچویں بحث میں تعلیق مرضِ تمریض کی اقسام اور مثال درج کی ہے یعنی ایسی حدیث جسکی سند صحیح ہو لیکن امام بخاری کی شرط پر پوری نہ اترتی ہو اور انہوں نے بعض رجال کی وجہ سے اس حدیث کو نہ نکالا ہو پھر اس کی اقسام کو نقل کرکے اس کا حکم بھی درج کیا ہو۔

اس تحریر کی چوتھی فصل میں مولف نے سابقہ مباحت کا خلاصہ ذکر کیا ہے: حافظ ریاض احمد کی یہ کتاب اصول حدیث پر ایک اہم کاوش ہے اور خدمت حدیث کا ایک اہم حصہ ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ضخیم نہیں مگر صحیح بخاری کے حوالے سے معلقات کے حکم کے تعین میں اپنی مثال آپ ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ کسی سے اوجھل نہیں ہے۔ "اضح الکتب بعد کتاب اللہ" میں معلق روایات کا ہونا اور اس کے حل میں علمی و عقلی بحث کرنا واقعی قابل تعریف ہے۔ اس کتاب میں بنیادی مآخذ کی طرف رجوع کر کے تحریر کو خوبصورت بنایا گیا ہے اور ائمہ حدیث جس میں حافظ ابن حجر عسقلانی علی ابن صلاح اور حافظ ابن کثیر کے مباحث کو شامل کر کے کتاب کی اہمیت و افادیت میں اور اضافہ کیا گیا ہے۔ اگر مولف کچھ اور مواد بھی مذکورہ بالا موضوع پر شامل کتاب کرتے تو اس تحریر کو اور مؤثر اور خوبصورت بنایا جا سکتا تھا۔ مولف کی حدیث کے میدان میں اور بھی خدمات میں جو ابھی غیر مطبوعہ ہیں اور ان کی ملکیت میں ہیں۔ جسمیں میں دروس جامع ترمذی، سنن نسائی قابل ذکر ہیں اللہ پاک انہیں مزید توفیق عطا فرمائیں کہ یہ خدمت حدیث پر اپنی توانائیاں صرف کرتے رہیں۔

مندرجہ بالا بحث کے بعد اب اس بحث پر تجزیاتی مطالعہ کرنے کی سعی کی جاتی ہے، جسکو فصل دوئم کا نام دیا جاتا ہے۔

فصل دوئم

تجزیاتی مطالعہ

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر صاحب علم و نظر بخوبی آگاہ ہے کہ "علم روایت اور نقل خبر "بنیادی اصول و قوائد قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ میں سراحت سے بیان ہو چکے ہیں فرمان ربانی ہے کہ

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ (۶۱)

"اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو"

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے قول میں مندرجہ ذیل متن اور زیادہ وضاحت کرتا ہے مندرجہ بالا ارشادِ ربانی کی:

((نضر الله امرا ٔ سمع منا شيئا فبلغهٗ كما سمعهٗ فربّ مبلغ اُوعىٰ سامعٍ)) (۶۲)

"اللہ تعالیٰ اس کو خوش و خرم اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے اس طرح آگے پہنچایا جس طرح کہ اس نے سنی بہت سے لوگ براہِ راست سننے والوں کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں" اس بات کی اہمیت کو ظاہر کرنے میں دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ

((فرُبّ حامل فقه الى من هو ا ٔفقه منه ورب حامل فقه يش بغيقيه)) (۶۳)

"بہت سے اہل علم و دانش اپنے سے بڑھ کر عالم اور صاحب دانش کو پہنچانے کا باعث بن جاتے ہیں جبکہ (بزعم خویش) کئی عالم اور فقیہ حقیقت میں عالم اور فقیہ نہیں ہوتے"

مذکورہ بالا فرامین متن کی اہمیت اور اخذ و نقل وحفظ و ضبط کے بارے میں واضح راہنما اصول دیئے گئے کہ متن یعنی اصل بات کی تحقیق، سمجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ اس کو خوب اور اچھی طرح یاد بھی رکھا جائے۔ مزید برآں جہاں جہاں اس پیغام میں حکم میں مسائل مبہم ہوں ان کے آسان اور واضح تشریح و توضیح کی ضرورت سے بھی انکار کرنا ناممکن نہیں تو اس ضرورت کو پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی۔ متن حدیث پر گزشتہ سطروں میں بیان کردہ گفتگو پر تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احکام کا سمجھنا ہر کس و ناقص کے بس کی بات نہیں ہوتی تو مندرجہ بالا خدام الحدیث نے متن حدیث پر قلم اٹھا کر ایک تو اپنے موقف کو متعارف کرایا ہے اور دوسرا ان طلباء اور

حدیث کے علم کا ذوق اور شوق رکھنے والے حضرات پر احسان کیا ہے کہ وہ بھی ان مشکل مقامات کا ادراک حاصل کر سکیں
۔

ایک اہم اور خاص وصف جو اس کام میں ظاہر ہوتا ہے وہ خیالات و نظریات کی تبدیلی ہے جیسا کہ متن حدیث پر کام کرنے والی شخصیت مفتی اللہ بخش کے نظریات وخیالات میں پیدا ہوئی اور جس تبدیلی کو انہوں نے خود علم کی مرہون منت قرار دیا اور بالخصوص علم حدیث کو اس امر کی وجہ بیان کیا ہے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ جس چیز کی کوشش کی جائے محنت اور لگن سے اس کام کو سرانجام دینے کی سعی کی جائے تو کامیابی و کامرانی یقینی بن جاتی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾(٦٤)

"انسان کیلئے وہی ہے جسکی وہ کوشش کرتا ہے"۔

دوسری اہم بات کہ امور دین میں اور بالخصوص نفس کے احکام کے استدلال و استنباط میں اپنا موقف بنانا اور عوام میں منتقل کرنا خالصتاً اہم اور قوی ذمہ داری ہے جسطرح مفتی اللہ بخش نے سماع موتہ کے بارے میں اپنا موقف بیان کیا ہے اور کھلے انداز میں اختلافی مسائل پر قلم قرطاس کے تعلق کو جوڑا ہے وہ واقعی ایک اہم ذمہ داری کے مترادف ہے کہ جہاں آپ کو یہ بھی اندازہ ہو کہ اس موقف پر مسائل بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے مگر اس سب کی پرواہ کیے بغیر اپنا موقف بیان کرنا ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔

متن حدیث کے کام کے حوالے سے دوسری شخصیت حافظ طاہر رحیمی نے واقعتاً ایک علمی اور قابل تعریف و تقلید کام کیا ہے۔ مسلمانوں کو یہ شرف اس لیے ملا کہ اسلام کا بنیادی سبق "اقراء" عظیم لفظ سے شروع ہوا اور وہ ہستی وہ ذات جس کے انتظار کائنات نے کروڑوں برس گزار دیے، سیارگان فلک ازل سے اس ہستی بے مثل کے لیے آنکھیں راہِ فرش کیے ہوئے تھے، قضاء و قدر کی بزم آرائیاں عناصر کی حدت طرازیاں ماہ و خورشید کی فردتم انگریزیاں، توحید ابراہیمؑ، حسن یوسفؑ، معجزات موسیٰؑ اور خان نوازی عیسیٰؑ اس لیے تھیں کہ اس سرور کون و مکاں، شہنشاہِ عالم اور رحمۃ اللعالمین کے دربار پر انوار میں کام آئیں گی اس ہستی باکمال رسولِ اکرم ﷺ کی بھی اپنے رب کی بارگاہ میں یہی دعا

تھی کہ ﴿رب زدنی علما﴾ (۶۵) "اے میرے رب مجھے علم میں مزید گی عطا فرما" اور خود اپنی زبان مبارک سے اپنی ذات اور شخصیت کی پہچان اور تعارف کچھ یوں کرایا کہ

((انما بعثت معلما)) (۶۶) "میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔"

مسلمانوں نے اپنے ملجاء وماوٰی آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد ﷺ کے اقوال، افعال کو بیان کرنے ان کی تفصیل اور پھر ان کی وضاحت اور حفاظت کے لیے بھی کئی علوم ایجا کیے ہیں جس میں علم اسماء الرجال، علم جرح والتعدیل، علم رجال الحدیث، علم مختلف الحدیث، علم طبقات الرواۃ، علم معرفتہ النصحیہ اور علم مشاکل الحدیث اس طرح اور بھی کئی علوم ہیں جو حدیث کی وضاحت اور علم حدیث کو مقبول ومشہور بنانے کے لیے مسلمانوں کی شب وروز کی محنت سے منظر عام پر آئے۔ انہی خدام الحدیث میں علامہ طاہر رحیمی کا نام بھی آتا ہے جن کی علمی اور ادبی کوشش سے الجامع الصحیح البخاری میں بیان کردہ اختلافی مسائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی ادب میں امام ابو حنیفہ کی ذات سے کون واقف نہیں جنہیں امام الائمہ اور سید الفقہاء کے لقب سے امت نے نوازا اور دوسری جانب اسلامی ادب میں امام بخاری جسکو امیر المومنین فی الحدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان دو شخصیتوں کے اختلاف کو مولف موصوف نے دونوں کے ادب واحترام کا خیال کرتے ہوئے علمی انداز میں حل کرنے کی کافی وشافعی سعی کی گئی ہے۔

صحیح بخاری میں وہ پچیس مواضع جہاں ایک طرف امام بخاریؒ نے قال بعض الناس کہہ کر امام ابو حنیفہؒ پر اعتراضات کیے انکی نوعیت کا فہم ادراک حاصل کرنا ایک دشوار اور مشکل مرحلہ تو دوسری جانب حنفیہ کی جانب سے ان اعتراضات کی مدافعت وجوابی کاروائی کا مرحلہ بھی کٹھن وبے حد محنت طلب ان دونوں مرحلوں میں مؤلف موصوف نے دشواریوں کے پیش نظر رکھا انتہائی احتیاط اور باریک بینی سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ راقم الحروف کو بات کہنے میں کوئی شائبہ نہ ہوگا کہ مولف موصوف کا علمی مقام بلندی کو پہنچتا ہے جس طرح انہوں نے "ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس" کی تشریح بیان کی ہے۔

مذکورہ بالا تحریر پر تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے ایک اہم بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس کتاب میں جغرافیائی انداز میں مقامات اور شخصیات سے لغت والے ملکوں اور شہروں کو نقشہ پیش کرکے ان مقامات کا ٹھیک اور صحیح

تعین کیا گیاہے جو اس میدان کی کتب میں دیکھنے کو نہیں ملتا اگر کسی کتاب میں مل بھی جائے تو بہت مختصر مگر اس تحریر میں مقامات مقدسہ کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے مثال کے طور پر امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے تعارف میں آپ کے شہر بخارا کا نقشہ و محل وقوع کا باتصویر نمایاں کرے شامل کتاب کیا گیاہے۔

جہاں یہ کتاب بہت ساری خوبیوں سے مزین ہے وہاں ایک بات جو راقم الحروف کو محسوس ہوئی ہے وہ ہے کہ جہاں موصوف بحث کے لیے کوئی حدیث مبارکہ لاتے ہیں تو اس کا متن پورا درج نہیں فرماتے اگر متن پورا درج فرما دیتے تو کتاب کا حسن اور قاری کا ذوق مطالعہ میں اضافہ کا موجب بنتا اور کتاب کے حسن میں بھی اضافہ ہوتا کیونکہ بنیادی طور پر یہ کتاب علم حدیث کے طلباء کے لیے تحریر کی گئی ہے تو مکمل متن طلباء کی علمی پیاس کو مزید پورا کر سکتا تھا۔ مختصر متن سے مفہوم کے ادراک میں بہت زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا کتاب کا ایک اور وصف یہ ہے کہ اس میں امام ابو حنیفہ اور امام بخاری کے حالات زندگی بڑی تفصیل سے نقل کیے گئے اور ان آئمہ کا علمی مقام و مرتبہ اور ان کی خدمات کا ذکر مفصل انداز میں درج ہے۔ امام ابو حنیفہ کا زہد و تقویٰ، اخلاق باطنیہ و احوال علمیہ پر بنیادی مآخذ سے رجوع کرکے احوال درج کیے ہیں مثال کے طور پر آپ ان کی عادات مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے درج کرتے ہیں کہ ”ایک بار کوفہ میں ایک بکری گم ہوگئی تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہ کھایا کیونکہ کسی نے آپ کو بتایا کہ بکری کی عمر زیادہ سے زیادہ سات برس ہوتی ہے اس گمان پر آپ نے اتنا عرصہ بکری کا گوشت نہ کھایا کہ کہیں یہ گم شدہ بکری جو چوری ہوئی تھی اس کا گوشت نہ ہو اس طرح ایک بار یہ آپ کسی مقروض کے پاس قرض کے تقاضے کے سلسلے میں گئے تو اس کی دیوار سے سایہ حاصل نہ کیا کہ کہیں یہ منفقت سود میں داخل نہ ہو جائے اور جعفر بن ربیع آپ کے رفیق سفر رہے اور خدمت گزار رہے وہ کہتے ہیں کہ آپ خاموش طبع تھے مگر جب کوئی ان سے فقہ کا مسئلہ دریافت کرتا تو آپ اس وقت کھل جاتے اور مفاہیم و معانی کے دریا بہنے لگتے(٦٧) اور آپ کی ذہانت و فراست و کرامات کے تذکرہ میں بھی مولف موصوف نے بہت سی معلومات درج کی ہیں کہ ایک آدمی امام صاحب سے بغض رکھتا تھا ایک بار اس نے آپ کو خلیفہ منصور کے پاس دیکھا تو دل میں کہا آج مجھے ابو حنیفہ کی خبر لینی ہے چنانچہ اس نے آپ سے کہا اے ابو حنیفہ! امیر المومنین ہمیں کسی شخص کی گردن زدنی کا حکم دیتے ہیں لیکن ہمیں یہ پتا نہیں کہ اس کا سبب کیاہے ایسی حالت میں ہمارے لیے اس گردن کا کاٹنا جائز ہو گا کہ نہیں؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ امیر

المومنین کے احکام حق پر مبنی ہوتے ہیں یا باطل پر؟ اس نے کہا حق پر اس پر آپ نے فرمایا بس حق کا نفاذ کر جس صورت سے بھی تجھے حکم دیں اور تیرے لیے اس کی تحقیق ضروری نہیں پھر پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو آپ نے کہا کہ یہ آدمی (ابو العباس طوسی) مجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے جکڑ دیا"۔(۶۸)

اس طرح امام بخاری کی زندگی کے بہت اہم واقعات کو بھی مفصل انداز میں درج کر کے اپنی تصنیف کو جامع بنا دیا ہے مثال کے طور پر مولف امام بخاری کے علمی مقام کو یوں درج کرتے ہیں کہ "جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء حدیث نے بغرض امتحان ایک سو احادیث لے ان کی سندات و متون میں باہم خلط ملط کر دیا کہ ایک سند کا متن دوسری سند کے ساتھ اور دوسری سند کا متن پہلی سند کے ساتھ لگا دیا اور پھر دس علماء کا انتخاب کر کے ہر عالم کے ذمہ دس حدیثیں لگا دیں کہ وہ بھرے مجمع میں آپ کے سامنے ان کو پیش کرے چنانچہ حسب منصوبہ آپ کی مجلس میں وہ سب باری باری کھڑے ہو کر ان احادیث مخلوطہ کے متعلق استفسار کرتے رہے اور امام بخاریؒ ان کے جواب میں "لا اعرفہ" کہتے رہے حتی کے دس کے دس علماء نے جب بات مکمل کر لی تو امام بخاری پہلے عالم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ کی پہلی حدیث اس سند کے ساتھ غلط ہے اور پوری سند حدیث پڑھ کر سنا دی اور صحیح اس طرح ہے وہ بھی پڑھ کر سنا دی اور یکے بعد دیگرے پوری سو احادیث صحیح صحیح سنا دی اس پر سب علماء حیران وہ ششدر رہ گئے"۔(۶۹)

مذکورہ بالا واقعہ درج کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات تو تعجب والی ہے کہ امام بخاری نے ان سب علماء کی غلطی درست فرما دی اس سے بھی زیادہ تعجب خیز نقطہ یہ ہے کہ آپ نے ایک بار سنی جانے والی غلط سندیں بھی یاد کر لیں اور پھر ترتیب وار ان کا اعادہ بھی کر دیا اول الذکر بات میں تو امام بخاری کو صحیح سندات سمیت احادیث پہلے سے یاد تھیں مگر آخر الذکر نقطہ نہایت عجیب و حیرت انگیز ہے اس بات سے آپ کے قوت حافظہ اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے تو مذکورہ کتاب پر تبصرہ کرنے کے بعد راقم الحروف کی رائے کے مطابق یہ تحریر پر حافظ محمد طاہر رحیمی کی علم حدیث کے موضوع اور بالخصوص متن حدیث کے میدان میں ایک بہترین تحریر ہے اور علم حدیث کے طلباء و اساتذہ کے لیے بے حد مفید ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند عطا فرمائے۔

اس موضوع پر دوسری تحریر بھی مصنف موصوف کی ہے جس میں قال ابو داؤد کا حل بیان کیا ہے۔ گزشتہ سطور میں اس تحریر کے تعارف میں تجزیاتی مباحث بھی ذکر کیے گئے ہیں یہ تحریر بھی طلباء حدیث کے لیے ایک علمی تحفہ ہونے

کے ساتھ ساتھ اساتذہ حدیث کے لیے بھی ایک خوبصورت علمی وادبی ذخیرہ ہے کیونکہ حدیث کے میدان کے علماء کی یہ رائے ہے کہ سنن ابی داؤد میں قال ابو داؤد کی بحث کا حل بہت محنت طلب ہے تو اس مشکل کا حل پیش کرنا واقعتاً اور خالصتاً ایک علمی کام ہے۔ راقم الحروف کی رائے کے مطابق ''زبدۃ المقصود فی حل قال ابو داؤد'' طلباء حدیث کے لیے ایک نادر علمی تحفہ ہے۔

جہاں یہ تحریر بھی سابقہ تحریر ''ما ینفع الناس'' کی طرح بہت محاسن اور خوبیوں سے مزین ہے وہاں اس میں مصنف موصوف نے متن کے درج کرنے میں مختصر انداز کو اختیار فرمایا ہے اور یہاں بھی اگر حدیث مبارکہ کا متن مکمل درج فرما دیتے تو تالیف کے حسن اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا۔

اب سید محمود حسن شاہ صاحب کی دو کتب ترجمان الحدیث حصہ اوّل اور حصہ دوئم کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

اس کتاب کے تعارف میں ہم اس کے ابواب اور ان کے موضوعات بتا چکے ہیں اس فصل میں شاہ صاحب کی علم حدیث کے میدان میں تحریر کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں شاہ صاحب کیونکہ جدید انداز زندگی اور فکر سے اچھی طرح واقف نظر آتے ہیں اور انہوں نے حدیث کے موضوعات کو عصر حاضر کی ضرورتوں کے مطابق ڈھالا ہے اور معاشرتی زندگی کی خرابیوں کو واضح انداز میں بیان کر کے ان کو ایک بہادر اور بے باک مصنف کو طرح اپنا فرض پورا کیا ہے اور ان خرابیوں کی اصلاح کرنے کی تمنا اور تڑپ کا اظہار ان کی تحریر میں نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کی کتابوں پر نظر ڈالنے سے جو خوبیاں اور خامیاں ظاہر ہوتی ہیں انکی مندرجہ ذیل الفاظ میں وضاحت ہو سکتی ہے:

(ا) دولت کے جنون کی مذمت:

دور حاضر میں ہر کوئی مال مال کرتا اور اس کے پیچھے دوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر سید محمود حسن شاہ صاحب کے ہاں دولت کی ہوس پیسہ اور بلا قید کمانے کی دوڑ غیر اسلامی اور مکمل طور پر غیر شرعی عمل ہے اور ان کی تحریر سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مال کا حاصل کرنا ہے ہی حرام عمل جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے جائز اور حلال طریقوں سے مال کمانا اور صاحب ثروت ہونا تو اسلام میں منع نہیں ہے کیونکہ سخاوت کیلئے مالدار ہونا لازمی ہے۔ مال کمانے کا حق ہر مسلمان رکھتا ہے اور برابر کے حقوق بھی رکھتا ہے اگر مال ہو گا تو غریبوں کی دادرسی ہو گی، یتیموں کی دیکھ بھال ہو گی، بے آسروں کو آسرا

ملے گا، بے سہاروں کو سہارا ملے گا۔ میرے خیال میں شاہ صاحب کا ذاتی تجربہ یہ معروضی حالات اور موجودہ دور کے غیر اسلامی ذرائع معیشت سے دلبرداشتہ ہو کر آپ نے یہ رائے دی ہے مثال کے طور پر آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"مال و دولت کی محبت اور عیاشی و تن آسانی کے فتنہ سے پرہیز کرو ورنہ تم اپنے اصل مقصد کو بھول جاؤ گے اپنے رب کو بھول جاؤ گے اور غفلت کے تاریک گڑھوں میں دھکے کھاتے پھرو گے اور دنیا کا عشق تمہاری ہلاکت اور تباہی کا باعث بن جائے گا اور مال و دولت کی بہتات کا انجام عموماً برا ہوتا ہے۔ صاحب جائیداد آدمی کو اس کے شر اور فتنہ سے چوکنا رہنا چاہیے اور اس کے خطرناک نتائج سے بچ کر رہنا چاہیے۔"(۷۰)

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب نے دوسرے عنوان کی بحث شروع فرمادی ہے اور دولت و ثروت و صاحب ثروت کی مکمل طور پر نفی کی ہے جبکہ اس بات کا دوسرا مفہوم بھی اگر بنادیتے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی کہ دنیا میں ان لوگوں کی مثال بھی موجود ہے جو بادشاہ ہوتے ہوئے صاحب ثروت ہوتے ہیں اور صاحب مال ہوتے ہوئے بھی اس کے شر اور فتنہ سے محفوظ ہوئے اور اس کو خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کمایا اور خرچ کیا۔ اس حوالے سے امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کی مثال تاریخ میں ثابت ہے اور گزشتہ صفحات میں اس کی بحث ہو چکی ہے کہ وہ بہت مالدار تھے اور مال کو علم حدیث پر بالخصوص اور دین کی ترویج و تبلیغ کے لئے بالعموم دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ لہٰذا اگر سید محمود حسن شاہ صاحب اس مفہوم کو بھی واضح فرمادیتے تو کتاب کا معیار و مقام اور بھی حسین ہو جاتا۔

(۲) فرقہ واریت سے مبرا:

شاہ صاحب کی کتب کے تفصیلی مطالعہ کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ کی تحریر میں امت مسلمہ کے اتحاد کی تمنا اور وحدت مسلمین کا شوق نظر آتا ہے اس حوالے سے آپ کسی بھی خاص گروہ، مسلک یا فرقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر نہیں آئے بلکہ امت مسلمہ کے درد اور دکھ کی دوا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"مخلص اور ذہین نوجوانوں کا ایک قابل لحاظ حصہ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کا علم بلند کر رہا ہے بگاڑ کے اس طوفانی دور میں عام مسلمانوں میں کی اصلاح کے لئے حضور ﷺ کے ارشادات گرامی کے ترجمہ اور تشریح کا کام شروع کیا ہے جو عام مسلمانوں کے علاوہ میں نے اس کتاب میں ان مخلص اور مجاہد نوجوانوں کی فکری، اخلاقی اور باطنی اصلاح کو بھی پیش نظر رکھا ہے جو اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔"(۷۱)

شاہ صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کو امت کی اصلاح (ظاہر و باطنی) مطلوب ہے کسی خاص گروہ کی یا خاص فرقہ و مذہب کی طرف جھکاؤ نہیں بلکہ سب نوجوانان ملّت کی نصابی و ہم نصابی ترقی کے خواہاں معلوم ہوتے ہیں دور حاضر میں آپ اس حوالے سے منفرد مقام کے حامل ہیں اور آپ کی تحریر میں فرقہ واریت کا مواد شامل نہیں ہے اور نہ کسی فرقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۳) مغربی تہذیب و تفکر کی مذمت:

سید محمود حسن شاہ صاحب جہاں مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے خواہاں نظر آتے ہیں وہاں وہ اپنی کتاب میں مغرب اور مغربی تصورات وخیالات کے مخالف اور ان کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور انہیں مسلم معاشرہ اور مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں چنانچہ زوال امت کے اسباب کے موضوع پر جو حدیث شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہے سنن ابی داؤد سے ماخوذ ہے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

”رسول ﷺ نے فرمایا عنقریب غیر مسلم قومیں تمہاری سرکوبی کے لئے ایک دوسرے کو بلائیں گی اور (پھر وہ سب مل جل کر) دھاوا بول دیں گی جیسا کہ بہت سے کھانے والے افراد ایک دوسرے کو بلا کر دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول ﷺ! کیا اس وقت ہماری تعداد تھوڑی ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم تعداد میں زیادہ ہوں گے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے کوڑا کرکٹ اور جھاگ سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہو گا کہ دشمن قوموں کے دل سے تمہارا رعب ختم ہو جائے گا اور تمہارے دل ”وھن“ کا شکار ہو جائیں گے کسی نے پوچھا یا رسول ﷺ! وھن کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”حب الدنیا و کرھیه الموت“ یعنی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت“(۷۲)

اس حدیث کی تشریح میں شاہ صاحب نے مغربی تہذیب اور مغرب زدہ ذہنوں کو اچھا خاصا رگڑا لگایا ہے اور ان ے طریق واردات کی شدید مذمت کی ہے اور سب کافروں کو مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی قوت کو کمزور کرنے لئے کے ایک دوسرے کو باہمی ربط اور تعاون کا خواہاں قرار دیا ہے ان کی مذمت کرتے ہوئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

”یہ امر واقعہ ہے کہ کافر قوموں نے ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے نظریات پر بھرپور حملے کیے ہیں مغربی دنیا کے سفید ہاتھی اور کمیونسٹ بلاک کے سرخ دیو نے اسلام سے ایسا خوفناک انتقام لیا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی کروڑوں مسلمان ”کافرانہ نظام“ کے بے پناہ سیلاب میں کوڑا کرکٹ کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں بین الاقوامی سیاست میں کوئی

گروہ ان کا وزن محسوس کرتا ہے نہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہے یہ اپنے حق سے دستبردار تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کے بازو میں اتنی قوت نہیں کہ کسی ظالم سے اپنا حق وصول کر سکیں۔"(۷۳)

تو محترم شاہ صاحب کے نزدیک ہماری ذہنی، معاشی اور معاشرتی پستی اور زوال کی وجہ مغرب اور مغربی تہذیب ہے اور اس قدر غصہ اور ناراضگی ہے ان پہ کہ آپ نے ان کو سفید ہاتھی اور سرخ دیو کہا ہے میرا یہاں مقصد ان کو یا ران کے نظریات کا دفاع کرتا نہیں میں صرف عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اپنی ناکامی یا پستی کو کسی دوسرے کے کھاتے میں ڈالنے کی بجائے اگر یہ سوچ لیا جائے کہ کہیں ہماری اپنی غلطی یا بر وقت تدبیر کامل نہ کرنے کی وجہ سے تو ہم ناکام نہیں ہوئے کہیں ہماری غلط پالیسیاں اور غیر اہم ترجیحات توجہ نہیں ہیں ہماری تنزلی کی تو میرے خیال میں اگر جواب ہاں میں آئے تو پھر ہمیں اپنی ہی خامیوں اور غلطیوں کو سدھارنے اور ان کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور منزل و مقام جو ہم سے کھو گیا ہے اسے پانا مشکل تو ہے مگر ناممکن نہیں۔ بقول حضرت اقبال

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر　　　نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے　　　خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

دوسرا اہم نکتہ جسے میں یہاں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اہل مغرب نے ہمیں زوال پذیر کیا ہے اور ان کی مذمت ہی کریں اور کرتے چلے جائیں تو اس سے ظاہراً تو ہمیں ان کی مذمت اور ان پر تنقید محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت میں ہم ان کی قابلیت اور ان کی اس خوبی کو مان رہے ہوتے ہیں کہ وہ رقبہ بھی کم رکھتے ہیں آبادی بھی ان کی ہم سے کم ہے اور سفر بھی اتنا طویل ہے اور انہوں نے وہاں سے ہمیں پستی اور زوال میں ڈال دیا اور خود ترقی کی راہ پر گامزن ہیں بہر حال امت مسلمہ کے قلم کاروں، دانشوروں اور اہل علم و حکمت کو اس بارے میں سوچنا ہو گا کہ اس پستی کو ہم نے کیسے ختم کرنا ہے اور کھویا ہوا مقام کیسے حاصل کرنا ہے تو میرے نزدیک اس کا حل اخلاص و محنت اور نیک نیتی کے ساتھ عمل کی دنیا میں بڑھتے رہنا ہے۔

(۴)　فلسفہ موت کی تشریح اور عمل کی حیثیت:

موت دنیا کے ہر مذہب الہامی یا غیر الہامی میں ایک حقیقت کے طور پر مانی جاتی ہے مگر اس کے بارے میں بھی معاشرے میں مختلف تصورات و خیالات رائج ہیں بالخصوص موت کے بعد کے تو اس حوالے سے بھی شاہ صاحب نے سیر حاصل گفتگو فرما کر امت مسلمہ کی عصری تقاضوں کے مطابق تشریح و توضیح فرمائی ہے آپ نے موت کی تمنا کے عنوان

سے تین قولِ رسول ﷺ درج فرمائے ہیں جن میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور مرنے کی آرزو کو ناپسند کیا گیا ہے تو اس حوالے سے مسلم شریف کی کتاب الذھد کی حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو جو آپ نے اپنی کتاب ترجمان الحدیث حصہ اوّل کے صفحہ نمبر ۶۹ پر درج فرمایا ہے اور کتاب کی ترتیب میں حدیث کا نمبر ۳۳ ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مصیبت سے گھبرا کر کسی کو موت کی آرزو نہ کرنی چاہیے۔ اگر موت کی تمنا کرنا ہو تو پھر یوں کہے! اے اللہ جب تک جینا میرے لئے فائدہ مند ہو تو مجھے زندہ رکھ اور اور جب مرنے میں میری بھلائی ہو تو پھر مجھے موت کی آغوش میں پناہ دے۔''(۷۴)

اس مقام پر حدیث شریف کے حکم اور نصیحت کی حکمتوں پر غور کرنا ضروری بنتا ہے دراصل یہاں موت کی تمنا سے روکنا مقصود تھا مگر بات اس حکمت سے کہی گئی کہ اصل مفہوم بھی ادا ہو گیا اور مشکل و مصائب میں گرے ہوئے انسان کی تسلی بھی یہ دراصل ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾(۷۵) کی حکمتیں ہیں کہ دھن مصطفی ﷺ سے جب بھی بات نکلتی ہے تو مفاہم و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے اور ایسی خوشبوئیں بکھیرتا ہے جس سے فضا کا ذرہ ذرہ معطر ہو جاتا ہے۔ اب اس حدیث پر محترم شاہ صاحب کی تشریح ملاحظہ ہو:

''اسلام نے مرنے کی آرزو کو پسند نہیں کیا دنیا کی ہر مصیبت اور تکلیف کا پامردی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اسلام کی حدود میں رہتے ہوئے تنگدستی فقر و فاقہ بیماری اور اس طرح کی کسی مصیبت کو دور کرنے کے لئے کوشش کرنا ایمان کی منافی نہیں ہے۔ لیکن اپنی حد تک کوشش کے باوجود اگر کسی بلا سے نجات نہ مل رہی ہو تو پھر صبر و حوصلہ سے کام لینا ایمان کا تقاضا ہے ہاں اگر کوئی ایسی خطرناک مصیبت دامن گیر ہو جس کا برداشت کرنا طاقت سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ساتھ درخواست کر سکتا ہے کہ جس کی تلقین اس حدیث میں کی گئی ہے مذکورہ بالا دعا میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی استدعا ہے۔''(۷۶)

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ بے چینی و بے بسی کے اندھیرے میں اضطراب کے گہرے بادلوں میں اور تاریک صحرا میں رحمان کی نگاہِ رحمت ہی اپنے کمزور و ضعیف بندے کی مشکل کشائی کر سکتی ہے۔ اس کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لوٹا سکتی ہے بھٹکے ہوئے صحراؤں سے سرسبز و شاداب باغات کی چھاؤں میں قیام کروا سکتی ہے کیونکہ پریشان بندہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا کہ بلائے جان آفت سے خلاصی کی سبیل کیا ہے تو دراصل یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں سجتا اور جچتا ہے کہ بندے کی خیر زندگی میں ہے یا موت میں۔ کیونکہ وہ خیر و بھلائی کا مالک کل ہے اور پھر دوسرے موضوع کو درج کر کے شاہ صاحب نے موت کو یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس میں بھی مسلم شریف کی کتاب الزھد

سے ایک حدیث روایت فرمائی ہے یہ بات بھی ذہن سے او جھل نہ ہو کہ ایک دن موت نے تو آنا ہے اور سب نے مرنا ہے دنیا کی رنگینیوں دلبہار اور دلفریب بہاروں، پر مزہ اور پر لذت فضاؤں کو خدا حافظ کہہ کر قبر کی آغوش میں جاتا ہے موت کا بلاوا اور ان دیکھی تلوار بہت جلد ہمیں اس سارے آرام و لذت اور آسائش سے الگ کرنے والی ہے۔

میت کو دفن کرنے کے آداب اور مرنے کے بعد عمل کی اہمیت پر بات کرتے ہوئے آپ نے "مرنے کے بعد صرف عمل ساتھ رہتا ہے" کا موضوع بنا کر جو حدیث آپ ﷺ کی درج کی ہے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (مرنے کے بعد قبر تک) تین چیزیں میت کے ساتھ جاتی ہیں دو چیزیں لوٹ آتی ہیں اور ایک چیز اس کے ساتھ رہتی ہے۔(۱) اس کا کنبہ اور رشتے دار (۲) اس کا مال (۳) اس کا عمل۔ پہلی دو چیزیں پلٹ جاتی ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے" (۷۷)

اس کی تشریح سید محمود حسن شاہ صاحب نے جس خوبصورت اور دلنشین انداز میں فرمائی ہے وہ من وعن درج کی جاتی ہے ملاحظہ ہو

"موت کے بعد تجہیز و تکفین ہوتی ہے جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکلتا ہے پھر اس کی تدفین کا مرحلہ آتا ہے لحد تیار ہوتی ہے، قرابت داروں کی ٹولی اشکبار آنکھوں سے اسے سپرد خاک کرتی ہے اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر وارث قبضہ کر لیتے ہیں یہاں تک کہ کلائی سے بندھی ہوئی گھڑی اور انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی بھی اس سے لے لی جاتی ہے یہ اس کی ذاتی ملکیت کا حال ہے۔ سمیٹی ہوئی دولت کا ایک تنکا بھی اپنے مالک کے ہمراہ نہیں جا سکتا پھر ذرہ ان خون کے رشتوں کا بھی حال معلوم کیجئے۔ کیا کوئی ماں اپنے مردہ لخت جگر کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہے۔ جانے والے کی بیوی بیٹا اور بھائی کوئی بھی یہ حوصلہ نہیں باندھتا اس کا باپ جو اسے دیکھ کر جیتا تھا اب اپنے نور نظر کے پہلو میں سونے تک کا نام تک نہیں لیتا ادھر جانے والے سوائے تیرے اعمال کے (برا ہے یا بھلا) اور کوئی چیز تیرے ساتھ نہیں جائے گی۔" (۷۸)

شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تشریح حقیقت پر مبنی ہے کہ سب محبوب رشتے بھی ساتھ نہیں جاتے اور اگر رفیق سفر بنتا ہے اور وفا شعار بنتا ہے تو سرمایہ عمل ہے جو انسان نے اس دنیا میں سرانجام دیا ہو گا وہ کسی حال میں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا اور اس کے نتائج اسے اس دنیا میں بھی ثمر، سکھ، چین اور راحت دیتے رہیں گے اور برزخی و اخروی زندگی میں بھی رحمت خداوندی سے مالا مال کرتے رہیں گے۔

اتنی خوبصورت تشریح کرنے کے مقام پر اگر شاہ صاحب اس کے برعکس یہ خیال جو رائج ہے کہ اخروی زندگی میں محض فضل سے بخشش ہو گی اگر اس بارے میں بھی رہنمائی فرمادیتے تو بات کھل کر مزید سامنے آجاتی اور اس حوالے سے ان کا نقطہ نظر بھی عوام تک پہنچ جاتا۔ بہر حال یہاں جو تشنگی مجھے محسوس ہوئی اس کا ذکر کیا۔ ویسے مسئلے کی وضاحت شاہ صاحب نے مدلل انداز میں بیان فرمائی ہے۔

(۵) حدیث رسول ﷺ کا دور حاضر سے تعلق:

شاہ صاحب کیونکہ عصر حاضر کے معروضی حالات سے آشنا نظر آتے ہیں اس لئے ان کی تحریروں میں بالخصوص موجودہ دور میں ہونے والے واقعات کو حدیث کے موضوعات میں تلاش کرنا اور پھر ان پر تبصرہ کرنا آپ کا خاصا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب کے باب سوم جلد اوّل میں آخرت کی نشانیوں کے موضوع پر جو حدیث نقل فرمائی ہے اس کا ترجمہ ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے ارشادہ فرمایا قیامت قائم نہ ہو گی یہاںتک کہ "ھرج" کی کثرت نہ ہو جائے حاضرین نے عرض کی! اے اللہ کے رسول ﷺ ھرج کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا قتل، قتل"(۷۹)

اس حدیث کی تشریح کو آپ نے دور حاضر سے اس طرح مطابقت دی ہے جس کا انداز تشریح کے مطالعہ سے ہوتا ہے تو تشریح ملاحظہ ہو:

"اس حدیث میں غالباً ہمارے اس الحادو مادیت کے پر فتن دور کی طرف اشارہ ہے جس میں انسانی جان کا ذرہ بھر بھی احترام باقی نہیں رہا بڑی بڑی سامراجی حکومتوں اور عہد حاضر کے آمروں اور ڈکٹیٹروں نے محض اپنی کرسی اور وقار کی خاطر لاکھوں اور ہزاروں انسانوں کو تہ تیغ کیا ہے اشتراکی نظام کے سرخ محافظوں نے جس بے رحمی اور درندگی کے ساتھ خون کی ندیاں بہائی ہیں پوری انسانی تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ مغربی لیڈروں اور سرخ ڈاکوؤں کے رحم کرم پر جینے والے ایشیائی حکمرانوں نے اپنے ملکوں اور خود اپنی قوموں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا ہے اس نے انسانیت کی عزت و آبرو خاک میں ملادی ہے۔ بے خدا تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے مسلمان معاشروں میں بھی معمولی معمولی باتوں پر مشتعل ہو جانا اور قتل کر دینا عام ہو گیا ہے۔ یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ دنیا کا نظام اپنی عمر کے آخری دور میں ہے اور قیامت کا نظام بہت جلد نمودار ہونے والا ہے۔"(۸۰)

اگرچہ اس حدیث کی تشریح میں بھی محمود حسن بخاری صاحب نے اغیار کی خوب کلاس لی ہے اور انہیں ہی انسانیت کا قاتل اور حالات کا خراب کرنے والا قرار دیا ہے مگر حدیث کی مطابقت کے مفہوم میں آپ کی مہارت ثابت ہوتی ہے اور دیگر مقامات پر بھی عصری مطابقت پیدا کر کے اس میں عصر حاضر کے اہم موضوعات مثلاً انتہا پسندی، بنیاد پرستی، فرقہ واریت اور دہشت گردی بھی موضوع بحث بن سکتی تھی مگر مصنف موصوف کی طرف سے اس پر کوئی بحث نہیں فرمائی گئی۔ اگر ان عصری موضوعات پر بحث فرمادیتے تو مناسب موقع تھا ان کا مؤقف سامنے آجاتا۔

الغرض ترجمان الحدیث کی جلد اوّل مواد اور معیار کے حوالے سے بہت اہم کتاب ہے اور دو حاضر کے مسائل کے حل میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اب جلد دوئم کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا تا ہے۔

ترجمان الحدیث حصہ دوم میں ابواب تو تین ہیں مگر ان کی فصول کی تعداد باب اوّل کی آٹھ، باب دوئم کی بھی آٹھ اور باب سوئم کی بھی آٹھ ہے۔ اس طرح چوبیس فصول ہوئی ان پر تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں اور اس کتاب میں دو سو تریپن احادیث کو موضوعات کے انداز میں مع متن و معرب درج کر کے ان کی تشریح و توضیح بیان فرمائی گئی ہے۔

(۱) معاشرتی مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل

انسان اس لئے محترم ہے کہ وہ انسان ہے اور مطیع و فرمانبردار انسان ہی اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ کا منصب پا سکا یہ مقدر کسی اور مخلوق کو عطا نہ ہوا اس راستے پر گامزن ہو کر انسان نے اس منصب خلافت کو پایا اس راستے کا نام دراصل اسلام ہے۔ انفرادی و اجتماعی سطح پر زندگی کے ہر معاملے میں اسلامی ہدایات موجود ہیں تمدن و معاشرت کی عمارت کو توازن اور خوبصورتی کے ساتھ استوار کرنا اسلام کی تعلیمات کا ہی خاصہ ہے اور کسی تہذیب اور مذہب میں اس کی مثال آپ کو ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملے گی تو ترجمان الحدیث حصہ دوئم کے باب اوّل میں معاشرہ کی تشکیل کے متعلق موضوع کو زیر بحث لا کر شاہ صاحب نے معاشرتی مسائل کی خرابیاں ان کے اسباب اور ان مسائل کا حل نہایت ہی علمی اور فکری انداز میں تحریر کیا ہے مثال کے طور پر بڑے کی شادی پر بحث کے لئے آپ نے جو حدیث درج فرمائی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ ﷺ نے شغار سے روکا ہے شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی سے دوسرے آدمی کا نکاح کر دے اس شرط پر کہ وہ آدمی اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دے اور ان میں سے کسی شخص کے ذمہ اپنی بیوی کا مہر نہ ہو۔"

اس حدیث شریف کی تشریح میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ

"جاہلیت کے زمانہ میں اس طرز کے نکاح کا رواج تھا اسکی مثال یہ ہے کہ خالد نے اپنی بہن یا اپنی عزیزہ سے زید کا نکاح کر دیا اس شرط پر کہ زید بھی اپنی بہن یا اپنی کسی عزیزہ کا نکاح خالد سے کر دے گا اور ان میں سے کسی شخص نے بھی اپنی بیوی کا مہر مقرر نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے اس خالص بٹے کے نکاح سے روکا ہے علماء امت کا اس کے عدم جواز پر اتفاق ہے لیکن فقہاء نے بحث کی ہے کہ اگر دو آدمی اس خالص بٹے کے نکاح کا معاہدہ کر کے اس کو عملی جامہ پہنا دیتے ہیں تو شرعاً اس نکاح کی کیا حیثیت ہے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح تو ہو جائے گا لیکن مہر ادا نہ کرنے کی شرط غلط ہے۔ اس لیے ہر شخص اپنی بیوی کو مہر مثل ادا کرے۔"(۸۱)

اس فقہی و قانونی بحث کے بعد شاہ صاحب نے اخلاقی حوالے سے بٹے کی شادی کی خرابیاں اور اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل، بگاڑ اور ٹوٹتے ہوئے خاندانوں کا حال بڑی دکھی اور درد کی زبان میں بیان کیا ہے چنانچہ انہی کا انداز پیش خدمت ہے بٹے کی شادی کی خرابیاں بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

"قانون کی رو سے یہ نکاح ہو جائے گا لیکن اخلاقی لحاظ سے بٹے کی ایسی شادیوں کے سر تباہی اور بربادی کی تلوار سایہ فگن رہتی ہے اور اس سے خاندان میں بڑی خرابیاں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایک فریق نے حالات سے تنگ آ کر یا بدنیتی سے اپنی بیوی کی پٹائی کر دی ہے یا اسے طلاق دی ہے تو دوسرا فریق بھی جذبہ انتقام کے تحت ویسا ہی سلوک کرنے پر مجبور ہو گا اگر وہ اس بدسلوکی پر آمادہ نہ ہو گا تو اس کے والدین اور خاندان کے دوسرے لوگ اس پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ یہ ایسا طرز عمل اختیار کرے۔"(۸۲)

مندجہ بالا پیراگراف کو بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سید محمود حسن شاہ معاشرتی مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی دسترس رکھتے ہیں اور اپنے معاصرین میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور معاشرتی مسائل کو بیان کرنے کا ملکہ ایسے ہے جیسے کوئی سچا آدمی خود اپنی آپ بیتی سنا رہا ہو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اوروں کا درد اپنے اندر رکھتے ہیں اوروں کا نقصان اپنا نقصان سمجھتے ہیں اس لیے ملتان کا خطہ بہت زرخیز معلوم ہوتا ہے جس نے ایسے درد دل رکھنے والے مصلح امت کو عطا کیے۔

ترجمان الحدیث کی جلد دوم میں معاشرتی برائیوں کا ہی ذکر ہے اور ان سے پیدا ہونے والی فضا پر افسوس اور رنج کا اظہار کیا ہے اور پھر ہر عنوان کے تحت متعلقہ حدیث نقل فرمائی ہے اس معاشرتی مسئلہ میں ایک مسئلہ قوم لوط کے عمل کا بھی ذکر تفصیل سے کیا ہے جس کے لئے آپ نے عنوان دیا ہے غیر فطری "شہوت زانی" اس موضوع کے تحت آپ نے حدیث نمبر ۱۵۴ تا ۱۵۵ دو احادیث نقل فرمائی ہیں کر یہاں ایک حدیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کی نگاہ نہیں ڈالتا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں مباشرت کرے"

اب مذکورہ بالا حدیث کی تشریح ملاحظہ کیجئے:

"بیوی سے غیر فطری شہوت رانی حرام ہے حضور ﷺ نے اس سے سخت منع فرمایا ہے اور اس گھناؤنے عمل کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے اور تمدن کی گاڑی نسل کی افزائش سے چلتی ہے یہ وجہ ہے کہ شریعت نے انسان کو ان تمام اسباب سے منع کیا جو نسل انسانی کو ختم کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو خصی کرتا ہے یا اپنے صنفی اعضاء کو کاٹ ڈالتا ہے یا نامرد بننے کی کوشش کرتا ہے، یا عورتوں سے غیر فطری شہوت رانی کرتا ہے یا لواطت کرتا ہے وہ قانون فطرت کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اس بنا پر وہ شریعت اسلامی کی نگاہ میں سخت مجرم اور معتوب ہے"(۸۳)

جہاں تک لڑکوں سے مباشرت کے قبیح اور گندے فعل کا تعلق ہے یہ معاشرتی خرابیوں میں صف اوّل کی خرابی ہے اور عصر حاضر میں اس فعل کا ارتکاب کرنے والے ملعونوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے کچھ خبریں الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر قوم کے سامنے آچکی ہیں جیسے حال ہی میں قصور کا سانحہ کہ بہت سے معصوم بچوں کو ہوس کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی ویڈیو بھی بنائی گئی اور سپریم کورٹ آف پاکستان نے از خود نوٹس لیتے ہوئے یہ ریمارکس دیئے کہ "بابا بلھے شاہ کی نگری میں ایسا قبیح فعل حکومت اور انتظامیہ کیا کر رہی ہے"(۸۴)

اور پھر حکومت حرکت میں آئی اور مجرم گرفتار بھی ہوئے اور اب مقدمات درج ہو رہے ہیں۔ اللہ کرے ہمارا معاشرہ اس قبیح فعل سے پاک ہو جائے اور ہماری نسل نوع اس قسم کی زیادتیوں کا شکار نہ ہو۔

چنانچہ شاہ صاحب نے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو علمی اور فکری انداز میں کی ہے اور انہوں نے اس بے حیائی کے فعل کو روکنے کے حوالے سے اپنی کتاب میں سیدنا لوطؑ کا تذکرہ فرمایا ہے اور سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۸۰-۸۱ کے

حوالے سے گفتگو فرمائی ہے یہاں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن حکیم کی یہ آیت مع متن درج ہوں اور ترجمہ بھی تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو سکے چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا:

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾(۸۵)

"اور لوطؑ کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو"

اور سورۃ العنکبوت میں ارشاد ربانی ہوتا ہے

﴿اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ﴾(۸۶)

"کیا تم شہوت زانی کے لئے مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو"

مذکورہ بالا احکام خداوندی میں اس جرم کی مذمت صاف طور پر بیان کر دی گئی اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ عمل خاندان کی بربادی کا اہم سبب ہے اگر یہ گندگی علانیہ ہونے لگے اور وبا کی صورت اختیار کر لے تو اس سے نہ صرف یہ کہ خاندان کا نظام تہ و بالا ہوتا ہے بلکہ برے کام سے وہ قوم ہی ہلاک اور تباہ ہو جاتی ہے اور جو اس میں دلچسپی لیتی ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہونگے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس سے مروی ایک روایت اس فعل کا ارتکاب کرنے والوں کے سزا کے حق میں بیان کی ہے درج کی جاتی ہے کہ

((قال رسول اللہ ﷺ من تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلو الفاعلی و المفعول بہ))(۸۷)

الغرض سید محمود حسن شاہ صاحب کی یہ کتاب حدیث کے موضوعاتی مطالعہ کے میدان میں اپنی مثال آپ ہے اور اگر شاہ صاحب کو دورِ حاضر کے لیے ایک عظیم مصلح کا درجہ دیا جائے تو ناانصافی نہیں ہو گی۔ کیونکہ آپ کی تحریر میں اصلاح معاشرہ اجتماعی و انفرادی سطح پر علمی مواد موجود ہے جس سے رہنمائی لے کر معاشرہ اور معاشرتی زندگی کو اسلامی تہذیب کے رنگ میں ڈھالا جا سکتا ہے اور شاہ صاحب کیونکہ عصری تقاضوں سے واقف ہیں اور جماعت اسلامی کے ساتھ ان کا گہرا ربط اور تعلق رہا ہے اس لئے اقامت دین، اور دین کو زندگی کے ہر شعبہ میں روشن چمکتا اور دمکتا ہوا دیکھنا ان کی خواہش ہے تو علم حدیث کی خدمت کے حوالے سے ترجمان الحدیث بہترین کتاب ہے۔

اب ہم پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب کی کتب کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب سے قبل آپ کی کتاب ”ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ“ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب جدید فکری اور مستقبل شناس علمی شخصیت ہیں۔ ان کی کتاب مذکور کا تجزیاتی طور پر مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(۱) تحقیقی و فکری انداز تحریر:

ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر تحریر کیے جانے والی تمام بکس اور رسائل میں ڈاکٹر صاحب کو خصوصی مقام حاصل ہے کہ آپ نے معیار تحقیق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کتاب تحریر فرمائی ہے یہ کتاب دراصل ایم اے اسلامیات کے طلباء کی علمی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تحریر ہوئی مگر جب مکمل ہوئی اور طباعت کے مراحل سے آراستہ ہوئی تو طلباء کے ساتھ ساتھ اہل علم کے لئے بالعموم اور علم حدیث کے متوالوں کے لئے بالخصوص حدیث کے مفہوم اور کتاب الایمان کی وضاحت و تشریح میں بہترین علمی ذخیرہ کے طور پر متعارف ہوئی۔ اس کتاب کا طرز تحریر تحقیقی بھی ہے اور فکری بھی۔ اس حوالے سے ملاحظہ ہو آپ نے ظلم کا مفہوم یوں بیان فرمایا ہے کہ ”کفر کی طرح ظلم میں بھی درجات اور مراتب ہیں اور یہ مقصد حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آیت قرآنی ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾(۸۸) میں شرک پر ”ظلم عظیم“ کا اطلاق کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی کم درجہ کا ظلم بھی ہے یعنی جس کا مرتبہ شرک سے کم ہو۔ نیز ظلم میں درجات مشاہدہ کا حصہ ہیں ظلم کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی مختص کردہ مقام یا وقت سے ہٹا دینا یا اس میں کوئی کمی بیشی کرنا“(۸۹)

پھر ظلم کی اقسام کو بھی ڈاکٹر سعید الرحمٰن نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) انسانوں کا اللہ تعالٰی کے حق میں ظلم جیسے اللہ کا انکار، کسی کو اس کا شریک بنانا، اللہ پر جھوٹ باندھنا یا اس پر کسی ایسے امر کی نسبت جو اس کے شایان شان نہ ہو

(۲) انسانوں کا باہمی ظلم جیسے کسی کے حقوق غصب کرنا، استحصال کرنا، جبر و استبداد مسلط کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب گالی گلوچ وغیرہ

(۳) اپنے نفس کے ساتھ ظلم یعنی انسان کوئی ایسا کام کرے کہ نتیجہ میں خود اس کا نقصان ہو اور جہاں ظلم کی پہلی دونوعتیں ہوں گی وہاں تیسری قسم ضرور ہوگی یعنی ہر گناہ میں ذاتی نقصان ضرور ہوتا ہے۔(۹۰)

مندرجہ بالا انداز تحریر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف موصوف کی نگاہ علمی حوالے سے کافی بلند ہے اور تحقیقی معیار سے مکمل آشنا ہے مضمون کا حق ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت کی حامل ہے۔

(۲) فرقہ پرستی سے بلند معیار:

کتاب کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ کتاب حدیث کے موضوعاتی مواد کی بحث بالکل متوازن اور موزوں ہے آپ کی تحریر سے یہ تاثر قطعاً نہیں ملتا کہ کسی ایک مکتب فکر کی نمائندگی ہو یا کسی خاص گروہ کی طرف آپ کا جھکاؤ ہو جبکہ آپکے معاصرین علماء کی تحریریں صفحات پلٹتے ہی گروہی تقسیم کا اشارہ دیتی ہیں مگر یہ خوبی ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی ہے کہ ان کی اس تحریر میں فرقہ واریت دور دور تک دکھائی نہیں دیتی ہے۔ یہ اس کتاب کی خوبی ہے کیونکہ امت کے اتحاد کیلئے ضروری ہے کہ گروہی مباحث کی حوصلہ شکنی کی جائے اور دوسرے کارد کرنے کی پاداش میں حالات کو بگڑنے کی نزاکت کو سمجھا جائے اس کام کو ایمان کی چھاؤں میں خوب انداز میں پورا کیا گیا ہے مثال کے طور پر دین اور نصیحت کے عنوان کے تحت ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان سے جو حدیث بیان فرمائی ہے پہلے اس کا متن ملاحظہ ہو:

((باب قول النبی ﷺ الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم وقولہ تعالیٰ اذا نصحوا للہ ورسولہ))(۹۱)

"باب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ دین سچے دل سے اللہ کی فرمانبرداری اور اس کے پیغمبر ﷺ، مسلمان قیادت، اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔"

مذکورہ بالا حدیث میں خیر خواہی کے مفہوم کو محترم ڈاکٹر سعید الرحمٰن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

"اللہ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ انسان اس کو دل سے واحد لاشریک اور تمام صفات و کمال سے موصوف مانے اسکی عبادت اور اس کے تکوینی و تشریعی احکام میں کسی کو شریک نہ مانے رسول ﷺ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی ہدایت پر عمل درآمد کرے اس کی اشاعت کرے اور ان کی عزت و توقیر کرے ائمہ سیاست کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان امور میں ان کی اطاعت کرے جن میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہ ہوتی ہو آئمہ علم و ہدایت کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی ہدایت پر عمل درآمد

کرے اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ انفرادی واجتماعی سطح پر حسن سلوک، ہمدردی، اخوت، مساوات اور عدل کا برتاؤ کیا جائے اور انہیں متوازن معاشرہ فراہم کیا جائے'' (۹۲)

مذکورہ بالا عبارت مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا اور بھلائی کا برتاؤ کرتے ہوئے نظر آرہی ہے جبکہ فرقہ واریت اور گروہ بندی کی ترویج میں صرف اپنے گروہ یا مسلک کے لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اس حوالے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مولف موصوف کی تحریر فرقہ ورانہ لٹریچر سے ماوریٰ ہے اور علمی حوالے سے خاص مقام رکھتی ہے۔

(۳) اصطلاحات کی تشریح:

زیر نظر کتاب کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں مذکورہ اصطلاحات کی وضاحت گرائمر کی روشنی میں کی گئی ہے جس سے ایک طرف تو مصنف کی تحریر پر گرفت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف عام قاری کا ذوق مطالعہ بڑھتا ہے اور وہ کتاب کو زیادہ انہماک سے پڑھتا ہے مثال کے طور پر احسان و تصوف کی تشریح کے ضمن رقمطراز ہیں کہ

''احسان کا دوسرا نام تصوف ہے تصوف کا لفظ سن کر عام طور پر قدامت پسندی اور رجعت پسندی کا خیال آتا ہے اور تصوف کو عموماً عمل اور اقدام کی ضد سمجھا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انسان محض گوشت پوست کا نام نہیں اس گوشت پوست کے اندر ایک چیز ہے جو بولتی ہے، سوچتی ہے اور اعضاء وجوارح سے کام لیتی ہے اسے نفس کہہ لیجئے یا روح تصوف انسان کی روح اس میں ایک ہیجان پیدا کرتا ہے۔ اسے ایک ولولہ دیتا ہے۔ اس میں ایک حرکت پیدا کرتا ہے کہ وہ سوچے کچھ چاہے اور اس کے لئے مصروف عمل ہو یہ ایک برقی روہے جو انسان کے اندر دوڑ جاتی ہے تصوف زندگی میں کوئی خاص راہ عمل متعین نہیں کرتا بلکہ راہِ عمل پر ہمت اور استقامت سے چلانے والا جذبہ ہے جو نیک کاموں کو خلوص سے عقیدت سے اور دل وجان سے کرنے کی تلقین کرتا ہے''(۹۳)

تصوف واحسان پر کی جانے والی تشریح وتوضیح کی اہمیت عصری حالات کے تناظر میں یوں بھی اہمیت کی حامل ہے کہ مادیت کے غلبہ نے انفرادی واجتماعی سطح پر لوگوں کو ان نوزانی صفات سے محروم کر دیا ہے اور وہ ماحول ہمیں اور نہ ہماری نسل نو کو میسر رہا ہے جس میں احسان و تصوف کی کیفیات سے آشنائی ہو ان کیفیات کے پیدا ہونے کا طریقہ بھی ڈاکٹر صاحب نے ''شعور و آگہی'' کے حوالے سے درج کیا ہے کہ

''احسان و تصوف کی یہ کیفیات کتابوں کے مطالعے اور تقاریر سننے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ باشعور، مخلص اور صالح بزرگوں، دوستوں اور اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کی توجہ سے حاصل ہوتی ہیں پھر احسان میں کئی مراتب ہیں اعلیٰ مرتبہ انبیاءؑ کو حاصل

ہے ایک مرتبہ صحابہ کرام کا ہے اس طرح اولیاء وصلحاء کے مراتب ہیں گویا شریعت جو ایمان و اسلام کا مجموعہ ہے اس کی باقاعدہ اور متواتر مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے"(۹۴)

(۴) ایمان و عمل میں تطبیق:

ملتان میں خدام الحدیث کی صف میں زیر نظر کتاب کو اس حوالے سے ایک فوقیت حاصل ہے کہ جدید تقاضوں کے پیش نظر جس انداز میں اس کتاب میں ایمان و عمل کو یکساں کر کے لازم و ملزوم ٹھہرایا ہے۔ معاصرین نے اس طرح واضح اور سادہ انداز میں ایمان و عمل کو یکساں بیاں نہیں کیا۔ نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو

"ایمان قول و فعل دونوں کا نام ہے حدیث میں اسلام کی بنیاد محض توحید و رسالت پر ایمان نہیں بتائی گئی بلکہ نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ جیسے اعمال کو بھی اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور پھر ان اعمال کی ادائیگی میں کمی بیشی کے اعتبار سے ہر شخص دوسرے سے مختلف ہے جس سے ایمان کی کمی بیشی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے" (۹۵)

مذکورہ بالا تحریر میں جن پانچ امور کا تذکرہ ہے ان میں توحید و رسالت کا امر یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ وحدانیت خداوندی اور رسالت محمدیؐ کی گواہی اس صدق دل سے دی جائے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اپنی ذات بلکہ صفات و افعال مین یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اسکی اطاعت اور تشریح میں بھی کوئی شریک نہیں۔ عقیدہ توحید کی پختگی انسانی قلب میں بزدلی ختم کرتی ہے اور شجاعت و بہادری کے جذبات پیدا کرتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہر طاقت کے سامنے سر خم کرنے کی بجائے سر اٹھا کر بات کرتا ہے اور رسالت کا مفہوم یوں بیاں کیا جا سکتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو آخری اور ابدی پیغام خدا پہنچا دیا گیا ویسے تو انسان کی رہنمائی کیلئے حواس، عقل اور وجدان جیسے ذرائع موجود ہیں لیکن یہ ذرائع اس لئے حقیقی راستہ اور منزل کا صحیح تعین نہیں کر پاتے کیونکہ نفسانی تقاضوں سے متاثر ہو کر ان حواس کی رہنمائی میں خلل بھی آ جاتا ہے اور اسی بات کو ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"بظاہر ہر دل اپنا معمول انجام دے رہا ہوتا ہے مگر اس میں حالات کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے آنکھیں بظاہر مشاہدہ کر رہی ہوتی ہیں مگر حقائق ان کی نظروں سے اوجھل رہ جاتے ہیں اور کانوں میں آوازیں آ رہی ہوتی ہیں مگر با مقصد سماعت ختم ہو جاتی ہے پھر خود انسان اپنے پاس موجود ذرائع کے باوجود تشنگی محسوس کرتا ہے اس سچے احساس کے استحصال کے لئے بسا اوقات پروہت طبقہ بھی وجود میں آتا ہے جو اپنے آپ کو خدا اور بندے کے درمیاں تعلقات کار قائم کرنے کی ذریعہ قرار دیتاہ

اور کبھی ایسے فلسفے بھی وجود میں آتے ہیں جن کی بھول بھلیوں میں میں انسان کھو کر اپنا زمام فکر فلسفیوں اور مفکروں کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے جو اپنی فکری چابکدستی سے اسے اپنے دائرہ اثر میں محصور کئے رکھتے ہیں۔ انسان کی تلاش حق کی تشنگی مٹانے اور اسے مذہبی اور عملی و فکری استحصال سے بچانے کے لئے انبیاء ورسل علیہ السلام مبعوث کئے گئے"(۹۶)

اس طرح مولف موصوف نے نماز روزہ اور حج کی وضاحت میں بھی بے مثال انداز تحریر پیش کیا ہے جو کہ اپنی مثال آپ ہے۔

ایمان کی چھاؤں کے مطالعہ کے بعد اب کتاب الزھد کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے کتاب الزھد (مسلم شریف) کا پورا نام ہے "زہد، مفہوم اور تقاضے، صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ"۔ یہ کتاب بھی ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی تحریر ہے اور ایم اے اسلامیات کے طلبہ وطالبات کی علمی ضرورت کو پورا کرنے کے مقصد سے تحریر کی گئی یہ کتاب علم حدیث کے میدان میں اور بالخصوص زہد، زہد کا مفہوم، اسکی اہمیت اور زہد کی عصری و فکری تشریح کے حوالے سے اہم اور منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) حدیث کے متن کا معرب اندراج:

زھد مفہوم اور تقاضے ملتان میں اردو زبان کے حوالے سے ایک جامع اور کامل کتاب ہے جس میں مصنف نے احادیث زھد کا مکمل عربی متن اور اس کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے یقیناً اردو جاننے والوں کے لئے علم حدیث کے مفہوم کو بالعموم اور زھد سے متعلقہ مفہوم کو بالخصوص جاننے کا سنہری موقعہ فراہم کیا ہے اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والا شخص غور وخوض سے مطالعہ کرنے کے بعد اس کے معنی و مفہوم کو سمجھ سکتا ہے اور حدیث کے حکم تک پہنچ سکتا ہے چنانچہ نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو دنیاداری کے مروجہ مفہوم کی مذمت کرتے ہوئے کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳-۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ

"الغرض اسلام نے دنیا و آخرت دونوں سے اپنا حصہ وصول کرنے والے معاشرہ کو بہتر قرار دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیا کو مذموم قرار نہ دیا جائے۔ وہ صاحب ایمان کے لئے بہتر سواری کی مانند ہے کہ وہ اس کے ذریعے کار خیر سرانجام دیتا ہے اور اس کی بدولت شر سے نجات حاصل کرتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ آخرت کی منزل مقصود پر دنیا کے عارضی مسکن کو ترجیح دینے سے گریز نہ کیا جائے کہ یہ رویہ عاقبت نااندیش اور تنگ نظر افراد کا ہوتا ہے جبکہ ایمان کی نظریں اس جہاں سے آگے کے جہاں تک وسیع ہوتی ہیں اور عاقبت اندیشی کی خصوصیت ہوتی ہے"(۹۷)

(۲) بنیادی مآخذ سے رجوع:

غیر جانبدرانہ انداز میں تجزیاتی مطالعہ کرنے کی سعی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کتاب زیر نظر میں مواد بنیادی مآخذ سے اخذ کیا گیا ہے اور اس کو نہایت ہی ذمہ داری سے کتاب میں درج کیا گیا ہے اور جدید تحقیقی معیار کے مطابق احادیث کو عنوان کے تحت درج کر کے ان کی عصری تشریح و توضیح کی گئی ہے اس حوالے سے "احساس کمتری کے علاج" کے عنوان کے تحت جو حدیث آپ نے درج کی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو دیکھو جو تم سے کم ہے (مال و دولت میں اور حسن جمال میں) اور اس پر (حریصانہ) نظر مت رکھو جو تم سے زیادہ ہے اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی (حاصل شدہ) نعمت کو اپنے اوپر حقیر نہ سمجھو گے"

اس حدیث میں دراصل غیر مناسب اور غیر متوازن انداز میں مقابلہ کرنے سے محفوظ رہنے کا علاج بتایا گیا ہے کہ انسان جب اپنے آپ سے خوب تر کو دیکھے گا تو لامحالہ اس کے دل میں احساس محرومی اور حسد کے جذبات فروغ پائیں گے جس سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہوگا جو انسانی معاشرے کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اور اسلام معاشرتی ترقی کا خواہاں ہے تو حدیث شریف کا تقاضا اور منشاء یہ ہے کہ اپنے سے بہتر کو دیکھنے کی بجائے ان افراد کو دیکھے جو نسبتاً دنیاوی جاہ جلال میں اس سے کم ہو اس حدیث کی وضاحت میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کی تشریح و توضیح میں خطیب بغدادی کے حوالے سے علمی و فکری انداز میں عصری وضاحت پیش فرمائی ہے اور امام نودیؒ کی شرح مسلم شریف کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ

"اپنے سے کم کی طرف نگاہ ڈالنے سے جذبات میں اعتدال اور رویوں میں توازن پیدا ہوگا اور یوں وہ احساس کمتری یا برتری کی بجائے اپنے احساسات کو اعتدال پر رکھ سکے گا اور اس طرح اس پر جو انعامات خداوندی ہونگے انہیں حقیر جاننے کی بجائے ان پر اللہ کا شکر بجالائے گا۔ تاہم کسی کو نیکی میں بڑھا ہوا دیکھ کر اس کی ریس کرنا ایک صحت مند رجحان ہے جسکی موجودگی میں معاشرہ زیادہ بہتر انداز میں ترقی کرتا ہے" (۹۸)

کیونکہ ڈاکٹر صاحب وسیع المطالعہ اور عصری مسائل کے حل میں ایک خاص فکر رکھتے ہیں تو ان کے مطابق مندرجہ بالا تشریح و توضیح کا مطلب یہ ہے کہ مال میں کمی یا فراوانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص قسم کی آزمائش ہے کہ

وہ ذات بے مثال ایک غنی کو مالا مال اسلئے فرماتا ہے کہ وہ اپنی دولت وثروت کو صرف اپنے لئے ہی خرچ نہ کرے بلکہ مال میں اسکی ملکیت کے باوجود اسے یہ پتا ہونا لازمی ہے کہ وہ جس قدر مال زیادہ کمائے گا اسی تناسب سے اس کے مال پر اجتماعی حقوق بھی بڑھتے جائیں گے مطلب وہ مال اب صرف وہ خود کے لئے نہیں کما رہا بلکہ دوسرے افراد کے لئے بھی کمایا ہے اور اسلام کا منشاء یہ ہے کہ جس کے پاس مال نہیں ہے وہ دوسرے کے مال وثروت کو دیکھ کر اللہ کی ناشکری اور کفران نہ کرے بلکہ عملی جدوجہد میں بڑھکر محنت ولگن سے حلال طریقوں سے مال کمائے۔

(۳) کتابت حدیث کا اثبات:

زیر بحث کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے کتابت حدیث نبوی ﷺ کی وضاحت کے حوالے سے جو حدیث درج کی ہے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

”حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مت لکھو میرا کلام اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ سن کر لکھا تو وہ اس کو مٹادے البتہ میری حدیث بیان کرو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“

اس حدیث شریف میں دراصل ممانعت کتاب حدیث کے حکم کی وضاحت اور اسباب کا تذکرہ کیا ہے۔ ممانعت کتابت حدیث کے سبب آپ نے یوں تحریر ہیں:

”اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھنے کی جو ممانعت معلوم ہو رہی ہے تو اس کا سبب یہ تھا کہ دور نبوی کے ابتدائی سالوں میں صحابہ کرام میں لکھنے والے کم تھے اور جو تھے وہ قرآن حکیم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ اگر وہ ساتھ ہی حدیث بھی لکھنے لگ جاتے تو اندیشہ تھا کہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی خلط ملط ہو جائیں بعد میں جب صحابہ کرامؓ قرآن کے اسلوب اور انداز بیان سے واقف ہو گئے اور احادیث کے ساتھ استنباط کا اندیشہ نہ رہا تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔“(۹۹)

مندرجہ بالا تحریر میں کتابت حدیث کا حکم اجازت کے طور پر پیش کر کے محترم ڈاکٹر صاحب نے الگ اور ممتاز انداز میں کتابت حدیث کا اثبات کیا ہے البتہ بالواسطہ کتاب کا موضوع کتابت حدیث نہیں زھد ہے مگر اس عنوان کے تحت حدیث درج کر کے اس پر عقلی دلائل اور معروضی حالات کے مطابق وضاحت اور توضیح پیش کر دی ہے۔

الغرض کتاب زیر بحث علم حدیث میں ایک اہم اور منفرد مقام رکھتی ہے اور زھد کی تعلیمات کی عصری وضاحت میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے اور یہ بات کہنے میں ناانصافی نہ ہوگی کہ طالبان علم حدیث کیلئے یہ کتاب ایک حسین تحفہ ہے۔

تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں ملتان میں متن حدیث کے میدان میں جن شخصیات نے قلم اٹھایا ہے انہوں نے خلوص نیت اور قلب سلیم سے اس کی خدمت کی ہے اور عاشقان و محبان رسول خدا ﷺ کی صف میں اپنا نام شامل کیا ہے اور یہ کام اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خطہ کی زمین میں اور اس سے نشوونما پانے والے لوگوں میں خدمت علم حدیث کا کتنا شوق و ذوق ہے ان تمام امور سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ اس خطہ کے علماء نے خدمت علم حدیث کو اپنے لئے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے عظیم سرمایہ سمجھا ہے کسی دنیاوی زیب وزینت ،مال وزر، دنیاودرہم بادشاہی یعنی علاقوں کے علاقہ فتح کرنے جاتا،غلط نظریات جو دراصل جہالت کی پیداوار ہیں اور دنیا کی تباہ کاری کے لیے جدید اسلحہ سازی کو نہیں گردانا۔

اس عظیم علمی سرمایہ میں علم حدیث ایک اساسی اور بنیادی اہمیت وافادیت کا علمی سرمایہ ہے اس سرمایہ کی بدولت اسلام کی عمارت حسین بھی ہے اور بلند بھی اگر اس سرمایہ سے منہ پھیر لیا جائے تو اسلام کی عظیم الشان بلند وبالا عمارت سلامت نہیں رہ سکتی اور نقشہ ارضی پر اسلام کی بقااور حیات ختم ہو جائے گی لہذا اسلام عقیدت ومحبت پیش کیا جاتا ہے مذکورہ بالا موضوع پر کام کرنے والی شخصیات کو اللہ تعالیٰ انہیں اس خدمت پر اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کی قبروں کو منور فرمائے۔ آمین! بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا جائزہ لینے کے بعد اس ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حدیث کے موضوعاتی مطالعے پر بہت کم کام ہوا ہے۔ موضوعاتی مطالعہ کا طریق تو قدیم ہے۔ مگر ملتان کے علمی عروج کا سرمایہ ناپید ہے۔ اور دور جمود وزوال میں جو کچھ میّسر آیا ہے اس میں قابل ذکر کام بیسیویں صدی عیسویں میں ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو مسلمانوں میں فقہ اور تصوف کی طرف رغبت ہے۔ دور تقلید میں حدیث تو رہی ایک طرف خود قرآن مجید بھی کتاب تلاوت یا وظائف کی کتاب بنا رہا قرآن مجید کی تفاسیر بھی بیسویں صدی میں تحریر ہونا شروع ہوئیں اور حدیث کی طرف رجحان بھی اسی صدی میں زیادہ ہوا۔ ملتان کی سرزمین کے بارے میں یہ بات اہم ہے کہ موضوعاتی کام کرنے والوں میں فرزندان

زمین کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ موضوعاتی مطالعہ دو اہم ترین مؤلفین بسلسلہ ملازمت اس سلسلہ میں مقیم رہے ہیں ورنہ ان کا پیدائشی تعلق ملک کے دیگر علاقوں سے ہے۔ موضوعاتی مطالعہ کی قلت کا مطلب ملتان میں علمی ماحول کی کمی ہے۔ اس عہد میں مرکز علم ہونے کی سعادت لاہور کو رہی ہے۔ اور تمام اہم اور علمی کتب کی اشاعت کا مرکز لاہور رہا ہے۔ ملتان سے نصاب میں شامل کتب شائع ہوتی رہیں یا مدارس کے طلبہ واساتذہ کے لئے حدیث کی تقریریں یا پھر فرقہ وارانہ بحثوں پر مشتمل کتابچے شائع ہو کر تقسیم ہوئے اور فرقہ واریت پھیلاتے رہے۔ دین کی اشاعت واعظین کے ذریعے عمل میں آئی جو اپنی آواز کا جادو جگا کر عوام کو اسلام کے ساتھ جذباتی طور پر وابستہ کرنے کی خدمت انجام دے کر اپنی روزی روٹی کا سامان کرتے رہے۔

باب سوئم

حوالہ جات

۱۔ ہفت روزہ اعتصام لاہور، ص ۳۴ تا ۳۶، مضمون نگار (حافظ ریاض احمد)

۲۔ اللہ بخش، مفتی، مولانا، اربعین حدیث، ادارہ توحید و سنت ملتان، س ن، ص ۳

۳۔ ایضاً، ص ۸۲

۴۔ مسلم بن حجاج، القشیری، الجامع الصحیح، بیروت: داراحیاء الثرات الاسلامی، ج ۲، س ۲۴۹

۵۔ ایضاً، ص ۵۵۰

۶۔ اربعین حدیث، ص ۳۶

۷۔ ایضاً، ص ۱

۸۔ رحیمی، محمد طاہر، ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس، مکتبہ مدینہ لاہور، س ن، ص ۱

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً، ص ۴

۱۱۔ البقرہ: ۲: ۱۵۶

۱۲۔ ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس، ص ۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۵

۱۹۔ ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس، ص ۳۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۳

۲۲۔ ابوعبداللہ، رحیمی، محمد طاہر، زبدۃ المقصود فی شرح قال ابی داؤد، مکتبہ مدینہ لاہور، س ن، ص ۱۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹

۲۵۔ زبدۃ المقصود، ص ۲۰

۲۶۔ زبدۃ المقصود فی حل قال ابو داؤد، ص ۱۹

۲۷۔ ایضاً، ص ۲۰

۲۸۔ ابو داؤد، سلمان، حافظ، سجبساتی، سنن ابی داؤد، باب ماجاء بیر بضاعۃ، جدہ عالم المعرفہ، ۱۴۰۳ھ، ص ۱۹

۲۹۔ ایضاً، باب ماجاء بیر بضاعۃ، ص ۲۰

۳۰۔ زبدۃ المقصود، ص ۲۹

۳۱۔ سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی بیر بضاعۃ

۳۲۔ زبدۃ المقصود، ص ۲۹

۳۳۔ سنن ابی داؤد، باب التیمم فی السفر

۳۴۔ زبدۃ المقصود، ص ۳۰

۳۵۔ ایضاً، ص ۶

۳۶۔ ایضاً، ص ۷

۳۷۔ ایضاً، ص ۸

۳۸۔ ایضاً، ص ۹

۳۹۔ از قلم سید سجاد بخاری ابن سید محمود حسن بخاری

۴۰۔ حسن، محمود، بخاری، ترجمان الحدیث، حصہ اول، اسلامک پبلیکشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۵

۴۱۔ حسان، محمد انس، واللّٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ احمد رائے کا پوری کا حصہ، تحقیقی مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ ملتان جامعہ زکریا، ص۱۵۶تا۱۵۹

۴۲۔ ایضاً، ص۱۶۰

۴۳۔ سعید الرحمن، ڈاکٹر، مفتی، ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ، بیکن بکس ملتان ۲۰۱۰ء، ص۱۲

۴۴۔ ایضاً، ص۱۶

۴۵۔ ایضاً، ص۳۰

۴۶۔ ایضاً، ص۴۱

۴۷۔ سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، زہد، مفہوم اور تقاضے، بیکن بکس ملتان ۲۰۱۰ء، ص۹

۴۸۔ ایضاً، ص۱۲

۴۹۔ ایضاً، ص۱۳

۵۰۔ غیر مطبوعہ مواد از قلم ریاض احمد عاقب (بملکیت حافظ ریاض احمد)

۵۱۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص۶۸

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ عسقلانی، ابن حجر، حافظ، شرح نخبۃ الفکر، فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۳۵۲ھ، ص۶۱

۵۴۔ ایضاً، ص۶۲

۵۵۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص۶۹

۵۶۔ ریاض احمد، انعام الباری علی حکم معلقات البخاری، مجلس تحقیق العلمی ملتان، س ن، ص۱۷

۵۷۔ تیسیر، مصطلح الحدیث، ص۷۰

۵۸۔ عسقلانی، ابن حجر، حافظ، تغلیق التعلیق، المکتبہ الاسلامی بیروت: ۱۴۱۵ھ، ص۳۴۲

۵۹۔ انعام الباری، ص۲۰

۶۰۔ الجامع الصحیح البخاری، باب الجمع فی السفر، حدیث ۱۱۵۷

۶۱۔ الحجرات: ۴۹: ۶

۶۲۔ ترمذی، امام حافظ عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح سنن الترمذی، کتاب العلم، مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۵۲ھ

۶۳۔ جامع ترمذی، کتاب العلم

۶۴۔ النجم: ۵۳: ۳۹

۶۵۔ طٰہٰ: ۲۰: ۱۱۴

۶۶۔ جامع ترمذی، کتاب العلم

۶۷۔ ما ینفع الناس، ص ۱۱

۶۸۔ ایضاً، ص ۱۳

۶۹۔ ایضاً، ص ۲۹

۷۰۔ محمود، حسن بخاری، ترجمان الحدیث (حصہ اول)، اسلامک پبلیکشنز لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۷

۷۱۔ ایضاً، ص ۲۸

۷۲۔ ایضاً، ص ۸۰

۷۳۔ ایضاً، ص ۶۹

۷۴۔ ایضاً، ص ۶۰

۷۵۔ النجم: ۵۳ : ۳،۴

۷۶۔ ترجمان الحدیث (حصہ اول)، ص ۷۰

۷۷۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۷۸۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۷۹۔ ایضاً، ص ۹۹

۸۰۔ ایضاً، حوالہ بالا

۸۱۔ ترجمان الحدیث (حصہ دوم)، ص ۲۶

۸۲۔ ایضاً حوالہ بالا

۸۳۔ ایضاً، ۲۹۷

۸۴۔ روزنامہ خبریں، ۲۰۱۵-۸-۱۵

۸۵۔ الاعراف: ۷: ۸۰ تا ۸۱

۸۶۔ العنکبوت: ۲۹: ۲۹

۸۷۔ جامع ترمذی کتاب الحدود (عن ابن عباسؓ)

۸۸۔ لقمٰن: ۳۱: ۱۳

۸۹۔ ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ، ص ۹۴

۹۰۔ ایضاً، ص ۹۵

۹۱۔ التوبہ: ۹: ۹۱

۹۲۔ ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ، ص ۱۸۷

۹۳۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۹۴۔ ایضاً، ص ۱۶۴

۹۵۔ ایضاً، ص ۲۷

۹۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۹۷۔ سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، زھد: مفہوم اور تقاضے صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ، بیکن بکس ملتان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۴

۹۸۔ ایضاً، ص ۳۴

۹۹۔ ایضاً، ص ۵۰

باب چہارم

ملتان میں شروح حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ

فصل اوّل

مکمل شروح حدیث کا تعارف

ملتان میں شروح حدیث کا تعارف پیش کرنے سے قبل شرح کی لغوی و اصطلاحی تعریف پیش خدمت ہے۔ شرح کی لغوی تعریف المنجد میں اسطرح بیان ہوئی ہے کہ شرح (باب فتح یفتح) شرح شرحاً(۱) جس کے مندرجہ ذیل معانی ہیں (۱) بیان کرنا (۲) مسئلہ کے گہرے مطالب کو کھولنا (۳) کلام سمجھانا جبکہ اصطلاحی مفہوم التوقیف علی مہماۃ التعاریف میں یوں درج ہے "شرح المشکل من الکلام ایی بسطہ و اظہار ماخفی من معنہ" (۲)

اصطلاحی طور پر "کلام کے مشکل اور مخفی مطالب و معانی کو کھول کر بیان اور ظاہر کرنے کا نام شرح ہے"

ملتان کی سرزمین پر علم شروح حدیث پر کام کرنے والی علمی شخصیات تین ہیں۔ زیر بحث فصل میں مکمل شرح حدیث پر قلم اٹھانے والی علمی شخصیت اور ان کی شرح حدیث کا تعارف پیش کیا جائے گا تو اس میدان میں پہلا نام مولانا شبیر الحق کشمیری کا ہے انکی شرح کا پورا نام "خیر المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" ہے۔ انکی شرح کا تعارف پیش کرنے سے قبل مولانا کا تعارف پیش خدمت ہے "آپ کا پورا نام شبیر الحق بن مولانا عبد اللطیف بن محمد زبیر ہے اور آپکی نسبت کشمیری ہے آپ ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۵۲ء کو سنگڑی سید پور مضافات مظفر آباد آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے (۳) ابتدائی تعلیم آبائی علاقہ میں حاصل کی اور درس نظامی کیلئے مدرسہ عربیہ انوار الاسلام ایبٹ آباد ضلع ہزارہ (سرحد) تشریف لے گئے اور ابتدائی کتب سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مشہور و معروف دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں اکابر وقت سے دینی علوم میں فراغت حاصل کی اس دوران آپ نے علوم حدیث میں بھی اکابر اساتذہ کرام سے علم حاصل کیا جن میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ، مولانا محمد موسیٰ خان متوفی ۱۴۱۹ھ کے نام سرفہرست میں

اس کے بعد آپ ملتان جامعہ خیر المدارس تشریف لائے اور مولانا محمد شریف کشمیری متوفی ۱۴۱۰ھ سے فنون کی کتب پڑھیں۔ علم کی تکمیل کے بعد آپ کچھ عرصہ ڈیرہ غازی میں پھر قصبہ مڑل ملتان میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے پھر اکابر نے آپ کو جامعہ خیر المدارس بلالیا چنانچہ جامعہ ھذا میں آپ اس وقت سے تاحال تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں"(۴)

راقم الحروف کی موصوف سے ملاقات ہوئی اور میری گذارش پر انہوں نے اس علمی سفر کو بیان فرمایا وہ اس تحقیق میں بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ کشمیری نے فرمایا کہ وہ جامعہ ھذا میں تقریباً سولہ سال یعنی ۱۹۹۷ء سے تاحال مشکوۃ شریف کا مسلسل درس دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شرح جامی، مختصر معانی اور مسلم العلوم جیسی فنون کی اہم کتب پڑھاتے رہے ہیں اور آپ نے بیان کیا کہ وہ سنن ابو داؤد شریف پڑھانے کے بعد جامع ترمذی کی تدریس کا شرف بھی رکھتے ہیں ان کے علمی اور ذاتی کمال کا تذکرہ زیر بحث شرح مشکوۃ کے شروع میں درج ہے وہ الفاظ کچھ اس طرح آپ کی شخصیت کو بیان کرتے ہیں کہ

"آپ کمال حلم و شفقت اور محبت ورافت کا مجسمہ ہیں استحضار حافظہ ورسوخ فی العلم ذہانت تفقہ فی الدین اور تبحر علمی میں اپنے اساتذہ استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ء اور ولی کامل حضرت الشیخ مولانا محمد موسیٰ خان بازیؒ کے جانشین ہیں آپ کا انداز تدریس منفرد ہے بلامبالغہ پیچیدہ سے پیچیدہ علمی مسائل کو طلباء کے سامنے نہایت آسان اور دلچسپ پیرائے میں بیان فرماتے ہیں اور مرتب انداز سے اہم مسائل کی تفہیم میں ید طولیٰ حاصل ہے جس کا مشاہدہ قارئین کو اس شرح میں جابجا ہو گا۔ جب آپ قرآن وسنت کے رموز و نکات اور دقیق علمی مباحث بیان فرماتے ہیں تو علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی یاد تازہ فرما دیتے ہیں۔ کشمیر کی اقلیم کا ایک درویش بے کلیم بطحاء کی وادیوں کے ترانے سنا گیا۔"(۵)

علامہ موصوف کی شخصیت کے مختصر تعارف کے بعد انکی شرح کا تعارف پیش خدمت ہے اس تالیف کا پورا نام "خیر المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح"۔ یہ شرح اردو زبان میں ہے اور تین ضخیم جلدوں پر مشتمل پہلی جلد ۷۴۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس شرح کو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کیا ہے جلد اوّل کے شروع میں مقدمۃ الکتاب کے نام سے علم حدیث سے متعلق مباحث درج ہیں۔ ان مباحث میں حدیث کے معنیٰ کی تحقیق اور اس لفظ کا اطلاق اور اس

کی وسعت کو بیان کیا ہے البحث الاوّل میں حدیث کی وجہ تسمیہ اور دونوں معنوں میں مناسبت کی علمی گفتگو کی گئی ہے۔ حدیث اور سنت کے مفہوم کو واضح انداز میں بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس ضمن میں آپ رقمطراز ہیں کہ

"حدیث بمعنیٰ خبر ہے اور یہ لفظ باری تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ﴾(٦) سے ماخوذ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں حضور ﷺ پر تین نعمتیں ذکر فرمائی ہیں ﴿اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی﴾(٧) ﴿وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی﴾(٨) ﴿وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی﴾(٩) یعنی ایوا، ہدایت اور اغناء پھر رب العالمین نے ادائے شکر نعمت کیلئے تین احکام دیئے نعمت ایوا کے مقابلے میں ﴿فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ﴾(١٠) نعمت اغناء کے مقابلے میں ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ﴾(١١) اور نعمت ہدایت کے مقابلے میں ﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ﴾(١٢) جسکا مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو علوم نبوت کی ہدایت عطا کی ہے اس لئے آپ اس نعمت کو بیان کیجئے تو حدیث نبویؐ ہدایت ربانیہ کا تذکرہ بیان اور اخبار ہے اور تحدث کے معنیٰ اخبار و تذکرہ ہی کے آتے ہیں۔"(١٣)

اس کتاب کے مقدمہ میں علم حدیث کی غرض وغایت فوائد اور علم حدیث کے فضائل پر مفصل تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ علم حدیث کو علم تفسیر سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے چنانچہ گذشتہ باب میں سید احمد سعید کاظمی کی علم حدیث کے بارے میں رائے اور علامہ شبیر الحق کشمیری کی رائے میں مکمل اتفاق پایا جاتا ہے کہ علم حدیث افضل العلوم و اشرف العلوم ہے کیونکہ علم تفسیر کا موضوع کلام لفظی ہے جو حروف وصوت سے مرکب ہونے کی بنا پر حادث ہے اور علم حدیث کا موضوع ذات رسالت مآب ﷺ ہے باتفاق جمیع العلماء حوادث و مخلوقات حتیٰ کہ عرش و کرسی اور بیت اللہ سے بھی افضل ہے اور شرافت علم شرافت موضوع ہی سے ہوتی ہے۔(١٤)

زیر بحث مقدمہ میں حدیث کی حجیت کو قرآن حکیم کی آیات پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حدیث نبویؐ شرعاً حجت ہے اور اسکی اتباع بھی ضروری ہے نمونہ کیلئے دو آیات پیش کی جاتی ہے:

(١) ﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰهُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ﴾(١٥) اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی مطلق اتباع محبوبیت الٰہی اور مغفرت ذنوب کا ذریعہ ہے۔

(۲)﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ﴾(۱٦) اس سے واضح اور صاف حکم معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کی اطاعت بعنیہ خدا کی اطاعت ہے۔

قرآنی آیات کی بحث کو سمیٹتے ہوئے علامہ موصوف نے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ کتاب یعنی (قرآن) اور سنت مطلب حدیث میں فرق صرف یہ ہے کہ کتاب کے الفاظ و معانی دونوں منزل من اللہ ہیں اور سنت کے معانی منزل من اللہ ہیں اور الفاظ رسول اکرم ﷺ کے ہیں پس جب سنت رسول ﷺ بھی منزل من اللہ ہے تو نہ صرف اس کا اتباع لازم ہے بلکہ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن کا مطالبہ ہے کہ ﴿اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ﴾(۱۷)۔

حدیث کی حجیت پر بحث کے ساتھ مصنف نے علم حدیث کی ضرورت پر بحث کی ہے اور منکرین حدیث کے شبہات نقل کر کے ان کے مدلل اور مفصل جوابات تحریر کئے ہیں اس بحث کے بعد کتابت حدیث کے عنوان سے شہادتوں کے ساتھ یہ امر واضح کیا ہے کہ کتابت حدیث عہد رسالت مآب ﷺ اور خلفاء راشدین تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں مسلسل ہوتی رہی تاریخ و تدوین حدیث کے موضوع پر بات کرتے ہوئے علامہ موصوف نے علم حدیث کی خدمت، کتابت و تدوین کرنے والی شخصیات کا ذکر کیا ہے اور ضبط حدیث کی دو اقسام کا تذکرہ کیا ہے۔(۱) ضبط صدر (یعنی حدیث کو سینے میں محفوظ کرنا) (۲) ضبط کتابت (یعنی قلم سے حدیث کو محفوظ کرنا) اور ان طبقات کو پانچ اقسام پر تقسیم کیا ہے۔ طبقہ اولی میں تابعین کرام اور ان کے قائد حضرت عمر بن عبد العزیز م ۱۰۱ھ ہیں انہوں نے امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری م ۱۲۴ھ اور قاضی مدینہ امام ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اندلسی م ۱۲۰ھ کو حکم دیا کہ وہ اپنی ایک ایک کتاب علم حدیث کے موضوع پر تصنیف کریں اور طبقہ ثانیہ میں تبع تابعین کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ مدینہ میں امام مالکؒ نے موطا مالک تحریر کی اور مکہ مکرمہ میں ابن جریجؒ نے، یمن میں معمر بن راشد اور خراساں میں عبد اللہ بن مبارک نے، کوفہ میں سفیان ثوری نے اور شام میں عبد الرحمٰن اوزاعی نے، بصرہ میں ربیع بن صبیح نے اور رے میں حریر بن عبد الحمید نے ایک ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ یہ کتب حدیث بترتیب ابواب لکھی گئیں اور یہ زمانہ تقریباً ۱۵۰ھ یعنی ڈیڑھ صدی کا ہے۔(۱۸)

طبقہ ثالثہ میں علم حدیث کی ان کتب کا ذکر ہے جن میں مسانید کی کتب شامل ہیں یعنی ترتیب رتبی اور ترتیب حروف ھجایا، ترتیب تقدم و تاخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث درج ہوں۔ ان کتب میں مسند دارمی امام احمد بن حنبل کی مسند احمد بن حنبل اور عثمان بن ابی شیبہ نے مسند ابی شیبہ تحریر کی۔ یہ زمانہ دوسری صدی کا آخر اور تیسری صدی ھجری کا آغاز تھا۔ طبقہ رابعہ میں مصنف نے صحاح ستہ کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طبقہ میں مصنفین صحاح ستہ کا ذکر ہے اور اس صف میں امام بخاری کا نام صف اوّل میں ہے اور باقی صحاح ان کی اتباع میں درج ہوئیں اور طبقہ خاصہ میں متاخرین خدام الحدیث کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی مسندوں سے خود روایت نہیں کی بلکہ جو متقدمین نے اپنی مسندوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس کو بحذف الاسانید صحابی کے نام سے یا حضور ﷺ کی ذات گرامی کے نام سے ذکر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں "**قال النبی ﷺ یاعن ابی ھریرہ**"(۱۹)

اس کے ساتھ ساتھ **مقدمۃ الکتاب** میں علامہ کشمیری نے طالب حدیث کیلئے آداب کا ذکر فرمایا ہے کہ جو ہیں وہ ضروری ہیں حدیث کے طالب علم کیلئے جسمیں (۱) نیت واخلاص (۲) اخلاق حمیدہ (۳) کلمات تعظیمی (۴) شیخ کا احترام (۵) عدم بخل (۶) طہارت ضروری آداب میں شامل ہیں۔

اس کے بعد مشکوٰۃ کا تعارف پیش کیا ہے کہ اس کے مولف کا پورا نام ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبید اللہ الخطیب تبریزی المتوفی ۷۴۳ھ ہے۔ مشکوٰۃ آپ نے اپنے استاذ شیخ علامہ طیبی کے حکم پر المصابیح میں اضافات و تغیرات کرکے اور پندرہ سو گیارہ (۱۵۱۱) احادیث کا اضافہ فرما کر مشکوٰۃ مرتب فرمائی آپ نے مشکوٰۃ کی احادیث کو تین فصلوں پر تقسیم کیا ہے فصل اوّل میں بخاری و مسلم سے احادیث درج ہیں، فصل دوئم میں ابو داؤد اور ترمذی کی احادیث نقل کی ہیں اور فصل سوئم میں وہ احادیث ہیں جو انہوں نے ضعیف قرار دی ہیں اس کے بعد سبب تصنیف مشکوٰۃ تحریر کیا ہے سبب مصنف نے یوں بیان کیا ہے کہ مصابیح میں حدیث کا ماخذ اور راوی مذکور نہیں تھا اس طرز پر بعض اہل علم کو کلام تھا کیونکہ حوالا کتاب نہ ہونے کی وجہ سے تلاش مآخذ میں بہت دقت ہوتی تھی اور ذکر سند کے بغیر صحت حدیث پر پورا اعتماد بھی نہیں ہوتا تو اس کمی کو دور کرنے کیلئے مصابیح کی تکمیل کا کام مولف کے سپرد ہوا اور آپ نے کئی سالوں کی محنت کے بعد مشکوٰۃ المصابیح مرتب فرمائی کتاب کی وجہ تسمیہ کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ مشکوٰۃ کے لغوی معنی دیوار کے اندر کا وہ طاقچہ جن میں چراغ رکھا ہو تو مصنف کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب المصابیح مثل چراغ کے ہے اور میری کتاب معمولی درجے کی مثل طاقچے کی ہے

جو چراغ سے کم درجہ رکھتا ہے راقم الحروف کی رائے میں اس خیال کے اظہار میں مصنف نے عاجزی اپنائی ہے۔اس کے بعد شرح و حواشی کا ذکر ہے۔ ان میں سب سے اہم اور پہلی شرح ہے "الکاشف عن حقائق السنن"۔ یہ شرح طیبی کے نام سے مشہور ہے اسے (استاذ صاحب مشکوٰۃ) علامہ حسین بن عبد اللہ بن محمد طیبی شافعی نے تحریر کیا ہے اور دوسری شرح علامہ نورالدین ملا علی بن سلطان محمد حنفی نے تحریر کی ہے جسکا نام ہے "مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوٰۃالمصابیح" ہے اور تیسری شرح محدث الہند شیخ علامہ عبد الحق محدث نے تحریر کی ہے جسکا تعارف باب اوّل میں مذکور ہے اس کے علاوہ بھی اس تالیف کے بہت سارے حواشی اور شروحات ہیں۔

مقدمۃالکتاب کے آخر میں مصنف نے صاحب المصابیح کے حالات زندگی مختصر انداز میں درج کئے ہیں کہ آپ کا نام محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی م ۵۱۶ھ ہے۔ محی السنہ آپ کا لقب اس لئے ہے کہ انہوں مصابیح سے قبل ایک کتاب شرح السنہ تحریر کی جب اس سے فرصت ہوئی تو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"احیاک اللہ کما احییت سنتی"(۲۰) اس وجہ سے آپ کا لقب محی السنہ ہوا۔ آپ کو تفسیر، حدیث اور فقہ میں بہت مہارت حاصل تھی شافعی مذہب رکھتے تھے تمام عمر حدیث تفسیر اور فقہ کے درس میں مشغول رہے ہمیشہ باوضو رہتے بوقت وصال آپ کی عمر ۸۰ سال تھی۔

مقدمہ کی بحث کے بعد علامہ کشمیری نے کتاب الایمان سے اس شرح کا آغاز کیا ہے اور ایمان کے لفظ کی لغوی و اصطلاحی تحقیق بیان کی ہے اور لغوی و اصطلاحی معنٰی کے فرق کو واضح کیا ہے پھر ایمان بسیط ہے یا مرکب۔ اس بحث میں مذاہب کی آراء اور دلائل کا وضاحت سے ذکر ہے مذاہب کی آراء اور ایمان کے بارے میں دلائل تحریر کرنے کے بعد آپ نے بسیط اور مرکب کی بحث اور اختلاف کو تعبیر اور عنوان کے اختلاف کا نام دیا ہے اور اصول کا اختلاف کہا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ

"فرقہ باطلہ کا اختلاف تو کوئی باعث تعجب نہیں لیکن اہل حق کا اختلاف خصوصاً اصل اصول ایمان کے مسئلے میں کیسے ہو سکتا ہے یہ محض تعبیر اور عنوان کا اختلاف ہے یعنی ایمان کی تعبیر بسیط ہونے کے ساتھ کی جائے یا مرکب ہونے کے ساتھ اس میں

اختلاف ہے جمہور متکلمین فرماتے ہیں کہ بسیط کے ساتھ کی جائے اور جمہور محدثین اور فقہائے شوافع ومالکیہ فرماتے ہیں کہ مرکب کے ساتھ کی جائے باقی اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے"(۲۱)

زیر بحث شرح حدیث میں کتاب الایمان کتاب العلم اور کتاب الطہارۃ کے ابواب کی تشریح اور احکامات کی وضاحت کی گئی ہے۔

کتاب الایمان کی بحث میں جس طرح علامہ کشمیری نے ایمان سے متعلقہ بحثون کا تذکرہ کیا ہے اسی طرح کتاب العلم میں بھی علم اور اسکی فضیلت حقیقت علم، علم کی اقسام اور حکم تحصیل علم، طریقہ حصول علم کو مفصل اور جامع انداز میں بیان کیا ہے اس ضمن میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"اوّلاً علم کی دو قسمیں ہیں(۱) دینی-جو کتاب وسنت سے متعلق ہو(۲) دنیوی جو دنیا سے متعلق ہو مثلاً ڈاکٹری، سائنس ،جغرافیہ، وکالت وغیرہ ذٰلک یہاں علم دینی مراد ہے پھر دینی علم کی دو قسمیں ہیں(۱) تشریعی جو قرب الٰہی اور اصلاح ظاہر وباطن کا ذریعہ ہے یعنی علم شرعی ظاہری جس کو علم معاملہ بھی کہتے ہیں اور علم تصوف باطنی جس کو علم طریقت بھی کہتے ہیں(۲) تکوینی جو ذریعہ قرب نہ بنے مثلاً چند واقعات وحالات ہونے کا انکشاف ہو جائے جیسا کہ حضرت خضرؑ کو بادشاہ کے ظلم، بچے کے کفر اور خزانے کے دفن کا علم ہو گیا تھا۔ یہاں علم تشریعی مراد ہے"(۲۲)

اس طرح کتاب الطہارۃ میں بھی طہارت وپاکیزگی کے معانی ومفہوم اور اسکی اقسام پر بحث کی ہے اور طہارت کو مقدم کرنے کی وجوہات بھی تحریر کی ہیں کہ عبادات میں طہارت اس لئے شرط ہے کہ عبادات قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہیں اور اسی طرح طہارت سے مراد نظافت صفائی اور طہارت دو قسم پر ہے طہارۃ ظاہرہ اور طہارۃ باطنہ پھر ہر دونوں دو قسم پر ہیں طہارۃ ظاھرہ کی دو قسمیں ہیں(۱) طہارۃ حقیقیہ(۲) طہارت حکمیہ۔ طہارت حقیقیہ سے مراد ہے بدن پر سے یا کپڑے پر سے نجاست کو دھونا اور حکمیہ سے مراد ہے وضو کرنا اس طرح طہارت باطنیہ کی اقسام میں(۱) طہارۃ باطنیہ قلبیہ اور(۲) طہارۃ باطنیہ قالبیہ۔ اوّل الذکر سے مراد قلب کا عقائد فاسدہ سے پاک ہو اور آخر الذکر کا مطلب ہے جوارح اعضاء کا گناہوں سے پاک ہونا۔

اس شرح کی دوسری جلد جلد دوئم کے نام سے ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو شائع ہوئی ہے اس جلد کے ۵۶۰ صفحات ہیں۔ شروع میں عرض ناشر کے عنوان سے برصغیر پاک وہند میں علم حدیث کی

اشاعت و تبلیغ اور اس علم پر ہونے والے مساعی کا مختصر تذکرہ ہے اور اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کی اولاد اور ان کے تلامذہ کو خدام الحدیث میں شامل کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ہونے والے کام کا تعارف کے ساتھ ساتھ صاحب شرح حضرت علامہ کشمیری کو بھی سراہا گیا ہے کہ علامہ موصوف صبح و شام خدمت علم حدیث میں مصروف و مشغول ہیں اور سادگی اور درویشی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اس جلد میں کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز سے متعلقہ احادیث شامل ہیں۔ اور ان کی شرح مفصل اور مدلل انداز میں بیان کی گئی اس جلد میں عنوانات کی تفصیلی فہرست کتاب کے آخر میں لف کی گئی ہے جبکہ جلد اوّل میں تفصیلی فہرست کتاب کے شروع میں درج ہے۔

اس شرح کی آخری جلد سوئم میں کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ، کتاب المناسک، کتاب فضائل القرآن، کتاب الدعوات اور کتاب البیوع سے متعلقہ احادیث شامل ہیں۔ یہ جلد ۴۴۲ صفحات پر مشتمل اور رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔

فصل دوئم

جزوی شروح حدیث کا تعارف

شروح حدیث کی صف میں جن شخصیات نے سرزمین ملتان میں اپنا حصہ پیش کیا ان میں ایک نام مولانا عبدالقادر قاسمیؒ کا ہے۔ انہوں نے تشریحات بخاری کے نام سے شرح الجامع الصحیح بخاری تالیف فرمائی ہے حضرت موصوف کی شرح کا تعارف پیش کرنے سے قبل مولانا عبدالقادر قاسمی فاضل دیوبند کا مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبدالقادر قاسمی یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے والد کا نام ملک محمد حمزہ تھا۔ آپ کا آبائی گاؤں بستی باغوالا موضع سہو تحصیل جتوئی ضلع مظفر گڑھ تھا۔ بعد ازاں تدریسی وسیاسی مشاغل کی بنا پر محلہ ہٹی شیر خان پرانا برف خانہ عقب کچہری روڈ ملتان میں مستقل طور پر تادم حیات ملتان میں ہی سکونت پذیر رہے تعلیم کا آغاز بستی عبدا لواحد موضع سہو تحصیل جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں امدادی پرائمری سکول سے کیا ناظرہ قرآن حکیم اور تین جماعتیں اسی سکول میں پڑھیں اور پھر ضلع مظفر گڑھ جتوئی سکول میں داخلہ لیا اور پانچویں کا امتحان اوّل پوزیشن میں پاس کیا دینی تعلیم کا آغاز قصبہ بوہڑ والا ڈیرہ غازی خان سے کیا۔ اس مدرسہ میں آپ باقاعدہ طالبعلم کی حیثیت سے ۱۹۳۰ء میں داخل ہوئے مدرسہ ھذا کے صدر مدرس حضرت مولانا غلام صدیق خانؒ فاضل دارالعلوم دیوبند تھے۔ مولانا قاسمی نے ان سے علوم اسلامیہ کا درس باقاعدگی سے حاصل کیا اور اس دوران مولانا عبدالقادر قاسمی نے وقت کے ولی کامل حضرت مولانا خواجہ غلام حسن سواگ کے ہاتھ پر دست بیعت کی اور حضرت سورگ صاحب نے آپ کو تکمیل علم کی دعا دی بعد ازاں آپ نے جامعہ عباسیہ بہاول پور میں داخلہ لیا وہاں مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی صدر مدرس تھے۔ وہاں سے آپ نے کسب فیض حاصل کیا اس کے بعد ۱۹۳۸ء میں مدرسہ نعمانیہ ملتان میں داخلہ لیا۔ مدرسہ ھذا میں مولانا خان محمدؒ صدر مدرس تھے۔ یہاں قطبی، ہدایہ اولین اور جلالین کا درس لیا۔ اس دور میں سالانہ پرچوں کی جانچ پڑتال اجمیر شریف میں جید علماء کی زیر نگرانی ہوا کرتی تھی تو آپ نے ان کتب میں اوّل پوزیشن حاصل کی وہاں نقد رقم کی صورت میں انعام بھی ملا اس انعامی رقم سے دیوبند ضلع سہارنپور کا سفر کیا اور دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مختلف فنون پر مشتمل کتب کا آغاز کیا حضرت قاسمیؒ

نے تقریباً تین سال تک دارالعلوم دیوبند میں اکابر علماء کے زیر سایہ علمی و دینی تربیت حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء بمطابق ۱۳۴۰ھ میں دورہ حدیث کا امتحان پاس کیا (دورہ حدیث سے مراد صحاح ستہ کا مطالعہ)۔ آپ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے عصائے خاص سے اجازت حدیث کی سند عطا کی۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد باطنی علوم کی طرف توجہ کرتے ہوئے حضرت قاسمیؒ نے مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھ پر چاروں سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں بیعت کی۔

تبلیغی و علمی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا خدا بخش ملتانی جو کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے خاص مرید اور رفیق سفر تھے کی کوششوں سے مدرسہ محمودیہ سراجاں مسجد حسین آگاہی ملتان میں درس و تدریس کا آغاز کر دیا کچھ عرصہ بعد آپ ملتان سے امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن سے ملاقات ہوئی انہوں نے آپ کو ملتان کی بجائے نارووال ضلع سیالکوٹ میں محلہ کی مسجد میں بطور امام و خطیب تقرر کر دیا پھر کچھ عرصہ بعد آپ دیوبند چلے گئے اور اپنی درس نظامی کی سند مکمل کی واپسی پر ریل گاڑی کی جس بوگی میں آپ سوار تھے بالاتفاق اس بوگی میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری (بانی انجمن خدام الدین لاہور) سوار تھے۔ قاسمی صاحب سے دریافت کرنے پر حضرت لاہوری نے فرمایا کہ آپ نارووال ہی میں قیام کریں اور ساتھ ہی فرمایا کہ "قاسمی صاحب تمہاری تبلیغ سننے اور قبول کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں آئیں گے انہی لوگوں میں رہ کر تدریس و تبلیغ کرو ہم تمہاری خبر گیری کرتے رہیں گے چنانچہ آپ نارووال میں خطیب و امام کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔"(۲۳)

ملتان میں آمد اور علمی خدمات:

اکتوبر ۱۹۴۶ء میں جمیعت العلماء ملتان کے زیر اہتمام کچہری روڈ ملتان پر علماء ہند کی کانفرنس کا انعقاد ہوا اسکی صدارت حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے فرمائی اور اسی موقع پر قاسم العلوم ملتان کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور مولانا عبد القادر قاسمی مدرسہ قاسم العلوم کے بانیان میں شامل تھے اور حضرت حسین احمد مدنی صاحب نے مولانا محمود اختر کو مہتمم اور موصوف قاسمی صاحب کو نائب مہتمم مقرر کیا۔ جبکہ آپ جمیعت علماء کے ناظم اعلیٰ بھی تھے مولانا قاسمی مدرسہ قاسم

العلوم کے بیک وقت مدرس، مبلغ، نائب مہتمم اور سفیر کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ مولانا قاسمی نے قاسم العلوم ملتان میں تقریباً ۳۵ سال تک درو تدریس دیا اور بالخصوص استاذ الحدیث میں خوب نام روشن کیا۔

مولانا قاسمی نے وقت کے جید علماء سے کسب فیض کیا جن میں درج ذیل مشہور ہیں حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے نام سر فہرست ہیں۔

تلامذہ ویسے تو استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبد القادر قاسمی کے شاگردان گرامی کافی تعداد میں ہیں لیکن ان میں مشاہیر تلامذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ا۔ حضرت مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی جن کا حال ہی جامعہ اشرفیہ لاہور میں انتقال پر ملال ہوا۔

۲۔ حضرت مولانا محمد عبد اللہ اسلام آباد (لال مسجد میں شہید ہوئے)

۳۔ حضرت مولانا محمد جان صاحب (مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ)

۴۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ڈیروی (امیر تبلیغی جماعت)

۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب (سابق ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

۶۔ حضرت مولانا محمد اکبر صاحب (شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان)

۷۔ حضرت مولانا عبد البر محمد قاسم (مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان)

۸۔ حضرت مولانا قاری محمد حنیف ملتانی (نابینا)

۹۔ حضرت مولانا مفتی عبد القوی صاحب (جامعہ عبیدیہ قدیر آباد ملتان)

تالیفات وتصانیف:

آپ کے قلم سے متعدد مضامین ورسائل تحریر ہوئے مگر تشریحات بخاری سب سے بڑی کاوش ہے اس کے علاوہ بریلوی مذھب، قندنامہ ترجمہ پندنامہ، تکثیر نسل بجواب تحدید نسل شامل ہیں۔

آپ نے ۱۳ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ بمطابق ۸ جولائی ۱۹۹۸ء بروز بدھ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن نشتر ہسپتال ملتان میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا کے تعارف کے بعد اب ان کی شرح کا تعارف پیش خدمت ہے اس تالیف کا پورا نام ''تشریحات بخاری اردو'' ہے اور اس کی ۷ جلدیں ہیں اور یہ کتب خانہ مجیدیہ ملتان سے طبع ہوئی اسکی جلد اوّل ۸۰۵ صفحات پر مشتمل ہے کتاب کے آغاز میں مقدمہ کے عنوان سے علم حدیث کی تعریف، غرض وغایت، وجہ تسمیہ، علم حدیث کی حیثیت کو تحقیقی اور تفصیلی انداز میں تحریر کیا گیا نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو علم حدیث پر بحث کرتے ہوئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

''علم حدیث کی غرض وغایت وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں دوسری غرض کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے کیونکہ اصل دین قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین و توضیح احادیث سے ثابت ہے تیسری غرض یہ ہے کہ حدیث جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلام ہے ہم محب رسول ہیں محبوب کے کلام کو جب پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت حلاوت اور رغبت پیدا ہوتی ہے غرضیکہ علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور اسکی غرض کا خلاصہ لذت ہے۔''(۲۴)

علامہ موصوف نے کتاب کا مقدمہ اس انداز میں تحریر کیا ہے جسمیں علم حدیث سے متعلقہ اصطلاحات، احوال بخاری مسئلہ خلق قرآن اور اسکی وضاحت اور امام بخاری کا اس پر تبصرہ اور رائے مدلل اور مفصل انداز میں تحریر کی ہے اس حوالے سے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

''جس طرح آج کل علماء کرام میں کسی معاصر کی رفعت نہیں سنی اور سہی جاتی اس طرح پہلے زمانے میں بھی یہی دستور تھا چنانچہ امام بخاری کے معاصرین کو امام صاحب سے حسد پیدا ہوا۔ جہاں جہاں ان کا شاندار استقبال ہوتا حاسدین وہیں اسی کا رد عمل بھی کرتے۔ اس زمانہ میں ایک مسئلہ خلق قرآن کا بہت زور شور سے چل رہا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور امام بخاری

چونکہ ایک مرتبہ کے ہیں اس لئے ان کو اس مسئلہ میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سی مرتبہ جیل بھیجے گئے مگر جمے رہے اور معتزلہ کے افکار کا جو قرآن حکیم کو حادث قرار دیتے تھے رد کیا اور کہا کہ قرآن پاک قدیم ہے"(۲۵)

کتاب کے آغاز میں احوال امام بخاری اور الجامع الصحیح البخاری کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری پر جو کام ہوا ہے اس کا اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے اور کتاب کے مقدمہ کے اختتام پر مراتب کتب حدیث کو پانچ طبقات پر تقسیم کر کے ان کی وضاحت بھی سادہ اور سلیس انداز میں کی گئی ہے جو درج ذیل ہے:

"اوّل طبقہ وہ ہے جس کے اندر ایسی کتابیں داخل ہیں جن کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ھذا صحیح اگر کوئی اس کے خلاف ہے تو اس سے دلیل طلب کی جائے گی اس کے اندر صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان، مسند ابو عوانہ اور مستدرک حاکم داخل ہیں دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کی کتابوں میں جو احادیث مذکور ہیں ان کو ہم صحیح تو نہیں کہہ سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صالح الاحتجاج ہیں یعنی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ احتجاج کے لئے صحیح ضروری نہیں بلکہ حسان سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے اس طبقہ میں ابو داؤد شریف، نسائی، ترمذی وغیرہ داخل ہیں اور بعض علماء نے ترمذی شریف کی بجائے طحاوی شریف کو ذکر کیا ہے تیسرا طبقہ وہ ہے کہ ان کی احادیث کو نہ تو ہم صحیح کہیں گے اور نہ ان کی تقلید کریں گے بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں۔ اس طبقہ میں مصنف عبد الرزاق مصنف ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ اور زوائد مسند ہے۔ زوائد مسند سے مراد ہے حضرت امام احمد بن حنبل کے صاجزادے حضرت عبد اللہ بن احمد نے مسند احمد بن حنبلؒ پر کچھ روایات کو زیادہ فرمایا ہے جس کو زوائد مسند سے تعبیر کیا جاتا ہے چوتھا طبقہ وہ ہے جو پہلے کے برعکس ہے اس کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ضعیف ہیں اس طبقہ میں ویلمی کی مسند فردوسی اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول اور کتب تفاسیر کی تمام روایات داخل ہیں یہ دونوں وعظ کی کتابیں ہیں جن میں کثرت سے روایات ضعیفہ شامل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ ہے جن میں احادیث موضوعہ جمع کر دی گئی ہیں ان سب میں سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطی کی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ہے ایک اور محدث ہیں جن کا نام ابن جوزی ہے جو مشہور حافظ حدیث اور بہت متشدد ہیں۔ ان کے تشدد کی حالت یہ ہے علم حدیث کی امہات الکتب کی روایات پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں اس طرح ملا علی قاری کی موضوعات کبیر اور علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعہ بھی اسی مقصد کے لیے لکھی گئی ہے(۲۶)

مقدمۃ الکتاب پر مبنی ابحاث کے بعد کتاب کیف کان بدأ الوحی سے شرح کا آغاز کیا ہے اور اس باب میں وحی سے متعلقہ بحث کی تحقیق و تفصیل کو وضاحت سے بیان کیا ہے اس کے بعد کتاب الایمان اور ایمان سے متعلقہ بحث ایمان کی حقیقت اور اس ضمن میں ائمہ کے اختلاف کو مدلل انداز میں تحریر کی سعی کی ہے نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو کیفیت کے اعتبار سے ایمان میں کمی و زیادتی پر بحث فرماتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں کہ

''کتاب الایمان کے شروع میں جو زیادتی و کمی کو ثابت کیا ہے وہ باعتبار اجزاء ایمانیہ کے کیا ہے کیونکہ ان سے امام بخاریؒ کا مقصود ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا تھا اور یہاں کیفیت کے اعتبار سے ثابت کرنا ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے اور حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اپنے تراجم میں اسی کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ زیادتی و کمی باعتبار اجزاء اعمال کے تھی یعنی اعمال اجزاء کثیرہ پر مشتمل ہیں اب جو پورے اعمال کرے گا وہ زیادہ کو حاصل کر لے گا اور جو ان میں کم کرے گا اسی کے یہاں نقصان ہوگا اور یہاں مومن بہ کی کمی و زیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ اعمال ایک دم نازل نہیں ہوتے بلکہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں مثلاً معراج میں نماز کی فرضیت کے بعد دیگرے دوسرے فرائض کی فرضیت نازل ہوئی تو جس طرح احکام نازل ہوتے رہے مومن بہ میں زیادتی ہوتی رہی''(۲۷)

ایمان کی کمی و زیادتی کی بحث میں علامہ موصوف نے معاصرین محدثین اور اکابر علماء و اساتذہ کی آراء کو بھی درج کیا ہے جو اس شرح کو دوسری شرح سے منفرد بنانے کا سبب ہے۔ کتاب الایمان کے بعد جلد اوّل میں کتاب العلم کی بحث کا آغاز ہے اس بحث میں علم کی فضیلت اور سلف صالحین کے علم و تعلم کے تحت ہونے والی گفتگو کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے علم کی ابحاث میں علم کی ثمرات اور نتائج پر عصری اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے مسائل اور ان کے حل میں آراء درج کی گئی ہیں۔

کتاب العلم کے بعد کتاب الوضوء سے متعلقہ احادیث اور ان کی شرح میں وضو کی فرضیت ترتیب اور تمام امور متعلقہ پر سیر حاصل تبصرہ درج ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو میں مذاہب اربعہ کے وضو کے طریقہ اور ترتیب پر آراء اور راجح قول کی دلائل سے توثیق کی گئی ہے۔ کتاب الوضوء کے بعد بالترتیب کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب القبلہ سے متعلقہ

احادیث اور ان کی شرح درج کی گئی ہے۔ جلد اوّل کتاب کیف کان بدء الوحی سے کتاب القبلہ تک کی شرح پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل کے تعارف کے بعد جلد ثانی کا تعارف پیش خدمت ہے:

تشریحات بخاری جلد دوئم بھی کتب خانہ مجیدیہ ملتان سے ۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی ہے اور اس جلد کے ۶۴۰ صفحات ہیں اس جلد میں جلد اوّل کے ابواب پر دوبارہ بحث کی گئی ہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے افادات کو شامل کیا ہے اسکی وضاحت مصنف موصوف نے جلد کے آغاز میں مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمادی ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

"جلد اوّل قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے افادات سے خالی ہے دراصل جلد اوّل کی ترتیب کے وقت یہ افادات میسر نہ ہوسکے تھے بعد ازاں ضمیمہ کی صورت میں جلد ثانی کے اوائل میں حضرت مولانا گنگوہی کے افادات کو تحریر کیا گیا"(۲۸)

ضمیمہ کی شمولیت کے بعد اس جلد میں بالترتیب کتاب مواقیت الصلوٰۃ پارہ نمبر ۳ سے متعلقہ احادیث اور ان کی شرح کو درج کیا گیا ہے اور اس ضمن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے طریقے میں یہ دیکھا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری نماز کون سی تھی اور اس نماز میں قرأت کیسی کی گئی اس کی وضاحت کیلئے الجامع الصحیح کی روایت ملاحظہ ہو

((عن ابن عباس انہ قال ان ام الفضل سمعتہ وھو یقرا والمرسلت عرفاً فقالت یا بنی لقد ذکرتنی بقراتک ھذہ السورۃ انھا لاخر ما سمعت من رسول ﷺ یقرھا فی المغرب))(۲۹)

"حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل نے ان کو والمرسلٰت عرفاً پڑھتے سنا تو فرمایا کہ تو نے یہ سورۃ پڑھ کر مجھے یہ سورت یاد دلا دی کیونکہ یہ وہ آخری سورہ ہے جس کو میں نے جناب رسول ﷺ سے سنا کہ وہ اسے مغرب کی نماز میں تلاوت فرماتے تھے"

اس حدیث کی شرح میں علامہ موصوف نے علماء کی آراء اور بالخصوص فقہاء کرام کی توجیہات و تشریحات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک حکم کو بیان کرنے کے بعد حاصل حدیث کے طور پر یہ بات درج کی ہے کہ

”ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صبح کی نماز کے اندر طویل مفصل کا پڑھنا اولیٰ اور مستحب ہے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا اولیٰ ہے اور بقیہ کے اندر اوساط مفصل پڑھے“(۳۰)

اس بحث کے بعد جلد ثانی میں باترتیب کتاب الجمعہ اور اس کے ضمن میں جمعہ کی فرضیت اور اس کے احکام غسل جمعہ کے بارے میں ائمہ کے اقوال اور فضیلت غسل کی تشریح مفصل انداز میں بیان کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ باب صلوٰۃ الخوف اس کی ادائیگی کے طریقے اور اسکی اہمیت وافادیت پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس جلد کا آخری عنوان کتاب العیدین کے تحت احادیث اور ان کی تشریح درج ہے اور نماز قصر تک بحث درج کر کے جلد دوئم کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ جلد دوئم کے بعد جلد سوئم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تشریحات بخاری کی جلد سوئم پارہ پنجم سے شروع ہوتی ہے اور گدھے پر نفل نماز پڑھنے کا طریقہ اور احکام نماز تہجد پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اس کے بعد چھٹا پارہ کے عنوان سے اولاد مشرکین کے بارے میں اقوال درج ہیں اور اسی باب میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بارے میں مکمل معلومات درج ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کی وفات کے بارے میں جس حدیث کی تشریح وتوضیح علامہ قاسمی نے پیش فرمائی ہے وہ حدیث ملاحظہ ہو:

((عن عائشة رضی اللہ عنہ قالت دخلت علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ فقال فی کم کفنتم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت فی ثلاثه اثواب بیض سحولیة لیس فیها قمیص و لا عمامة و قال لها فی ای یوم توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت یوم الاثنین قال فای یوم هذا قالت یو الاثنین قال ارجو فیما بینی و بین اللیل فنظر الیٰ ثوب علیه کا یمرض فیه به ردع من زعفران فقال اغسلو ثوبی هذا و زیدوا علیه ثوبین فکفنونی فیهما قلت ان هذا خلق قال ان الحی احق بالحدید مین المیت انما هو للمهلة فلم یتوف حتیٰ اسیٰ من اللیة الثلٰثاءِ و دفن قبل ان یصبح))(۳۱)

”حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس حاضر ہوئی انہوں نے پوچھا جناب نبی اکرم ﷺ کو کتنے کپڑوں میں دفنایا گیا تھا فرماتی ہیں سفید رنگ کے تین کپڑے تھے جن میں نہ تو قمیض تھی اور نہ پگڑی تھی۔ پھر پوچھا کس دن میں جناب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی کہا کہ پیر کے دن پھر پوچھا یہ کون سا دن ہے کہا کہ پیر کا دن ہے بس میں امید رکھتا ہوں۔ موت میرے اور رات کے درمیان ہے پھر آپ نے اپنے بدن کے اوپر کے کپڑے کو دیکھا جس میں انہوں نے ہماری گزاری تھی کہ اس مین زعفران کا داغ ہے فرمایا میرے اس کپڑے کو دھولو اور اس پر دو کپڑے اور بڑھالو پھر مجھے ان میں کفنا دو میں نے کہا یہ

تو پرانے ہیں فرمایا مردہ کی نسبت زندہ نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہے یہ نئے کپڑے مہلت والے یعنی باقی رہنے والے کے لئے ہیں پس بدھ کی رات شام ہونے تک ان پر وفات نہ آئی اور صبح ہونے سے پہلے پہلے دفن کر دیئے گئے۔"

اس حدیث کی تشریح میں قاسمی صاحب نے شیخ گنگوہیؒ اور شیخ محمد زکریا کے افادت کی روشنی میں یہ تشریح فرمائی ہے کہ موت کی تمنا کرنا جائز ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

"امام بخاری نے اس روایت سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ موت کی تمنا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کیا اگرچہ ان کی تمنا پوری نہ ہوئی کیونکہ ان کی وفات بدھ کی رات کو ہوئی البتہ اتصال اور وقت کا قرب ان سے فوت نہیں ہوا کیونکہ یوم الاثنین اور لیلۃ الثلاثۃ میں نہایت غیر معتد بہ وقفہ تھا۔ اور موت کا وقت مقرر ہے کسی کو اس میں اختیار نہیں ہے سوائے اللہ کے لیکن رغبت لموافقت وفات النبی ﷺ کے طور پر تمنا جائز ہے یوم الجمعہ اور لیلۃ الجمعہ میں مسلم کی وفاۃ فتنہ قبر سے حفاظت کا باعث ہے اس کی تخریج امام ترمذی نے فرمائی ہے جو متصل السند نہیں بنابریں امام بخاریؒ نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔"(۳۲)

ان ابحاث کے بعد کتاب الزکوٰۃ کا بیان ہے اس باب میں زکوٰۃ کا وجوب اور احکام سے متعلقہ تفصیلی وضاحیتیں درج کی گئی ہیں۔ کتاب الزکوٰۃ کے بعد کتاب المناسک ہے اس میں حج کا وجوب فضیلت اور احکام کی بحث ہے اور اس ضمن میں حج کی شرائط اور اقسام کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کتاب المناسک کے بعد کتاب الصوم کے عنوان سے صوم کا وجوب اور احکام اور شرائط پر تفصیلی تشریح بیان کی ہے۔ اس کے بعد آٹھواں پارہ کا آغاز ہے اور اس ضمن میں تعجیل الافطار روزے سے متعلق احکام شرائط اور ائمہ کرام کی آراء تفصیل سے درج ہیں۔ جلد سوئم کی آخری کتاب، کتاب البیوع ہے دور حاضر کے حوالے سے اس کتاب میں اہم ابحاث درج ہیں نمونہ کیلئے بیوی کو خاوند کا مال خرچ کرنے کے اذن کے ضمن میں حکم کی بحث ملاحظہ ہو حدیث کا متن ہے کہ

((حدّثنا یحییٰ بن جعفر عن ھمام قال سمعت ابا ھریرہ عن النبی ﷺ قال اذا انفقت المراۃ من کسب زوجھا من غیر امرہٖ فلہ نصف اجرہٖ))(۳۳)

"حضرت ابوہریرہ جناب نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو اس کو خاوند کے ثواب کا آدھا ملے گا۔"

اس حدیث کی توضیح و تشریح میں مصنف موصوف نے دو سوال اٹھائے ہیں اور پھر اس حدیث تشریح بیان کی ہے جو مندرجہ ذیل الفاظ میں درج ہیں:

"اگر اشکال ہو کہ طعام جب زوج کا ہے تو بیوی کو خرچ کرنے کا کیا اختیار ہے اگر بیوی کا ہے تو زوج کا کیا دخل ہے تو کہا جائے گا کہ یہ حکم اہل عرب کی عادت کے مطابق وارد ہوا وہ اپنی عورتوں کو طعام بیت سے خرچ کرنے کی اجازت دیتے تھے کہ وہ طعام بیت سے فقراء پر خرچ کریں اب عجم میں بھی اس کا رواج ہو گیا ہے چنانچہ دلہن پہلی رات خیرات معاف کرا لیتی ہے مطلب یہ ہوا کہ وہ دونوں (میاں بیوی) ثواب میں برابر ہوں گے ہر ایک کو اجر کامل ملے گا" (۳۴)

چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۱۸۳۷ سے جلد چہارم کا آغاز ہوتا ہے اور جلد سوئم کتاب البیوع پر حدیث نمبر ۱۸۳۶ پر ختم ہوتی ہے اب اگلے صفحات میں جلد چہارم کا تعارف ملاحظہ ہو: جلد چہارم تشریحات بخاری کے نام کتب خانہ مجیدیہ ملتان سے طبع ہوئی ہے اور ۶۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب البیوع کی بقیہ مباحث سے آغاز ہے اور اس ضمن میں بیع سے متعلق اہم مسائل پر وضاحت سے تبصرہ کیا گیا ہے جن میں ہڈیوں کی خرید و فروخت بیع کی شرائط، عیب دار چیز کے بارے میں احکام اور کتے کی خرید و فروخت کے بارے میں تفصیلی وضاحت کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ علامہ موصوف نے بیع سلم پر کافی بحث کی ہے اور نتیجہ کے طور یہ فرمایا ہے کہ بیع سلم جائز ہے مگر اسکی شرائط میں اختلاف ہے اس کی بحث اور حدیث میں ملاحظہ ہو:

((عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینہ وھم یسلفون فی الثمار السنین و الثلث فقال اسلفو فی الثمار فی کیل معلوم الیٰ اجل معلوم و قال عبداللہ ابن الولید فی کیلٍ معلوم و وزن معلوم))(۳۵)

"حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں کے اندر دو دو سال اور تین تین سال ادھار کا سودا کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھلوں میں ادھار کرنا ہے تو ناپ بھی معلوم ہو مدت بھی معلوم ہو اور دوسری سند میں ہے وزن بھی معلوم ہو"

"اس بارے میں موصوف مصنف کہتے ہیں کہ اساطین صحابہ اور تابع اسے جائز کہہ رہے ہیں تو منع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"(۳۶)

کتاب البیوع کی بحث کے بعد جلد چہارم میں بالترتیب کتاب الشفعہ، کتاب الشرکت، کتاب الرھن، کتاب العتق، کتاب المکاتب، کتاب الھبہ، کتاب الشھادات، کتاب القبلہ، کتاب الشروط، کتاب الوصایااور کتاب الجہاد کے عنوانات کے تحت احادیث مبارکہ اور ان کے احکام کی تفصیل اور تشریح درج کی گئی ہے اور نمبر کے اعتبار سے جلد چہارم میں حدیث نمبر ۱۹۳۷ تا حدیث نمبر ۲۶۴۲ یعنی ۷۰۵ احادیث کی تشریح وتوضیح قلم بند کی گئی ہے۔ جلد چہارم کے تعارف کے بعد جلد پنجم کا تعارف حاضر خدمت ہے۔ تشریحات بخاری کی جلد پنجم بھی مکتبہ مجیدیہ ملتان سے طبع ہوئی ہے اور یہ جلد ۶۰۸ صفحات پر مشتمل ہے یہ جلد جہاد سے متعلق بقیہ احادیث مبارکہ سے شروع ہوتی ہے جس میں جہاد کی اقسام، احکام اور جہاد کے طریقہ کار پر مفصل بحث کی گئی ہے جہاد کے ساتھ ساتھ مال غنیمت اسکی تقسیم اور بالخصوص نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد امہات المومنین کے خرچہ کی ذمہ داری کے موضوع پر سیر حاصل معلومات کو اکٹھا کیا گیا ہے اس ضمن میں حدیث نفقۃ نساء النبی ﷺ ملاحظہ ہو:

((عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یقتسم ورثتی دینارا ماترکت نفقۃ نسائی ومونۃ عاملی فھو صدقۃ))(۳۷)

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے ورثاء سونے کے دینار کو تقسیم نہ کریں میرے ترکہ میں سے میری بیویوں کے خرچہ اور میرے حکام کی تنخواہوں کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے"

اس کی تشریح میں علامہ قاسمی فرماتے ہیں کہ اس ارشاد رسول ﷺ کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کا خرچہ آپ ﷺ کے ذمہ تھا۔

جلد پنجم میں بالترتیب باب الخروج فی الرمضان، کتاب بداء الخلق، کتاب الانبیاء: اور کتاب الانبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پیدائش اور جتنے انبیاء کرام علیہ السلام کا نام نامی اسم گرامی قرآن میں بیان ہوا ہے ان تمام سے متعلق معلومات اور ان پر سیر حاصل تبصرہ درج ہے مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ جس کو

قرآن حکیم نے احسن القصص کہا ہے اس کے بارے میں بحث ملاحظہ ہو ارشاد ربانی جو سورۃ یوسف میں حکم ہوا ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ﴾ (۳۸) "بے شک یوسف ؑ اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں"

ان نشانیوں کی وضاحت میں صحیح بخاری میں متعدد روایات وارد ہوئیں ہیں جس میں سے درج ذیل روایت متعلقہ مضمون کو واضح کرنے میں کافی مدد دیتی ہے چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ

((عن ابی هریرة قال سئل رسول الله ﷺ من اکرم الناس قال اتقاهم لله قالو لیس عن هذا تسالک قال فاکرم الناس یوسف بن نبی الله بن نبی الله بن خلیل الله قالو لیس عن هذا تسالک قال فعن معادن العرب تسالونی الناس معادن خیارهم فی الجاحلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهو)) (۳۹) "حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اکرم الناس کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی رضا کیلئے سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، صحابہ کرام ؓ نے عرض کی ہم اس کے متعلق آپ سے دریافت نہیں کرنا چاہتے تو آپ ﷺ نے فرمایا اکرم الناس یوسف ؑ ہیں جو یعقوب ؑ کا بیٹا ہے اور اسحق کا پوتا ہے اور ابراہیم ؑ کا پڑپوتا ہے۔ انہوں نے عرض کی ہم اس کے بارے میں سوال نہیں کرتے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگ اخلاق کی کانیں ہیں جو زمانہ جاہلیت میں بہترین اخلاق کا مالک تھا وہ اسلام میں بھی ہوگا بشرطیکہ انہیں دین میں سمجھ پیدا ہو جائے"

اور انہیں نشانیوں کو واضح کرنے میں صحیح بخاری کی ہی دوسری روایت پیش خدمت ہے:

((عن عائشة ان النبی ﷺ قال لها مری ابابکر رضی اللہ عنہ یصلی بالناس قالت انه رجل "السیف متی یقوم مقامک رق فعاد فعادت قال شعبة فقال فی الثالثة او الرابعة ان کن صواجب یوسف مروا ابابکر)) (۴۰) "حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ حضرت ابوبکر ؓ کو حکم پہنچا دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہ ؓ نے عرض کی کہ حضرت ابوبکر ؓ ایک غمزدہ آدمی ہیں جب آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رقت قلبی کی وجہ سے قرأت نہیں کر سکیں گے آپ ﷺ نے اپنا کلام پھر دہرایا تو حضرت عائشہ نے پھر عرض کی شعبہ راوی فرماتے ہیں کہ تیسری مرتبہ چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو یوسف علیہ السلام والی عورتوں کی طرح بے جا اصرار کرنے والی ہو حضرت ابوبکر کو حکم پہنچاؤ کہ نماز پڑھائیں"

اس طرح ایک اور روایت جو حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ "جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو فرمایا ابو بکر کو حکم پہنچاؤ تو حضرت عائشہ کے اسی طرح کہنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم تو یوسفؑ والی بے جا اصرار کرنے والی عورت ہو" (۴۱)

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا عرض کرنا اپنی جگہ درست مگر نگاہ نبوت اور علم نبوت میں حضرت ابو بکر ہی امت کی امامت کے لئے صحیح شخصیت تھے تو کہا کہ حضرت یوسفؑ والی عورت کی طرح بے جا اصرار نہ کرو بلکہ جو حکم ملا ہے وہ حضرت ابو بکر تک پہنچا دو۔

فضائل الانبیاء کی بحث کے بعد باب المناقب درج ہے اور اس باب میں قریش کی فضیلت اور قرآن کا ان کی زبان میں نزول اور رسول اکرم ﷺ کے ناموں کے بارے میں مفصل تذکرہ کیا گیا ہے برکت کے لئے اسماء مصطفیٰ کی حدیث درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

((عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ ﷺ خمسة اسماء انا محمد و احمد انا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ قدمی و انا العاقب)) (۴۲) "حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ جناب رسول نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں محمد ہوں احمد ہوں اور ماحی ہوں۔ میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور میں آخری نبی ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"

اور میرے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کو قرآن حکیم میں بھی عظیم انداز میں بیا کیا گیا چنانچہ ارشاد ربانی ہوا کہ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ﴾ (۴۳) "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں" اور پھر ارشاد ہوا ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ﴾ (۴۴) "اور محمد اللہ کے رسول ہیں" اور ایک اور مقام پر فرمایا کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ﴾ (۴۵) "اور جو لوگ محمد رسول ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں" اور خوشخبری و بشارت کے انداز میں نام محمد مصطفیٰ قرآن نے اس انداز مین بیان فرمایا کہ ﴿مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ﴾ (۴۶) "اور میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہو گا"

تو مندرجہ بالا آیات بینات سے سرکار دوعالم ﷺ کے دونام محمد اور احمد معلوم ہوئے باقی نام آپ ﷺ نے خود احادیث مبارکہ میں ارشاد فرمائے جس میں سے ایک روایت مندرجہ بالا سطروں میں بیان ہو چکی ہے اور اس عظمت والے نام کی فضیلت میں ایک اور حدیث بھی پیش خدمت ہے:

((عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الا تعجبون کیف یصرف اللہ عنی شتم قریش و لعنھم یشتمون مذمما ویلعنون مذمما و انا محمد))(۴۷)"حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس بات پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو گالی اور ان کی لعنت کو میرے سے کیسے پھیر دیا وہ مذمم کو گالی دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت کرتے ہیں حالانکہ میں تو محمدؐ ہوں"اس حدیث کی تشریح میں علامہ موصوف نے درج ذیل الفاظ میں وضاحت کی ہے

"کفار آنحضرت ﷺ سے سخت نفرت کی وجہ سے کوئی ایسا نام نہیں لیتے تھے جو آپ ﷺ کی مدح پر دلالت کرے اس لئے محمد ﷺ کی بجائے مذمم کہتے تھے کیونکہ محمد ﷺ کا معنی ہے کثیر الخصال الحمید بہت اچھی خصلتوں والا تو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مذمم کے ساتھ ایسا کرے حالانکہ آپ ﷺ کا نام تو مذمم نہیں تھا اور نہ ہی لوگ اس کو پہنچانتے تھے تو جو کچھ وہ آپ کے بارے میں کہتے تھے اللہ تعالیٰ اس کو آپؐ سے پھیر دیتا اور مثل مشہور ہے کہ القاب آسمان سے اترتے ہیں پس ثابت ہوتا ہے کہ مذمم کا اطلاق کبھی بھی محمدؐ پر نہیں ہو سکتا"(۴۸)

اس بات کی وضاحت مزید ان الفاظ میں بھی کی جاسکتی ہے کہ قریش مخالفت رسول اکرم ﷺ میں لفظ مذمم کہہ کر انکار کرتے تھے اور بغض رکھتے تھے تو اس سے ان کی مراد مذمم ہوتی تھی جیسے کسی نے بیوی سے کہا کہ تو کھا پھر کہتا ہے میری مراد اس سے طلاق تھی تو عورت مطلقہ نہیں ہوگی کہ کھانے کی کبھی بھی طلاق سے تفسیر نہیں کی گئی اسی طرح مذمم کی تفسیر کبھی محمد سے نہیں کی گئی(۴۹)

اسم مبارک محمد ﷺ اسکی عظمت اور اہمیت کتب سیئر اور شمائل میں اکابرین امت محمدیہ ﷺ نے وضاحت سے بیان فرماتی ہے اور مولانا عبد القادر قاسمی اس کی تشریح میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ "حضور ﷺ کے پانچ نام یا تو امم سابقہ میں مشہور تھے یا کتب سابقہ میں تھے یا راوی کے نزدیک پانچ ہیں ورنہ آپ ﷺ کے اسم گرامی تو بہت ہیں یا یہ کہ یہ نام پہلے نہیں رکھے گئے"(۵۰)

چنانچہ جلد پنجم میں رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ آپ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام کی فضیلت کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اس کے بعد باب مناقب الانصار میں انصار کے فضائل، انصار ومہاجرین میں بھائی چارہ قائم کرنا اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو اور فرداً فرداً انصار کی فضیلت کا تذکرہ وضاحت سے درج ہے اسی جلد میں آخری بحث واقعہ معراج مصطفیٰ ﷺ ہے اور ہجرت مدینہ کے واقعات شامل ہیں اور آخری موضوع حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام ہے اس واقعہ کی تفصیل صاحب شرح نے ان الفاظ میں تحریر کی ہے:

حضرت سلمان فارسی مجوسی تھے تلاش حق میں باپ سے بھاگ کر قریہ بقریہ پھرتے رہے ایک راہب سے دوسرے راہب کے پاس دوسرے سے تیسرے کے پاس علی ھذا القیاس حجاز پہنچے۔ بنو قریظہ کے ایک یہودی نے آپ کو خرید لیا جس نے چند شرطوں پر اس مکاتب بنایا آنحضرت ﷺ کی معاونت سے آزاد ہوئے مسلمان ہو کر علماء اور زہاد صحابہ میں شمار ہوئے دو سو پچاس سال زندہ رہے مہاجرین انہیں اپنے میں شمار کرتے تھے حضرت عمرؓ نے انہیں عراق کا حاکم مقرر کیا اور انہوں نے مدائن میں ۳۶ھ میں وفات پائی (۵۱)۔

جلد پنجم کے بعد جلد ششم کا تعارف پیش خدمت ہے:

تشریحات بخاری کی جلد ششم بھی مکتبہ مجیدیہ ملتان سے ۱۹۹۹ء میں طبع ہوئی ہے اور اس کے ۸۰۶ صفحات ہیں اس جلد کا آغاز باب غزوۃ العشیرہ سے ہوتا ہے اور بالترتیب باب قصہ غزوہ احد جس میں غزوہ بدر کے واقعات اور نتائج پھر باب غزوہ احد اور تمام غزوات اور سرایہ سے متعلق احادیث اور ان کی تفصیل درج کی گئی ہے اس کے بعد کتاب التفسیر سے متعلق بحث ہے جس میں ابواب بندی کر کے آیات قرآنی کی تفسیر وضاحت سے بیان کی گئی ہے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو باب فی فاتحۃ الکتاب میں سورۃ فاتحہ کی آخری آیت کے تحت آپ رقمطراز ہیں کہ

"صراط مستقیم خط مستقیم تو اس کو کہتے ہیں جو اقصر خطوطاً یعنی سب سے چھوٹا خط تو صراط مستقیم سے واضح راستہ اور کثیر الورود مراد ہو گا۔ اس آیت کریمہ میں منعم علیہم چار ذکر ہوئے ہیں ﴿مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (۵۲) اور اس کے لئے تین چیزیں ذکر ہوئیں منعم علیہ وہ ہے جو ضلالت اور غضب کی وجہ سے شوخی نہ کرنا ہو جیسے یہود کرتے تھے دوسرے منعم علیہ وہ ہے کہ اس میں شوخی تو نہ ہو اور گمراہی بھی نہ ہو۔ کہ نصاریٰ ضالاًّ ہیں جن لوگوں پر انعامات ہوئے وہ انبیاء اور

صدیقین وغیر ھم نہ وہ گمراہ ہیں اور نہ ہی شوخی کی وجہ سے ان پر غضب ہوا ہے امت محمد یہ دونوں سے بچنا چاہتی ہے اھدِ تثبت کے لئے کہا ہے کہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھنا یا ہدایت کلی، مشکک ہے جو درجہ حاصل ہو چکا ہے اس سے زائد اور بلند مرتبہ کو طلب کرتا ہے"(۵۳)

چنانچہ اس جلد ششم میں بالترتیب سورہ البقرہ سورۃ ال عمران اور سورۃ النساء سے متعلقہ مضامین اور ان کی شرح مفصل انداز میں بیان کی گئی ہے۔ جلد ششم کا تعارف پیش کرنے کے بعد اب جلد ہفتم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تشریحات بخاری کی ساتویں جلد ۶۷۵ صفحات پر مشتمل ہے اور کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان سے شائع ہوئی ہے اور اس کا سن طباعت ۲۰۰۷ء ہے۔ اس جلد ہفتم میں بالترتیب قرآن مجید کی ترتیب توفیقی کے مطابق سورۃ المائدہ سے لیکر سورۃ الناس یعنی ایک سو دس سورۃِ قرآن کی فضیلت اور متعلقہ احکام کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ سورتوں کی تشریح اور تفسیر کے بعد کتاب ابواب فضائل القرآن کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب النفقات، کتاب الاطعمۃ اور کتاب العقیقہ شامل ہیں۔

شرح حدیث میں ایک اور نام استاذ العلماء مولانا محمد صدیق کا ہے آپ جامعہ خیر المدارس ملتان میں بطور شیخ الحدیث کام کر رہے ہیں۔ راقم الحروف نے یکم دسمبر ۲۰۱۴ء کو بوقت بعد از نماز ظہر ان سے ملاقات کی اور ان کی اجازت سے ان کے درس حدیث میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ ان سے ملاقات میں اور ان کی سوانح حیات کے بارے میں طبع شدہ مواد سے جو معلومات ملی ہیں وہ پیش خدمت ہیں: آپ کا پورا نام محمد صدیق بن حاجی نبی بخش بن اکبر دین بن ابراھیمؒ ہے آپ کی کنیت ابو الفاروق نسبت جالندھری اور قوم ارائیں ہے۔ آپ ستمبر ۱۹۲۶ء چک نمبر ۲۵۱ گ-ب اوگی ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوئے پانچ برس کی عمر میں والد ماجد نے ابتدائی عصری تعلیم کیلئے اپنے گاؤں کے اسکول میں داخل کر ادیا اسی دوران آپ نے قرآن پاک ناظرہ اور فارسی زبان کی تعلیم بھی حاصل کر لی ۱۹۴۴ء میں دینی تعلیم کیلئے آپ نے مدرسہ خیر المدارس جالندھر کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر مولانا خیر محمد صاحب سے ملاقات ہوئی تو مدرسہ میں داخلہ کی درخواست پیش کی وہاں چار سال تک مشفق اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل رہا مختلف علوم وفنوں کی کتابیں پڑھیں۔(۵۴)

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد مسلمانوں کی کثیر تعداد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئی تو مولانا خیر محمد بھی پاکستان تشریف لائے اور ملتان میں سابقہ نام سے ہی جامعہ خیر المدارس کا اجراء فرمایا اس کی تفصیل گذشتہ باب میں بیان کی جاچکی ہے تو مولانا صدیق صاحب بھی اپنے چک لوٹ آئے مدیر جامعہ کی اطلاع پر آپ نے دوبارہ مدرسہ خیر المدارس میں داخلہ لیا اور دوبارہ جلالین ومشکوٰۃ شریف کے درجہ کی کتب پڑھیں آپ نے بالترتیب مولانا خیر محمد جالندھری مہتمم و شیخ الحدیث سے، ترمذی وابوداؤد شریف مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری صدر مدرس سے مسلم شریف حضرت مولانا مفتی عبداللہ ڈیروی سے، نسائی شریف موطین وابن ماجہ مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری (م ۱۳۶۷ھ) سے سند فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۹ھ کو تکمیل کے اسباق پڑھنے شروع کیے۔ (۵۵)

مدیر جامعہ نے آپ کی علمی صلاحیت واستعداد دیکھ کر تکمیل کے اسباق پڑھنے کے ساتھ ساتھ معین مدرس کے طور پر تدریس کی ذمہ داری سونپ دی ایک ہی سال بعد آپ کو جامعہ نے ۱۳۷۰ھ بذریعہ چٹھی جامعہ خیر المدارس کا مستقل مدرس مقرر فرمایا یہ چٹھی مولانا کے پاس اب بھی اپنی اصل حالت میں ہے راقم الحروف نے اس کی زیادت کی ہے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ صحیح اور صاف موجود ہے اور آپ تاحال جامعہ کی خدمت کر رہے ہیں اور فرزندان اسلام کی علمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں مصروف ہیں بالخصوص علم حدیث کے میدان میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اس وقت شیخ الحدیث کی منصب پر فائز ہیں درس وتدریس کے علاوہ آپ مختلف اوقات میں انتظامی امور پر بھی خدمات سرانجام دیتے رہے انہوں نے ملاقات کے درمیان راقم الحروف کو ان امور کی ترجیحات میں فرمایا کہ

"دارالاقامہ میں نگرانی کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے طلباء کی اخلاقی تربیت، ان کے رہن سہن پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے تاکہ طلباء اقامتی ضروریات کی پریشانی سے بے نیاز ہو کر اپنی پڑھائی کے حرج سے بچ سکیں اور زیور تعلیم سے مزین ہو کر ایک مثالی معاشرہ کا وجود ممکن بنا سکیں"

اس کے علاوہ آپ دس سال تک مدرسہ ھذا میں دارالافتاء پر فائز رہے کتب بینی اور قوت استدلال سے سائلین کے سوالوں کے جواب دیئے ہزاروں فتاویٰ تحریر کیے ان میں سے بعض خیر الفتاوٰی کی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں نہایت ہی شفیق اور علمی شخصیت کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور علم میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کے تعارف کے بعد ان کی تحریر کردہ شرح بخاری کا تعارف پیش خدمت ہے۔

آپ کی شرح کا پورا نام الخیر الساری فی تشریحات البخاری ہے یہ شرح اردو زبان میں ہے اسکی تین جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ جلد اوّل ۴۹۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے اور محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کو شائع ہوئی اس شرح کی ابتداء میں پیش لفظ کے عنوان سے مصنف موصوف نے اس شرح کو اپنے استاد محترم حضرت مولانا خیر محمد کی علم حدیث میں خدمات کا نام دیا ہے چنانچہ ان کی تحریر سے یہ بات اس طرح واضح ہوتی ہے آپ لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں استاذ محترم مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ پر جنہوں نے محنت کر کے بخاری شریف کا چالیس سال تک درس دیا آپکے سامنے یہ ہدیہ "الخیر الساری فی تشریحات البخاری" استاد موصوف کی تقریر ہے جس کو مدار بنا کر بندہ نے درس حدیث جاری رکھا اس میں کمی بیشی ممکن ہے اصولاً تمام مضامین حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے ہیں اس میں کچھ اضافے حالات حاضرہ کے پیش نظر کئے گئے ہیں اور کمی و کوتاہی بندہ راقم الحروف کی بے مائیگی کی بنا پر ہوئی"(۵۶)

مندرجہ بالا سطور پر غور کرنے سے یہ پتہ چلا کہ یہ شرح مولانا جالندھری کے دورس بخاری مع اضافہ جات مولانا محمد صدیق صاحب ہے اور س کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا مقصد طلباء کا رجحان اور بالخصوص طالبات کی علمی ضرورت کو پورا کرنا درج کیا گیا ہے کہ اس علمی ذخیرہ سے طلباء کو فائدہ پہچایا جائے۔

اس کے بعد اس شرح کی تقریظ جو از قلم مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ہے۔ تقریظ میں قاری محمد حنیف جالندھری نے علم حدیث کی اہمیت، افادیت اور ذات رسول اکرم ﷺ کا ادب واحترام اور اس ضمن میں جو بہت اہم بات آپ نے تحریر فرمائی ہے وہ یہ ہے آپ کہتے ہیں کہ "حدیث صرف روایت کا نام نہیں بلکہ حدیث کے معانی میں غور وفکر کرنا اس موضوع کا نصف علم ہے اور نصف ثانی حدیث کے رجال کی معرفت ہے اس سے معلوم ہوا کہ فقہ حدیث کے مقابلے میں کسی اور ماٰخذ کا نام نہیں بلکہ حدیث کے معانی سمجھنے کا نام ہی فقہ ہے" اور اسی طرح آپؐ کے ارشادات واحادیث میں مشغول رہنے والے بھی علم کے دیگر شعبوں میں کام کرنیوالوں سے ممتاز ہیں۔(۵۷)

اس کے بعد مصنف موصوف کو ان کی اس علمی کاوش وکوشش پر مبارکباد دی ہے اور مولانا صدیق صاحب کی شخصیت کو سادہ پوش وسادہ دل مگر علم وفضل تدریس اور تفہیم کا یہ عالم کہ مشکل سے مشکل فن اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ

بھی پانی کے مترادف قرار دیاہے اورآخر میں دعادی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے بارگاہ میں قبول فرما کر تمام خلائق بالخصوص طلباءاور اساتذہ کیلئے نافع اور مفید بنائیں۔

اس تالیف کی جلد اوّل میں علم حدیث کی اصطلاحی تعریفات، غرض وغایت علم حدیث، فضائل علم حدیث، منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات، آداب علم حدیث، مراتب صحاح ستہ، امام ابو حنیفہ کی فقاہت اور علمی آراء کا دفاع وضاحت سے بیان کیا گیاہے۔

جلد اوّل میں باب بدء الوحی، کتاب الایمان اور کتاب العلم کے تحت احادیث اور ان کی شرح درج ہے اور اس سے متعلقہ تمام ابحاث کو وضاحت سے بیان کیا گیاہے۔

اس شرح حدیث کی جلد ثانی ۴۸۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔اس جلد میں کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم کے تحت ابواب اور ان سے متعلقہ احادیث کا متن اور شرح درج ہے۔اس جلد کی تقریظ جو کہ مولانا جالندھریؒ میں امام الانبیاء حضور خاتم المرسلین ﷺ کی حدیث کو اس انداز میں مستند اور ٹھوس حکم قرار دیاہے کہ اس کے بعد "کسی مرد یا عورت کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کے سامنے اپنی بات چلائے"(۵۸) اور قرآن حکیم میں اس امر کی وضاحت ان الفاظ سے ہوتی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾(۵۹)

"اور نہیں کسی مرد مومن اور نہ کسی مومنہ عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کچھ اختیار بعد اس کے خدا اور رسول ﷺ اس معاملے میں کوئی فیصلہ فرمادیں"

اس ضمن میں مولانا جالندھری کا مدعا یہ ہے کہ "تمام احادیث مبارکہ آنحضرت ﷺ کے صادر فرمودہ فیصلے ہیں اسی لئے کسی بھی حدیث کو قبول کرنے میں دل میں تنگی نہ ہونی چاہیے۔مومن کو چاہیے کہ آپ ﷺ کا ہر حکم خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرے کمال ایمان ہی نہیں بلکہ نفس ایمان بھی اسی پر موقوف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لایا جائے اور اسے قبول کرنے میں ادنیٰ تامل کو بھی راہ نہ دی جائے"(۶۰) قرآن نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (۶۱)

تقریظ کے بعد صاحب شرح کے قلم سے اس جلد کا پیش لفظ تحریر ہے جسمیں اولاً حمد خدا تعالیٰ اور مدحت رسول خدا ﷺ ثانیاً درود و سلام اس ہستی کے نام جن کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث پاک کا نام دیا گیا ہے ثالثاً ان محدثین کو خراج عقیدت پیش کیا ہے جنہوں نے حدیث پاک کو محفوظ فرمایا اور صحیح اسناد کے ساتھ امت تک پہنچایا بالعموم سب کو اور بالخصوص امام المحدثین امام بخاریؒ کو جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور رابعاً انہوں نے اپنے استاد محترم مولانا خیر محمد جالندھری کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور اپنی شرح کو انہی کی خدمات اور محنت کا ثمر قرار دیا ہے۔

اس شرح کی جلد ثالث بھی مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوئی اور ۵۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں کتاب الصلوٰۃ اور کتاب مواقیت الصلوٰۃ کے تحت احادیث درج ہیں اور ان کی شرح بیان کی گئی۔ پیش لفظ سابقہ جلد کے طرز کا صاحب شرح نے درج کیا اور تقریظ حسب سابق مولانا محمد حنیف جالندھری کے قلم سے ماخوذ ہے لیکن اس تقریظ کا مضمون سابقہ تحریر سے جدا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی انعام مل جانے سے جو فرحت اور مسرت ہوتی ہے اور جذبات بھی جداگانہ رنگ اپنا لیتے ہیں وہ رنگ اس تحریر میں جھلکتا ہے نمونہ کے طور ملاحظہ ہو جالندھری صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

"جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث استاذ مکرم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب (بارک اللہ فی حیاتھم القیمہ) کے دروس بخاری شریف المعنون "الخیر الساری" کی تیسری جلد کے لئے کلمات فرحت وابتہاج تحریر کرتے ہوئے احقر روحانی مسرت وسکون محسوس کر رہا ہے حضرت مولانا محمد صدیق صاحب زید مجدھم تحقیق نکتہ رسی اور تفہیم معانی و مطالب میں اپنی مثال آپ ہیں اللہ تعالیٰ نے تفہیم و تدریس اور بیان کا جو سلیقہ اور صلاحیتیں آپ کو عطا کی ہیں وہ عموماً مدرسین میں کم ہوتی ہیں مشکل و پیچیدہ مسائل آپ کے حسن بیان حسن ترتیب اور سلیس انداز بیان کی بدولت سہل و دل نشین بن جاتے ہیں" (۶۲)

چنانچہ آپ کے علم و فہم کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے اس جامعہ کیلئے نصابی و ہم نصابی خدمات کا ذکر اور ان میں محنت اور لگن سے کام کرنے کا حوصلہ اور جذبہ کام کے نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابھی اس شرح پر کام جاری ہے اور راقم الحروف کی ملاقات میں حضرت موصوف نے فرمایا کہ انشاء اللہ اس کام کو تکمیل کرنے کا جذبہ ہے اور جلد مکمل شرح طباعت کے مراحل سے گزر کر عوام و خواص کیلئے علم حدیث کا بہترین تحفہ بنے گی۔

تقریظ کے بعد کتاب الصلوٰۃ سے اس جلد کا آغاز ہے اور بالترتیب کتاب مواقیت الصلوٰۃ پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا سطروں میں تشریحات بخاری کی سات جلدوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے ابھی اس پر کام جاری ہے چنانچہ مصنف موصوف کا وصال ہو چکا ہے مگر ان کے صاحبزادے محمد عبد السلام قاسمی اور محمد ابو بکر قاسمی نے اس علمی کام کی ذمہ داری اپنے سر کی ہوئی ہے اور ان کے مطابق کام تحریری صورت میں جمع ہو رہا ہے اور طباعت کے مراحل میں بھی ہے جیسے ہی مکمل ہو گا منظر عام پر آجائے گا تقریباً دو یا تین جلدوں پر کام باقی ہے۔ واللہ اعلم

فصل سوئم

تجزیاتی مطالعہ

خطہ ملتان میں شروح حدیث پر ہونے والے کام کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے مندجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جن کو درج ذیل سطروں میں قلم بند کیا جاتا ہے سب سے قبل شرح مشکوٰۃ کا تجزیاتی مطالعہ پیش خدمت ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی مفصل شرح:

خیر المفاتیح کے نام سے مشکوٰۃ شریف کے شرح تحریر کرنے کا شرف مولانا شبیر الحق کشمیری کو عطا ہوا اس خطہ میں ان سے قبل کسی بھی خادم الحدیث نے اس انداز میں مکمل اور مفصل شرح تحریر نہیں فرمائی اس جہت میں علامہ کشمیری منفرد اور جدا مقام رکھتے ہیں اور ان کا زور قلم اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور اس میں مزید ترقی اور وسعت عطا ہو اس مقام پر ان کی اس مساعی کو سلام عقیدت پیش نہ کیا جائے تو یقیناً ناانصافی ہو گی کہ انہوں نے علم حدیث کے محبان کو مشکوٰۃ کی مکمل شرح کا تحفہ دے کر ایک شاندار اور علمی کام کی ذمہ داری پوری کی ہے اور اپنے پیش روؤں کو ایک سمت کی طرف نشاندہی کی ہے کہ اپنی توانائیاں ادھر ادھر لگانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے احکامات کی طرف لگانی چاہیے چنانچہ اس ضمن میں آپ رقمطراز ہیں کہ ''نبوت ورسالت انتخاب الٰہی ہوتا ہے کہ جو ہستی حق تعالیٰ کے علم محیط وقدیم میں علم وعمل دونوں کے اعتبار سے کامل اور اس عہدے کے لائق ہوتی ہے اس کو اس عہدے پر فائز فرماتے ہیں کمال علم یہ ہے کہ نبیؑ کا علم اور معلومات میں کوئی غلطی نہیں ہوتی اور کمال عمل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا عمل ہر قسم کے گناہ سے پاک اور محفوظ ہوتا ہے اور پاک ومبرا ہستی ہی اس لائق اور قابل اطاعت ہے اور ان کے اقوال وافعال کی توضیح وتشریح ہر صاحب علم پر لازم ہے''(۶۳)

(۲) محدثین قدیم وجدید کا امتزاج:

تجزیاتی طور پر شرح مشکوٰۃ میں مسائل کی تشریح وتوضیح میں محدثین کرام کی آراء درج کرتے ہوئے اس دور کی ضرورتوں اور واقعات وحالات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور قدیم وجدید کے علوم ومعارف کو جانچتے اور پرکھتے ہوئے تحقیقی انداز میں ان کے بیانات کی شرح درج کی گئی ہے چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰؓ سے مروی حدیث بطور نمونہ پیش خدمت ہے جس میں قدیم وجدید علم کے معارف کے جھلک ملتی ہے حدیث کا متن ملاحظہ ہو:

((وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامنکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار معقدہ مین الجنۃ قالو یارسول اللہ؟ افلا نتوکل علیٰ کتابنا وندع العمل قال اعملو فعل میسر لما خلق لہ امامن کان من اھل السعادۃ فسیسیسر بعمل السعادۃ وامامن کان من اھل الشقاوۃ فسیییسر بعمل الشقاوۃ ثم قرأ))(۶۴)((فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی))(۶۵)

”حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ لکھا نہ گیا ہو یعنی یا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہو گا یا جنت میں لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر ہم اپنے لکھے پر بھروسہ نہ کریں اور عمل کرنا چھوڑ دیں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرو اس لئے کہ جو شخص جس چیز کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ چیز اس کے لئے آسان کی گئی ہے یعنی جو شخص نیک بخت ہے اس کے لئے نیک بختی کے کام آسان کر دیئے جاتے ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی جس شخص نے زیادہ پرہیزگاری اختیار کی اور عمل خیر کا اچھا سمجھا“

صحابہ کا سوال بالکل بجا ہے اگر پہلے سے لکھا ہے تو ہمیں عمل کی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے اگر آپ عمل پر زور دیتے ہیں تو پہلے سے لکھے کی کیا حیثیت ہے۔ اس کو بیان کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ محض اطلاع دینا مقصود ہے یا اس کا ہدایت سے بھی کوئی تعلق ہے؟ اگر قرآن کے اس فرمان کو سامنے رکھا جائے کہ ہر انسان کو اس کے کیے کا بدلہ ملنا ہے تو اس کیلئے محنت کا راستہ کتنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ رزق تو پہلے سے لکھا ہوا ہے وہی ملے گا۔ یہ عقیدہ محنت و مشقت کا راستہ اختیار کرنے کیلئے کیسے فائدہ مند ہے؟

مندرجہ بالا قول رسول ﷺ کی شرح میں مصنف موصوف نے قدیم وجدید انداز میں بحث کر کے اس حدیث کے حکم کا تعین کیا ہے تو سوال دور جدید میں بھی مختلف حلقوں سے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ جب مقدر میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے تو اعمال کرنے کا کیا مقصد یا اعمال کی کیا حیثیت و اہمیت اور دور رسول اکرم ﷺ میں بھی صحابہ کرام کا عرض کرنا کہ ہمارے اچھے برے اعمال سے ہماری تقدیر میں تبدیلی نہیں ہو گی جس کے حق میں شقاوت مقدر ہو گی وہ جہنم میں ہو گا اور جس کے حق میں سعادت مقدر ہو گی وہ جنت میں جائے گا پھر تو ہمارا اعمال میں لگا رہنا بظاہر تو بے فائدہ اور بے مقصد ہے۔ اسکی تشریح علامہ کشمیری نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے جس سے یہ بات آسان اور واضح انداز میں سمجھی جاسکتی ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

”انسان عبد ہیں اور عبدیت کی شان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے ماموارت کو بجالائے اور منہیات سے بچے اس تفتیش میں مت پڑیں کہ تمہارے حق میں شقاوت مقدر ہے یا سعادت اور اوامر کی دو اقسام ہیں امر ظاہری و امر باطنی۔ امر ظاہری احکام شرعی کی پابندی امر باطنی تقدیر تم عبد ہو امر ظاہری کی بجالاتے رہو اور امر باطنی کو تفویض الا اللہ کر دو اور ان میں کوئی منافات نہیں اسکی مثال ایسے ہی ہے کہ ہر شخص کے حق میں رزق مقدر ہو چکا ہے لیکن کوئی شخص بھی تقدیر پر بھروسہ کر کے اسباب رزق کو ترک نہیں کر سکتا بلکہ حتی الوسع اسباب رزق کو اختیار کرتا ہے آخر پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ اعمال صالحہ میں کہا جاتا ہے تقدیر تقدیر! اعمال میں تقدیر کا حوالا ہے اور رزق کے معاملے میں تقدیر پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ جتنے بھی معترفین ہیں وہ سب سے زیادہ اسباب رزق میں دن رات دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں اس میں تقدیر کا حوالا ہے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے بطور استشہاد یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی﴾(٦٦)۔

مندرجہ بالا حدیث اور اسکی تشریح پر بغور مطالعہ کرنے سے راقم الحروف کے ذہن میں بھی ایک نقطہ ابھرا ہے کہ اعتراض کرنے والے اعمال صالحہ کی پاداش میں تو کھل کر اعتراض کرتے ہیں کہ تقدیر میں جو ہے وہ ملنا ہے تو جس طرح رزق کی مثال علامہ کشمیری نے پیش کی اس طرح ہر آدمی کے بارے میں مرض کے بعد موت یا صحت مند ہونا بھی مقدر میں لکھ دیا گیا ہے تو کوئی بھی ذی شعور شخص بیمار ہونے کی حالت میں محض تقدیر پر بھروسہ کر کے علاض معالجہ کو ترک نہیں کرتا بلکہ احسن سے احسن انداز میں علاج معالجہ کی کوشش کر کے روبہ صحت ہونے کی سعی کرتا ہے اور اسباب علاج کو اختیار کیا جاتا ہے تو اس بحث کے بعد میری تحقیق اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ جس طرح رزق کے حصول کو تقدیر پر نہیں چھوڑا جاتا، بیماری میں صحت آنے کو تقدیر پر نہیں چھوڑا جاتا بالکل اسی طرح اعمال صالحہ کو بھی محض تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں

چھوڑا جاتا بلکہ اعمال صالحہ کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور رحمت کا مستحق بن کر دارین کی سعادتیں حاصل کرنی چاہیے۔ اور یہی حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(٦٧)"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ہو مومن انہیں ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے"

الغرض خیر المفاتیح کو اگر محدثین قدیم وجدید کے علوم و معارف کے امتزاج کا درجہ دیا جائے جس میں قدامت کی مقدار بڑھی ہوئی ہے تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔

(۳) حدیث کا مکمل معرب عربی متن:

اس شرح کی ایک اور خصوصیت جو اس خطہ ملتان کی سرزمین پر کی گئی یہ ہے کہ وہ معرب ہے عام طور پر عربی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متن پر اعراب لگے ہوئے نہیں ہوتے جسکی وجہ سے قاری دوران مطالعہ کو عجمی ہونے یا عربی زبان سے زیادہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں اس سے توجہ میں کمی آتی ہے اور پڑھنے کیلئے فہم حدیث میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے مگر اس شرح کو الحمد اللہ راقم الحروف نے بغور مطالعہ کیا اور ہر حدیث کو معرب ہونے کی بنا پر سہل پا کر بہت سکون ملا۔ ملتان میں علم حدیث کی خدمت کے حوالے سے یہ ایک منفرد کاوش ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

(۴) سلیس اردو ترجمہ اور مشکل الفاظ کی تسہیل:

شرح مشکوٰۃ کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اس میں عربی متن کی ہر لائن کے نیچے سلیس اردو ترجمہ درج کر دیا گیا ہے تاکہ صاحب مطالعہ لفظ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ذہن نشین کرتا جائے اور معانی و مفاہیم میں مشکل پیش نہ آئے اور سلیس ترجمہ کے ساتھ ساتھ مصنف موصوف نے مشکل الفاظ کی تسہیل بھی کر دی ہے تاکہ قاری

کو اور آسانی ہو فہم حدیث میں مشکل الفاظ کی تسہیل کیلئے آپ نے سادہ اور آسان انداز منتخب کیا چنانچہ باب آداب الخلاء میں آپ نے آداب خلاء اور اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”آداب جمع ہے ادب کی ادب ہر ایسے قول و فعل کو کہا جاتا ہے جس کو عمل میں لانا مستحسن ہو اب معنٰی یہ ہو گا کہ وہ امور جن کو قضائے حاجت کے وقت بجالانا مستحسن سمجھا گیا ہو عام ازیں اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے ہو خلاء ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو تنہا ہو چونکہ قضائے حاجت کے وقت ہر شخص اس میں لوگوں سے تنہا ہو جاتا اس وجہ سے اس کو خلاء کہتے ہیں“(۶۸)

اور دوسرے مقام پر کتاب الطہارت میں ہی قضائے حاجت کے دوران پیٹھ کرنے کے حکم میں لفظ استعمال ہوئے ہیں ولکن شرقوا او غربوا۔ ان الفاظ کی وضاحت سے قبل میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حدیث کا پورا متن درج کر دیا جائے تاکہ بات صحیح معنوں میں قابل بیان ہو حدیث کا متن کچھ اس طرح ہے کہ

((عن ابو ایوب انصاری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلو القبلة ولا تستدبروھا ولکن شرقوا او غربوا))(۶۹)

”حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ پس نہ قبلہ کی طرف اور نہ پیٹھ کرو لیکن مشرق کی طرف یا مغرب“

اس حدیث مبارکہ میں لفظ شرقو او غربو کا حکم عام ظاہر ہو رہا ہے مگر صاحب شرح نے اس کی تشریح اور انداز میں فرما کر بات کو مزید سہل بنا دیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ ”ولکن شرقوا او غربوا کا حکم عام نہیں بلکہ یہ حکم اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ ان کا قبلہ جنوبی جانب ہے اور غیر مدینہ والوں کیلئے حکم ہے کہ ولکن جنبوا شملوا ہے اور مطلقاً استقبال قبلہ و استدبار قبلہ حرام ہے اور احناف کا بھی یہ مسلک ہے“(۷۰)

(۵) ہر حدیث مبارکہ کی تشریح:

عام طور پر شروحات حدیث میں یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ دو یا تین احادیث مبارکہ درج کرنے کے بعد انکی تشریح یکجا بیان کر دی جاتی ہے یا ایک باب یا ایک فصل کو ملا کر تشریح کر دی جاتی ہے مگر اس شرح میں ہر حدیث کے آخر میں اسکی الگ الگ شرح مفصل انداز میں بیان کی گئی ہے اور اس حدیث کے متعلق مکمل معلومات کو یکجا

درج کیا گیا ہے تا کہ صاحب مطالعہ اس قول کے حکم کو سمجھنے میں کسی اور جانب رجوع کیے بغیر حکم کی تہہ تک پہنچ جائے اور مسئلہ کو جان کر اس پر عمل کرے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو جلد دوئم میں کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی حدیث کہ حضرت عمرؓ کے حجرہ رسول ﷺ میں دفن ہونے کے بعد میں پردہ کی حالت میں جاتی تھی کیونکہ ان سے قبل میرے شوہر اور والد دفن تھے مگر حضرت عمرؓ کے بعد مجھے ان سے حیا آتی ہے تو اس روایت سے دور حاضر میں بھی یہ تصور عام ہے کہ صاحب مزار زیارت کرنے والوں کو دیکھتا ہے اس حدیث سے استدلال لیتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ فرمانا کہ حضرت عمرؓ میرے لیے محرم نہیں تھے تو میں دوپٹہ وغیرہ کا خوب اہتمام کر کے جاتی تھی یہ دلیل ہے کہ میت دیکھتی ہے زیارت کرنے والوں کو تو اس اثر کی تشریح صاحب شرح نے اس انداز میں کی ہے آپ تحریر کرتے ہیں کہ ”جب بہت ساری تراب رؤیت سے مانع نہیں بنی تو چادر برقعہ وغیرہ رویت سے کیسے مانع بن گیا تاثیرات مختلف ہو سکتی ہیں کیا استبعاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مٹی کو حائل نہ بنائیں اور چادر کو بنائیں لیکن میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ ہر میت کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیے جو اس کے ساتھ حالت حیات میں باعتبار اکرام و تعظیم و ادب کے ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ کا معاملہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حالت حیات میں حجاب والا تھا مرنے کے بعد بھی وہی حجاب والا معاملہ کیا ہے“(۷۱)

(٦) حدیث مبارکہ سے فقہی مسائل کا استنباط:

صاحب خیر المفاتیح کی علمی خدمت پر تجزیاتی مطالعہ کرنے سے ایک اور خوبی یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے احادیث مبارکہ کی شرح تحریر کرتے ہوئے احکام پر فقہی مباحث کو شامل کر کے اس شرح کی خوبصورتی میں اور اضافہ کیا ہے نمونہ کیلئے پیش خدمت ہے کتاب الصلوۃ باب من صلّی صلوٰۃ مرّتین مطلب دو مرتبہ نماز ادا کرنے والے آدمی کے بیان میں جس حدیث مبارکہ پر صاحب شرح نے فقہی بحث سے فرمائی ہے اس حدیث کا متن پیش کیا جاتا ہے تا کہ بحث واضح ہو سکے:

((عن یذید بن الاسود قال شهدت مع النبی ﷺ حجته فصلیت معه صلاة الصبح فی المسجد الخیف مسلماً قضی صلاته و انحرف فاذا هو بر جلین فی أخِرِ القوم لم یصلیا معه قال علی بهما فجیء بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا فقالا یا رسول الله ﷺ ان کنا قد صلینا فی رحالنا قال فلا تفعلا اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة))(۷۲)

''حضرت یزید بن اسود سے روایت ہے کہا کہ حاضر ہوا نبی ﷺ کے ساتھ بیچ حج ان کے پاس نماز پڑھی صبح کی مسجد خیف کے اندر جب نماز ادا کر چکے اچانک رسول اللہ ﷺ نے دیکھا دو شخصوں کو جنہوں نے نماز ادا نہیں کی تھی ارشاد فرمایا آپ ﷺ نے کہ لاؤ ان دونوں کو میرے پاس وہ لائے گئے فرمایا کس چیز نے باز رکھا تم کو نماز پڑھنے سے ہمارے ساتھ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ تحقیق ہم نماز پڑھ چکے تھے اپنے مکانوں میں فرمایا نہ کرو تم ایسا جس وقت کہ پڑھ چکو تم نماز اپنے مکانوں میں پھر آؤ مسجد میں کہ اس میں جماعت ہوتی ہو نماز پڑھو نمازیوں کے ساتھ تحقیق یہ نماز تمہارے لئے نفل ہے''

مندرجہ بالا حدیث کی تشریح میں صاحب شرح نے دو اہم مسئلوں کی بابت بحث فرما کر فقہی آراء درج کر کے مسئلہ کی وضاحت اور حکم کا تعین کیا ہے وہ دو مسئلے یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اکیلا نماز ادا کر چکا ہو پھر مسجد میں آئے تو وہاں جماعت کھڑی تھی تو کیا اس شخص کو دوبارہ جماعت کے ساتھ وہ نماز پڑھنی چاہیے کہ نہیں؟ پھر اگر امام کے ساتھ دوبارہ شریک ہو جائے تو فرض اس کے لئے پہلے ہوں گے جو اس نے گھر ادا کر لئے تھے یا دوسرے تصور ہوں گے جو امام کے ساتھ پڑھے؟

سب سے قبل ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیل درج کی ہے اور پھر ان کے دلائل درج ذیل انداز میں درج کر کے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ

''حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں صرف ظہر اور عشاء میں شرکت جائز ہے باقی تین نمازوں میں جماعت کے ساتھ نہ ملنا چاہیے، مالکیہ کے نزدیک مغرب کے علاوہ باقی سب نمازوں میں مل سکتا ہے امام احمد اور شافعی کے نزدیک پانچوں نمازوں میں مل سکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک فجر، عصر اور مغرب میں شرکت جائز نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں اسکی دوسری نماز جو امام کے پیچھے ادا کر رہا ہے نفل ہو گی اور فجر اور عصر کے نفل پڑھنے سے یہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور مغرب اگر امام کے ساتھ دوبارہ پڑھے گا تو وہ مال سے خالی نہیں ہے یا تو امام کے ساتھ تین رکعتیں پڑھے گا یا چار۔ اگر تین پڑھے گا تو شریعت میں نفل کی تین رکعتیں ثابت نہیں اگر چار پڑھے گا تو مخالفت امام لازم آئے گی یہ بھی جائز نہیں''(۷۳)

اس حوالا سے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حنفیہ کے قول کو ترجیح دی جائے تو مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں تو صریحاً صبح کی نماز کو دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور حدیث یزید بن الاسود میں بھی صریح ہے کہ یہ واقعہ فجر کی نماز میں پیش آیا تو علامہ کشمیری اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ

”یہ واقعہ فجر کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد نفل ادا کرنے کے نہی سے پہلے کا ہو اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہو جب ایک ہی فرض دو مرتبہ پڑھنے کی اجازت تھی اور ان نمازوں کے بعد فرض پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں تھا لیکن بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی“(۷۴)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ویسا ہو۔ حدیث جو شریعت کا ماخذ ثانی ہے اس کی تشریح کا یہ کونسا انداز ہے۔ شریعت تو علم یقینی یا ظن غالب پر مبنی ہے واضح بتانا چاہیے کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

(۷) فقہی آراء میں فقہ حنفی کی ترجیح:

اس علمی شرح کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ فقہی آراء درج کی گئی ہیں اور ان کے دلائل بھی قلم بند کیے ہیں پھر دلائل کا تجزیاتی تبصرہ پیش کرنے کے بعد فقہ حنفی کی آراء کو ترجیح دی گئی اور حنفی فقہ کی آراء کا دفاع کیا گیا ہے۔ اسکی مثال کتاب البیوع باب الربوا میں موجود صحیح مسلم کی روایت سے پیش خدمت ہے جس میں اجناس کے برابر لین دین کا حکم ہے چنانچہ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

((وعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الذهب باالذهب والفضة بافضة والبر بالبر والشعیر و بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یدبید فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدبیدا))(۷۵)

”حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا سونے کے بدلہ میں چاندی چاندی کے بدلہ میں گندم گندم کے بدلہ میں جو جو کے بدلہ میں کھجور کھجور کے بدلہ میں نمک نمک کے بدلہ میں مثل ہوں ساتھ مثل کے برابر اور نقد بہ نقد فروخت کیا جائے اور جب اجناس مختلف ہوں جس طرح چاہو فروخت کرو مگر بیع دست بدست ہو“

مندرجہ بالا حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں چھ اجناس (چیزیں) بیان ہوئی ہیں جن میں تفاضل حرام ہے مسئلہ ربوٰا کا حرام ہونا انہی چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں اس پر بحث کرتے ہوئے صاحب شرح تحریر فرماتے ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ

”اہل ظواہر اور بعض تابعین کے نزدیک ان ہی چھ چیزوں کے ساتھ مختص ہے جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حرمت ربوٰا معلول بالعلۃ ہے باقی وہ علت کیا ہے اس میں اختلاف ہو گیا احناف کے نزدیک حرمت ربوٰا کی علت قدر اور جنس ہے شوافع کے نزدیک طمعیتہ اور ثمنیہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک الاقتیات (قوت) الادخار ہے یعنی وہ اشیاء جن میں غذا بننے اور ذخیرہ اندوزی کرنے کی صلاحیت ہو دراصل مسئلہ ترجیح کا ہے تو احناف کی بیان کردہ علت زیادہ راجح ہے اور وجوہ ترجیح درج ذیل ہے (۱) کیلا بکیل اور ایک روایت میں ”وزنا بوزن“ یہ حال ہیں اور حال قید ہوتا ہے اور مجتہد کی شان یہ ہے کہ قیودات سے بحث کرے اور احناف کی بیان کردہ علت کا تعلق قیودات سے ہے بقیہ آئمہ کی علت میں قیودات کے علاوہ ذوات میں بحث ہے انہوں نے ذوات کا لحاظ کیا ہے اور احناف کے ہاں ذوات کا لحاظ نہیں ہے۔ (۲) اشیاء کثیرہ کے اندر ربٰو کا ہونا نہ ہونا فقہ حنفی کی بیان کردہ علت سے باآسانی معلوم ہو جائے گا اور اس کے ذریعہ ربوٰا سے بچنا امت کیلئے آسان ہو جائے گا بخلاف آئمہ کی بیان کردہ علت کے اس سے حکم محدود معلوم ہوتا ہے“(۷۶)

(۸) سوال وجواب میں اہم نکات کی وضاحت:

صاحب شرح نے جہاں اور خصوصیات سے اپنی اس علمی کاوش کو خاص واہم بنانے کی سعی کی ہے وہاں خود سے سوال پیدا کر کے اور پھر اس سوال کے جواب میں اہم نکات کی عقدہ کشائی کی ہے اور مسائل کے حل میں سوال وجواب کی مشکل میں علمی آگاہی کی اہمیت کا کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا اور اس انداز کو علمی وسماجی حلقوں میں بہت پسند بھی کیا جاتا ہے اور لوگ آج کل بھی علماء، دانشوروں، حکیموں اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین سے سوال کر کے ہی علم وآگاہی حاصل کرتے ہیں اور راقم الحروف بھی یہ انداز بے حد پسند آیا ہے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو سوال وجوابات کا انداز اس ضمن میں جامع بخاری کی کتاب الایمان سے روایت پیش خدمت ہے تاکہ بات صحیح معنوں میں سمجھ میں آجائے:

((عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان یہودیہ دخلت علیھا فذکرت عذاب القبر فقالت لھا اعاذک اللہ من عذاب القبر فسالت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق قالت عائشہ فمارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد صلی صلوۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر))(۷۷)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک یہودی عورت آتی رہتی تھی تو ایک مرتبہ اس نے عذاب قبر کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس نے حضرت عائشہ کو یہ دعا دی اعاذک اللہ من عذاب القبر۔ اللہ تجھے عذاب قبر سے محفوظ رکھے جب حضور ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنایا اور فرمایا ہاں ہاں عذاب قبر حق ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی مگر اللہ سے عذاب قبر سے پناہ کی دعا نہ مانگی ہو“

اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں مصنف موصوف نے مندرجہ ذیل سوالات پیدا کیے ہیں پھر ان کے شافی وکافی جوابات مع دلائل تحریر کیے ہیں آیئے موصوف صاحب شرح کے سوال وجواب کے انداز میں اٹھائے گئے نکات کا مشاہدہ کرتے ہیں:

”(۱) عذاب قبر کا باب قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی (۲) عذاب قبر کی طرح راحت قبر بھی تو حق ہے لہذا باب اثبات القبر و راحتہ ہونا چاہیے تھا (۳) عذاب قبر کے منکرین کون لوگ ہیں اور ان کے مذاہب کیا ہیں (۴) پیش کردہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ہر نماز کے بعد تعوذ من عذاب القبر ایک یہودی عورت کی خبر کی وجہ سے تھا۔“

ان چاروں سوالوں کے جوابات علامہ کشمیری کی قلم سے پیش خدمت ہیں جن سے اہم نکات کی عقدہ کشائی ہوتی ہے چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ

”اوّل الذکر سوال کا جواب یہ ہے کہ منکرین عذاب قبر پر صراحتہً رد کرنے کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے نیز اسکی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے مصنف نے مستقل باب قائم کیا ہے ثانی الذکر سوال کا جواب یہ ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت زیادہ اہم ہے دفع مضرت مطلب عذاب قبر سے بچنا یہ بھی ایک راحت ہے اسی سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ذکر الخاص ارادۃ العام کی قبیل سے ہے یعنی عذاب قبر کو ذکر کر کے احوال قبر مراد لیا۔ احوال قبر عام ازیں عذاب کی قبیل سے ہوں یا راحت کی قبیل سے ہوں عام ہے“

تیسرے سوال کا جواب تحریر یہ کیا ہے کہ عذاب قبر کے حوالے سے تقریباً چھ مذاہب ہیں جنکی تفصیل درج ذیل ہے:

مذھب اوّل: مطلقاً عذاب قبر ثابت نہیں مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کے حق میں عذاب قبر ثابت ہے اور نہ کفار کے حق میں چنانچہ معتزلہ اور خوارج کا بھی یہی عقیدہ ہے ان میں سے بعض کے نام کی بھی تصریح کی گئی مثلاً ضرار ابن عمرو اور مریسی کا مذہب بھی یہی ہے۔ دوسرا مذہب: عذاب قبر صرف کفار کے حق میں مومنین کے حق میں ثابت نہیں یہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ تیسرا مذھب: عذاب قبر مطلقاً حق ہے مطلقاً کا مطلب یہ ہے کفار اور مومنین دونوں کے حق میں ثابت (مومنین سے مراد فاسق فاجر ہیں) لیکن عذاب قبر صرف روح کو ہو گا۔ چوتھا مذھب: مطلقاً عذاب قبر حق ہے لیکن عذاب قبر صرف جسم کو ہو گا روح کو نہیں ہو گا۔ پانچواں مذھب: مطلقاً عذاب قبر حق ہے اور اس کا تعلق دونوں کے ساتھ ہو گا نیز روح مع الجسم کو عذاب ہو گا اور میت کو عذاب قبر کا احساس مطلقاً ہے۔ چھٹا مذھب: اہل سنت و الجماعت کے مطابق مطلقاً عذاب قبر حق ہے اور اس کا تعلق دونوں کے ساتھ ہو گا نیز روح و وجود کا عذاب ہو گا اور اس کا احساس بھی مطلقاً ہے اس میں مابین النفختین کی تخصیص نہیں (۷۸)

ان مذاہب کو بیان کرنے کے بعد صاحب شرح نے پہلے پانچ مذاہب کو باطل مذاہب قرار دیا ہے اور چھٹے مذہب مطلب اہلسنت والجماعت کے مذھب کو راجح اور درست قرار دیا ہے اور راقم الحروف بھی علامہ موصوف سے اتفاق کرتا ہے کیونکہ عذاب قبر کے بارے میں جماعت اہلسنت کا مذھب قرآن وحدیث کے مطابق درست ظاہر ہوتا ہے جسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی دلیل قرآن حکیم سے پیش کی جاتی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (۷۹) "دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح وشام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم ہو گا آل فرعون کو شدید عذاب میں داخل کرو۔"

اس آیت کے طریقہ استدلال پر اجماع ہے کہ اس کا مصداق احیاء نہیں اموات ہیں زندہ نہیں مردے ہیں اور "وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ" کا عطف ہو رہا ہے "اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ" پر اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے درمیان تغایر ہوتا ہے فرعونیوں پر جو صبح وشام آگ پیش کی جاتی ہے وہ کون سا عذاب ہے دنیا کا عذاب مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ یہ آیت مردوں کے بارے میں ہے اور آخرت کا عذاب بھی مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر یہ مراد

ہو تو معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر باقی نہیں رہے گا لا محالہ اس سے عذاب قبر ہے اہلسنت کی دوسری دلیل بھی قرآن حکیم سے کہ ارشاد خدواندی ہے کہ

﴿یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ﴾(۸۰)"ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا و آخرت دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے"

آیت بالا کی تفسیر میں صاحب شرح تحریر کرتے ہیں کہ

"قول ثابت سے مراد کلمہ توحید ہے اور تثبیت فی الاخرۃ سے مراد یہ ہے کہ قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی توفیق کامل جانا اس سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر اور منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی توفیق نہ ملنا یہی تو عذاب ہے کیونکہ جب جواب نہیں ملے گا تو فوراً سزا ملے گی"(۸۱)

اس کے علاوہ بھی بہت سارے دلائل کا تذکرہ ملتا ہے مگر یہاں اس موضوع پر ایک واقعہ بیان کر کے بحث کو سمیٹا جاتا ہے جو صاحب شرح نے اپنی شرح میں درج کیا ہے جو واقعہ عذاب قبر اور رحمت قبر کے مذہب کو مضبوط کرتا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

"ڈیرہ غازی خان میں ایک نہر کھودی جارہی تھی اور نہر کھدوانے والا منتظم ڈاکٹر تھا اور وہ عذاب قبر کا منکر تھا نہر کھودنے والے مزدور ایک دن ایک جگہ جمع ہیں اور وہ افسر آیا اس نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے کیوں کھڑے ہو انہوں نے بتلایا کہ ہم نے ۵۰ فٹ نیچے نہر کھودی ہے اور اس کے نیچے ہم دیکھتے ہیں ایک پتھر ہے اور پتھر کے نیچے ایک سیب نما پھل رکھا ہوا اور میت کے منہ میں جاتا ہے اور وہ میت تازہ پھل کا جوس پی رہا ہے تو افسر نے دیکھا واقعہ ایسا ہی تھا تو اس وقت اس نے یقین کر لیا کہ واقعی عذاب قبر اور رحمت قبر ہے۔ یہ کوئی شہید ہو گا اس لئے اس کی میت تر و تازہ پڑی تھی تو معلوم ہوا کہ شہداء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور بتایا گیا کہ یہ کئی سالوں کی قبر ہے یہ واقعات وقوتاً فوقتاً خرق عادت کے طور پر حقانیت اور صداقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے"(۸۲)

مندرجہ بالا بحث اور سوال وجواب کے انداز سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کشمیری نے اس انداز اور اسلوب کو اپنا کر اس شرح حدیث کو صاحب مطالعہ کیلئے اور دلچسپ اور مفید بنادیا ہے کیونکہ جب کسی بات کو سوال وجواب کے ذریعے سمجھا جائے تو اس کا فہم وادراک زیادہ اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

اس شرح میں حدیث کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے جہاں امور کی طرف آپ نے واضح وضاحت فرمائی ہے وہاں لغوی تشریح میں بالخصوص صرفی اور نحوی مباحث پر بھی گفتگو فرمائی ہے جس سے آپ کی شرح کا علمی مقام اور بلند ہوتا ہے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو کتاب الصلوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ میں حدیث مبار کہ بمشہور حدیث شد الرحال کے نام سے ہے اس میں آپ نے شد الرحال کی تشریح یوں بیان فرمائی:

"الرحال لغت میں کجاوے کو باندھنا ہے اور مراد اس سے سفر طویل ہے یہ سفر طویل سے کنایہ ہے"(۸۳)

(۹) مطبوعہ شروح کی نسبت زیادہ جامع:

اس شرح کی ایک خوبی یہ ہے کہ اور شروحات میں اس طرح مسائل کی تفصیل درج ہیں جسطرح خیر المفاتیح میں مسائل کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ ہر حدیث کے ساتھ راوی کے حالت اس کا مقام ومرتبہ عدالت اور ضبط کا بیان اور پھر حدیث کی لغوی تشریح اور پھر فقہی انداز میں اسکی جزئیات سے لیکر کلیات کی مکمل بحث کا تذکرہ اور معاصر مطبوعہ شروحات میں کم ملتا ہے ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس شرح میں کہیں کہیں میرے مطالعہ اور تحقیق کے مطابق ضرورتیں بھی محسوس ہوئی ہیں اگر وہ خامیاں بھی نہ ہوتی تو یہ شرح اور بھی خوبصورت بن جاتی جو درج ذیل ہیں:

(۱) آیات قرآنی کا مکمل حوالا نہ دینا:

صاحب شرح جہاں بطور دلیل آیت قرآنی پیش کرتے ہیں وہاں اسکا مکمل حوالا تحریر نہیں فرماتے جس سے قاری مشکل کا شکار ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں اصل عبارت کو کس مقام پر تلاش کیا جائے ویسے تو آپ کی شرح میں ایسے کئی مقام میں نے نوٹ کیے ہیں مگر نمونہ کیلئے گزشتہ سطروں میں پیش کردہ آیات جو سورۃ المومن کی

آیت نمبر ۴۲ اور سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ ہے جنکو صاحب شرح نے عذاب قبر کے اثبات میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ آپ نے ان کا ایک اور متن غیر معرب درج کیا ہے جس سے بھی ایک دشواری پیش آتی ہے مطالعہ کرنے والے کو اور دوسرا آیات کا حوالا پیش نہیں کیا ہے اور بھی کئی مقامات ہیں اگر یہ کمی نہ ہوتی تو شرح اور بھی حسین اور خوبصورت ہوتی اور پڑھنے والے کا زوق اور شوق میں اور زیادہ اضافہ ہوتا۔ راقم الحروف نے صاحب شرح کو ان مقامات سے تحریری طور پر آگاہ کیا ہے ان کے مطابق وہ اگلے ایڈیشن میں ان کا ازالہ فرمائیں گے۔

(۲) ترجمہ کے انداز میں فرق:

دوسری چیز جو زیر نظر شرح میں راقم الحروف کو نظر آئی وہ یہ ہے کہ اس شرح کی خوبیوں پر بحث کرتے ہوئے یہ درج کیا گیا کہ اس میں عربی کے متن کی ہر لائن کے نیچے حدیث کا اردو ترجمہ لائن کے نیچے درج ہے جو ایک احسن کام ہے مگر یہ کام دو جلدوں میں ہوا کہ جبکہ تیسری جلد میں عربی متن درج کرنے کے بعد ترجمہ درج ہوا اگر انداز یکساں ہوتا تو زیادہ مفید تھا اور مطالعہ کرنے والے کے لئے زیادہ سہل بھی اور دور جدید کی تحقیق کا اصول بھی ہے کہ تحقیقی کام میں تسلسل اور یکساں انداز تحریر ہی استعمال ہوتا ہے۔

(۳) فقہی آراء میں انداز بیان

غیر جانبدار تجزیاتی مطالعہ کے دوران زیر بحث شرح میں ایک اور چیز سامنے آتی ہے کہ احادیث کی تشریح میں آپ نے فقہی آراء درج کی ہیں اور ان کی تفصیل اور دلائل بھی درج فرمائے ہیں اور بھی بہتر ہوتا کہ آپ ان کے ماخذ بھی تحریر فرماتے کہ فقہ حنفی کی آراء ان کی فلاں کتاب سے درج کی جاتی ہیں یا حوالہ پیش کرتے مگر ایسا پوری شرح میں نہیں گیا۔ اگر فقہی آراء مع حوالہ پیش ہوتی تو شرح کا مقام و مرتبہ اور اعلیٰ ہوتا اور مولف شرح کا علمی ذوق زیادہ داد کا مستحق ٹھہرتا اور علمی حلقوں میں بھی زیادہ پذیرائی ملتی۔ مثال کے طور پر کتاب الصلوۃ باب الجماعۃ وفضلھا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اہمیت و فضیلت اور جماعت میں عدم شرکت کی وعید پر دلائل درج کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

”مسئلہ جماعت کی حیثیت کا ہے اس میں چار قول ہیں (۱) اہل ظواہر کے نزدیک جماعت صحت صلوٰۃ کے لئے شرط ہے اگر جماعت سے نماز نہیں ادا کی تو نماز صحیح نہیں (۲) حنابلہ کے نزدیک فرض ہے لیکن صحت صلوٰۃ کیلئے شرط نہیں اگر اکیلے نماز پڑھ لی تو صحیح ہو جائے گی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جماعت کو ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا (۳) جمہور فقہاء کے نزدیک نماز کے لئے جماعت واجب ہے (۴) احناف کے نزدیک اور ان کا مشہور قول یہ ہے کہ جماعت سنت موکدہ ہے قریب الی الواجب ہے ۔ یہ وعید شدید اس وجہ سے نہیں کہ جماعت فرض ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ نماز باجماعت شعائر اللہ میں سے ہے اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اس میں حاضر ہونا چاہیے لیکن جو حاضر نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ وہ شعائر اللہ کی توہین کرتا ہے“(۸۴)

الغرض پوری شرح میں فقہی آراء کا اندراج بغیر حوالا جات کے ہے اور میری رائے میں اگر بمعہ حوالا اندراج ہوتا تو شرح اور جامع معلوم ہوتی۔

خیر المفاتیح پر تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کے بعد اب تشریحات بخاری از مولانا عبد القادر قاسمی کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ تشریحات بخاری کا مطالعہ کرنے سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت شفاعت:

تشریحات بخاری کا مطالعہ کرنے سے سب پہلی خوبی جو اور شروح سے اس شرح کو منفرد کرتی ہے وہ ہے رسول اکرم ﷺ کی خصوصیت کہ شفاعت کا حق آپ ﷺ کو عطا ہو گا اور اس طرح سے اور کسی نبیؑ کو نہیں دیا گیا اور نہ دیا جائے گا۔ اس مضمون کی تشریح **کتاب القبلہ باب قول النبی ﷺ جعلت لیئ الارض مسجدا وطھوراً** کے ضمن میں مذکور حدیث مبارکہ کے تحت کی ہے حدیث کا متن ہے:

((حدثنا جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ أعطیت خمساً لم یعطھن اَحد مین الانبیاء قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر و جعلت بی الارض مسجداً وطھور و یما رجل من افتی ادر کتہ الصلوٰۃ فلیصل و احلّت لی الغنائم و کان النبی ﷺ یبحث الیٰ قومہ خاصۃ و بعثت الی الناس کافۃ و اعطیت الشفاعۃ))(۸۵)

”حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو میرے سے قبل انبیاء علیھم السلام میں سے کسی کو نہیں دی گئیں ایک ماہ کی مسافت تک میری رعب سے مدد کی گئی، تمام روئے زمین میرے

لیے مسجد اور طہور بنائی گئی اور میری امت کے جس آدمی کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے اور غنیمتیں میرے لئے حلال کی گئی اور پہلے نبی خاص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کے لئے ہوں اور مجھے شفاعت کبریٰ دی گئی"

ویسے تو اسلامی ادب میں آپ ﷺ کی بہت سی خصوصیات ہیں جو کو امام جلاالدین سیوطی نے جمع کی ہیں اور ایک ہزار سے بھی زائد خصوصیات مصطفی ﷺ بتلائی ہیں مگر مندرجہ بالا حدیث میں پانچ کا ذکر ہوا ہے اسکی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"اگر شبہ ہو کہ شفاعت آپ ﷺ کی خصوصیت نہیں بلکہ سابقین انبیاء بھی شفاعت کریں بلکہ اطفال بھی اپنے ماں باپ کے لئے شفاعت کریں گے تو اس کے جواب یہ ہے کہ شفاعت اس جگہ مراد شفاعت کبریٰ ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کی شفاعت فرمائیں گے شفاعت آخرت کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے ہو گی اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ تین شفاعتیں مختص ہیں(۱) شفاعت کبری(۲) شفاعت من یدخل الجنة البغیر حساب(۳)اخراج من فی قلبه مثقال ذرة من الایمان"(۸٦)

(۲) مکمل اور معرب متن و آسان ترجمہ:

تشریحات بخاری میں ایک اور وصف یہ ہے کہ اس میں حدیث مکمل متن درج کیا گیاہے اور اعراب بھی لگائے گئے ہیں جس سے اس شرح کے مطالعہ میں مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور مطالعہ کرنے والا آسانی سے متن کی تلاوت کر سکتا ہے اور متن کے درج کرنے کے بعد اس کا بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے جس سے شرح کے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

(۳) علماء دیوبند کی آراء کا مجموعہ:

اس شرح کے تفصیلی مطالعہ کے بعد راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس علمی کوشش کو اگر اکابرین دیوبند کی آراء کا مجموعہ کا نام دے دیا جائے تو ناانصافی نہیں ہو گی کیونکہ اس شرح کی ہر حدیث مبارکہ کے بعد تین مقتدر علماء کی تشریح قلم بند کی گئی ہے اور چوتھے نمبر پر علامہ موصوف نے اپنی تشریح بیان کی ہے اور بعض مقامات پر تو اپنے پیش روں تینوں اکابرین کی آراء و تشریح کی تائید فرما کر اگلی حدیث مبارکہ نقل فرما کر دوسری بحث

شروع کر دیتے ہیں نمونہ کیلئے پیش نظر ہے کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء قبل السلام میں مذکور حدیث اور اسکی تشریح پیش خدمت ہے حدیث کا متن ہے کہ

((عن ابی بکر الصدیق انہ قال لرسول اللہ ﷺ علمنی دعاءً ادعوا بہ فی صلوٰتی قال قل اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیراً و لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم))(۸۷)

"حضرت ابو بکر فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی مجھے ایسی دعا سکھلائیں جو میں نماز میں مانگا کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہو اے اللہ میں اپنی جان پر بہت سے ظلم کیے ہیں اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا اپنے پاس سے میری بخشش فرما اور مجھ پر رحم فرما اس لئے آپ ہی تو بخشنے والے اور نہایت مہربان ہیں" مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کی تشریح ملاحظہ ہو:

تشریح از شیخ الحدیث محمد زکریاؒ:

"اس کی غرض میں اختلاف ہے بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی غرض محل دعا کو بیان کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو دعائیں حضور اقدس ﷺ سے منقول ہیں ان کو آپ ﷺ قبل السلام پڑھتے تھے اور بعض دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ شروع صلوٰۃ سے لے کر قبل السلام تک سب محل دعا ہے وعدا خلف اگر ایفا کے ارادہ سے وعدہ کرے اور پھر کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو یہ وعدہ خلافی نہیں کہلائے گی بلکہ وعدہ خلافی یہ ہے کہ ایفا کا ارادہ ہی نہ ہو اور (وعدہ کی تکمیل والے جملے گزشتہ حدیث کی تشریح میں) انی ظلمت نفسی یہ دعا حضور اکرم ﷺ نے خاص طور پر حضرت صدیق اکبرؓ کو بتلائی اس لئے اکثر علماء کو اختیار کرتے ہیں"(۸۸)

تشریح از مولانا سید حسین احمد مدنی شاہ:

"انی ظلمت نفسی سے یہاں اشکال ہے کہ ظلم کے معنی تو تصرف فی ملک الغیر کے ہیں تو اپنے نفس پر ظلم کیسے ہو گا کہا جائے گا کہ انسان اپنے آپ کا مالک ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے بنابریں خودکشی پر مواخذہ کیا جائے گا تو جب اعمال سیئہ کی وجہ سے اسی کو جہنم میں پیش کیا جائے گا تو یہ اسی نفس پر ظلم ہوا دوسرا جواب یہ ہے کہ معنی وضع الشئی فی غیر محلہ کے ہیں تو اب مقصد یہ ہے کہ اپنے نفس کو نجات دلائے اور اسے غیر محل میں استعمال نہ کرے فاغفر لی مغفرۃ من عندک تحصیل حاصل ہے اس

کا جواب یہ ہے کہ مغفرت من عند کے معنی مغفرت یلیق بشانک اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مغفرت بلا استحقاق منی کے معنی ہیں۔"(۸۹)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کی تشریح میں مولانا قاسمی نے صرف دو اکابر علماء کی آراء درج کی ہیں اپنے رائے یا وضاحت درج نہیں فرمائی چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولف کے انداز تشریح کو جاننے کے لئے دوسرے مقام سے حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے جس سے ان دو شخصیات کا انداز شرح جاننے کا موقع فراہم ہو گا۔ چنانچہ کتاب الجنائز باب الاذن بالجنازۃ میں مذکور حدیث مبارکہ ہے:

((عن ابن عباس قال مات انسان کان رسول اللہ ﷺ یعودہ فمات باللیل فدفنوہ لیلاً فلما اصبح اخیروہ فقال مامنعکم ان تعلمونی قالو کان اللیل فکرھنا و کانت ظلمة ان نشق علیک فاتی قبدہ فسلی علیه))(۹۰)

"حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک ایسے انسان کی وفات ہوئی جس کی آپ ﷺ بیمار پرسی فرماتے تھے وہ رات کو مر گیا راتوں رات لوگوں نے اسے دفن کر دیا جب صبح ہوئی تو لوگوں نے آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع دینے سے تمہیں کس چیز نے روکا انہوں نے کہا رات تھی اس لئے ہم نے پسند نہ کیا دوسرا سخت اندھیرا تھا ہم نے آپ کو تکلیف دینا گوارا نہ کیا پس حضور ﷺ اسکی قبر پر تشریف لائے اور نماز پڑھی یا دعا مانگی"

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کی تشریح از شیخ الحدیث رشید احمد گنگوہی ملاحظہ ہو "اس روایت سے معلوم ہوا کہ محض اطلاع موت دینا ممنوع نہیں ہے جو موت کی اطلاع زمانہ جاہلیت کے مطابق اسکی کی ممانعت ہے جو اعلام شوائب جہل و جاہلیت سے خالی ہو اس میں کوئی کراہت نہیں" اور علامہ قاسمی بھی اس حدیث میں اپنی تشریح بھی درج کرتے ہیں کہ "یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی جس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اسکی قبر پر نماز پڑھی جائے اگرچہ وہ ولی نہ ہو مگر یہ مسلک احناف کے خلاف ہے کہ اگر ولی نماز جنازہ ادا کرے تو پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہیے باقی یہ حدیث رسول انور ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ قبور تاریکی سے گھر جاتی اللہ تعالیٰ میری نماز اور دعا کی برکت سے ان کو روشن فرما دیتے ہیں۔"(۹۱)

اگر مندرجہ بالا احادیث مبارکہ تشریح کے انداز پر تجزیہ کیا جائے تو راقم الحروف کی نظر میں علامہ قاسمی کا انداز زیادہ واضح اور زیادہ مدلل معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے حدیث کے حکم کو سادہ انداز میں وضاحت فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سب خصوصیت ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کی ہے کہ جن کی دعا کی برکت سے اندھیرے ختم ہوتے ہیں اور نور کی رم جھم برستی ہے چاہے وہ عالم جہاں ہو عالم مکاں ہو، عالم زماں ہو یا عالم قبر و برزخ ہو آپ کے نور سے دونوں جہاں میں روشنیاں جگمگاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان شارحین پر رحمتوں کے نزول فرمائے تو مندرجہ بالا گفتگو کے نتیجہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شرح تشریحات بخاری اکابرین دیوبند کی آراء کا مجموعہ ہے۔

(۴) مالی مشکلات کے باوجود خدمت علم حدیث:

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی کام کو سرانجام دینے کیلئے مالی آسودگی کا بھی ایک حصہ ہوتا ہے۔ وہ لوگ قابل قدر ہیں جو مالی مشکلات کے باوجود کوئی علمی خدمت کر کے قوم کی راہنمائی کا سامان کر دیتے ہیں۔ مولانا عبد القادر قاسمی کی مالی حالت بہت کمزور تھی جب وہ اس شرح کو تحریر فرما رہے تھے اور طباعت کے مراحل میں کافی مدد درکار تھی مگر آپ نے ہمت نہ ہاری بیماری اور مال کی کمی کو علم حدیث کی خدمت کے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دیا اور ایمان مصمم سے اور عشق رسول ﷺ کی لگن سے کام جاری رکھا چنانچہ جلد پنجم میں حالات کو موصوف نے اپنی قلم سے کچھ یوں بیان کیا ہے:

”ضعف پیرانہ سالی اور بیماری کی وجہ سے اب میں سفر کے قابل نہیں رہا جس سے کتاب کی نکاسی میں کمی ہو گئی اب ملتان شہر کے احباب کے پر دار و مدار رہ گیا ہے ناسپاسی ہو گی اگر درج ذیل حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے کتاب فروختگی میں میری حوصلہ افزائی فرمائی ہر مکتب فکر کے حضرات نے دلچسپی کا اظہار فرمایا جزاھم اللہ تعالیٰ، احسن الجزاء۔ تشریحات کے سیٹ درج ذیل تفصیل سے فروخت ہوئے: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۴ سیٹ ۲۰ کتابیں، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ۴ سیٹ ۲۰ کتابیں، شیخ خضر حیات سابق جج ھائی کورٹ و حال ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان ایک سیٹ خود رکھا اور ایک سیٹ کی قیمت ادا کر کے جامع العلوم ملتان میں دے دیا جبکہ جامعہ العلوم کے مہتمم مولانا خان محمد نے ایک سیٹ خرید فرمایا۔ بریلوی مکتب علماء اور مہتمم حضرات نے وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایک سیٹ خریدا ان کے ناظمین نے کمیشن کا مطالبہ کیا تو ان کو روک کر یہ فرمایا کہ مولانا ہمارے پاس تشریف

لے آنا کمیشن ہے حضرت مولان ارشد سعید کاظمی مہتمم انوار العلوم ملتان اسیٹ ۵ کتابیں، حضرت مولانا مفتی ہدایت اللہ پسروری مہتمم ہدایت القرآن ملتان اسیٹ ۵ کتابیں، حضرت مولانا قاری محمد میاں مہتمم مدرسہ خیر المعاد ملتان اسیٹ ۵ کتابیں اور بھی بہت سے کرم فرماہیں جنہوں نے اپنے تعاون سے میری حوصلہ افزائی کی اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین"(۹۲)

مندرجہ بالا پیراگراف میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بات موجودہ حالات کے تناظر میں بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ مسلکی پسند و ناپسند کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور علاقائی روایات واقدار بھی اس بات کی شاہد ہیں کہ دوسرے مسلک و نظریات کی حوصلہ افزائی کے معاملے میں بہت ہی محتاط طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے مگر شرح بخاری کو بریلوی علماء کی طرف سے وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنا اور اس کو خرید کر زیر مطالعہ رکھنا واقعتاً قابل تعریف اور قابل تقلید عمل ہے اور اسکی ہم آہنگی معاشرے کی اہم ضرورت ہے اس رویہ کو پروان چڑھانا چاہیے۔ اللہ پاک ہمیں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۵) سند کا مختصر بیان کرنا:

تشریحات بخاری میں حدیث مبارکہ کو درج کرتے ہوئے متن کو پورا درج کیا گیا ہے مگر سند راویوں کے اسماء کو مختصر انداز میں نقل کر کے شروع والوں کے نام نقل کر کے (الخ) لگا کر متن حدیث نقل کر دیا گیا ہے ۔اسکی وضاحت تو خود علامہ موصوف نے نہیں فرمائی مگر ہمارے خیال میں شاید طوالت کے ڈر سے ایسا انداز اپنایا گیا ہے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو انداز سند کا درج:

((حدثنا احمد بن حمید (الخ) عن ابن عباس واذ حضر القسمة اولو القربی والیتافی والمساکین قال ھی محکمة ولیست بمنسوخة))(۹۳)

(۶) مسئلہ متبنّیٰ کی وضاحت:

اہل عرب جس طرح اور رسموں کو پکا کیے ہوئے تھے جیسے حدیبیہ کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے سر منڈوانے اور ھدی کو ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں لیکن لوگوں کو عمل کرنے میں تامل ہوتا ہے کیونکہ قربانی

کے جانور بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد ذبح کیے جاتے ہیں۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ نے خود عمل کر کے دکھایا پھر تمام صحابہؓ اس فعل کو دیکھ کر ٹوٹ پڑے سر منڈوایا اور جانور ذبح کیے اسی طرح عرب میں یہ رسم صدیوں سے چلی آرہی تھی کہ لے پالک بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا لیکن اگر تھوڑا غور کیا جائے تو بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا ویسے بھی معیوب سمجھا جاتا ہے لکھنو کے فرنگی محل کے علماء نکاح بیوگان کا فتوٰی دیتے رہے لیکن اپنے خاندان میں کئی بیوگان بیٹھی ہوتی تھیں۔ اسکی وجہ شاید یہ ہے کہ ہندوؤں کی طرح ہمارے قلوب میں بھی نکاح بیوگان کی نفرت بیٹھ گئی ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں نکاح بیوگان کی تحریک چلائی لوگوں نے آپ کی بوڑھی بہن کے متعلق کہا تو مولانا مرحوم نے اپنی بہن سے کہا کہ مجھے معلوم ہے تمہارا نکاح کرنے کا زمانہ نہیں لیکن تمہارے نکاح کر لینے سے آنحضرت ﷺ کی سنت زندہ ہوتی ہے تو علامہ موصوف اس مسئلے کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ

"رسول اکرم ﷺ ادعیاء لے پالک کی بیوی سے نکاح کرنے کو رائج کرنا چاہتے تھے اور آپ ﷺ کی ذات پر پادری ارید اور دیگر غیر مسلموں کا اعتراض کرنا بے جا ہے حضرت زینب بنت جحشؓ آپ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں حضرت زینب قریش کے بڑے خاندان میں سے تھیں اور اس زمانہ میں فخر بالانساب زوروں پر تھا۔ آپ ﷺ نے اس فخر کو مٹانے کے لئے ان کو حضرت زید سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت زید کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے خریدا تھا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے متبنیٰؓ لے پالک بنالیا نکاح ہو گیا مگر زوجین میں موافقت نہ ہو سکی جس سے کچھ عرصہ بعد حضرت زید تنگ آگئے اور طلاق اجازت چاہی آپ ﷺ روکتے رہے اور نبھا کرنے کا فرماتے رہے دراصل وجہ یہ تھی اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے آپ ﷺ نے اس کا ارادہ اس لئے کیا تا کہ لوگوں سے یہ رسم مٹ جائے اہل عرب متبنیٰؓ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے تو جس چیز کا ابدء سے اخفاء بھی اسی کا ہونا چاہیے تو آنحضرت ﷺ بھی یہی چاہتے تھے کہ یہ رسم مٹ جائے" (۹۴)

تشریحات بخاری کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کے بعد اب الخیر الساری شرح الصحیح البخاری از مولانا محمد صدیق شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

تشریحات بخاری کے تجزیاتی مطالعہ کے بعد اب مولانا محمد صدیق شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان کے قلم سے تحریر کردہ شرح بخاری پر تجزیاتی مطالعہ کرنے سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(۱) علم حدیث کی تشریح وتوضیح:

الخیر الساری پر تجزیاتی بحث کرتے ہوئے ایک اہم نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ آپ نے علم حدیث کی تعریف جامع اور مدلل انداز میں کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی ایک علم اور تحقیقی کام کی ابتداء اسی خوبصورت انداز میں ہوگی تو اس کام کو پایہ تکمیل تک پہچانے میں مدد خداوندی بھی شامل ہوگی نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو علم حدیث کی تعریف کرتے ہوئے قرآن سے دلیل دے کر تشریح فرماتے ہیں کہ علم حدیث کیا ہے تو تحریر کرتے ہیں کہ

''عصمت انبیاء مسلم امر ہے اس لیے کہ اللہ پاک جس کا چناؤ کرلیں اس میں نقص نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ علیم وخبیر ہے اور تمام انبیاءؑ مصطفےٰ ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ﴾(۹۵)''بے شک اللہ پاک نے آدمؑ کو چن لیا'' اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کسبی نہیں وہبی ہے نہ کہ جیسا مرزالعین نے سمجھا ہے آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ عصمت انبیاء بھی لازمی امر ہے تو ان کے اقوال وافعال واحوال بھی ذوعصمت ہونگے لہذا تینوں کا نام علم حدیث ہوگا''(۹۶)

(۲) تخریج کرتے ہوئے ماخذ کا حوالہ:

الخیر الساری میں حدیث کی وضاحت وتشریح میں جہاں جہاں مولف موصوف نے دوسرے بنیادی مآخذ سے مدد لی ہے یا رجوع کیا ہے تو اس کا حوالا بھی درج کیا ہے جس کی وجہ سے یہ شرح ایک علمی اور تحقیقی معیار پر پورا اترنے والی شرح میں شمار ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قارئین اور طلباء میں اس قدر مقبول ومشہور ہے کہ اس کی اشاعت سوئم ہوچکی ہے اور ناشرین اشاعت چہارم کی تیاریوں میں مصروف ہیں مثال کے طور پر الخیر الساری کی جلد اول میں جب ابتدائی بحثوں میں منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات کے عنوان کے تحت بحث فرماتے ہوئے کہ ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن اپنے بارے میں کہتا ہے کہ ﴿تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ﴾(۹۷)''(قرآن میں) ہر چیز کی وضاحت ہے'' اس آیت کو مانتے ہیں تو حدیث کی ضرورت نہیں رہتی اگر حدیث کی ضرورت کو مانتے ہیں تو گویا آپ نے ﴿تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ﴾(۹۸) کو نہیں مانا اور یہ کل بھی استغراقی ہے؟ اس کے جواب میں آپ ماخذات کو بھی لائے ہیں اور یوں رقمطراز ہیں کہ ''یہ کل استغراق حقیقی پر محمول نہیں اگر استغراق حقیقی پر محمول ہوتا تو کوئی بات کبھی قرآن سے خارج نہیں ہونی چاہیے تھی بلکہ یہ کل استغراق عرفی پر محمول ہے جیسے قوم عاد پر عذاب کے بارے میں قرآن نے ارشاد

فرمایا کہ ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾(۹۹) ہر چیز کو توڑ پھوڑ رہی تو گویا زمین و آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ گئے اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس کو استغراق حقیقی پر محمول نہیں کیا چنانچہ حضرت معاذ عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا ((کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ))(۱۰۰)"۔

اس سے ثابت ہوا کہ حدیث حجیت اور قرآن کا یہ فرمانا کہ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (۱۰۱) "جو چیز رسول تمہیں عطا کریں لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے دور رہو" اس آیت سے بھی حجیت حدیث ثابت ہوتی ہے۔

اور ان حوالاجات کے ساتھ علامہ ابن القیم الجوزی کی مشہور کتاب اعلام الموقعین کے حوالے سے حدیث کی حجیت کو مع تخریج ثابت کیا ہے وہ تحریر پیش خدمت ہے صاحب شرح تحریر کرتے ہیں کہ

"علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں تقریباً دو سو مواقع ایسے ذکر کیے ہیں کہ صحابہ کرامؓ عرب ہونے کے باوجود قرآن نہ سمجھ سکے اور بیان رسول اللہ ﷺ کے محتاج ہوئے(۱۰۲) تو اتنی بات طے ہوئی کہ حضور ﷺ کے بیان کی ضرورت ہے اب اگر آپ ﷺ بعینہ وہی حکم بیان کرتے ہیں تو بیان تائید کہلائے گا اور اگر کوئی قصہ مختصر طور پر قرآن میں بیان ہو اور آپ ﷺ نے اسکو مکمل کر دیا تو بیان الحق اور اگر قران میں کوئی حکم عام تھا حضور ﷺ نے تخصیص فرمادی تو بیان ہے اور کوئی حکم مجمل تھا تو حضور ﷺ نے تفسیر فرمادی تو بیان تفسیر ہے"(۱۰۳)

وضاحت کیلئے اسکی مثال اس طرح پیش کی جاسکتی ہے کہ قرآن میں حکم ہے ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ (۱۰۴) "اور مسح کرو اپنے سروں کا" میں اگر لفظ رأس کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ سارے رأس پر مسح فرض ہے اور اگر لفظ مسح کی طرف دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک یا دو انگلیوں کا مسح بھی کافی ہے پھر "باء" داخل ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے رأس، سر کا مسح ضروری نہیں بلکہ بعض راس کا مسح فرض ہے ہم سوچ میں پڑ گئے اب حضور ﷺ کے فعل سے اسکا بیان ہوا ((ومسح بناحیتہ))(۱۰۵) اور اگر قرآن میں کوئی جزیہ بیان ہوا ہے اور آپ ﷺ نے مستنبط کر دیا تو بیان استخراج کہلاتا ہے اور اگر قرآن میں کوئی حکم بیان ہوا ہے اور آپ ﷺ نے اسکی علت بیان کر دی تو یہ بیان تعلیل ہے اور اگر حضور ﷺ نے کسی حکم کی حکمت بیان کی تو بیان توجیہ ہے اور اگر کسی حکم کی مثال بیان کر دی تو بیان تمثیل ہے اور

اگر قرآن میں حکم بیان ہوا اور آپ ﷺ نے اثر مرتب کر دیا تو بیان تاثیر ہے اور اگر قرآن میں کوئی جزئیہ بیان ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے ایک اور جزئیہ بیان کر دیا تو بیان قیاس ہے(۱۰۶)

مندرجہ بالا انداز تحریر اور حوالاجات کی تخریج سے علامہ موصوف کی علمی و تحقیقی ذوق وشوق اور زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر حدیث اور علم حدیث کے ساتھ محبت اور لگاؤ ہے آپ کو دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذوق میں مزید اضافہ فرمائے اور انہیں صحت سے مالا مال فرما کر اسی طرح علم حدیث کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۳) مکمل متن کا اندراج:

اس شرح کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں حدیث مبارکہ کا متن مکمل درج کیا گیا ہے تاکہ طالب حدیث کے فہم وادراک کے لئے کسی اور ماخذ کی طرف یا اصل کتاب کی طرف رجوع کیے بغیر یکجا ہی سارا مفہوم سمجھ لے یقیناً یہ کام احسن اور امت کی بہترین خدمت میں شمار ہوتا ہے۔

(۴) راوی کے متعلق معلومات:

علامہ محمد صدیق کی ایک اور خوبی کہ انہوں نے اس شرح میں سند میں بیان ہونے والے راوی کے بارے میں معلومات مختلف طرق سے اخذ کر کے اپنی شرح کو علمی اور تحقیقی معیار کے مطابق ترتیب دیا ہے چنانچہ نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو باب بدءالوحی میں حدیث نمبر چار کی تشریح میں مذکور راویوں کی تحقیق وضاحت سے کی ہے اسماء کی تحقیق سے قبل حدیث مبارک پیش خدمت ہے:

((حدثنا موسی بن اسمعیل قال اخبرنا ابو انہ قال حدثنا موسی بن ابی عائشہ قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ))(۱۰۷)﴿لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾(۱۰۸)"ہم سے بیان کیا موسیٰ بن اسمعیل نے کہا ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی کہا ہم سے بیان کیا موسیٰ بن ابو عائشہ نے کہا ہم سے بیان کیا سعید بن جبیر نے انہوں نے سنا ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں (اے پیغمبر) جلدی سے وحی کو یاد کر لینے کے لئے اپنی زبان کو نہ ہلایا کرو""۔

اس حدیث مبارکہ کے تحت تحقیق و تشریح میں روایوں کے متعلق علامہ موصوف نے اس طرح معلومات درج کی ہیں چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ ”حدثنا موسی بن اسمعیل: امام بخاری کے استاد ہیں اور آپ کی تاریخ وفات ۲۲۳ھ ہے ابو عوانہ ان کا نام وضاح بن عبد اللہ ہے آپ متوفی ۱۹۴ھ ہیں، موسیٰ بن ابی عائشہ آپ کا اصل نام ابو الحسن ہمدانی کوفی آل جعدہ کے مولیٰ ہیں، سعید بن جبیر اجلہ تابعین میں سے ہیں حجاج بن یوسف نے ان کو ظلماً قتل کیا اس لئے کہ انہوں نے اسکی رائے کے بغیر فتویٰ دیا تھا، ابن عباس آپ صغیر السن مفسر قرآن ہیں بلکہ رئیس المفسرین ہیں حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی ابن عباس کی کل مرویات ۱۶۶۰ ہیں ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر روایت متصل ہے یا مرسل؟ اگر حضور اکرم ﷺ سے سنی تو متصل ورنہ مرسل صحابہ میں سے ہے“(۱۰۹)

(۵) لغوی انداز تشریح:

الخیر الساری کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے حدیث کے الفاظ کی تشریح لغوی اعتبار سے کی ہے اور مشکل الفاظ کی وضاحت لغت کی مدد سے سہل اور عام و فہم انداز میں فرمائی ہے جس طرح مبادیات کی بحث کے اوائل میں سورۃ الضحیٰ میں مذکور رسول اکرم ﷺ کی تین حالتیں اور تینوں حالتوں پر تین انعام کا ذکر فرمایا آیات مبارکہ سابقہ صفحات میں زیر بحث آچکی ہیں۔ لغت کی رو سے تبصرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ”پہلی حالت یتیمی کی ہے اس کے مقابلے میں انعام ٹھکانہ دینا ہے دوسری حالت محتاج ہونا ہے اس کے مقابلے میں غنی کرنا اور تیسری حالت ”ضال“ کی ہے اس کے مقابلے میں انعام ہدایت ہے تو لفظ ”ضالاً“ کی لغوی تفسیر یہ ہے کہ اول راہ کے متلاشی کو ضال کہتے ہیں کہ راہی چلتے چلتے چوراہے پر آجائے پھر کوئی اس کو بتلادے کہ تیرا راستہ یہ اور ثانیاً جنگل میں بیری کا درخت جو اکیلا کھڑا ہو اسے ضال کہتے ہیں یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے یعنی آپ ﷺ کو تنہا پایا پس آپ ﷺ کو راہ نما بنا دیا“(۱۱۰)

(۶) ضرورت علم حدیث کی مدلل وضاحت:

علم حدیث کی اہمیت و افادیت کے بارے میں تو کافی مواد زیر مطالعہ رہا اور مختلف آئمہ حدیث کے اپنے اپنے انداز میں اس کو بیان کیا ہے مگر ضرورت علم حدیث پر اول الذکر موضوع کی نسبت کم مواد موجود ہے اور پھر اس کم مواد میں ملانا محمد صدیق کا اندازہ منفرد اور ہے۔ یہ بات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو وجود اور عقل کی دولت عطا فرمائی ہے اور اشرف المخلوقات بنا کر انسانیت کو تمام کائنات کی مخلوقات کی سرداری کا شرف بخشا ہے اس بات کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ﴾ (۱۱۱) "اور ہم نے بنی آدم کو تکریم سے نوازا" اسی طرح فرمایا ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (۱۱۲) "اور بے شک ہم نے انسان کو احسن انداز میں تخلیق کیا" اسطرح ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (۱۱۳) اور ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (۱۱۴) یہ تمام آیات دلائل عزمت و اشرفیت انسانیت میں انہی دلائل کو جواز بنا کر علامہ موصوف نے ضروت علم حدیث ثابت کی ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

"انسانیت کی اشرفیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس نعمت کا شکریہ ادا کرے اور شکر نعمت کیلئے دیکھا جائے کہ سب سے زیادہ شاکر شکور کون ہے ؟ یہ بات تو عیاں اور مسلم ہے کہ سب سے زیادہ شکور حضور ﷺ کی ذات ہے کیونکہ آپ ﷺ اتنی عبادت کرتے تھے کہ پاؤں سوج جاتے تو شکر کرنے کے لئے آپ ﷺ کے قول و فعل کی اتباع ضروری ہے اور یہ سب کچھ حدیث سے معلوم ہو گا۔ اور انسان کے اندر موجود تین ملکات (۱) علمیہ (۲) شھویہ (۳) غضبیہ ان ملکات کو افراط و تفریط سے بچا کر اعتدال میں رکھنا عدل ہے قوت علمیہ کا اعتدال حکمت ہے قوت شھویہ کا اعتدال عفت ہے قوت غضبیہ کا اعتدال شجاعت ہے توصفت محمود پیدا کرنے لیے ضروری ہے کہ ایسی ذات کی اقتداء کی جائے جس کے اندر ان تینوں چیزوں کا اعتدال ہو اور وہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور اقتداء کے احوال کا علم ہونا ضروری ہے اور یہ احوال واقوال وافعال حدیث سے معلوم ہوں گے لہذا علم حدیث ضروری ہے" (۱۱۵)

(۷) انداز سادہ اور دلنشین:

زیر مطالعہ شرح کا انداز سادہ اور دلنشین ہے عبارت کو اس انداز میں ربط اور تسلسل کے ساتھ تحریر کرتے ہیں اور پچھلی بحث کا تعلق آنے والی بحث سے خوبصورت انداز میں جوڑتے ہیں جس سے صاحب مطالعہ دلچسپی اور شوق کے ساتھ صفحات کا مطالعہ کرتا جاتا ہے جس سے اس کو کوئی تھکان محسوس نہیں ہوتی۔ آسان الفاظ، مختصر

جملے، عبارت میں تناسب اور ترتیب، غیر ضروری الفاظ، محاورات اور اصطلاحات سے پرہیز۔ اس طرح مترادفات کا قلیل استعمال وغیرہ سادہ اور دلنشین اسلوب کی خصوصیات ہیں۔

(۸) لطائف کا استعمال:

اس شرح کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ علامہ موصوف نے لطائف بھی استعمال کر کے بات کو سمجھانے اور واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ چنانچہ کتاب العلم میں باب فضل من علم وعلّم کے تحت بحث فرماتے ہوئے تعلیم و تعلم کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا اور اس ضمن میں آپ نے تین اقسام بیان فرمائی ہیں (۱) وہ جو علم حاصل کر کے عمل کرتے ہیں غور و فکر کر کے مسائل مستنبط نہیں کرتے (۲) دوسرے وہ جو علم حاصل کرتے ہیں عمل کرتے ہیں غور و فکر کر کے مسائل نکالتے ہیں اور (۳) تیسری قسم وہ ہے جو کہ علم کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے گویا علم کی بارش پڑتی ہے تو مسائل کے پودے پھل پھول نکالتے ہیں ان کی مثال فقہاء کی ہے اور یہ اس زمین کی طرح ہیں جو پانی کو چوس کر پھل پھول نکالتی ہے دوسری قسم محدثین کی ہے کہ صرف یاد کر کے آگے پہنچاتے ہیں اسکی مثال وہ زمین ہے جو پانی جمع کر لیتی ہے اور لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

اس بحث سے متصل ہی آپ نے لطیفہ درج کیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ "بعض مرتبہ لطائف کے طور پر مطالعے میں کوئی بات یاد آجاتی ہے کہ کسی گھر والے کے نوکر نے اچھا کھانا تیار کیا اگر وہ نوکر آپکا معتمد علیہ ہے تو آپ فوراً کھا لیتے ہیں تفتیش نہیں کرتے لیکن اگر وہ آپ کا معتمد علیہ نہیں ہے تو آپ ہر چیز کی تفتیش کریں گے یہی مثال فقہاء کی ہے اگر وہ ہمارے لئے قابل اعتماد ہیں تو ہمیں ان کی بات بغیر چوں و چرا کے مان لینی چاہیے" (۱۱۶)

(۹) حالات حاضرہ کا جائزہ:

مولانا صاحب چونکہ عصر حاضر کے محدث ہیں اس لیے ان کی شرح میں حالات حاضرہ کی نشاندہی کی گئی اور بالخصوص دنیا میں جو ہو رہا ہے اس کا ذکر اور اصلاح کی تجاویز کا بھی تذکرہ ہے تو اس بات کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ الخیر الساری فی تشریحات البخاری اس خطہ کے لئے بالعموم اور پاکستانیوں کے لئے بالخصوص کیس تحفہ سے کم نہیں تو ناانصافی نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس شرح کی جلد ثالث میں کتاب مواقیت الصلوٰۃ کی ابتدائی بحث میں حالات

حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیاہے کہ گرمی کی سختی یا سردی کی زیادتی کس وجہ سے ہے اس کے دو سبب بیان فرمائے ہیں(۱) ظاہری (۲) باطنی نتیجہ بحث بیان کرتے ہوئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"ہمارا دعویٰ ہے کہ جب تک اعمال درست نہیں کروگے حالات پر قابو نہیں پاسکوگے ابھی تو ملک عزیز پاکستان میں استغفار، توبہ کرنے والے موجود ہیں سب سے زیادہ وبائیں امریکہ میں واقع ہوتی ہیں سب سے زیادہ خود کشی مغربی جرمنی میں ہوتی ہے روس میں ہر سال فی لاکھ ۱۸ آدمی، امریکہ میں فی لاکھ ۲۱ آدمی اور مغربی جرمنی میں فی لاکھ ۲۳ آدمی خودکشی کرتے ہیں ملک عزیز پاکستان میں ہونے والے فسادات پر طرح طرح کے تبصرے کئے جاتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ فسادات سندھیوں کے تعصب کی وجہ سے ہیں کوئی کچھ بتلاتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ پورا ملک اجتماعی طور پر بے غیرتی دکھلا رہا ہے عورت کی حکمرانی ہے اور عورت کی حکمرانی عذاب ہے۔"(۱۱۷)

(۱۰) فقہی آراء:

شرح زیر مطالعہ میں مسائل کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مصوف نے فقہی آراء کو درج کیا ہے اور ان کے دلائل کی بھی نشاندہی فرمائی ہے اور ترجیحاً رائے کو بھی ذکر کیا ہے نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الحیض باب قرأۃ الرجل فی حجر امرأتہ وھی حائض میں مذکور حدیث کا متن ہے کہ

((حدثنا ابو نعیم الفضل بن دکین سمع ذھیرا عن منصور بن صفیة عن امه حدثته ان عائشه حدثتها ان النبی ﷺ کان یتکی فی حجری و انا حائض ثم یقرأ القرآن))(۱۱۸)"ہم سے ابو نعیم فضل بن دکین نے بیان کیا انہوں نے زہیر سے سنا۔ وہ منصور بن صفیہ سے کہ ان کی ماں نے ان سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی ﷺ میری گود میں سر مبارک رکھ کر قرآن مجید پڑھتے تھے حالانکہ میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی"

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کی تشریح میں علامہ موصوف نے فقہی آراء درج فرمائی ہیں جو درج ذیل ہے:

"احناف کے نزدیک حائضہ عورت غلاف میں لپٹا قرآن اٹھا سکتی ہے حنابلہ بھی احناف کی تائید کرتے ہیں جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کا موقف اس کے خلاف ہے ان کے نزدیک حائضہ قرآن حکیم کے مصحف کو نہیں اٹھا سکتی امام بخاری نے بھی مسئل زیر بحث میں احناف کی تائید فرمائی ہے اور کہا ہے کہ قرآن پاک کو غلاف کے ساتھ اٹھانا جائز ہے تو وہ مرد جس کے سینے میں قرآن ہے

اس کا جسم اس کے غلاف کی مانند ہے تو یہ عورت کو اور عورت اسکو چھو سکتی ہے اور وہ حائضہ عورت کی گود میں قرآن پاک پڑھ سکتا ہے"(۱۱۹)

الخیر الساری بہت ساری خوبیوں سے مزین ہے مگر کچھ نکات ایسے ہیں اگر ان کو مد نظر رکھا جاتا تو اور بھی خوبصورت اور جامع ہو جاتی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حوالہ جات میں بے احتیاطی:

ویسے تو الخیر الساری میں حوالہ جات درج کرنے کا اہتمام ہے مگر کہیں کہیں آیات اور سورۃ کے نام صحیح درج نہیں ہیں مثال کے طور پر الخیر الساری میں جلد اول صفحہ نمبر ۵۸ پر بطور دلیل آیت درج کی گئی جو کہ بہت مشہور آیت مبارکہ ہے ﴿وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ یہ آیت سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۷ ہے مگر الخیر الساری میں آیت نمبر اور سورۃ نمبر درج کرنے کی بجائے بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف ج ۲، ص ۳۸۱ اور سطر ۲ تحریر ہے جو کہ تحقیق کی زبان میں غلطی شمار ہوتی ہے۔

(۲) احادیث کا غیر معرب متن:

الخیر الساری میں احادیث کا متن غیر معرب ہے اور جو کہ عجمی قارئین کے لئے پڑھنا مشکل ہے لہذا اگر متن معرب ہو تا تو یہ شرح زیادہ لوگوں کیلئے مفید بن جاتی اور طالبان حدیث کیلئے ایک بہترین تحفہ ہوتی۔

(۳) دوسرے مسلک کے علماء کی آراء سے اجتناب:

علامہ موصوف کیونکہ خود دیوبند مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اپنی شرح میں بھی صرف علماء دیوبند کی آراء کا ذکر کرتے ہیں اگر دوسرے مکتب فکر کے علماء کی آراء کا تذکرہ بھی کر دیتے تو علمی و تحقیقی اعتبار

سے یہ شرح اور بہتر ہو سکتی تھی اور دیگر مکاتب فکر کیلئے استفادہ آسان ہو سکتا تھا۔ راقم الحروف کی رائے میں آراء کا اختلاف علم میں اضافہ کا باعث بنتا ہے چنانچہ جہاں علامہ محمد صدیق صاحب نے اکابر علماء دیوبند مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا انور شاہ کشمیری کا تذکرہ اور ان کی آراء شامل کی ہیں تو وہاں اگر دوسرے مسلک کے اکابرین کی آراء کا تذکرہ ہوتا تو یہ کام بہتر انداز میں مرتب ہو سکتا تھا۔

الغرض حاصل بحث کے ضمن میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شروح حدیث پر ملتان میں ہونے والا کام واقعتاً اس خطہ کیلئے ایک تحفہ سے کم نہیں ہے اور ان شخصیات کا احسان ہے جنہوں نے اپنے قلم سے علم حدیث کی خدمت کی اللہ تعالیٰ ان کی اس مساعی کو قبول فرمائیں جو وفات پا گئے ہیں ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے اور حیات ہیں ان کو عمر خضر عطا فرما کر مزید دین مبین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

باب چہارم

حوالاجات

۱۔ لویس، معلوف، المنجد، مترجم مولانا سعد حسن خان یوسفی، دارالاشاعت کراچی پاکستان ۱۴۱۲ھ، ص۵۲۰

۲۔ المناوی، محمد عبد الرؤف، علامہ، التوقیف علی مہماۃ التعاریف، دارالفکر دمشق طبع اولی ۱۴۱۰ھ، ص۴۲۷

۳۔ کشمیری، شبیر الحق، علامہ، خیر المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ۱۹۹۹ء، ص۴

۴۔ خیر المفاتیح، ج۱، ص۵

۵۔ ایضاً

۶۔ والضحیٰ: ۹۳:۱۱

۷۔ ایضاً، ص۶

۸۔ ایضاً، ص۷

۹۔ ایضاً، ص۸

۱۰۔ ایضاً، ص۹

۱۱۔ ایضاً، ص۱۰

۱۲۔ ایضاً، ص۱۱

۱۳۔ خیر المفاتیح، ج۱، ص۱۲

۱۴۔ ایضاً، ص۱۴

۱۵۔ ال عمران: ۳: ۳۱

۱۶۔ النساء: ۸۰:۴

۱۷۔ البقرہ:۲: ۴۱

۱۸۔ خیر الفاتیح، ج۱، ص۲۳

۱۹۔ ایضاً، ص۲۵

۲۰۔ ایضاً، ص۲۶

۲۱۔ ایضاً، ص۵۱

۲۲۔ ایضاً، ص۲۴۹

۲۳۔ قاسمی، عبدالقادر، مولانا، تشریحات بخاری، کتب خانہ مجیدیہ ملتان ۱۹۹۰ء، ج۱، ص۸

۲۴۔ ایضاً، ص۱۵

۲۵۔ ایضاً، ص۲۴

۲۶۔ ایضاً، ص۱۹۹

۲۷۔ ایضاً، ج۲، ص ن

۲۸۔ ایضاً، ص ش

۲۹۔ الجامع الصحیح بخاری، حدیث نمبر ۷۶۰

۳۰۔ قاسمی، عبدالقادر، مولانا، تشریحات بخاری، ج۲، ص۲۷۵

۳۱۔ سالجامع البخاری، حدیث نمبر ۱۲۰۱

۳۲۔ تشریحابخاری، ج۳، ص۲۴۰

۳۳۔ الجامع البخاری، حدیث نمبر ۱۸۲۷

۳۴۔ تشریحات بخاری، ج ۳، ص ۸۳۷

۳۵۔ الجامع البخاری، حدیث نمبر ۲۱۰۰

۳۶۔ تشریحات بخاری، ج ۴، ص ۱۲۸

۳۷۔ الجامع البخاری، حدیث نمبر ۲۸۷۲

۳۸۔ الیوسف: ۱۲: ۷

۳۹۔ الجامع البخاریؒ، حدیث نمبر ۳۱۴۲

۴۰۔ الجامع البخاری، حدیث نمبر ۳۱۴۴

۴۱۔ الجامع البخاری، حدیث نمبر ۳۱۴۵

۴۲۔ الجامع البخاری، حدیث نمبر ۳۲۷۹

۴۳۔ الاحزاب: ۳۳: ۴۰

۴۴۔ ال عمران: ۳: ۱۴۴

۴۵۔ الفتح: ۴۸: ۲۹

۴۶۔ الصف: ۶۱: ۶

۴۷۔ الجامع البخاری حدیث نمبر ۳۲۸۰

۴۸۔ تشریحات بخاری، ج ۵، ص ۳۸۴

۴۹۔ ایضاً، ص ۳۸۷

۵۰۔ ایضاً، ص۳۸۶

۵۱۔ ایضاً، ص۶۰۷

۵۲۔ النساء: ۴: ۶۸

۵۳۔ قاسمی، عبدالقادر، مولانا، تشریحات بخاری، کتب خانہ مجیدیہ ملتان ۱۹۹۰ء، ج۶، ص۶۲۱

۵۴۔ صدیق، محمد، مولانا، الخیر الساری فی تشریحات البخاری، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن، ج۱، ص۲۰

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایضاً، ص۱۵

۵۷۔ ایضاً، ص۲۳

۵۸۔ ایضاً، ج۲، ص۱۳

۵۹۔ الاحزاب: ۳۳: ۳۶

۶۰۔ الخیر الساری شرح صحیح بخاری، ج۲، ص۱۳

۶۱۔ النساء: ۴: ۶۵

۶۲۔ الخیر الساری شرح صحیح بخاری، ج۲، ص۱۴

۶۳۔ کشمیری، شبیر الحق، علامہ، خیر المفاتیح، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۹۹ء، ج۱ص۲۰

۶۴۔ الجامع البخاری حدیث نمبر

۶۵۔ الیل: ۹۲: ۴

۶۶۔ خیر المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج۱، ص۱۷۱-۱۷۰

۶۷۔ النحل: ۱۶: ۹۷

۶۸۔ خیر المفاتیح، ج۱، ص۳۴۷

۶۹۔ تبریزی، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت المکتبہ الاسلامی ۱۴۰۰ھ، کتاب الطہارۃ، ص۳۴۷

الخطیب م ۷۳۷ھ

۷۰۔ کشمیری، شبیر الحق، خیر المفاتیح، ادارہ تالیفات، اشرفیہ ملتان، ج۱ ص۳۴۸

۷۱۔ ایضاً، ج۲، ص۵۴۸

۷۲۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب من صلی صلوٰۃ مرتین

۷۳۔ خیر المفاتیح، ج۲، ص۳۲۱-۳۲۰

۷۴۔ ایضاً، ج۲، ص۳۲۰

۷۵۔ صحیح مسلم کتاب البیوع، باب الربوا

۷۶۔ خیر المفاتیح، ج۳، ص۳۳۹

۷۷۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب القبر

۷۸۔ خیر المفاتیح ج۱، ص۲۰۶

۷۹۔ المومن: ۴۰: ۴۶

۸۰۔ ابراہیم: ۱۴: ۲۷

۸۱۔ خیر المفاتیح، ج۱، ص۲۰۷

۸۲۔ ایضاً، ص۲۰۸

۸۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۹۲

۸۴۔ ایضاً، ص ۲۷۹

۸۵۔ الجامع الصحیح بخاری کتاب القبلہ، حدیث نمبر ۴۱۹

۸۶۔ تشریحات بخاری شرح صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۸۷

۸۷۔ الجامع الصحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۷۹۰

۸۸۔ تشریحات بخاری، ج ۲، ص ۴۴۱

۸۹۔ تشریحات بخاری، ج ۲، ص ۴۴۵

۹۰۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۱۶۹

۹۱۔ تشریحات بخاری، ج ۳، ص ۱۲۰ - ۱۲۱

۹۲۔ ایضاً، ج ۵، ص ۷

۹۳۔ الجامع الصحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۱۱۵

۹۴۔ تشریحات بخاری، ج ۷، ص ۱۸۲ - ۱۸۳

۹۵۔ ال عمران: ۳: ۳۳

۹۶۔ الخیر الساری، ج ۱، ص ۲۵

۹۷۔ النحل: ۱۶: ۸۹

۹۸۔ النحل: ۱۶: ۸۹

۹۹۔ الاحقاف: ۴۶: ۲۵

۱۰۰۔ تبریزی، ابو عبداللہ، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، بیروت: المکتبہ، الاسلامی ۱۴۰۵ھ

الخطیب م۷۳۷ھ

۱۰۱۔الحشر: ۵۹: ۷

۱۰۲۔الخیر الساری فی تشریحات البخاری، ج۱، ص۵۸

۱۰۳۔ایضاً، ص۵۹

۱۰۴۔المائدہ: ۵: ٦

۱۰۵۔نسائی، ابو عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، صحیح سنن النسائی، باب الوضوء، دہلی: مطبع مجتبٰی، ج۱، ص۳۰

۱۰٦۔الخیر الساری فی تشریحات البخاری، ج۱، ص۵۹

۱۰۷۔الجامع الصحیح البخاری، باب بدؤالوحی

۱۰۸۔القیامہ: ۷۵: ۱۵

۱۰۹۔الخیر الساری، ج۱، ص۱۵۵

۱۱۰۔ ایضاً، ص۳۳

۱۱۱۔بنی اسرائیل: ۱۷: ۷۰

۱۱۲۔التین: ۹۵: ۵

۱۱۳۔البقرہ: ۲: ۲۹

۱۱۴۔الجاثیہ: ۴۵: ۱۳

۱۱۵۔الخیر الساری، ج۱، ص۳۵

۱۱۶۔ ایضاً، ص۴۰۶

۱۱۷۔ ایضاً، ج۳، ص۴۷۴

۱۱۸۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الحیض، باب قراءة الرجل فی حجر امراته وھی حائض

۱۱۹۔ الخیر الساری، ج۲، ص۳۷۹

باب پنجم

ملتان میں حجیت، تدوین، تراجم وحواشی حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف وتجزیہ

فصل اوّل

حجیت حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف

اسلامی ادب میں حدیث قرآن حکیم کے بعد دوسرا اہم ماخذ قانون ہے اور مسلمانوں میں اس بارے میں الحمد اللہ کوئی اختلاف نہیں کہ سنت کی اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے اور حدیث کو بطور دلیل قبول کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا عنوان پر بحث کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ برصغیر پاک وہند میں ایک طبقہ پیدا ہوا ہے جو حدیث کی حجت کا سرے سے منکر ہے اور اس کو کسی طور شرعی ماخذ ومصدر کی حیثیت سے تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ حدیث کی حجت پر بات کرنا ایسا ہے جیسے سورج کو روشن ثابت کرنا اور یہی بات علم حدیث اور پاکستان میں اسکی خدمت میں یوں بیان ہوئی ہے کہ ''بحیثیت مسلمان احادیث کی حجت پر بحث کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص سورج کے روشن ہونے پر دلائل دینا شروع کردے چنانچہ ایک مسلمان کو کسی طور پر بھی یہ زیبا وجائز نہیں کہ وہ کسی مدعی نبوت سے اس کی نبوت کی دلیل یا معجزہ طلب کرے اس طرح کسی مدعی اسلام کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی کسی بات کی حجیت اور اس کے مطابق قرآن ہونے پر دلیل طلب کرے لیکن دنیا ودنیاوی آسائش ولذت سے متاثر ومرعوب اذہان، اپنی تنعم پسندی طلب شہرت وعزت اور اپنی انفرادی حالت قائم کرنے کیلئے ایسی راہ اختیار کرتے ہیں جو شرعی اصولوں سے ہٹ کر قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر تاریخ اسلام میں کئی ایک فتنے پیدا ہوئے جن کا علماء حق نے جس طرح مقابلہ کیا وہ محتاج بیان نہیں۔''(۱)

اسلام اور اصول اسلام کے خلاف ہونے والے ان فتنوں پر طائرانہ نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی ابتداء رسول اکرم ﷺ کے وصال سے ہی ہوگئی تھی جنکی شکل مندرجہ ذیل انداز میں بیان کی جاسکتی ہے۔

"ایک طبقہ نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا، دوسرے طبقہ نے ایک مدعی نبوت کی پیروی شروع کر دی اور تیسرے طبقہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔"(۲)

جہاں فتنوں کی بات ہوئی ہے وہاں اگر ان کا قلع قمع کرنے والے مجاہدین اسلام کا ذکر نہ ہو تو ناانصافی کی بات ہو گی چنانچہ ان فتنوں کا مقابلہ جانشین نبوت سیدنا صدیق اکبرؓ نے بڑی ثابت قدمی اور جرات و بہادری سے کیا جس کے نتیجہ میں یہ سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اگر اس وقت یہ سازشیں کامیاب ہو جاتیں تو آج مسلمان نہ معلوم کس حال میں ہوتے۔ حضرت ابو بکرؓ کی قائم کردہ عظیم حکمت عملی پر حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت کی بے مثال بنیاد ڈالی۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں پھر ایک بار ان فتنوں کا زور ہوا پھر فقہاء کرام کے دور میں دہریوں کا فتنہ کھڑا ہوا۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے ان کے خلاف علم جہاد بلند کیا امام احمد بن حنبل کے دور میں معتزلہ اور فلاسفہ کی طرف سے خلق قرآن کا فتنہ پیدا ہوا اور اسے تو حکومت وقت کی بھرپور اعانت و حمایت بھی حاصل تھی ان پر گزشتہ ابواب میں بحث ہو چکی ہے کہ ان مجاہدین اسلام و عظیم سپہ سالاران دین نے جس طرح پر آشوب دور میں ان فتنوں کا مقابلہ کیا ان پر ان کو جتنا سلام عقیدت پیش کیا جائے کم ہے "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا" والی بات صادق آتی ہے۔

دین اسلام کے خلاف ان سازشوں اور فتنوں میں سے ایک فتنہ انکار حدیث کی شکل میں برصغیر میں کھلا یہ فتنہ پہلے اس طبقہ نے ظاہر کیا جو انگریز سے مرعوب تھا۔ اسی طبقہ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت و نبوت کی عظمت کو کم کرنے کیلئے جو آراء اختیار کی ان کا خلاصہ یہ ہے۔

"کہ نبی کریم ﷺ بالکل عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے، آپ ﷺ کے معجزات کو سائنسی انداز میں بیان کیا گیا اور عام و معمول کی زندگی سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی گئی اور یہ فتنہ جب پروان چڑھا تو اس نے انکار حدیث کی شکل اختیار کر لی۔"(۳)

اور اسی مضمون کو مولانا مودودیؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

"فتنہ انکار حدیث عالم اسلام میں دوسرے ممالک کی طرح برصغیر پاک و ہند میں بھی اس وقت موجود ہے یہ بھی مرزائیت کی طرح ایک فتنہ ہے کیونکہ مرزائی ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ حقیقت نبوت کا انکار کرتے ہیں آج کل یہ

فتنہ حافظ محمد اسلم جیراج پوری کے شاگرد پرویز بٹالوی (متوفی ۱۹۸۵ء) کی تحریک 'اہل قرآن' کی صورت میں پاکستان میں موجود ہے ان کا ایک ماہنامہ 'طلوع اسلام' بھی نکلتا ہے جس میں سارازور انکار پر ہوتا ہے۔"(۴)

زیر بحث باب میں حجیت حدیث پر قرآنی دلائل پیش کیے جائیں گے اور امت کا حدیث کی حجیت میں کیا عمل رہا ہے اس کو زیر بحث لایا جائیگا اور بالخصوص ملتان کی شخصیات نے جو اس موضوع پر کام کیا ہے اس کا تفصیلاً تعارف اور تجزیہ پیش کیا جائیگا۔ اس موضوع پر سب سے پہلے قرآنی دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسل کا حکم ملتا ہے ان آیات بیّنات سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ کی تکمیل ایمان بالرسول ﷺ سے ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ﴾(۵) "ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اگر تم ایمان لائے اور تقوی اختیار کیا تو تمہارے لیے بدلہ ہے" اور پھر فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾(۶) "اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان قائم رکھو۔" اس کے بعد فرمایا ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾(۷) "تمہارے پاس آیا اللہ کا رسول ﷺ حق کے ساتھ تمہارے رب کی جانب سے پس تم اس پر ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔" اور مزید ارشاد ہوتا ہے ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾(۸) "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کو تین نہ قرار دو" اور ایک اور مقام پر حکم ہوتا ہے کہ ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾(۹) "ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے نبی ﷺ پر جو خود بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔"

ایمان کے معنی علماء نے ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

"هو التصديق بما علم مجيئ الرسول به ضرورة اجمالاً فيما علم اجمالاً وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً"

"جن چیزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے لانے کا واضح طور پر علم ہو جائے اجمالی چیزوں کے اجمالاً اور تفصیلی چیزوں کی تفصیل کے ساتھ تصدیق کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔"

مندرجہ بالا آیات اور علم کی تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے ہر قول، فعل اور تقریر کی تصدیق کرنا ہر ایک انسان کیلئے ایمان کی بنیاد ہے ان کا انکار ایمان کے خلاف ہے اور انکار کی صورت میں انکار کرنے والا ایمان کی

حدود سے خارج ہو جائیگا کیونکہ قرآن حکیم اہل ایمان انہی لوگوں کو تصور کرتا ہے جو اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ پر بھی ایمان رکھتے ہوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ﴾(۱۱)

”بے شک مسلمان تو وہی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں اور جب رسول ﷺ کے پاس ہوتے ہیں آپ کے امر میں تو جب تک اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں“

(۲) عصمت رسول اکرم ﷺ کے بات کرتے ہوئے قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾(۱۲)

”قسم ہے (مطلق) ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے نہ رہ (حق) سے بھٹکے نہ غلط راستہ ہو لیے اور نہ اپنی خواہش نفسانی سے بات کرتے ہیں آپ کا ارشاد تو وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔“

اس آیت مبارکہ کی وضاحت فرماتے ہوئے مولانا ادریس کاندھلوی تحریر کرتے ہیں کہ " جس طرح ستارہ اپنی ایک معین رفتار پر چلتا ہے ذرہ برابر ادھر یا ادھر نہیں ہوتا اس طرح نبی کریم ﷺ آسمان و نبوت کے ورسالت کے ایک ستارے ہیں جو راہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مقرر فرمادی ہے اس سے ذرہ برابر آگے پیچھے نہیں ہو سکتے اور جس طرح ظاہری ستاروں کا نظام محکم ہے اس طرح بلکہ زائد باطنی اور روحانی ستاروں کا نظام محکم ہے"۔(۱۳)

(۳) اطاعت رسول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے بیان فرمایا کہ

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾(۱۴) ”ہم نے رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اسکی اطاعت کی جائے“ اور پھر حکم ہوا کہ ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾(۱۵)”جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی“ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾(۱۶)”اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو جس کے نتیجے میں اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری مغفرت کردے گا۔“

(۴) آپ ﷺ کو ایک کامل نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے قرآن نے اعلان کیا کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱۷) "تحقیق تمہارے لیے رسول ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے" اسوہ کا مفہوم امام راغب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "وھی الحالہ التی یکون الانسان علیھا فی اتباع غیرہ ان حسنا و ان قبیحا" (۱۸) "اسوہ انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی اتباع اور پیروی میں اختیار کرے خواہ وہ حالت اچھی ہو یا بری" اس آیت کی تحت مولانا کاندھلوی تحریر کرتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کو اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ بندوں تک اپنا پیغام پہنچا کر اپنی منصبی فرائض سے فارغ ہو جائیں بلکہ وہ من جانب اللہ امت کے لئے ہادی، مصلح اور مربی بلکہ اسوہ حسنہ بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کا ہر فعل، ہر قول، ہر بیان و سکوت امت کے لئے حجت اور مشعل ہدایت ہو اور اللہ کے بندوں کو معلوم ہو جائے کہ خدا کی اطاعت اس طرح کرو جس طرح نبی ﷺ کو کرتے دیکھتے ہو" (۱۹)

اور حافظ ابن کثیر مندرجہ بالا آیت کی تفسیر یون فرماتے ہیں کہ

"ھذہ الایۃ الکریم کبیر فی بالتاسی برسول اللہ ﷺ فی اقوالہ، وافعالہ واحوالہ ولھذا امر تبارک و تعالی بالتاسی بالنبی ﷺ یوم الاحزاب فی صبرہ و مصابرۃ" (۲۰)

"یہ آیت کریمہ ایک بڑی اصل ہے نبی کریم ﷺ کے اقوال، وافعال اور احوال کی اتباع میں اس لئے اللہ تعالیٰ نے احزاب کے دن مسلمانوں کو نبی کریم و کے ساتھ صبر و استقامت کی اتباع کا حکم دیا۔"

اگرچہ آیت کا شان نزول ایک خاص محل اور واقعہ ہے لیکن یہ حکم محض اس واقعہ کے ساتھ خاص نہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی کے ہر شعبہ و مرحلہ میں آپ ﷺ کی سنت کی اتباع از روئے آیت ہمارے لئے ضروری ہے دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ رب العالمین نے سرکار دو جہاں ﷺ کو ہمارے لئے نمونہ بنایا ہے دوسرے الفاظ میں قرآن حکیم ایک تحریری ضابطہ عمل ہے اور اسکی مکمل عملی صورت رسول مکرم ہادی رحمت ﷺ کی حیات مبارکہ ہے۔

(۵) اس عظیم رسول کی شان میں گستاخی پر ضبط اعمال کی وعید کھلے انداز اور واشگاف الفاظ میں قران نے بیان فرمائی چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے:

﴿یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾(۲۱)

"اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اور ان سے نہ بات کرو اس طرح جس طرح آپس میں بولتے ہو کہیں تمہارے اعمال ضائع بھی نہ ہو جائیں اور تم کو خبر ہی نہ ہو"

اس آیت مبارکہ میں امت کو حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی آوازیں رسول ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی عمر کی نیکیاں جتنی بھی ہو گی سب ضائع کر دی جائیں گیں اور افراد امت کو اس کا احساس تک نہ ہو گا۔ آدمی جب کسی دوسرے شخص کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرتا ہے تو گویا وہ اس کی آواز کو دبا رہا ہے مطلب اس کی بات کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ کم کر رہا ہے آواز کو پست رکھنے کا محض معنی یہ بھی نہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے اونچا بولنے کی ممانعت ہے بلکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی سکی درجہ میں بھی توہین کرنا، آپ ﷺ کے ارشادات کو پس پشت ڈالنا اور ان کی حجیت سے انکار کرنا یہ تمام امور اس آیت مبارکہ کے ضمن میں آتے ہیں کیونکہ آواز اونچی کرنے سے آپ ﷺ کو اذیت پہنچتی ہے اور آپ ﷺ کے احکامات کی حجیت کو تسلیم نہ کرنا بھی آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے کے مترادف ہے۔ اس کی مزید وضاحت علامہ ابن قیم کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے کہ

"فاذا رفع اصواتهم فوق صوته سبباً لحبوط اعمالهم، فکیف تقدیم آرائهم وعقولهم واذواقهم، وسیاستهم ومعارفهم علیٰ ما جاء به ورفعها علیه الیس هذا اولیٰ ان یکون محیطا لاعمالهم"(۲۲)

"جب اپنی آوازیں آپ ﷺ کی آواز سے اونچی کرنا سبب بن سکتا ہے اعمال کی بربادی کا تو کیا اپنی آراء، عقل، تمناؤں، سیاستوں اور معرفتوں کو ان چیزوں پر بلند کرنا جو آپ ﷺ لائے کیا یہ اعمال کے برباد کرنے کا زیادہ بڑا سبب نہیں ہو سکتا؟"

مندرجہ بالا عبارت سے علامہ ابن قیم کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا بظاہر ایک معمولی امر لگتا ہے مگر اسکی سزا بہت بڑی ہے کہ انسانی زندگی کی تمام نیکیاں اچھائیاں اور ان پر عطا کیا ہوا سب اجر و ثواب اسقدر خاموشی اور سرعت کے ساتھ ختم ہو جائیگا کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہو گی۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اپنی عقل کو اپنے ذوق کو، اپنے فہم و فراست کو، اپنی عقل و دانش کو، رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے اعلیٰ خیال کرنا زیادہ بڑا جرم ہے اور یہ سب باتیں بطریق اولیٰ وجہ بن سکتی ہے اعمال کی بربادی کا۔ جہاں اس تحقیق میں ضبط اعمال کی بحث ہو رہی

ہے تو یہ بات اہمیت سے خالی نہیں ہو گی کہ قرآن حکیم میں جن جن جرائم پر ضبط اعمال کی سزا متعین کی گئی ہے ان کی تخریج کر دی جائے چنانچہ (۱) اللہ کے احکام کو ناپسند کرنے پر حکم ہوا ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُم کَرِھُوا مَا اَنزَلَ اللّٰہُ فَاَحبَطَ اَعمَالَھُم﴾ (۲۳) "یہ اس پر کہ انہوں نے پسند نہ کیا جو اتارا اللہ نے پھر برباد کر دیئے ان کے اعمال۔" (۲) اللہ کی ناپسندیدہ راہ پر چلنے پر وعید ہوتی ہے کہ ﴿مَا اَسخَطَ اللّٰہَ وَ کَرِھُوا رِضوَانَہٗ فَاَحبَطَ اَعمَالَھُم﴾ (۲۴)، "یہ اس پر کہ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے اللہ بیزار رہے اور ناپسند کی اس کی خوشی پھر اس نے اکارت کر دیے ان کے اعمال" (۳) مادہ پرستی کی مذمت کرے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِینَ لَیسَ لَھُم فِی الاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِیھَا وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوا یَعمَلُونَ﴾ (۲۵)

"یہی ہیں وہ لوگ جن کا آخرت میں کچھ نہیں سوائے آگ کے اور مٹ گیا جو کیا تھا دنیا میں تباہ و برباد ہوا جو کیا تھا" اور سورہ توبہ میں منافقین کے جرائم کو بیان کر کے ان کو اقوام سابقہ سے تشبیہ دی گئی اور ان کے نفاق واستہزائے دین اسلام پر انہیں سزا کا مستحق قرار دیا ارشاد ربانی ہوا کہ

﴿اُولٰٓئِکَ حَبِطَت اَعمَالُھُم فِی الدُّنیَا وَ الاٰخِرَۃِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الخٰسِرُونَ﴾ (۲۶)

"وہ لوگ مٹ گئے ان کے لئے دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے ہیں نقصان میں" اس طرح سورہ احزاب میں کفر کرنے والوں کے اعمال ضائع ہونے کی وعید آتی ہے حکم ہوتا ہے ﴿اُولٰٓئِکَ لَم یُؤمِنُوا فَاَحبَطَ اللّٰہُ اَعمَالَھُم﴾ (۲۷) اور شرک پر اعمال ختم کرتے ہوئے اعلان ہوا ﴿وَ لَو اَشرَکُوا لَحَبِطَ عَنھُم مَّا کَانُوا یَعمَلُونَ﴾ (۲۸) اور ارتداد پر اعمال ختم ہونے کی بات کرتے ہوئے قرآن نے اعلان کیا کہ ﴿وَ مَن یَّرتَدِد مِنکُم عَن دِینِہٖ فَیَمُت وَ ھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَت اَعمَالُھُم فِی الدُّنیَا وَ الاٰخِرَۃِ﴾ (۲۹)

مندرجہ بالا نصوص کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ ضبط اعمال کی سزا کوئی معمولی سزا نہیں ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے جرائم کی پاداش میں دی جاتی ہے سورۃ محمد میں اس سب مجرمین کو اکٹھا کر کے اعلان کیا گیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدٰی لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْــــًٔا وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَھُمْ﴾(۳۰)

"اور جو لوگ منکر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے اور خلاف ہوئے رسول ﷺ سے اس کے بعد کہ واضح ہو چکی ان پر ہدایت وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ پائیں گے بلکہ ان کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔"

الغرض یہ پتہ چلا کہ آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنا کفر، ارتداد، نفاق اور شرک جیسے جرائم کی طرح عظیم جرم ہے ان تمام جرائم پر ایک ہی سزا ضبط اعمال اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہے رفع صوت کی اس قدر سزا کی علت دراصل یہ ہے کہ یہ موجب ہے ایذاء رسول ﷺ کا اور جو کام بھی موجب ہے رسول اکرم نور مجسم ﷺ کو ایذاء دینے کا اس پر بالاتفاق جتنی بڑی سے بڑی سزا دی جائے کم ہے۔ اس مفہوم کو مولانا مالک کاندھلوی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانا یا ایسی حرکت کرنا جس سے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تکدر واقع ہو اصل ایمان ہی کی بربادی کا باعث ہے جیسا کہ سورہ احزاب میں واضح طور یہ اعلان فرمادیا گیا ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾(۳۱) اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کو اپنی رحمت سے یکسر محروم کر دیتے ہیں اور حق کی ہدایت سے بھی بہت دور کر دیتے ہیں اور شیطان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَلَیْکَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾(۳۲) "تیرے اوپر میری لعنت ہوتی رہے گی قیامت تک"

قیامت تک اسے لعنت خداوندی کا مورد قرار دیکر اپنی رحمت وہدایت سے محروم کر دیا گیا معلوم ہوا جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتے ہیں یا کسی طور سے آپ ﷺ کو قلبی تکدر کا باعث بنتے ہیں دراصل شیطان کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے خدا نے ان کے لیے بھی وہی سزا متعین کی ہے جو خود شیطان کے لئے کی گئی۔"(۳۳)

اور اسی مفہوم کو مولانا ادریس کاندھلوی نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ "منکرین حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جس طبیب روحانی (نبی کریم ﷺ) پر جس طب روحانی (قرآن کریم) کا نزول ہوا اور جس ذات بابرکات پر خدا کا فرشتہ طب روحانی کا صحیفہ لے کر اترا اس طب روحانی کے متعلق اس طبیب روحانی کی کوئی شرح اور تفسیر حجت اور معتبر نہیں اور

ہماری لولی، لنگڑی اور لونجھی عقل جو روحانی حیثیت سے سبل، دق، جزام، مالیخولیا اور سر سام میں مبتلا ہے وہ آیت قرآنیہ کا جو الٹا سلٹا مطلب بیان کر دے وہ سب معتبر و مستند ہے۔"(۳۴)

اس عبارت سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ جیسے کوئی آدمی طب کی کتاب کو صرف زبانی دانی کی بنا پر نہیں سمجھ سکتا اس کو سمجھنے کیلئے کسی طبیب یا ڈاکٹر کی ضرورت ہو گی اس طرح طب روحانی کی کتاب قرآن حکیم محض انسانی مہارت اور زبان پر عبور رکھنے کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آسکتی اس قرآن کو سمجھنے کیلئے حدیث کی طرف رجوع لازم ہے اور حجیت حدیث پر ایمان رکھنا از حد ضروری ہے۔

مندرجہ بالا نصوص اور سلف صالحین کرام کی آراء اور دلائل کی روشنی میں حجیت حدیث سے مراد درج ذیل امور ہیں:

(۱) مسلمانوں کے نزدیک حدیث قرآن مجید کے بعد دوسرا ماخذ قانون ہے۔

(۲) مسلمانوں میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ حدیث (جو رسول ﷺ کے قول، فعل اور سکوت کا نام ہے) کی اتباع ہر مسلمان پر فرض کی ہے اور حدیث کو بطور دلیل قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور جو زندگی کے مختلف معاملات میں حدیث پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔

(۳) قرآن حکیم کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے یعنی اسلام میں پہلا ماخذ قانون قرآن ہے اور دوسرا حدیث نتیجتاً حدیث کے احکام کے تین حقائق ہونگے (۱) یا تو حدیث قرآن کے کسی حکم کی تاکید و تائید کر رہی ہو تو سمجھا جائے گا کہ یہ حکم قرآن و حدیث دونوں میں موجود ہے مثلاً قتل نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، چوری سے پرہیز کرنا اور زنا سے دوری وغیرہ۔(۲) یا حدیث قرآن کے احکام کی تفسیر و تشریح بیان کر رہی ہے مثلاً نماز پڑھنے کا طریقہ، روزہ رکھنے کا انداز، زکوٰۃ ادا کرنے کی مقدار، حج ادا کرنے کا طریقہ اور سزاؤں کے نفاذ کی عملی صورتیں وغیرہ۔(۳) یا حدیث کوئی ایسا حکم بیان کر رہی ہو گی جس کے بارے میں قرآن خاموش ہے مثلاً سونا اور چاندی مردوں کے لیے حرام اور عورتوں کیلئے حلال یا اس قسم کے دوسرے بے شمار احکام(۳۵)

اور مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اسی مضمون کو مزید آسان انداز میں کچھ یوں بیان فرمایا ہے کہ ”سنت مثل قرآن ہے سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایہ قرآن ہے اس لیے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے ہم دونوں کو مقدم و موخر نہیں کر سکتے اور کسی کو ادنیٰ واعلیٰ نہیں قرار دے سکتے دونوں دین کے قیام کے لیے یکساں ضروری ہیں “(۳۶)

مندرجہ بالا گفتگو کے بعد اب ملتان میں حجیت حدیث پر ہونے والے کام کا تعارف و تجزیہ پیش خدمت ہے۔ اس موضوع پر سب سے قبل جن شخصیت کا کام پیش کیا جاتا ہے ان کا نام ہے سید احمد سعید شاہ کاظمی آپ کا تعارف باب دوم میں درج کیا جا چکا ہے۔ اس باب میں آپ کا حجیت حدیث کے موضوع پر کام کا تذکرہ درج کیا جائے گا۔

حجیت حدیث پر بحث علامہ کاظمی کی کتاب مقالات کاظمی جلد اوّل میں قلم بند کی گئی ہے یہ جلد اول پانچ سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے اور کاظمی پبلیشرز ملتان سے شائع ہوتی ہے اس کتاب میں کاظمی صاحب کے تحریر کردہ مضامین کو یکجا کر کے مرتب کیا گیا ہے جنکی اشاعت کی نگرانی استاذ العلماء علامہ غلام رسول سعیدی شاگرد رشید علامہ کاظمی اور صدر مدرس جامعہ نعمانیہ کراچی نے فرمائی ہے اس کتاب میں عقیدہ توحید اور اسکی ضرورت وانسانی زندگی پر توحید کے اثرات پر مفصل گفتگو فرمائی گئی ہے اور اس کے بعد ضرورت نبوت و میلاد النبی ﷺ کو دلائل و قرائن سے ثابت کیا گیا ہے علم حدیث کے میدان میں تاریخ واصول حدیث پر آپ کے تحقیقی کام پر بحث گزشتہ باب میں ذکر کی جا چکی ہے علامہ کاظمی کے مطابق حجیت حدیث سے مراد حدیث رسول ﷺ کا دلیل شرعی ہونا ہے اور اس موضوع پر کلام سے قبل علامہ کاظمی نے حجیت حدیث پر گفتگو سے پہلے ابتدائیہ درج کیا ہے اس میں آپ نے حدیث کو سنت سے تعبیر کر کے اسے دلیل شرعی قرار دیا ہے چنانچہ علامہ کاظمی رقمطراز ہیں کہ ”اس مقالہ کا عنوان حجیت حدیث ہے حدیث سے ہماری مراد رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور حال ہے اس مفہوم کو اس مقالہ میں ہم لفظ سنت سے بھی تعبیر کریں گے اور حجیت سے ہمارا مقصد دلیل شرعی ہونا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا اقوال وافعال اور احوال مبارکہ دلیل شرعی ہیں۔“(۳۷)

اس ابتدائی بحث کے بعد علامہ کاظمی نے انسان کی حیثیت اور اس کا مقصد حیات اور ضروریات انسانی پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی طرف نشاندہی فرمائی ہے کہ قرآن حکیم کی دی ہوئی فکر کے مطابق انسان جسم وروح

کا مجموعہ ہے اور علم و عمل کی صلاحیتوں سے مزین ہے وہ مخلوق خدا ہے یعنی اسے پیدا کیا گیا ہے خود پیدا نہیں ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے اور مخلوق کا ہر فرد اپنے وجود اور بقا میں اپنے خالق کا محتاج ہوتا ہے تمام مخلوقات کی حاجات و ضروریات ان کے حسب حال ہیں جن کا پورا ہونا صرف خالق کائنات کی طرف سے ممکن ہے اور انسانی خاصیتوں پر بات کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:

"انسان کی حاجات اس کے حسب حال دو قسم کی ہیں جسمانی اور روحانی قدرت نے اسکی جسمانی حاجات کیلئے ایک جسمانی مستحکم نظام قائم فرمادیا ہے جس سے اسکی ضروریات پوری ہورہی ہے لیکن روح کی نوعیت جسم سے مختلف ہے اس اختلاف کے باوجود چونکہ جسم و روح مخلوق و محتاج ہونے میں یکساں ہیں اس لیے دونوں کی ضرورت پوری ہونے میں ایسے علم کی طرف محتاج ہونا مساوی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعہ سے اسے معلوم ہو جائے کہ میرا خالق اللہ ہے وہ کون سے فعل پسند کرتا ہے جسے صادر کرکے میں اپنے مقصد تخلیق میں کامیاب ہو کر حقیقی فلاح پاسکوں اور وہ کون سا عمل ہے جس سے وہ ناخوش ہو جائے اور میں حقیقی فلاح سے محروم ہو جاؤں۔"(۳۸)

مذکورہ تمہیدی گفتگو کے بعد علامہ کاظمی نے حجیت حدیث ثابت کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ کون سا طریقہ عمل ہو گا جس کی وجہ سے فوز و فلاح نصیب ہو گی اور وہ کون سا عمل ہو گا جو ناکامی کا باعث بنے گا ۔ظاہر ہے وہ ایک ہی بات ہے انسان رضائے الٰہی کو جانے اور اس پر عمل پیرا ہو۔ یہ بات بھی اٹل ہے کہ اس علم کا حصول اور طریق عمل کا تعین عام انسانوں کے لئے ناممکن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذریعہ نبیؑ کو بنایا اور نبی ﷺ کی ذات قدسیہ اس علم کا سرچشمہ اور اس پر عمل کا معیار قرار دی۔ اس پر مزید قلم کاری فرماتے ہوئے علامہ کاظمی تحریر کرتے ہیں کہ "ان کے پیش نظر اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال اور احوال مبارکہ حجت شرعیہ ہیں ورنہ انسان پر فلاح و بہبود سعادت و نجات اور مقصد تخلیق میں کامیابی کے تمام دروازے ہمیشہ کیلیے بند ہو جائیں گے اور وہ شکوک و شبہات کی ظلمتوں میں حیران و پریشان رہے گا اور ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتا ہوا ہلاکت کے گڑھے میں جاگرے گا۔"(۳۹)

اس پیراگراف میں علامہ کاظمی حجیت حدیث کو اس انداز میں پیش کر رہے ہیں کہ گویا مقصد تخلیق انسانی جو کہ دنیا و آخرت کی کامیابی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾(۴۰) اور یہ کامیابی یہ مومن والی صفات اور

یہ فوز و فلاح اور کامیابی کا مدار سنت مصطفیٰ ﷺ کی حجیت کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے سوا کسی اور طرق سے حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح جو علامہ کاظمی نے جسمانی اور روحانی ضروریات کی بحث کا آغاز فرمایا اس ضمن میں جسمانی و روحانی ضروریات کی بحث کو مکمل کر کے پھر گفتگو کو آگے بڑھایا جائے گا گویا جسمانی ضروریات اس ضمن میں کاظمی صاحب فرماتے ہیں کہ حرف جسمانی ضرورتوں کا پورا ہونا کافی نہیں کیونکہ جسم فانی ہے اسکی ضروریات بھی کافی ہیں اور روح باقی ہے اسکی ضروریات بھی باقی ہیں اس لیے جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی ضروریات کا پورا ہونا از حد ضروری ہے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ اپنے خزائن قدرت سے نازل فرماتا ہے جیسا کے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾(۴۱) لیکن عادت الٰہیہ یہ ہے کہ جو چیز جہاں ہوتی ہے اسکی ضرورت کا استحصال بھی وہیں ہوتا ہے اور روحانی ضروریات کی بابت بات کی جائے تو روح بسیط چیز ہے اسکی حقیقت میں عناصر کا کوئی دخل نہیں روح عالم بالا سے لائی گئی ہے اس لیے لوگوں کے فہم سے دور رہی لوگ اس کے متعلق سوال تو کرتے رہے مگر ان کے ناقص علم کی حدود سے روح کا مقام بہت بلند تھا اس لیے ارشاد ہوا

﴿وَيَسْـــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾(۴۲)

مندرجہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ حقیقت یہ ہے کہ جسم وروح دونوں مخلوق اور محتاج ہونے میں مساوی ہیں اس لیے دونوں کا دائرہ علم و عمل حصول رضائے الٰہی کے نقطہ پر امور مذکورہ کو جاننے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان امور کا علم ہر شخص کو نہیں ہو سکتا اس کے لیے صرف انبیاء علیہ السلام کی ذوات قدسیہ مخصوص کی جاتی ہیں اور فیضان الٰہی کے حصول کی استعداد جس قدر انبیاء علیہ السلام میں پائی جاتی ہے وہ دوسرے انسان میں نہیں پائی جاتی اس لحاظ سے نبی کی ذات عام انسانوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے قرآن حکیم نے اس بات کی طرف کچھ یوں اشارہ فرمایا ہے کہ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾(۴۳)"اللہ خوب جانتا ہے اسکی رسالت کے لیے کون سی ذات موزوں ہے۔"

اور اسی لیے قرآن میں انبیاء علیہ السلام کو برگزیدہ اور مصطفیٰ قرار دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾(۴۴)

اور اسی طرح سورہ العمران میں ارشاد فرمایا کہ

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾(۴۵) ان سب کا برگزیدہ ہونا مذکورہ امور کی روشن دلیل ہے کہ فیضان الٰہی کی استعداد صحیح معنوں میں انبیاء کرام میں ہوتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی سورۃ الاعراف میں فرمایا﴿اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ﴾(۴۶)

مذکورہ آیات کی تشریح میں علامہ کاظمی انبیاء کی شان اور ان کی پاکی و کمال کو اس انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ " ان آیات میں اصطفاء سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صفات ضمیمہ سے بالکل پاک اور خصائل حمیدہ سے مزین فرمایا۔ انبیاء علیہ السلام کا یہ اصطفاء جو قرآن مجید میں جابجا وارد ہوا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ انبیاء علیہ السلام ایسے برگزیدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے تمام قوائے جسمانیہ وروحانیہ مدرکہ محرکہ ظاہرہ وباطنہ سب میں عام انسانوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں ان کے غیر میں یہ کمالات نہیں پائے جاتے البتہ اگر شاذونادر ان کے کسی تتبع میں کمال اتباع کی وجہ سے تبعاً کوئی کمال پایا جائے تو ان کی خصوصیات میں فرق نہیں پڑتا"(۴۷)

یہ وصف و کمال اور انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیات ان کو عام لوگوں سے ممتاز کر دیتی ہیں کیونکہ انبیاء علیہ السلام کے حواس بھی اعلیٰ ارفع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قوت بصری کو اتنا قوی فرمادیا کہ ملکوت اسمٰوت و الارض کا انہوں نے مشاہدہ کیا قرآن حکیم نے اس مشاہدہ کو یوں بیان فرمایا ہے

﴿وَ کَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾(۴۸) اور پیغمبر کی قوت سماعت کا عالم قرآن کے اس انداز میں بیان فرمایا کہ قرآن میں نملہ کا قول مذکور ہے اس کو سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے رد عمل متعلق ارشاد ہوتا ہے﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا﴾(۴۹) سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن لی اور تبسم فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عام آدمیوں کی قوت سماعت اور ہے اور نبی کی اور ہے اسطرح انبیاء کا حاسئہ شعم بھی انہیں اپنے غیر سے ممتاز کرتا ہے۔ سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا مقولہ بیان فرمایا ہے انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ﴿اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ھٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا﴾ (۵۰) "یہ میری قمیض لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پہ ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے" جب قافلہ روانہ ہوا تو یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام بولے ﴿اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ﴾ (۵۱) "میں یوسف کی بو محسوس کرتا ہوں" یہ حال انبیاء علیہ السلام کی

قوت لامسہ کا ہے جس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام پہ نار کا بردو سلام بنا دیا ارشاد فرمایا﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ﴾(۵۲) قرآن حکیم کی روشنی میں اور بالخصوص مندرجہ بالا آیات کی تشریح تفسیر بیان کرنے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام قوت سمع، قوت بصیر، قوت لامسہ، قوت شافہ اور قوت حافظہ میں غیر نبی سے بہت ہی زیادہ صفات کے حامل ہوتے ہیں اور اس کے آگے چلیں تو نبی کی روح اور روح کی طاقت اور پاکیزگی کو علامہ کاظمی اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ "کمال ذکاوت وفطانت حریت واستعلا اور ترفع عن الجمانیات والشہوات اس نفس قدسیئہ نبویہ کے لوازمات سے ہیں۔ نبی علیہ السلام کی روح جب صفاو شرف کے انتہائی مقام پر ہوئی اور اس کا بدن غایت پاکیزگی اور طہارت کے درجہ میں ہوا تو لامحالہ اس کے تمام قوائے محرکہ ومدرکہ کمال میں ہوں گے کیونکہ اس تقدیر پر وہ ان انوار کے قائم مقام قرار پائیں گے جن کا فیضان روح کے جوہر سے ہوتا ہے اور بدن تک پہنچتے ہیں ایسی صورت میں فاعل و قابل یعنی جسم وروح صفاء کے انتہائی درجہ میں ہونگے ان کمالات کو معجزہ قرار دیا جانا ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ وہ ایک کمال عظیم ہے اور کوئی کمال کسی کو اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک اس میں اس کمال کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد نہ ہو"(۵۳)

اس تمہیدی بحث کے بعد علامہ کاظمی نے باقاعدہ طور پر حجیت حدیث پر گفتگو کا آغاز کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ حجیت حدیث کا دارومدار رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور کامل اتباع پر ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں حکم ہوا ہے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(۵۴) اتباع اور اطاعت سے مراد یہ ہے کہ کسی کی تعظیم وتوقیر کے ساتھ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے اقوال وافعال کی پیروی کی جائے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی اتباع واطاعت رسول ﷺ مومنوں پر فرض فرمائی اور اس اتباع کو خدا کی محبت کے لئے شرط لازم قرار دیا ہے خدا کی محبت دین کی روح اور ایمان کا خلاصہ ہے لہذا اسکی شرط بھی اس کے لائق دین میں اہم قرار پائے گی اس سے معلوم ہوا کہ رسولوں پر ایمان لانا اس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کی کامل اتباع اور اطاعت نہ کی جائے تو اس کیلئے حدیث کو بطور دلیل شرعی ماننا ایمان کا جزو لازم ہے اور آیات قرآنی اور سلف صالحین کے افکار سے یہ مدعا قطعی طور پر ثابت ہے۔(۵۵)

چنانچہ علامہ کاظمی نے حجیت حدیث کو پہلے نمبر پر آیات قرآنی سے ثابت کیا ہے اور دنیاوی و آخری فوز و فلاح کیلئے حدیث پر عمل کو لازمی اور بنیادی مقام قرار دیتے ہوئے جنت میں جانے اور فوز عظیم حاصل کرنے کا ماخذ قرار دیا ہے اور اطاعت رسول ﷺ کے بغیر کو باطل قرار دیا ہے ان سب افکار میں دلیل کے طور پر قرآنی آیات پیش کی ہیں۔ اطاعت رسول ﷺ کی فرضیت کو ثابت کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں کہ

”ان کے علاوہ بے شمار آیات قرآنیہ ہیں جن سے اطاعت رسول کی فرضیت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ سابقاً معلوم ہو چکا ہے کہ اتباع اور اطاعت ہمیشہ قول و فعل میں ہوتی ہے اگر رسول ﷺ کا قول و فعل حجت شرعیہ نہ ہو تو آپ کی اتباع و اطاعت کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی لہذا اس بات کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا قول فعل یعنی حدیث شرعاً حجت ہے“(۵۶)

قرآن سے دلائل حجیت حدیث ثابت کرنے کے بعد علامہ کاظمی نے اطاعت رسول کو ایک مستقل حیثیت قرار دیا ہے اور حدیث کی حجیت تسلیم نہ کرنے والوں کے شبہات اور ان کے شافی و کافی جوابات جدید انداز میں تحریر فرماتے ہیں اس ضمن میں علامہ کاظمی نے رسول ﷺ کی بشری حیثیت اور رسالت کی حیثیت بشریت ور سالت کے عنوان سے واضح طور پر مفصل انداز میں بیان کیا ہے ”رسول ﷺ کی بشری حیثیت اور رسالت کی حیثیت میں فرق کرنے والوں کو مدلل و مفصل انداز میں جواب دیا ہے کہ دونوں صورتوں میں قول رسول ﷺ کی حجت باقی رہی کیونکہ وہ بشری حیثیت رکھنے کے باوجود بھی اللہ کے رسول ﷺ ہیں“۔(۵۷)

جہاں علامہ کاظمی نے حجیت حدیث کو بطور دلیل اسلامی ماننے اور اس پر مکمل ایمان اور اتباع پر زور دیا ہے وہاں انہوں نے مخالفین سنت کے ذہنوں میں ابھرنے والے تمام اشکالات و شبہات کو درج بھی کیا ہے اور ان کے بالترتیب علمی و عقلی جوابات بھی تحریر فرمائے ہیں جنکی تفصیل انشاء اللہ تجزیاتی مطالعہ کی فصل میں پیش کی جائے گی جس سے علامہ کاظمی کی اس علمی کاوش کو مزید موثر انداز اں واضح کیا جائے کیونکہ یہاں صرف تعارف درج کیا جا رہا ہے۔

علامہ کاظمی نے حجیت حدیث کے اثبات میں وہ آیات جن کو بنیاد بنا کر مخالفین نے حدیث کو شریعت میں حجت ماننے سے انکار کیا ہے ان پر بحث کی ہے اور آیات کو مع متن درج کیا ہے اور ان پر مفسرین کی آراء مع حوالہ درج کی

ہیں اور ان سے احکامات اخذ کر کے امت کی رہنمائی اس انداز میں فرمائی ہے کہ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾ (۵۸) کا اصل مفہوم و معانی نبی اکرم ﷺ کی لغزش اور معاتبہ الٰہیہ کا ثبوت نہیں اس آیت میں رسول ﷺ کی سرزنش نہیں ہے بلکہ سیاق و سباق پر غور کریں تو یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ محبت آمیز خطاب ہے جو بصورت عتاب نازل ہوا۔ نبی وہ واحد ذات مقدسہ ہیں جو وصف نبوت متصف ہے قرآن مجید کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ وہ وصف نبوت قرب الٰہی محبوبیت ایزدی، کمال عبدیت، صدیقیت اور صالحیت عظمٰی کا منتہٰی ہے بلکہ بنی نوع انسان کے لئے اس سے زیادہ عظمت اور کرامت کا کوئی درجہ نہیں اگر کسی برائی کے ارتکاب پر سرزنش کرنا اور عتاب فرمانا مقصود ہوتا تو اس کا آغاز یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ سے نہ کیا جاتا کیونکہ اس تقدیر پر اللہ کا کلام ایسا ہو جائے گا جیسا کہ ایک مالک اپنے سرکش غلام اور بے ادب نوکر کو اسکی کی بے ادبی پر اور نافرمانی پر سرزنش کرتے ہوئے کہے " اے میرے مکرم و محترم فرمانبردار محبوب، مہذب و مؤدب غلام تو نہایت سرکش اور بدتمیز ہے تجھے کیا حق ہے کہ تو دوسروں کی وجہ سے میرے احکام کی خلاف ورزی کرے۔" (۵۹)

اور راقم الحروف کے نزدیک علامہ کاظمی کے اس موقف کی وضاحت کرنا لازمی ہے اور اس آیت پاک کی تشریح بعینہ مزاج شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہے کہ یہ لقب جس سے پکارا اللہ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو وہ محبت بھرا ہے نہ کہ سرزنش والا چنانچہ حجیت حدیث ثابت کرنے کا انداز ملتان کے حوالے سے علامہ کاظمی الگ اور اچھوتا رنگ رکھتے ہیں اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔ (آمین)

اس کے علاوہ جن جن احکامات کے بارے میں مخالفین حدیث عقلی اور نقلی نقد کرتے ہیں علامہ کاظمی نے ان احکام کی انفرادی و اجتماعی طور پر نشاندہی کر کے اس کے اثبات کے علمی جوابات تحریر فرمائے ہیں جن میں رجم کی سزا ہے اس کو مخالفین نے خلاف قرآن کہہ کر سنت کی شرعی حیثیت کو کمزور کرنے کی کوشش کر کے حجیت حدیث کا انکار کیا ہے اور رجم کی سزا کو زائد اعلیٰ قرآن کہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ علامہ کاظمی کی اس کاوش میں مخالفین حدیث و سنت کے شکوک و شبہات کا علمی طور پر ازالہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ علامہ کاظمی کے اس علمی ذخیرے میں ایک اور اہم نکتہ یہ بھی ملتا ہے کہ آپ نے احادیث مختلفہ میں تطبیق کیلئے اہم اصول و قوائد کا ذکر بھی حجیت حدیث کے ساتھ ملا کر بحث کی ہے یہ انداز بھی الگ رنگ رکھتا ہے ملتان میں خدمت علم حدیث کے حوالے سے اسی طرح ایک اور شبہ مخالفین کا کہ ذخیر احادیث پیغمبر کے زمانہ سے دو

سو سال بعد جمع ہوا اس کا ذکر اور اس شبہ کا مدلل انداز میں جواب دیا گیا ہے ایک مرتبہ پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علامہ کاظمی کی روح کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے۔

حجیت حدیث پر دوسری شخصیت کا نام مفتی محمد عبداللہ ہے۔ حجیت حدیث پر آپ کی خدمات سے قبل آپ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کا پورا نام مفتی محمد بن عبداللہ بن اللہ بخش رانا ہے آپ ۱۹۳۸ء، شجاع آباد ملتان میں پیدا ہوئے آپ کی عمر ابھی دو سال تھی کہ والدہ محترمہ وفات پا گئیں تو آپ کی پرورش آپ کی بڑی بہن نے کی آپ نے شجاعباد میں ہی امام مسجد مولانا الٰہی بخش سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قرآن حکیم کے پانچ پارے حفظ کیے تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں ۵۴-۱۹۵۳ء میں جلال پور پیر والا دارالحدیث محمدیہ میں صرف ونحو اور فارسی گلستان، بوستان، فقہ، قدوری، منطق کی کتب پڑھیں اور مشکوٰہ المصابیح شرح نخبۃ الفکر اور مرقات استاذیم شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاحب سے پڑھیں اس کے بعد ملتان کے دارالحدیث محمدیہ میں ایسا غوجی، قال اقول، فصول اکبری، کافیہ، شافیہ، سنن نسائی وغیرہ کتب مولانا عبدالرحمٰن لکھوی مولانا شمس الحق ملتانی اور مولانا عبدالعزیز عالمگیری سے پڑھیں۔ اس کے بعد کراچی کے جامع العلوم السعودیہ میں اصول الشاشی، شرح الوقایہ، شرح التہذیب وغیرہ کتب پڑھیں اور کافیہ تلخیص المفتاح، سنن ابن ماجہ شیخ النقولات والمعقولات مولانا حاکم علی دہلوی سے پڑھیں۔ ۵۸-۱۹۵۷ میں الجامعۃ السلفیہ فیصل آباد میں ہدایۃ اولین، قطبی، مختصر المعانی، نورالانوار مولانا شریف اللہ خان اور دیوان المتنبی والحماشۃ، جامع ترمذی شیخ الادب مولانا محمد عبدہ اور شرح جامی، شرح نخبۃ الفکر مولانا محمد اسحٰق چیمہ اور شرح ابن عقیل مولانا محمد صدیق کریالوی اور سنن ابی داؤد حافظ محمد محدث گوندلوی سے پڑھیں اور اسی سال دورہ تفسیر القرآن مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی سے کیا۔(٦٠)

ملتان میں آمد اور تعلیمی وتدریسی خدمات:

مولانا محمد بن عبداللہ ۱۹۶۱ء میں علوم اسلامیہ کی تکمیل کے بعد آپ کو مولانا عبدالعزیز ملتانی مہتمم مدرسہ محمدیہ ملتان اور مولانا محمد عبدالرشید صدیقی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ملتان کی دعوت پر جامعہ محمدیہ ملتان میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ، مسلم شریف، تاریخ الادب العربی، ترجمہ القرآن بعد ازیں السید مولانا محمد

داؤد غزنوی امیر مرکزی جمیعت اہلحدیث پاکستان اور مولانا اسمعیل سلفی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے الجامعہ السلفیہ فیصل آباد میں ترجمہ القرآن فصول اکبری، قطبی اور دیگر کتب صرف ونحو پڑھائیں اور ادارہ کی طرف سے شیخ التفسیر ونحو وصرف کا اعزاز دیا گیا اس کے بعد آپ اپنے علاقہ شجاعباد میں تشریف لائے اور وہاں مدرسہ دارالعلوم محمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور عید گاہ شجاعباد ضلع ملتان میں ۱۹۶۱ء سے تاحال درس حدیث دے رہے ہیں اس حوالے سے آپ جامعہ دارالحدیث رحمانیہ ملتان اور محترم محمد شریف چنگوانی مدیر عام مرکز ابن القاسم الاسلامی کی دعوت پر ان کے مقتدرہ ادارہ میں تدریسی وتبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائیں۔ تبلیغی اور تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے قلمی خدمات بھی سرانجام دی ہیں جامعہ السلفیہ اسلام آباد سے آج تک اگر فتاوٰی بھی جاری ہوئے اور علمی مضامین بھی مختلف رسائل اور بالخصوص ہفت روزہ اخبارات اور کتب بھی تالیف فرمائیں ہیں جن میں تاریخ اہل حدیث ومقلدین، الحیاۃ البرزخیہ، عدم سماع موتی، اصحاب رضوان فی مراۃ القرآن اور حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت قابل ذکر ہیں اس کے ساتھ آپ آج بھی انتظامی حوالے سے مرکزی جمیعت اہل حدیث کے مرکزی امیر شجاعباد ٹاؤن ہیں۔(۶۱)

مفتی محمد بن عبداللہ کے حالات زندگی مختصر بیان کرنے کے بعد حجیت حدیث کے میدان میں تحریر کردہ کتاب کا تعارف پیش خدمت ہے۔ آپ کی کتاب کا پورا نام "حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت" ہے اس کتاب کے ایک سو اٹھارہ صفحات ہیں اور یہ کتاب س۲۰۰۸ء میں ادارہ اشاعت القرآن والحدیث حجازی ہاؤس محلہ محمدی گلی نمبر اسمیجہ آباد سے شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب ابواب بندی کی تقسیم کے بغیر مضامین کی ترتیب کے مطابق تحریر کی گئی ہے اور اس تالیف میں آغاز کے مضامین میں ضرورت رسالت اور انبیاء علیہ السلام کی دعوت کی تفصیلات درج کی گئی ہیں اور اس بات کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت علامت ایمان ہے اور اتباع رسول ﷺ اسلامی ادب میں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اسی اتباع رسول ﷺ کا نصوص سے ثابت ہونا دلیل بنتی ہے کہ حدیث شرعی احکام میں حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد مولف نے چوہدری پرویز کا تعارف پیش کیا ہے اور اسکی ابتداء ہی حدیث کے انکار کرنے والوں سے ہی کی ہے چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں کہ "پرویز صاحب سرکاری ملازم

رہے قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں دہلی سے کراچی منتقل ہوئے اور ماہنامہ طلوع اسلام کو اپنے افکار کی اشاعت کیلیے مختص کیا۔ ۱۹۵۵ میں پنشن ملی بعد ازاں کراچی سے لاہور گلبرگ میں رہائش اختیار کی اور ۱۹۸۲ء میں ۸۲ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔"(۶۲)

پرویز اور پرویزیت کا تعارف موصوف نے شروع سے ہی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ یہ ایسا آدمی ہے جس کی تربیت ایک پنڈت نے کی ہے اور پنڈت سے متاثر ہو کر پرویز صاحب نے خود کو نو مسلم قرار دیا ہے تو راقم الحروف نے اس کی تحقیق کے لئے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا تو مفتی محمد بن عبد اللہ کی بات کی تصدیق ہوئی اور واقعی درج ذیل واقعہ ذوق مطالعہ میں آیا کہ غلام احمد پرویز خود تحریر کرتے ہیں کہ

"میں نئی دہلی میں تھا وہاں بنگلور کا ایک پنڈت گیتا پر لیکچر دینے کیلیے آیا وہ فلسفہ کا استاد تھا اور سنسکرت کے علاوہ اسے مغربی علوم پر بھی کافی عبور حاصل تھا میں اس کے لیکچروں میں جاتا اور علیحدگی میں بھی اس سے باتیں کرتا رہا ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ اپنی قیام گاہ سے اٹھ کر میرے ہاں چلا آیا اس نے مجھ سے قرآن کے معارف سمجھنے شروع کیے اور میں انکی گیتا پڑھنے لگا اور اا س کے ساتھ ہی میں اس کے زیر ہدایت یوگ کی مشقیں بھی شروع کر دیں قریب چھ ماہ بعد وہ اپنی گیتا کی مورتی اور کنگ نما ساز بطور تحفہ دے کر یہ ہدایت فرما کر تشریف لے گیا کہ شملہ کی فلاں سمادھی میں نے جایا کرو اور میں نے اس سمادھی میں جانا شروع کر دیا"(۶۳) اور دوسرے مقام پر مزید رقمطراز ہیں کہ "ان حالات میں میرے دل میں اس قسم کے شکوک ابھر رہے تھے میرے قلب و دماغ کی یہ اضطراری کیفیت برسوں تک رہی تا آنکہ مجھے بعد از ملازمت لاہور آنا پڑا اس فضا میں مجھے زیادہ آزادی سے سوچنے کا موقع ملا لاہور کی نسبتاً آزاد فضا میں میرے دل میں تجسس کا جذبہ پیدا ہوا کہ معلوم کیا جائے کہ حقیقی اسلام اور عجمی اسلام میں کیا فرق ہے سابقہ معتقدات میں سے کسی پر بھی میرا یقین نہیں رہا تھا اور اس حیثیت سے میں اپنے آپ کو "نو مسلم" کہا کرتا ہوں اور قرآن سمجھنے کیلیے مجھے سب کچھ خود ہی کرنا ہو گا جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے یہ راستہ دور دراز تھا اور دشوار گزار بھی جیسے مجھے بلا رفیق و زمیل تن تنہا طے کرنا تھا۔"(۶۴)

مفتی موصوف نے پرویز صاحب کی ان دو عبارتوں جو ان کی کتاب شاہکار رسالت میں درج ہیں بنیاد بنا کر خوب تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان کے جواب میں دو آیات قرآنی پیش کی ہیں۔

(۱)﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾(۶۵)

(۲) ﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (۶۶)

مزید اس یارانہ کو مفتی موصوف نے پنڈت کی چالاکی اور پرویز صاحب کی کم فہمی کا نام دیتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں کہ "پنڈت ہاتھ رکھ گئے ہیں پرویز صاحب سے قرآن فہمی تو صرف یاری لگانے کے لیے ایک ذریعہ بنایا ورنہ پنڈت کو تو قرآن سے کوئی محبت نہ تھی اور نہ ہوگی پس ایک دانہ ڈال کر چلتے بنے اور پرویز صاحب کو مغربی علوم کا دالدادہ بنا گئے۔ (۶۷)"

زیر مطالعہ کتاب میں مولف نے پرویز صاحب کے تمام اشکالات اور شبہات کا تسلی بخش جواب تحریر کیا ہے اور حدیث کی اقسام وعلم، حدیث سے متعلقہ اصطلاحات اور بالخصوص حدیث رسول کی دائمی حیثیت کو ثابت کر کے حدیث پر عمل پیرا ہونے کو امت مسلمہ کی وحدت کیلئے ضروری قرار دیا ہے ورنہ امت کا ایک ہونا مشکل بلکہ ناممکن قرار دیا ہے کیونکہ سرور کائنات فخر موجودات جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہی ایسی اہم ذات ہیں جن پر تمام امت وحدت کی شکل میں ایک پلیٹ فارم پر اکھٹی ہو سکتی ہے۔ الغرض یہ کتاب طلباء حدیث واساتذہ حدیث اور ہر اس آدمی کیلئے ایک تحفہ ہے جو علم حدیث کے مطالعہ کا ذوق وشوق رکھتا ہے اور دعا ہے اللہ تعالیٰ مفتی محمد عبد اللہ شجاعبادی کو مزید علم حدیث کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حجیت حدیث پر کام کرنے والی ایک اور شخصیت کا نام مولانا فیض احمد صاحب ہیں آپ کے حالات زندگی باب دوئم تاریخ حدیث کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں اس باب میں آپ نے جو کام حجیت حدیث کے میدان میں کیا ہے اس کا تعارف درج کیا جاتا ہے۔ آپ کی کتاب کا نام "المسائل والدلائل" ہے یہ کتاب مکتبہ حقانیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے اس کتاب کے پانچ سو پچاسی صفحات ہیں اس کتاب میں علم حدیث سے متعلقہ تمام امور زیر بحث لائے گئے مگر اس باب میں حجیت حدیث کی بحث کی جائے گی اور اس موضوع پر آپ کے عقلی ونقلی دلائل کا تعارف بیان کیا جائے گا۔ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے مولانا فیض احمد نے نبی اور دوسرے انسانوں میں فرق پر بحث کی ہے کہ نبی ہوتا تو انسان ہی ہے نبی اور دوسرے انسان میں وحی کے فرق کا یہ معنیٰ جو عام طور پر سننے کو ملتا ہے کہ وحی کے علاوہ سب صفات باقی انسانوں کے برابر ہوتی ہیں یہ بھی غلط ہے اس تصور کو مولانا فیض احمد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ

"الغرض نبی علیہ السلام بے شک انسان ہوتا ہے نبی اور دوسرے انسانوں میں وحی کا فرق ہوتا ہے مگر اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام وحی پانے کا علاوہ باقی تمام اوصاف، عیوب و کمالات میں دوسرے ابنائے جنس کے برابر ہوتا ہے۔ یہ کہنا تو ایسا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ عالم و جاہل میں صرف علم کا فرق ہے دوسرے اوصاف مثلاً عقل، تہذیب، اخلاق، سلیقہ رائے، حکمت و دانائی میں دونوں یکساں ہیں حالانکہ علم و جہل کے فرق سے ان کے درمیان علم و جہل کے سینکڑوں لوازم و خصائص کا امتیاز تسلیم کرنا پڑتا ہے اس طرح نبی اور غیر نبی میں وحی و رسالت کے فرق سے وحی و نبوت کے سینکڑوں لوازم و خصائص اور اوصاف کا امتیاز ماننا پڑے گا۔ انبیاء علیہ السلام اپنی تخلیق میں، تربیت و تزکیہ میں، فہم و عقل میں علم و معرفت میں پھر حق تعالیٰ کی اطاعت و عباد میں تمام کائنات سے بلند و بالا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ خود انہیں چن کر پسند کرتے ہیں اور انہیں نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتے ہیں وہ خدا کے مصطفیٰ، مجتبیٰ، مرتضیٰ اور صالح بندے ہوتے ہیں۔" (۶۸) نبی ﷺ کی سنت کو حجت ثابت کرتے ہوئے مولانا نے دوسرے مقام پر اس مضمون کو اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "انبیاء علیہ السلام اپنے پرودگار کی نافرمانی سے معصوم اور ان کا دامن معصیت کے داغ دھبوں سے پاک و صاف ہوتا ہے ان کا قلب سلیم اور دل منور ہوتا ہے وہ اپنی خداداد بصیرت و حکمت سے حق و باطل خیر و شر میں ایک نظر فیصلہ کر لیتے ہیں وہ ہر آن ہر لحظہ خود صراطِ مستقیم پر قائم اور دوسروں کو اس پر قائم رہنے کی دعوت دیتے اور تلقین تعلیم فرماتے رہتے ہیں اس لیے خداوند قدوس نے ان حضرات کو امت کیلئے "مطاع مطلق" اور ان کے قول و عمل کو "دلیل شریعت" اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کو "اسوہ حسنہ" قرار دیا ہے۔"(۶۹)

اس بحث کے بعد مولانا فیض احمد نے حدیث کی حجت کو قرآن حکیم کی روشنی میں بیان فرمایا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی سنت کو اطاعت کامل کا درجہ دیتے ہوئے مدعیان عمل بالقرآن کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے التماس کیا ہے کہ وہ آیات قرآنی پڑھ کر ان پر غور و فکر فرمائیں اور اپنے نظریے کی نظر ثانی فرمائیں اوازراہ انصاف دیکھیں کہ قرآن حکیم کی کس قدر صراحت اور وضاحت کے ساتھ حدیث نبوی ﷺ کی شان تشریعی پر دلالت کر رہا ہیں نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (۷۰)

"حقیقت میں اللہ نے اہل ایمان پر احسان کیا جب کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک عظیم الشان رسول ﷺ بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

مذکورہ آیت قرآنیہ میں رسول ﷺ کی مندرجہ ذیل شانیں مذکور ہیں:

(اَ) "تلاوت آیات" (اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے خود سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔

(ب) "تزکیہ نفوس" (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک ومعصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے حضور اکرم ﷺ کی صحبت قلبی توجہ وتصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی ہے۔

(ت) "تعلیم کتاب" (کتاب اللہ کی مراد بتانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع پر آتی تھی مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحاب کرام کو کوئی اشکال پیش آیا اس وقت آپ کتاب اللہ کی اصلی مراد جو قرائن (وغیرہ) سے متعین ہوتی تھی بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرمادیتے تھے۔

(ث) "تعلیم حکمت" (حکمت ودانائی کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن حکیم کے عام معنی اسرار ولطائف اور شریعت کی دقیق وعمیق علل پر مطلع کرنا خواہ تصریحاً یا اشارۃً (۷۱)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان "نامہ بر" کی سی نہیں کہ صرف خدا کا پیام اس کے بندوں تک پہنچا دیں اور بس بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس پیام خداوندی کے معنی ومفہوم کا متعین کرنا اور اس کے مطابق امت کی تربیت کرنا ان کا تزکیہ کرنا، ان کو سنوارنا اور ان کو قرب خداوندی کا مستحق بنانا بھی رسول اللہ ﷺ کی شان ہے تو گویا فرمان خداوندی ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (۷۲) "ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں" میں قرآن حکیم کے الفاظ ومعانی کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس وعدہ کے ایک جزو یعنی "حفاظت معانی" کا ایفاء تعلیم نبوی ﷺ اور حدیث نبوی کی صورت میں کیا گیا ہے تو حدیث کا انکار کرنا معانی قرآن کے انکار کرنے کے ہم معنی ہوا۔ نتیجتاً علامہ فیض احمد نے تحریر کیا ہے کہ واضح ہوا حضور اقدس ﷺ کتاب کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے اور حکمت ایسا ملکہ ہے

ایسا نور ہے جس سے دل منور و چمکدار ہو جاتے ہیں اور یہی وہ نور الٰہی ہے جو جد وجہد و سعی و محنت سے نہیں بلکہ محض حق تعالیٰ کی محبت اور عطاو بخشش سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام حکمت ہے پھر جس طرح اس ربانی فہم اور نورانی عقل پر حکمت کا اطلاق ہوتا ہے اس طرح اس قوت حکمت کے آثار و نتائج اور اس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ (۷۳) "اور واقعی دی ہم نے لقمٰنؑ کو حکمت" اور اس کے بعد اس حکمت کی تشریح ذیل کی تعلیمات سے کی گئی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، شرک کی ممانعت، والدین کی خدمت، نیک لوگوں کی پیروی، خدا تعالیٰ کا ہمہ گیر علم، نماز، صبر، فخر و غرور کی ممانعت، میانہ روی، آہستہ بولنا۔

حجیت حدیث پر بحث کرتے ہوئے مولانا فیض احمد نے حدیث نبوی ﷺ کا مقام غیروں کی نظر میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ اغیار اس ادب حدیث کو کن نظروں سے دیکھتے ہیں اور ان کا ذخیرہ حدیث کے بارے میں کیا خیال ہے اس عنوان کے تحت آپ نے غیر مسلم سکالرز کے اقوال اور تحریروں کا ذکر کیا ہے کہ جنہوں نے حدیث رسول اللہ ﷺ کو امر حق کی جامع نصیحتیں اور افعال کو سرمایہ حکمت و دانش قرار دیا ہے۔ آخر میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"خدا کی شان بیگانوں کو تو احادیث نبویہ سراسر رشد و حکمت اور واقعی حقائق دکھائی دیتی ہیں طب کی جان اور اصل الاصول نظر آتی ہیں جن کی صداقت و درستی کی تائید عمیق سے عمیق تحقیق اور گہرے غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے مگر اسلام کا دم مارنے والے ہر فتنہ کو اس مظلوم حدیث کے سر تھوپتے رہنے کو کمال تحقیق سمجھتے ہیں "(۷۴) مولانا کی حجیت حدیث پر آراء اور دلائل کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام خصوصاً سید المرسلین، خاتم النبّیین ﷺ کی احادیث شرعی حجت اور ذریعہ ہدایت و نجات حقیقی و فوز حقیقی ہیں اور یہ نکتہ قرآن حکیم کی بے شمار آیات اور عقل و فطرت کی شہادت سے ثابت ہے اور امت کے صالحین کا اس پر متفق ہونا اور تواتر سے عمل پیرا رہنا اس کی حجت میں دلیل کامل ہے اللہ تعالیٰ مولانا فیض احمد کو اپنی رحمت کا مستحق بنائے۔

حجیت حدیث کی فصل کے بعد تدوین حدیث کی فصل پر بحث کی جائے گی۔

فصل دوئم

تدوین حدیث کا تعارف

علم حدیث کی خدمت کے میدان میں جہاں تاریخ حدیث، حجیت حدیث، متن حدیث، شروع حدیث اور معلقات پر ملتان کے اہل علم نے خدمات سر انجام دیں ہیں وہاں تدوین حدیث کے میدان میں بھی اپنا حصہ ڈالا ہے۔ ملتان کے خطہ کی شخصیات کے تدوین حدیث پر کام کا تعارف پیش خدمت ہے۔

حدیث کی تدوین کے حوالے سے سب سے قبل علامہ سید احمد سعید کاظمی کا نام آتا ہے۔ آپ نے تاریخ حدیث اور حجیت حدیث پر بھی کام کیا ہے جو گزشتہ بحث میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس فصل میں تدوین حدیث پر جو کام کاظمی صاحب نے کیا اس کا تعارف ذوق مطالعہ کی نظر کیا جاتا ہے۔

تدوین پر بحث کا آغاز علامہ کاظمی نے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کی تحریک سے کیا ہے اور اسی دور کو تدوین حدیث کا باقاعدہ آغاز کا دور قرار دیا ہے اور اس دور میں جن حضرات نے تدوین حدیث کے کام میں حصہ لیا یا حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم پر احادیث کو جمع کرنے میں سعی کی ان حضرات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان مولفین میں ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ، موسیٰ ابن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ اور امام اعظم ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے نام قابل ذکر ہیں ان حضرات کے ساتھ اور بھی اکابرین محدثین نے کتابوں کی صورت میں احادیث جمع کیں اور دوسری صدی کے اواخر تک احادیث کے مجموعے بکثرت مرتب ہو گئے۔ اس کے بعد تیسری صدی میں تدوین حدیث پر بات کرتے ہوئے علامہ کاظمی نے تحریر کیا ہے کہ

''تیسری صدی کے اوائل میں مسدد بن مسرہد متوفی ۲۱۸ھ، اسد بن موسیٰ البصری متوفی ۲۱۲ھ، نعیم بن حماد الخزاعی متوفی ۲۲۸ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحٰق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ، عثمان بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۹ھ، ابو بکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ، نے مختلف موضوعات مثلاً سیرت احکام، مغازی پر احادیث کے مجموعے مرتب کیے ان سے بعض مولفین کی تصانیف موجود نہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ضائع ہو گئیں بلکہ ان کا پورا مواد ان کے ہم عصروں اور ان کے بعد آنے والوں نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا اور لوگ ان سے بے نیاز ہوتے چلے گئے۔ اسی صدی میں امام بخاری متوفی ۲۵۴ھ، امام مسلم متوفی

۲۶۱ھ، امام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ، امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے صحاح ستہ، جوامع اور سنن تالیف فرمائیں اور تدوین حدیث کا کام نہایت ہی خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔"(۷۵)

اس مختصر اور جامع معلومات کے ساتھ ساتھ علامہ کاظمی نے اس عظیم کام کو مدون کرنے کی وجوہات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ "صحابہ کرامؓ کا دنیا سے تشریف لے جانا اور تابعین کرامؒ کو جس قدر سنن کریمہ واحادیث نبویہ کی یہ امانت پہنچی تھی اس امانت کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے اہل بصیرت حضرات کو اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اس امانت کو کتابی صورت میں مدون نہ کیا گیا تو یہ امت اس نعمت عظمیٰ (مطلب احادیث کا ذخیرہ) سے محروم نہ ہو جائے۔ تو اس لئے انہوں نے کتابوں کی صورت میں حدیثیں جمع کرنے کا تہیہ کر لیا۔"(۷۶)

تدوین حدیث کے مضمون کو مکمل کرتے ہوئے علامہ کاظمی نے صحابہ کرامؓ و تابعین عظام واجلہ محدثینؒ کے اس کام کو امت کے لئے احسان عظیم کہا ہے اور احادیث مقدسہ کو کتابی شکل میں مدون کر کے امت مسلمہ کے لئے ہدایت کا ایک روشن پہلو قائم کر دیا ہے آخر میں ان حضرات کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور ان کے لئے دعائے خیر اور اعلیٰ اجر کی دعا کی ہے۔ مقالات کاظمی کی جلد اوّل میں تدوین حدیث کے موضوع پر مذکورہ بحث اسی موضوع سے متعلقہ بحث جلد سوئم میں بھی فرمائی ہے۔ اب جلد سوئم میں تدوین حدیث سے متعلقہ بحث پیش خدمت ہے:

جلد سوئم میں علامہ کاظمی نے عصمت انبیاء اور نبیؑ کی ضرورت کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی ایک مضمون الحدیث کے نام سے درج کیا ہے جسمیں احادیث کی کتابت اور تدوین کے موضوع پر بھی بحث فرمائی ہے اور وہ منکرین حدیث جو حدیث کو دور رسول اللہ ﷺ سے الگ کرتے ہیں اور ان کہنا کہ حدیث کے مدون ہونے میں مستند طریقہ اختیار نہیں کیا گیا اور حدیث کی تدوین میں بہت سقم ہے۔ ان ناقدین حدیث کو علامہ کاظمی نے اس مضمون میں دلائل کے ساتھ جوابات دیئے ہیں اور حدیث کی تدوین کے مراحل کی وکالت علمی انداز میں فرمائی ہے مثال کیلئے دفاع کے انداز میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"انکار حدیث کے ضمن میں یہی کہا جاتا ہے کہ حدیثوں کا ذخیرہ رسول اللہ ﷺ کے دوسو برس کے بعد جمع کیا گیا لہذا قابل قبول نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمع وترتیب کا مؤخر ہونا کسی چیز کے غیر معتبر ہونے کو مستلزم نہیں قرآن

مجید بھی عہد رسالت کے بعد جمع ہوا۔ قرآن مجید کے منازل سبعہ متداولہ اور تیس پاروں میں اس کا منقسم ہونا اور اعراب مروجہ فی زمانہ نیز علامات مد و شد وقف وصل وغیرہ نزول قرآن سے سال ہا سال بعد میں وجود میں آئے۔ لیکن اس تاخیر کی وجہ سے قرآن کریم کے کسی زیر وزبر نقطہ میں مومن کیلئے تردد اور شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اس مقام پر بعض سادہ لوح حضرات کو یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ احادیث کا ذخیرہ بکثرت موضوع اور ضعیف روایتوں سے پُر ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ جب رب العالمین نے قرآن حکیم کو قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کا ضابطہ عمل اور دستور حیات بنا کر نازل فرمایا ہے تو لازم ہے کہ اس کا بیان بھی اس کے ساتھ ساتھ قیامت تک باقی رہے گا۔ جس طرح قرآن منزل من اللہ ہے اسی طرح بیان حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے احادیث رسول بیان القرآن۔ اس طرح دشمنان حدیث اپنے ناکام مقاصد میں خائب وخاسر ہوئے۔"(۷۷)

چنانچہ علامہ کاظمی نے دشمنان حدیث کی خوب خبر لی ہے اور تدوین حدیث پر مضامین قلم بند کر کے اپنا نام خدام الحدیث کی صف میں شامل کیا ہے اللہ تعالیٰ علامہ کاظمی کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔ آمین

سرزمین مدینۃ الاولیاء ملتان میں تدوین حدیث پر کام کرنے والی ایک اور شخصیت جن کا نام مولانا فیض احمد ہے ان کا تعارف گزشتہ بحث میں گزر چکا ہے اس فصل میں ان کی تدوین حدیث کے موضوع پر علمی کام کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا فیض احمد کی تصنیف کا نام المسائل والدلائل ہے جسمیں حجیت حدیث کے موضوع کے ساتھ ساتھ تدوین حدیث کے موضوع پر بھی گفتگو کی گئی ہے تدوین حدیث کے کام پر بحث فرماتے ہوئے علامہ موصوف نے تدوین حدیث کے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اول دور میں تدوین حدیث انفرادی طور پر ہوئی مطلب ہر شخص نے اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا دوسرے دور میں ہر شہر کی معلومات کو ایک جگہ فراہم کیا گیا اور تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کی معلومات اکھٹی کی گئی اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا(۷۸)

اس ترتیب کے ساتھ ساتھ مولانا نے ان ادوار میں مدون ہونے والی کتب حدیث اور ان کے مولفین کے اسماء بھی درج کیے جنکی علمی کاوشوں اور تحقیقی ذوق کی بدولت یہ عظیم سرمایہ ہم تک پہنچا ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے

ان ادوار کی تاریخ کے لحاظ سے بھی تقسیم فرمادی ہے کہ پہلا دور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا، دوسرا دور ۱۵۰ھ تک رہا اور تیسرا دور ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔(۷۹)

اس بات کی وضاحت خطبات مدارس میں کچھ یوں درج کی گئی ہے کہ پہلا دور صحابہؓ و اکابرین تابعین کا تھا۔ دوسرا تبع تابعین کا اور تیسرا دور حضرت امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا تمام سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے۔ جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔(۸۰)

یہاں یہ بات اہمیت سے پر ظاہر ہو گی کہ اس مقام پر ان ادوار میں تدوین حدیث پر ہونے والے کام کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے تو دور رسول اللہ ﷺ و عہد صحابہؓ کے دور میں حدیث کی تدوین پر کام کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

رسول مکرم ﷺ کے حیاۃ طیبہ کے دور میں تدوین حدیث مندرجہ ذیل طریقہ سے ہوئی:

(اَ) مسجد نبوی ﷺ میں حجرہ مبارک کے قریب ایک چبوترہ بنا ہوا تھا آپ ﷺ کے چند صحابہؓ اس چبوترے پر قرآن اور حدیث یاد کرتے تھے اور اس کا آپس میں مذاکرہ کرتے تھے قرآنی آیات کے حفظ اور سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے وارد ان آیات کی تشریح و توضیح یاد کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا سیرۃ و تاریخ کی کتابوں میں ان صحابہؓ کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ حضرات دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر حصول علم قرآن و حدیث میں اس قدر مشغول تھے کہ حب مال و متاع و زر جیسی صفات سے مبرا ہوتے۔
حافظ ابی نعیم ان کی صفات یون بیان کرتے ہیں کہ

"لم یحزنوا علٰی مافاتھم من الدنیا و لا یفرحوا الا بما ایدوا بہ من العقبیٰ"(۸۱)

"یہ اصحاب صفہ دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے پر غمگین نہیں ہوتے ہمیشہ صرف اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو ان کے لیے آخرت کا حصہ بنتی ہے"

یعنی یہ اصحاب صفہ ایسے عظیم اور باکمال ہیں کہ دنیاوی نفع اور مال ملنے کی وجہ سے خوش نہیں ہوتے اور دنیاوی نفع کھو جانے کی وجہ سے پریشان اور غم زدہ بھی نہیں ہوتے ان حضرات کی خوشی و غمی صرف اخروی نعمتوں کے حصول یا ان سے محرومی پر مبنی ہے ان حضرات اصحاب صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی۔ صاحب "حلیۃالاولیاء" نے ان کی تعداد ۹ تحریر کی ہے(۸۲) اور سیرت مصطفیٰ میں مولانا ادریس کاندھلوی نے ان اصحاب صفہ کی تعداد ۳۶ تحریر کی ہے (۸۳) ان اصحاب میں زیادہ تر حدیث کا اہتمام کیا کرتے تھے اور بعض صحابہ کرام کتابت بھی کیا کرتے تھے۔ اصحاب صفہ کے سوا اور صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کا جو قول سنتے جو فعل دیکھتے اسے جمع کرنے یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے اور اسکی پیروی کرنے کو سعادت کا درجہ دیتے تھے۔ پیروی کے علاوہ آپ ﷺ کے ارشادات کو حفظ کرنا اور ان کو یاد رکھنا ان کے نزدیک فرائض کا درجہ رکھتے تھے۔

عروہ بن مسعود نمائندہ قریش بن رسول اکرم ﷺ سے صلح کی شرائط طے کرنے آیا۔ صحابہ کی محبت کے منظر کو دیکھ کر واپس جاکر قریش مکہ کو اپنے جو تاثرات بیان کیے انہیں ابن ہشام نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"یامعشر قریش انی جئت کسریٰ فی ملکہ و قیصر فی ملکہ و النجاشی فی ملکہ انی و اللہ ما رایئت ملکاً فی قومہ اط مثل محمد فی اصحابہ و لقد رایئت قوماً لا یسلمونہ بشیءٍ ابداً فرو ارأیکم"(۸۴)

"اے گروہ قریش میں نے کسریٰ کو اس کے ملک میں، قیصر کو اس کے ملک روم میں اور نجاشی کو اس کے ملک میں دیکھا ہے لیکن میں نے کبھی کسی بادشاہ کو اس قدر عظمت والا نہیں پایا جیسی عظمت محمد ﷺ کیلئے ان کے صحابہ کے دل میں دیکھی اور میں نے وہ قوم دیکھی ہے جو انکو تمہارے سپرد کبھی نہیں کرے گی اب جو تم رائے رکھو اس کے مطابق فیصلہ کرلو۔"

حفظ کے علاوہ حدیث کی تدوین کا دوسرا طریقہ دور رسول ﷺ میں کتابت تھا نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ از خود کتاب حدیث کیا کرتے تھے اور کچھ احکامات آپ ﷺ نے خود لکھوائے اور کچھ نبی ﷺ کے بعد صحابہ نے خود تحریر و تالیف کیے ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ کتاب الصدقۃ:

دور رسول ﷺ میں حدیث نبوی کا وہ مستند و مشہور مجموعہ جو آپ ﷺ کے نہ صرف اہتمام وانتظام کے ساتھ املا کرایا بلکہ اس مجموعہ حدیث پر اپنی مہر نبوت بھی ثبت فرمائی۔ اس مجموعہ میں مویشیوں کی زکوۃ کی تفصیلات اور دیگر مسائل درج تھے یہ آپ ﷺ نے اپنے عمال کو بھیجنے کے لیے تیار کرایا تھا۔ مگر ابھی بھیجنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابو بکر و عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اس پر عمل کیا جامع ترمذی میں ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے جو مذکورہ موقف کی تائید کرتی ہے حدیث کا متن ملاحظہ ہو

((کتب رسول ﷺ کتاب الصدقة فلم یخرجه الی عمالِه حتی قبض فقرنه بسیفه فلما قبض عمل به ابو بکر حتی قبض ثم عمل به عمر حتیٰ قبض فکان فیه فی خمس من الابل شاة))(۸۵)

”نبی کریم ﷺ نے کتاب الصدقہ تحریر کروائی آپ اسے عمال تک نہیں بھیج پائے تھے کہ وقت اجل نے آلیا آپ ﷺ نے اسے تلوار سے لٹکا دیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا اس میں تحریر تھا کہ ”پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہے“۔“

۲۔ صحیفہ عمرو بن حزم:

کتاب الصدقہ کے علاوہ صحیفہ عمر بن حزم کا ثبوت روایات میں ملتا ہے یہ صحیفہ خود آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب سے ایک کتاب کی صورت میں تحریر کروایا یہ دس ہجری کا واقعہ ہے جب نجران کا علاقہ فتح ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر بن حزم کو وہاں کا گورنر متعین کیا اس وقت یہ صحیفہ آپ ﷺ نے خود تحریر کروایا جس میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، عشر حج، عمرہ، جہاد، غنیمت اور جزیہ کے احکام، نسلی قومیت کے نظریہ کی ممانعت دیانت، تعلیم قرآن اور طرز حکمرانی کے متعلق ہدایات درج ہیں(۸۶)

دور حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے تحریر کیا ہے کہ عمر بن حزم نے اس صحیفہ کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اس میں اکیس دوسرے نوشتے جو آپ ﷺ نے عاد و بنی عریض کے یہودیوں تمیم داری، قبائل جہنہ و جذام کے نام تحریر کروائے تھے حاصل کیے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی جو عہد رسالت مآب ﷺ کی سیاسی و سرکاری دستاویزوں میں اولین مجموعہ حدیث کی حیثیت رکھتی ہے(۸۷)

ان کے سواوہ خطوط بھی دورِ رسول ﷺ کی تدوین حدیث کے ضمرے میں آتے ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل رسول خدا ﷺ کے حکم سے مختلف فرمانرواؤں کو تحریر کیے گئے۔ ان کا تذکرہ سیرت اور شمائل کی کتابوں میں وضاحت سے قلم بند ہے ان میں مندرجہ ذیل شاہان کو خطوط روانہ ہوئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

- قیصر روم
- خسرو پرویز کسریٰ ایران کا بادشاہ
- نجاشی شہنشاہ حبشہ
- مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ
- منذر بن ساوٰی شاہِ بحرین
- شہنشاہ عمان
- بادشاہ یمامہ ہوذہ بن علی جسے رئیس یمامہ کہتے تھے
- امیر دمشق(۸۸)

یہ تقریباً آٹھ خطوط تھے ان خطوط کا متن اور اس کا اردو ترجمہ مولانا ادریس کاندھلوی کی کتاب سیرت المصطفٰے ﷺ میں درج ہیں اور نقوش کے رسول نمبر میں آپ ﷺ کے وہ تمام خطوط جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف بادشاہوں کو تحریر کیے نقل کیے ہیں ان کے علاوہ تمام تبلیغی خطوط جو اقوام عالم کی طرف رسول اکرم ﷺ نے روانہ فرمائے اور مختلف امان نامے بھی نقل کیے ہیں اور ان کے مراسیل کی تعداد ۹۹ ہے۔(۸۹)

اس مقام پر صحابہ کرام کے تالیف کردہ مجموعہ ہائے حدیث کی بیان نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی سب سے قبل خلیفہ اول کی تدوین حدیث کے خدمات سے بات کا آغاز کرتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب حضرت انسؓ کو بحرین کیلئے روانہ کیا تو ان کو کتاب الصدقہ لکھوا کر ان کے حوالہ کی یہ کتاب ان احادیث نبویہ ﷺ پر مشتمل تھی جو صدقات وزکوٰۃ کے نصاب کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے منقول تھیں امام بخاریؒ نے کتاب الزکوٰۃ میں باب العرض فی الزکوٰۃ سے باب زکوٰۃ الغنم تک ان احادیث کو نقل کیا ہے (۹۰)

اسی طرح کبار صحابہ کرام نے تدوین حدیث کے میدان میں اپنی اپنی خدمات سرانجام دی ہیں اور ان کتب میں رسالے، خطوط، امان نامے ایک اور ایک بہت زیادہ کتب بھی تالیف ہوئی جیسا کہ ابن سعد نے حضرت ابن عباس کی کتب حدیث پر بات کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

''وضع عندتکذیب حمل بعیر او عدل بعیر من کتب ابن عباس'' (۹۲)

''ہمارے پاس کریب نے ایک اونٹ کے برابر کتب رکھی تھیں''

۳۔ صحیفہ صادقہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسول مکرم ﷺ کے فرامین کا ایک مجموعہ مرتب ومدون کیا جو دور رسول ﷺ کے صحائف میں سب سے زیادہ مشہور ومعروف تھا صاحب اسد الغابہ نے صحیفہ میں موجود احادیث کی تعداد ایک ہزار درج کی ہے (۹۲)

یہ صحیفہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے اس صحیفہ کی صحت وثقاہت پر دو شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے رسول اکرم ﷺ سے یہ اجازت طلب کی تھی کہ میں آپ کے اقوال مبارکہ تحریری طور پر مرتب کرنے کی دلی خواہش رکھتا ہوں کیا آپ کا ہر قول لکھ لیا کروں یا صرف وہ اقوال تحریری شکل میں لایا کروں جو آپ ﷺ نشاط وخوشی کو حالت میں فرمایا کرتے ہیں تو اللہ کے حبیب ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کے اس سوال پر مندرجہ ذیل جواب عطا فرمایا:

((اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منہ الا حق واشار بیدہ الی فمہ)) (۹۳)

"لکھ لیا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس سے کلمہ حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا" پھر اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

سرکار دو جہاں ﷺ کے اس اجازت کی بنا پر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے مجموعہ حدیث تیار کیا۔

2۔ دوسری دلیل کیلئے حضرت ابو ہریرہ کا وہ قول پیش کیا جا سکتا ہے جو آپ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی ثقاہت اور فضیلت اور ان کی تدوین حدیث میں خدمات کھل کر سامنے آتی ہیں چنانچہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ

((ما من اصحاب النبی ﷺ احدًا اکثر حدیثاً عنہ من الا ما کان من فانہ کان یکتب و لا اکتب))(۹۴)

"صحابہ کرام میں مجھ سے زیادہ کوئی حافظ نہیں سوائے عبد اللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ تحریر کرتے تھے اور میں تحریر نہیں کرتا تھا۔"

ان کے علاوہ حضرت انس جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دس سال کا عرصہ ایک فرد کی طرح گزارا انہوں نے نہ صرف دور رسول ﷺ میں حدیث کی تدوین فرمائی بلکہ از روئے احتیاط نبی کریم ﷺ کو سنا کر ان کی توثیق بھی حاصل کی تھی۔ آپکے ایک شاگرد معبد بن بلال کی ایک روایت امام حاکم کی مستدرک میں نقل ہے کہ

((کنا اذا اکثرنا علیٰ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی ﷺ فکتبتھا و عرضتھا علیہ))(۹۵)

"ہم جب حضرت انس سے زیادہ اصرار کرتے تو وہ بیاض نکال کر لاتے اور ہم کو دکھا کر یہ فرماتے یہ وہ تمام حدیثیں ہیں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنی اور پھر آپ ﷺ کو پڑھ کر سنائیں۔"

علاوہ ازیں تدوین حدیث ایک اور صحابی جو نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے جنکا نام حضرت عبید بن ابی رافع ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حدیث کی تحریری اجازت مانگی تو ڈاکٹر حمید اللہ نے ان کی تدوین حدیث کی خدمات کو بیان کیا ہے کہ اس صحابی کو دربار رسالت مآب ﷺ سے احادیث کی تدوین کا اذن ملا(۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے ایک صحیفہ حدیث کا ذکر کیا ہے تو حضرت جابر کے صحیفہ کا ذکر آپ نے مصر کے ایک قوی حافظے والے حافظ حدیث قتادہ کے ذکر کے ضمن میں کیا ہے چنانچہ

آپ رقمطراز ہیں کہ ''کان قتادۃ احفظ من اھل البقرۃ لم یسمع شیئاً الا حفظہ قرئ علیہ صحیفہ جاب مرۃ واحدۃ فحفظھا''

''قتادہ اہل بصرہ میں سب سے زیادہ قوت حافظہ کے مالک تھے آپ کوئی بھی چیز ایک دفعہ سن لیتے تو یاد ہو جاتی ان کے سامنے حضرت جابر کا صحیفہ پڑھا گیا تو وہ ان کو یاد ہو گیا۔'' امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری نے بھی اپنی کتاب تاریخ الکبیر میں قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ قتادہ نے سعید بن عروہ سے کہا ''امسک علی المصحف فقرأ البقرۃ فلم یخط حرفاً فقال یا ابا النصر لانا الصحیفہ جابر أحفظ منی بسورہ البقرہ ''(۹۷)

''قرآن کریم پر نظر رکھو پھر قتادہ نے سورۃ بقرہ کی تلاوت کی اور ایک غلطی بھی نہیں کہ اور پھر کہا کو سورۃ بقرہ سے بھی زیادہ مجھے صحیفہ جابر یاد ہے۔'' اور ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق حضرت جابر کے صحیفہ میں خطبہ حجۃ الوداع اور مناسک حج کے متعلق دیگر احکام شامل تھے (۹۸) علاوہ ازیں ایم ایم اعظمی نے حضرت عبد اللہ بن اوفیٰ م ۸۶ھ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ آپ نے بھی ایک صحیفہ احادیث پر مشتمل تحریر کیا جو آپ ﷺ کے خطوط اور دوسرے احکامات پر مشتمل تھا ایم ایم اعظمی کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

"Abdullah abu awafa wrote some ahadith of the Prophet (S.A.W) regarding the law of war and sent to urear"(۹۹)

ان کے ساتھ مصطفی اعظمی نے ان محدیثین عظام کے نام اپنی کتاب میں درج کیے ہیں جنہوں نے احادیث کو مرتب و مدون کرنے میں اپنی خدمات سرانجام دیں جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اسماء بنت عمیس م ۴۰ھ

(۲) البراء بن عاذب م ۷۲ھ

(۳) الدخاخ بن تمیسم ۶۵ھ

(۴) فاطمہ بنت محمد ﷺ م ۱۱ھ

(۵) حسن بن علی م ۵۰ھ

(۶) جابر سمرہ م ۷۴ھ

(۷) مغیرہ بن سمرہ م ۵۰ھ

(۸) رافع بن خدیج م ۷۴ھ

(۹) سھل بن سعد م ۹۱ھ

(۱۰) سمرہ بن جندب م ۵۹ھ

اور حضرت عائشہ صدیقہ بھی لوگوں کی درخواست پر وقتاً فوقتاً حدیثیں تحریر فرما کر بھیجتی رہتی تھیں۔(۱۰۰)

مذکورہ اشارات سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ذخیرہ حدیث تحریری شکل میں مرتب ومدون نہیں تھا یہ تصور تاریخ سے عدم واقفیت اور ضد وانا پر مبنی ہے مندرجہ بالا عبارات میں تو چند صحف حدیث کا ذکر کیا گیا ہے کتب سیئر و تاریخ کا اگر نظر عمیق سے مطالعہ کیا جائے تو بیسیوں اور بھی مصحف حدیث سامنے آسکتے ہیں جو دور رسول کریم ﷺ میں تیار ہوئے اور وہ مصحف حدیث بھی جن کی املاء سرکار دوعالم نے خود کروائی اور مہر نبوت بھی ثبت فرمائی اور صحابہ کرام نے نبی پاک ﷺ کے سامنے تلاوت بھی فرمائی۔

اس طرح صحابہ کرام نے اہتمام واحتشام کے ساتھ تحریر وتحفیظ کے ساتھ حدیث کی حفاظت کی۔ مزید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر صحابہ کرام ایک بھی حدیث تحریر نہ کرتے اور نہ ہی کسی حدیث کے حفظ کا ثبوت ملتا تب بھی حفاظت حدیث پر یہ بات اثر انداز نہ ہوتی کیونکہ صحابہ کرام کی زندگیاں نبی کریم ﷺ کی سیرت کا عملی پیکر تھیں احکام شرعیہ یا سنت رسول ﷺ کے خلاف کوئی عمل یا کوئی قول ان کے نزدیک روا نہیں تھا زندگی کے ہر شعبہ میں نبی اکرم ﷺ کی عادات واطوار مبارکہ کو اختیار کرنا، آپ ﷺ کی سنت کو مکمل طور پر اپنانا آپ ﷺ کے معمولات سفر وحضر کو اختیار کرنا ان غلامان مصطفیٰ ﷺ کی زندگیوں کا شعار تھا۔ ہر صحابی کی زندگی اپنی جگہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا عملی نمونہ تھی۔ مثال کے طور پر علامہ ابن کثیر نے اس اتباع مصطفیٰ ﷺ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کسی سفر کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے تو جہاں رسول کریم ﷺ نے پڑاؤ کیا تھا وہاں پڑاؤ کرتے، جس درخت کے سایہ میں آپ ﷺ نے آرام فرمایا وہاں آرام کرتے۔"(۱۰۱)

اس طرح تابعین کرام نے بھی تدوین حدیث میں کافی بلکہ قابل قدر و قابل فخر کام کیا ان میں حضرات کرام میں ابن شہاب زہری ۵۰ – ۱۲۴ھ نے نبی کریم کی سیرت طیبہ پر بھی ایک کتاب تحریر کی ان کے علاوہ عالم اسلام میں حدیث کی تدوین اور کتب حدیث کی تالیف کا سنہری دور شروع ہو گیا جسکا ذکر ابتدائی ابواب میں درج ہے اس دور کو اصل میں حدیث کی تدوین و تبویب کا دور کہا جا سکتا ہے اس دور میں جن حضرات نے تدوین حدیث کے میدان میں خدمات سرانجام دیں ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں اور ان کے علاقے بھی درج کیے جاتے ہیں:

(۱) عبدالملک بن عبدالعزیز جریج اکعبری مکہ میں

(۲) مالک بن انس مدینہ میں

(۳) سفیان ثوری ۹۷ – ۱۴۱ھ کوفہ میں

(۴) معمر بن راشد ۹۵ – ۱۵۲ھ یمن میں

(۵) امام عبدالرحمن بن عمر اوزاعی ۸۸ – ۱۵۷ھ شام میں

(۶) عبداللہ بن مبارک ۱۱۸ – ۱۸۱ھ خراسان میں

(۷) ہشم بن بشیر ۱۰۴ – ۱۸۳ ھ واسط میں

(۸) عبداللہ بن ریب ۱۲۵ – ۱۹۷ھ مصر میں

یہ وہ کبار تابعین تھے جنہوں نے مختلف ابواب قائم کر کے ان سے متعلق احادیث جمع کیں اور اس طرح سارے عالم اسلام میں علم حدیث کی تدوین کا کام میں دوسری صدی ہجری میں سرگرمی کے ساتھ ہوتا رہا۔

ان تین ادوار کا ذکر مولانا فیض احمد نے مختصر انداز میں اپنی کتاب میں فرمایا ہے اس کے علاوہ علامہ فیض احمد حضرت عمر بن عبدالعزیز م ۱۰۱ھ کی تدوین حدیث کے بارے میں خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر آپ کی تحریر ملاحظہ ہو

”حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے دور خلافت میں مدینہ منورہ کے قاضی ابو بکر بن محمد عمر بن حزم کو فرمان بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کے سنن واخبار کو مدون کریں کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہونے کا ڈر ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر بن محمد کی کوشش سے آنحضرت ﷺ کے سنن واحادیث کے دفتر کے دفتر مرتب ہو کر دارالخلافہ میں آئے اور ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجی گئیں۔“(۱۰۲)

علاوہ ازیں تدوین حدیث کے ضمن میں منکرین حدیث نے جتنے شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں مولانا نے اس تمام شکوک وشبہات کو مدلل ومفصل جواب دیا ہے جنکی بحث انشاء اللہ تجزیاتی فصل کی گفتگو میں شامل کی جائے گی۔ ملتان میں تدوین کی بحث کے بعد اب اس خطہ میں تراجم اور حواشی حدیث کی بحث کا ذکر کیا جائے گا۔

فصل سوئم

تراجم وحواشی حدیث کا تعارف

ملتان کی سرزمین اس حوالے سے بہت زرخیز بھی ہے اور خوش نصیب بھی کہ اس نے علم حدیث کی خدمت کرنے والی عظیم شخصیات امت کو عطا کیں۔ جہاں علم حدیث کے حوالے سے حجیت اور شروح پر خاطر خواہ کام ہوا وہاں ملتان میں تراجم حدیث وحواشی پر بھی کام کیا گیا اس میدان میں سب سے پہلے شیخ الاسلام حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ تا ۸۵۲ھ) کی علم حدیث کے موضوع پر معرکۃ الآراء کتاب "بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام" ہے جسکا ترجمہ حواشی مولانا عبد التواب محدث ملتانی (۱۲۸۸ تا ۱۳۶۶ھ) تحریر کیا اس تراجم وحورشی کے تعارف سے قبل مولف کتاب اور پھر مترجم کتاب کا تعارف پیش کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ صاحب کتاب امام ابن حجر عسقلانی کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

تعارف مؤلف بلوغ المرام

تاجدار اقلیم حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی آپ کا پورا نام احمد ابو الفضل کنیت اور شہاب الدین لقب ہے اور شجرہ نسب یوں ہے۔ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن علی الکنانی العسقلانی ثم المصری۔ آپ ۱۳ شعبان ۷۷۳ ہجری میں مصر میں پیدا ہوئے والدہ کی وفات کے بعد آپ کے والد ماجد نے آپ کو پالا جب پانچ سال کے ہوئے تو آپ کو صدر الدین سقطی کے مکتب میں داخل کیا گیا ۹ سال کے ہوئے تو قران حکیم کو حفظ کر لیا لیکن دستور کے برعکس آپ نے تراویح میں قرآن ۷۸۵ھ میں یعنی بارہ سال کی عمر جا کر سنایا حافظہ اچھا تھا اور صغر سنی میں ہی عمدہ، حاوی اور مختصر بن الحاجب جیسی بنیادی کتابیں زبانی یاد کر لی تھیں، مگر بعض وجوہ کی بنا پر تعلیم سے بد دل ہو کر الگ ہو گئے اور سترہ سال سال کی عمر تک کچھ نہ پڑھا۔ اس کے بعد بیدار ہوئے تو امام شمس الدین بن القطان کا دامن تھام لیا اور ان سے فقہ، حساب، ادب وغیرہ کا اکتساب کیا آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے اس نیت سے زمزم کا پانی پیا کہ اس کی برکت سے اللہ رب العزت آپ کو علم میں امام ذہبی کی پایہ اور مرتبہ کا عالم بنا دے (۷۹۳ھ) میں آپ علم حدیث کے لئے یکسو ہو گئے چنانچہ امام زین

الدین عراقی سے پورے دس سال تک حدیث کا درس لیا اور اس باب میں اس قدر رسوخ حاصل کیا کہ بعد میں جو بھی آیا آپ کا خوشہ چین رہا۔ مصر سے نکل کر آپ نے شام، عراق اور حجاز کے شیوخ سے بھی عالی اور نازلی اسانید حاصل کیں۔ (۱۰۳)

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ جب طلب علم کے لئے نکلتے تو جس شہر میں جاتے اُسے اپنا وطن بنالیتے اور گھر کے خیال اور وطن کی پیاس کی مزاحمت سے فارغ ہو جاتے آپ نے تدریس وافتاء کے شعبے میں بھی بے بہا خدمات سرانجام دیں اور تحریر تقریر کے ذریعے فلاح امت اور صحیح عقائد کی جانب لوگوں کو گامزن کیا آپ کی تقریر میں بلا کی کشش تھی دلوں میں اُتر جاتی اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیتی آپ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا آپکی تالیفات کی تعداد ۱۵۰ تک ہے لیکن فن حدیث سے آپ کا خاص لگاؤ اور شغف رہا۔ آپ کی شرح بخاری فتح الباری کے نام سے آج بھی مقبول عام خاص سے علم حدیث کے میدان میں یہ ایسی کتاب ہے جس کے بعد بخاری کی شرح میں کسی دوسری شرح کی گنجائش نہیں یہ رائے بہت سارے محدثین کی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام ابن حجر کے بعد حدیث پر جیسا اور جتنا بھی کام ہوا ہے اس میں غالب حصہ فتح الباری سے ماخوذ ہے شرح ابو داؤد کی لکھی جارہی ہے مگر شارح کے سامنے فتح الباری ہے۔ کام ہدایہ پر ہو رہا ہے مگر میز پر فتح الباری رکھی ہے تفسیر قرآن کریم کی ہو رہی ہے مگر حوالے فتح الباری کے دیے جارے ہیں۔ (۱۰۴)

آپ مصر میں ۲۱ سال سے زائد قاضی رہے اپنے طریق کار اور نفوذ بصیرت کے ذریعے عدالتی تقاضوں کو یوں پورا کیا کہ عوام وخواص آپ سے ہمیشہ خوش رہے اگر حکمرانوں نے اس سلسلہ میں قدر کا ثبوت نہ دیا ملت اسلامیہ نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ کرم، مروت، فیاضی، زہد۔ انابت الی اللہ میں حافظ ابن حجر کی زندگی مثالی تھی آپ نے ہفتہ کی رات (۱۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ) میں وفات پائی (۱۰۵)

صاحب بلوغ المرام کے تعارف کے بعد مترجم بلوغ المرام کا تعارف درج کیا جاتا ہے۔

آپ کا پورا نام حضرت ابو تراب محمد عبدالتواب محدث ملتانی ہے آپ جمعرات کے دن بوقت چاشت ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۸۸ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد گرامی مولانا قمرالدین ملتانی سے حاصل کی۔ اور دورہ تکمیل حدیث شیخ الکل حضرت مولانا سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۱۲ھ) میں کی درس و تدریس کے ساتھ

آپ کو خصوصی محبت تھی اور اشاعت کتب میں بھی دلچسپی رکھتے تھے جو خود چھپوا سکتے تھے خود چھپواتے تھے ورنہ ملک اور بیرون ملک سے ان کے حصول کی کوششیں فرماتے اور کتب حدیث بالخصوص امام ابن تیمیہ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) ابن القیم (۶۹۱ھ - ۷۵۱ھ) اور امام ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ) کی تالیفات سے خصوصی شغف تھا ان مؤلفین کی بیشتر کتابیں مستحق علماء اور طلباء کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔(۱۰۶)

"مولانا کے ذاتی اوصاف میں کم گوئی، بندہ نوازی، فلاحی کاموں میں دلچسپی اور تعلیم تعلم کے فروغ کی خاصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ تہجد ان کا معمول تھا نماز خشوع و خضوع سے پڑھتے دعا و ثناء میں الحاح و زاری کا انداز بڑا دل گداز اور نہایت پر سوز ہوتا تھا اس کا اظہار ان کے شاگردوں اور ہم عصروں نے تب دیکھا کہ جب آپ نے اپنے ہونہار فرزند مولانا عبد الصبور کا نماز جنازہ پڑھایا تو اس میں آپ پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری ہوئی تو اس جنازہ میں شریک طلباء و رفقاء میں سے اکثر کی خواہش ہوئی کہ کاش یہ جنازہ ہمارا ہوتا"(۱۰۷)

مولانا عبد التواب ملتانی دبلے پتلے رنگ گندمی، قد و قامت درمیانہ داڑھی پتلی، چہرہ مبارک تھوڑا سا لمبا، لباس مختصر اور سادہ سر پر تنکوں کی ٹوپی تہ بند عموماً موٹی پنڈلی تک اور سادہ سی واسکٹ زیب تن فرماتے مزاج حد درجہ منکسرانہ مگر باوقار، سننے کے معاملے میں انتہائی حساس تھے عربی زبان رواں بولتے اور تحریر کرتے تھے آپ نے بعض عربی کتب کے تراجم بعض پر حاشیہ اور بعض عربی کتابیں شائع بھی خود کیں۔ جسمیں ترجمہ صحیح بخاری ۸ پارے (جو نایاب ہیں ملا نہیں) ترجمہ و حواشی بلوغ المرام اور قرآن پاک کا سرائیکی زبان میں پارہ نمبر ۳۰ کا ترجمہ اور حواشی تحریر کیے جو شائع بھی ہو چکے ہیں۔ علامہ ملتانی نے ۱۹ رجب بروز اتوار ۱۳۶۶ھ ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء کو وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً و سعۃً و کافیۃ۔(۱۰۸)

صاحب بلوغ المرام اور مترجم بلوغ المرام کے تعارف کے بعد اس کتاب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "بلوغ المرام من ادلتہ الاحکام" ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ نے تحریر کیا ہے اس کتاب میں احادیث مبارکہ میں موجود مختلف احکام کو بیان کیا گیا جسکی مدد سے احکام احادیث کی وضاحت بآسانی سمجھی جا سکتی ہے اور مولف نے پوری تندہی سے احادیث کو چھانٹا ہے تا کہ طالب علم اس سے پوری طرح نفع پا سکے اس کتاب کا ترجمہ اور ضرورت کے

مطابق حواشی مولاناعبد التواب ملتانی کے قلم سے ہوا ہے تو ترجمہ اور حواشی کی جلد جون ۲۰۱۴ھ میں طباعت کے مراحل سے گزر کر منظر عام پر آئی ہے یہ ترجمہ ۷۶۶ صفحات پر مشتمل ہے اور فاروقی کتب خانہ بیرون بوہر گیٹ ملتان سے شائع ہوا ہے اس میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت احکام کے دلائل پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب الطہارۃ کے احکام سے اس کتاب کا آغاز ہوتا ہے اس بحث میں پانی سے متعلقہ احکام، نجاست کی تفصیلات اور اس طہارت کا بیان برتنوں کے مسائل، وضو سے متعلقہ احکام ومسائل، وضو توڑنے والی چیزوں کا بیان، قضائے حاجت کے متعلق مسائل، غسل اور جنابت کے مسائل، تیمم کے مسائل، حیض سے متعلقہ مسائل کا ذکر اور مسائل کے ضمن میں بحث اور شرعی حکم کا تعین مع دلائل بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد دوسری بحث کتاب الصلٰوۃ کے عنوان کے تحت کی گئی ہے اس نماز کے اوقات، اذان سے متعلقہ مسائل، نماز کی شرائط، ستر کے متعلقہ احکام، نماز میں خشوع کی ترغیب، مساجد کے متعلقہ احکام، آداب نماز، سجدہ سہو کے متعلقہ احکام، نوافل کے احکام، جماعت وامامت سے متعلقہ احکام، مریض ومسافر کی نماز اور اس کے مسائل، جمعہ اور اس کے مسائل، نماز خوف کے مسائل واحکام، عیدین سے متعلقہ مسائل احکام، گرہن کے وقت نماز کے مسائل اور بارش کے لئے نماز کا بیان اور ان کے متعلقہ احکام سے تفصیل درج کی گئی ہے۔ تیسرے نمبر پر کتاب الجنائز کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل احکام کے مسائل کا ذکر ہے موت کو یاد کرنے کی ترغیب، جنازوں کے احکام اور بالخصوص پوسٹ مارٹم کے بارے میں واضع احکام درج کیے گئے ہیں اور پوسٹ مارٹم کو ناجائز قرار دیا ہے۔(۱۰۹)

چوتھے نمبر پر کتاب الزکوٰۃ کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت زکوٰۃ کی فرضیت، نصاب، شرائط صدقہ فطر کا بیان، نفلی صدقے کے مسائل، پانچویں نمبر پر کتاب الصیام اور روزوں سے متعلقہ احکام اعتکاف اور اس کے مسائل، چھٹے نمبر پر کتاب الحج اور حج کے احکام، ساتویں نمبر پر کتاب البیوع اور بیع کی شرائط اور ممانعت بیع کے مسائل واقسام کی تفصیل اور اسی کتاب کے تحت ربا(سود) اور اس سے متعلقہ احکام آٹھویں نمبر پر یہ کتاب النکاح اور نکاح کے مسائل احکام، حق مہر کے مسائل واحکام، اور نویں نمبر پر جنایات اور اس کے احکام دسویں نمبر پر کتاب الحدود کا عنوان اور اس کے تحت مسائل واحکام گیارویں نمبر پر کتاب الجہاد عنوان کے ضمن میں جہاد کی اہمیت شرائط، ہدایات اور متعلقہ احکام کا ذکر ہے۔

بارویں نمبر پر کھانے کی چیزوں کے بارے میں احکام و مسائل، تیرویں نمبر پر قسموں اور منتوں کے مسائل، چودویں نمبر پر قاضی بننے اور بنائے جانے کے احکام، پندرہویں نمبر پر آزادی کے مسائل پر اور آخری نمبر پر کتاب الجامع کا عنوان دے کر مولف موصوف نے اسلامی آداب و اخلاق کو مفصل اور مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے مندرجہ بالا عنوانات کو ابن حجر نے عربی زبان میں نصوص کی تشریح سے مرتب و مدون فرمایا تو مولانا ملتانی نے اس کا اردو ترجمہ اور مشکل مقامات واصطلاحات کی تشریح حاشیہ کی صورت میں کر کے اس کتاب کو اور خوبصورت اور امت کے لئے اور آسان بنادیا اس کتاب کے دیگر فوائد و محاسن تجزیاتی مطالعہ کی فصل میں بیان ہونگے اللہ تعالیٰ ان خدام الحدیث کی قبروں پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے آمین۔ اس کے علاوہ ملتان میں ایک اور شخصیت نے بھی تراجم کے میدان میں خدمات انجام دی ہیں اب ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

آپ کا پورا نام مولانا نعیم احمد ہے اور آپ کے والد گرامی کا نام مولانا نور احمد ہے آپ ضلع ملتان میں ہی ۱۹۷۰ء کو پیدا ہوئے مدرسہ امداد العلوم ملتان میں قرآن پاک حفظ کیا اور حضرت مولانا فیض احمدؒ صاحب المسائل والدلائل وسابق مہتمم قاسم العلوم ملتان اور حضرت مولانا اصغر علیؒ سابق مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی ۱۹۸۸ء میں ملتان بورڈ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا، بی اے کیا اور ۱۹۹۲ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے عالمیہ کا امتحان پاس کیا اور پھر جامعہ خیر المدارس ملتان میں شعبہ تدریس سے منسلک ہوگئے اور تاحال جامعہ خیر المدارس میں منطق فلسفہ، حدیث، اصول حدیث فقہ اصول فقہ تفسیر و اصول تفسیر پڑھا رہے ہیں آپ کے مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں:

(۱) مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی استاذ جامعہ خیر المدارس ملتان

(۲) مولانا فیض احمد سابق مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان

(۳) مولانا اصغر علیؒ سابق مفتی خیر المدارس ملتان

آپ نے خلیفہ مجاز حضرت حسین احمد مدنی، حضرت قاضی مظہر حسین سے بیعت کی پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مدنی کے تلمیذ خاص مولانا محمد امین اوکاڑوی سے تعلق قائم کیا اور کافی عرصہ ان سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ

اچھے معلم ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مصنف بھی ہیں مختلف موضوعات پر آپ کے کافی مضامین اور کتب تحریر فرمائیں ہیں جس میں درج ذیل مشہور ہیں:

(۱) احیاء السنن (مترجم معرب)

(۲) انبیاء کے واقعات

(۳) تحفہ نعیمی

(۴) خیر الحواشی شرح اصول الشاشی (۱۱۰)

مولانا نعیم احمد کے تعارف کے بعد ان کے ترجمہ کا تعارف پیش خدمت ہے۔ یہ ترجمہ و تشریح جس کا پورا نام اِحیاء السنن ہے جو مولانا ظفر احمد العثمانی التھانوی م ۱۳۹۴ھ کی علم حدیث عظیم کتاب اِعلاءُ السنن کا ترجمہ ہے اور مشکل مقامات کی تشریح بھی ہے۔ اِعلاءُ السنن مولانا عثمانی کی عظیم خدمت تصور کی جاتی ہے یہ کتاب اکیس جلدوں پر تحریر ہوئی ہے اور علم حدیث کے میدان میں بالخصوص اور علم فقہ میں بالعموم خاصی اہمیت کی حامل ہے اس میں آئمہ اربعہ کے موقف کا دفاع کیا گیا ہے اور بالخصوص فقہ حنفی کی آراء اور نشریحات کو قرآن و حدیث کے مطابق اور شریعت اسلامی کی کامل تشریح قرار دیا ہے۔

مولانا نعیم احمد نے اس ترجمہ کا نام احیاء السنن ترتیب دیا ہے یہ ترجمہ جلد اوّل پر مشتمل ہے اور ابھی اس پر کام جاری ہے اس کے ۷۰۵ صفحات ہیں اور مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ جلد اوّل میں کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ سے متعلقہ مسائل و احکام کی بحث ہے۔

کتاب الطہارت میں، وضو سے متعلقہ احکام و سائل، غسل اور اس سے متعلقہ مسائل، پانی کے احکام، پس خوردہ کا بیان، تیمم کے مسائل و احکام، موزوں پر مسح کے احکام، حیض و نفاس، نجاست سے متعلقہ مسائل اور استنجاء کے مسائل اور ان سے متعلقہ احکام کی تفصیل درج کی گئی ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں نمازوں کے اوقات، جمعہ کے مسائل و احکام، اذان اور اس کے احکام، شرائط نماز، قرأت نماز کے مسائل اور امامت سے متعلق احکام کی تفصیلی بحث کا ذکر ہے۔

کتاب اعلاء السنن کی وجہ تالیف جو مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کے قلم سے تحریر کی گئی ہے جو رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ وارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان رہے آپ کے نزدیک "اعلاء السنن" مرجع کی حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۴۸ھ میں تھانہ بھون انڈیا میں چھپی اور اس کے ساتھ اس کی ابتدائی جلدوں کا اردو ترجمہ بھی اطفاء الفتن کے نام سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں ۶۱۲۳ احادیث ہیں یہ حدیث کا وسیع ذخیرہ ہے اتنی احادیث کو جمع کرنا پھر ان کی اسانید پر بحث کرنا مؤلف کی بیس سالہ کوشش کا ثمر ہے اور احادیث احکام کا اتنا بڑا ذخیرہ اس سے قبل مرتب نہیں ہوا۔ اعلاء السنن کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو فن حدیث کے مرد میدان ہیں۔ اس کتاب کی طباعت پر اہل اسلام کو ناز ہے۔ (۱۱۱)

اس ترجمہ میں عرض مترجم کے عنوان سے مولانا نعیم احمد نے سترہ صفحات پر علم حدیث کی فضیلت اور قانونی حیثیت پر مدلل بحث کی ہے اور قرآن حکیم کو وضاحت سے سمجھنا ہو تو سیرت مصطفیٰ ﷺ مطلب حدیث کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ قرآن کے احکام کی تہہ تک پہنچنا ناممکن ہے اور قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق "وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ "(۱۱۲) کہ حضور اکرم ﷺ قرآن کے لیے مبین قرار دیئے گئے ہیں گویا کوئی شخص قرآن کے معنیٰ و مفہوم کو سمجھنے کیلئے حضور ﷺ کے ارشادات و اقوال اور اسوہ حسنہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس مضمون کو اور واضح کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں کہ

"چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مافی الضمیر سمجھانے کے لیے قرآن حکیم کو بھی ایک لسان فیض ترجمان عطا فرمائی جو محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس عنوان سے متعارف ہوئے لہٰذا قرآن کے مافی الضمیر کو اس کی لسان فیض ترجمان حضور ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کی وساطت کے بغیر محض اپنی عقل اور زور عربیت سے سمجھنے کی کوشش ایک ناکام کوشش ہو گی۔ پس حدیث رسول پر فضول اور لچر قسم کے اعتراضات کر کے اہل اسلام کو حدیث سے بدگمان کرنے والے انکار حدیث کے علمبردار (نام نہاد اہل قرآن) دراصل قرآن حکیم سے بھی اعتماد اٹھا کر پورے اسلام کی جڑوں کو ہلا دینا چاہتے ہیں قرآن کریم پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہوئے حدیث کا انکار کرنا ایسا ہے جیسے عمارت کے درودیوار اور چھت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی بنیاد کا انکار کر دینا۔"(۱۱۳)

علاوہ ازیں مؤلف نے مختصر انداز میں حجیت حدیث کو اقوال صحابہ اور تابعین وسلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں بیان فرمایاہے اور پھر بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے اس عنوان کے تحت ضرورت تدوین فقہ کی وجوہات اور فقہی تدوین وترتیب کو بھی سنت کے موافق اور مسائل کے استنباط میں حدیث کے تابع قرار دیاہے۔

علاوہ ازیں امام اعظم ابو حنیفہ اور آپ کی علمی اور تحریری خدمات اور آپ کا حدیث کے معاملے میں فہم وادراک اور اس میدان میں آپ کی خدمات کا مختصر مگر جامع تذکرہ درج کیاہے اور آپ کی استقامت کا ذکر کچھ ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ

"امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کو دنیامیں جو حسن قبول حاصل ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ امام ابو حنیفہ حکومت کے انتظام سے خوش نہیں تھے منصور عباسی فرماں روانے امام ابو حنیفہ کو کوفہ سے بغداد طلب کیا۔ ارادہ تو قتل کا تھا مگر عام حالات دیکھتے ہوئے کھلے بندوں قتل سے خائف تھا۔ بہانہ کا متلاشی ہوا۔ آپ بغداد گئے منصور امام ابو حنیفہ کی طبیعت سے واقف تھا کہ وہ امراء سے رابطہ پسند نہیں کرتے اور نہ ان کے وظائف قبول کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور نے امام ابو حنیفہ سے عہدہ قضاہ قبول کرنے کا کہاامام نے انکار کر دیا۔ مسلسل انکار پر منصور نے جیل کی سزادی کوڑے لگوائے مگر امام استقامت سے انکار پر ہی رہے۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بے خبری میں آپ کو زہر دے دیا گیا زہر نے اثر کیا بالآخر ۱۵۰ھ میں بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ"(۱۱۴)

عرض مترجم کے بعد مقدمہ کتاب احیاء السنن از قلم مولانا محمد صفدر درج ہے اس مقدمہ میں قرآن وحدیث کے احکامات کو تواتر کا درجہ دے کر دونوں پر عمل کو ہی دنیاوی واخروی نجات کا ذریعہ کہا گیاہے۔ علاوہ ازیں علم حدیث، علم اصول حدیث موضوع علم حدیث اور موضوع علم اصول حدیث کی علمی بحث درج ہے علاوہ ازیں ان علوم کی غایت، متن، سند راویوں کے اعتبار سے حدیث کی اقسام، سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے حدیث کی اقسام، صحت سند و صحت متن کی بحث مختصر مگر جامع انداز میں کی گئی ہے۔

اس مقدمہ کے آخری حصہ میں فقہ حنفی کی دنیامیں اشاعت کے حوالے سے تاریخی معلومات درج کی ہیں اور پوری دنیامیں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص اس فقہ کی ترویج واشاعت پر بحث کی ہے۔

اس کے بعد کتاب کا اردو ترجمہ کتاب الطہارۃ سے شروع ہوتا ہے اور متن پر اعراب بھی لگائے ہیں اور ہر حدیث کے درج کرنے کے بعد اس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے اور جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی وہاں حواشی بھی لگائے گئے ہیں اور مسائل کی تشریح سادہ اور عام فہم انداز میں کی گئی ہے۔ اس ترجمہ کے مطالعہ کرنے کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ یہ کوشش عربی نہ جاننے والے قارئین کے لیے علم حدیث کے میدان میں ایک عظیم تحفہ ہے تو ناانصافی نہ ہوگی اللہ پاک مصنف موصوف کو اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

فصل چہارم

تجزیاتی مطالعہ

اس باب کی فصل چہارم میں بالترتیب ملتان میں ہونے والے حجیت حدیث، تدوین حدیث اور تراجم حدیث کے کام کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ سب سے پہلے حجیت کے کام کا تجزیاتی مطالعہ ملاحظہ ہو اس ضمن میں پہلے علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی کے حجیت حدیث پر نظر عمیق ڈالی جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جن سے علامہ کاظمی کے اس تحقیقی و علمی کام کی نوعیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ عصمت نبوت حجیت حدیث کی دلیل ہے۔

عصمت نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود جن آیات میں اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کا امر وارد ہوا یہ سب آیات عصمت نبوت کی دلیل ہیں کیونکہ اگر ان سے معصیت کا صادر ہونا ممکن ہو تو انکی کلی اتباع کے اصول کے مطابق ان کی پیروی بھی فرض ہو گی حالانکہ معصیت کی اتباع معصیت ہونے کی وجہ سے حرام ہے قرآن کے بغور مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو معصیت تو درکنار عزم اور ارادہ معصیت سے بھی بچاتا ہے ان کی قلبی کیفیات اور عواطف رجحانات کی بھی مکمل طور پر حفاظت و نگرانی فرماتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾(۱۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اپنی برہان دکھا کر انہیں قصد معصیت سے بھی محفوظ رکھا اور حضرت محمد رسول ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ﴿لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾(۱۱۶)۔

مطلب اگر ہم آپ کو نہ بچاتے تو آپ قریب ہو گئے تھے کہ ان کی طرف کچھ مائل ہوتے یہ برہان رب اور تثبیت خداوندی، عصمت نبوت ہے علامہ کاظمی کی حجیت حدیث پر آراء کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے عصمت نبی کے موضوع پر کافی مواد اور بحث ملتی ہے چنانچہ اس موضوع پر آپ یوں رقمطراز ہیں کہ

"عصمت نبی ہی دراصل حجیت حدیث اور حجیت کی دلیل ہے حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کی اس عظیم الشان حفاظت و عصمت اور نگرانی کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کے اقوال وافعال اور سیر وحال کو حجت شرعیہ سمجھ کر ان کی اتباع اور اطاعت کی جائے اور عصمت ایک لطف خداوندی ہے جو نبی کے شامل حال رہتا ہے ایک ملکہ نفسانیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ذات میں پیدا کرتا ہے جو نبی کی ذات میں عدم خلق معصیت کا سبب بن جاتا ہے جس کے باعث باوجود قدرت واختیار کے نبی سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔"(۱۱۷)

عتاب الٰہی کا مفہوم:

حجیت حدیث پر بحث کے دوران منکرین حدیث نے ایک انکار یہ بھی کیا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسل وانبیاء کرام کو عتاب کیا گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے بعض کام اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھے ایسی صورت میں ان کا حجت ہونا کیسے درست ہوسکتا ہے تو اس معاملے میں جس انداز میں علامہ کاظمی نے عصمت وعزت رسول ﷺ کا دفاع کیا ہے وہ ملتان میں دوسرے خدام الحدیث میں کم نظر آتا ہے۔ سب سے قبل وہ آیت سورۃ التحریم کی پہلی اور دوسری آیت جن کو منکرین حجیت حدیث نے معاتبہ الیہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے ان کا متن ملاحظہ ہو پھر علامہ کاظمی نے ان آیات پر جو تفسیر پیش کی ہے اس کا خلاصہ اور منکرین کو جو مدلل اور مفصل جوابات دے کر دربار مصطفیٰ میں خود کو جس قدر رحمتوں اور برکتوں کا مستحق بنایا ہے وہ بیان کیا جائے گا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۲﴾(۱۱۸)

"اے نبی محترم! آپ اس چیز کو (اپنے لیے) کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا۔ آپ اپنی اذداوج مطہرات کی رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (اے ایمان والو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھول دینا مقرر فرمادیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ اور علیم وحکیم ہے۔"

ان آیات کو رسول ﷺ کی لغزش اور اس پر معاتبہ الیہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے مگر اسکی تفسیر علامہ کاظمی نے اس سے کہیں مختلف انداز میں فرمائی ہے اور اس تصور کو قرآن کی مجموعی فکر اور شریعت کے مجموعی مزاج کے خلاف قرار دے کر قرآن حکیم کے سیاق وسباق اور قوائد ضوابط سے ناواقف ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ﴾ نہایت ہی محبت آمیز خطاب ہے جو بصورت عتاب نازل ہوا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے "یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ" کو پیش نظر رکھیے نبی وہ ذات مقدسہ ہے جو وصف نبوت سے متصف ہے قرآن حکیم کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے وہ وصف نبوت قرب الٰہی، محبوبیت ایزدی، کمال عبدیت اور صدیقیت وصالحیت عظمیٰ کا منتہیٰ ہے بلکہ بنی نوع انسان کے لئے اس سے زیادہ عظمت اور کرامت کا کوئی درجہ نہیں اگر کسی برائی کا رتکاب پر سرزنش کرنا اور عتاب فرمانا ہی مقصد ہوتا تو اس کا آغاز "یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ" نہ کہا جاتا کیونکہ اس تقدیر پر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بالکل ایسا ہو جائے گا جیسا کہ ایک مالک اپنے سرکش اور بے ادب غلام کو اس کی بے ادبی اور نافرمانی کی سرزنش کرتے ہوئے کہے "اے میرے محترم ومکرم فرمانبردار محبوب، مہذب اور مؤدب غلام تو نہایت سرکش اور بدتمیز ہے تجھے کیا حق ہے کہ دوسروں کی وجہ سے تو میرے احکام کی خلاف ورزی کرے۔"

دنیا کو کوئی عاقل اس قسم کے کلام کو کسی عاقل کا کلام قرار نہیں دے سکتا معلوم ہوا کہ "یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ" اس امر کی دلیل ہے کہ "لِمَ تُحَرِّمُ" سرزنش یا محض عتاب نہیں بلکہ بصورت عتاب محبت آمیز خطاب ہے پھر یہ ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تدبر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کی کمال محبوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محبوب کا محض کسی کی خاطر اپنی محبوب چیز کا چھوڑ دینا محب کے لئے گوارا نہیں ہوتا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسند نبوت کو زیب دینے والے محبوب۔ آپ کی جو محبوب چیز ہم نے آپ کے لئے حلال فرمائی ہے آپ کو کیا ضرورت ہے کہ محض کسی کی خاطر آپ اسے اپنے لیے حرام فرمالیں یعنی آپ ہمارے ایسے محبوب ہیں کہ اپنی پسندیدہ چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے آپ کو جو تکلیف ہو سکتی ہے وہ بھی ہمیں گوارا نہیں۔(۱۱۹)

منکرین حجیت حدیث کے اشکالات اور ان کے جوابات:

علامہ کاظمی کے اس موضوع پر علمی کام کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک اور نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ آپ نے منکرین سنت کے اشکالات اور ان کے دلائل کا بھی تجزیہ کیا اور انہیں علمی و تحقیقی انداز میں

جوابات دیئے خدمت علم حدیث کے حوالے سے ایسا رنگ علامہ کاظمی کے سوا دوسرے محدثین ملتان کے ہاں بھی نظر سے گزرتا ہے جسکا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔ مخالفین سنت نے جس مقام پر سنت کا انکار کیا ہے وہاں ہمیں علامہ کاظمی جیسے عظیم خدام الحدیث حدیث کے دفاع میں ایک مضبوط چٹان کی طرح اور علمی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے دفاع سنت وحدیث کرتے چمکتے ہوئے ستارے کی طرح نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر رجم کی سزا کو مخالفین نے خلاف قرآن کہا اور اس کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ جب قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں تو یہ زیادت علی القرآن ہونے کی وجہ سے یقیناً قرآن کے معارض ہے اور اسے حکم خداوندی کہنا اور قرار دینا خدا تعالیٰ پر افترا اور بہتان ہے پھر حکم خداوندی کی یہ نص

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾(۱۲۰) کے عموم کی بھی صریحاً منافی ہے علاوہ ازیں انسان کو سنگسار کرنا اس مہذب دور میں انتہائی وحشت وبربریت اور بے رحمی کا مظاہرہ ہے جو روح اسلامی کے قطعاً منافی ہے۔

علامہ کاظمی سب سے قبل منکرین کے دلائل کا تجزیہ کر کے ان کو ترتیب میں درج کیا ہے اور انہیں آسان اور سادہ بھی بنادیا ہے تاکہ صاحب مطالعہ مخالفین کے دلائل کو بھی بخوبی سمجھ سکے۔ تجزیہ کے بعد ہر جزو کا علی الترتیب جواب ہدیہ ناظرین کیا ہے جس کا خلاصہ درج الفاظ میں درج کیا جاسکتا ہے۔

''حدیث میں قرآن سے کسی مضمون کے زائد ہونے کو قرآن کے خلاف نہیں کہتے ایسا کہنا اصل فاسد جس پر منکرین نے رجم کا انکار کیا۔ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اوقات الصلوٰۃ، تعداد رکعت اور اقامت الصلوٰۃ کا بیان قرآن میں کہاں وارد ہے۔ کیا یہ سب کچھ احادیث اور تعامل مسلمین سے ثابت نہیں پھر اپنی اسی اصل فاسد کی بنا پر ان سب امور (جو در حقیقت قرآن کی تفسیر میں) قرآن کے خلاف کہہ دیجئے اور دوسری بات کہ سنت نبوی ﷺ میں جو احکام زائد علی القرآن پائے جاتے ہیں وہ وحی الٰہی کا غیر نہیں بلکہ وہ سب وحی الٰہی ہیں کیونکہ نصوص سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی قرآن میں منحصر نہیں بلکہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے جس کے بغیر تعلیم القرآن ممکن نہیں حدیث کے وحی ثابت ہو جانے کے بعد یہ بات قطعاً باطل ہو جاتی ہے کہ حدیث میں جو بات قرآن سے زائد ہو وہ قرآن کے معارض ہو جاتی ہے اور مخالفین سنت نے آج تک اس بات کو نہیں سمجھا کہ ایک چیز کا دوسری چیز پر زائد ہونا یا ان دونوں کا باہم متغائر ہونا ان کے متعارض ہونے کو مستلزم نہیں کرتا۔ تعارض تو تب ہو گا جبکہ ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو مستلزم ہو یا ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم آئے۔''(۱۲۱)

مندرجہ بالا بحث کو اس انداز میں بھی اور واضح کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت وحی الٰہی ہے لیکن اکثر آیات قرآنیہ ایسی ہیں کہ ایک آیت میں جو حکم وارد ہے دوسری میں وہی حکم زیادہ تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے مثال کے طور پر سورۃ نور میں حکم ہوا کہ

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾(۱۲۲)

اس آیت میں مومنین کا شمار ان لوگوں میں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اس کے سوا اور کوئی تفصیل یہاں مذکور نہیں لیکن سورۃ النساء میں فرمایا

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾(۱۲۳)

یہاں ملائکہ کتب ورسل اور یوم آخرت کے بیان کو زیادہ کیا گیا اس زیادتی کی وجہ سے مخالفین سنت کے نزدیک یہ دونوں آیتیں متعارض ہوں گی اور اسی طرح متغائر احکام کی آیتیں بھی ملاحظہ ہوں مثلاً ایک آیت میں حکم ہوا

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾(۱۲۴)

''تم میں سے جو رمضان کے مہینے کو پائے وہ ماہِ مبارک میں روزے رکھے''

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾(۱۲۵)

''جو شخص مسافر یا مریض ہونے کی وجہ سے رمضان میں روزے نہ رکھ سکا وہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں روزے رکھے''

مندرجہ بالا دونوں نصوص خدا کی وحی ہیں اور ہر ایک کا حکم دوسرے سے متغائر ہے مخالفین سنت کو چاہیے کہ ان دونوں آیتوں کو بھی متعارض کہیں علیٰ ھذا القیاس علامہ کاظمی نے مخالفین سنت کے اس رویہ کو ان کا زعم باطل قرار دیا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہاں اچھا موقع ہے کہ رجم کی سزا کی تحقیق بھی بیان کر دی جائے رجم کی سزا دراصل انبیاء کرامؑ اور تمام ادیان سماویہ کا اجماعی مسئلہ ہے یہ صرف امت محمدیہ کے نزدیک زنا کی سزا رجم نہیں بلکہ امم سابقہ اور جماہیر انبیاء کرامؑ و شرائع سماویہ کے نزدیک بھی مسلم ہے اور اسی مضمون کو محدث دہلویؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

”واعلم انه کان من شریعۃ من قبلنا القصاص فی القتل و الرجم فی الزنا و القطع فی السرقۃ فھذہ الثلث کانت متواترہ فی الشرائع السماویۃ و اطبق علیھا جماھیر الانبیاء و الامم“(۱۲۶)

”مسئلہ رجم کا تمام شرائع سابقہ ادیان سماویہ اور امم ماضیہ وجماہیر انبیاءؑ سابقین کے نزدیک اتفاقی ہونا پھر امت محمدیہ کا اسے بالاتفاق تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ رجم کو زنا کی سزا اعتقاد کیا جائے۔“

باقی رہا سوال کہ انسان کو سنگسار کرنا اس مہذب معاشرہ میں سخت بے رحمی اور بربریت کا مظاہرہ ہے اس کا جواب علامہ کاظمی نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ

”اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ جس قوم کی اصطلاح میں بے حیائی کا نام تہذیب ہو اس کے نزدیک فاحشہ کی سزا بے رحمی اور بربریت ہی کہلائے گی اے کاش! یہ لوگ سمجھتے کہ انسان کا شادی شدہ ہونا اس کے عزت وناموس کی حفاظت کی ضمانت ہے اور ”احصان بالتزویج“ گویا اسکی پاک دامنی کے لئے ایک حصن حصین اور مضبوط قلعہ ہے ایسا محصن جب فحاشی کا مرتکب ہو کر کسی کی آبروریزی کرتا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اس نے انسانی عفت کے درآب دار کو شکستہ کر دیا ہے بلکہ اس سے پہلے اس نے خود اپنے حصار عفت کو سنگ ہائے معصیت سے ریزہ ریزہ کر دیا ایسے شخص کی سزا سنگ ہائے ساری کم ہونا اسلامی معاشرہ میں انسانی ناموس کے ساتھ سخت بے رحمی اور انتہائی وحشت وبربریت کا مظاہر ہے۔“(۱۲۷)

مندرجہ بالا نکات جو علامہ کاظمی کے حجیت کے موضوع پر تجزیاتی مطالعہ کے تحت سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ علامہ کاظمی کے رسول مکرم شافعی محشر اور حبیب خدا ﷺ کی سنت کی حجیت ثابت کرنے میں علمی وعقلی دلائل کے ساتھ ساتھ قلبی وروحانی طور پر بھی اس موضوع پر بحث کی ہے اور واقعتاً امت کی رہنمائی کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو اپنے نور سے منور فرمائے۔ آمین

علامہ کاظمی کے بعد مفتی محمد بن عبداللہ سابق شیخ الحدیث مرکز ابن القاسم ملتان نے جو حجیت حدیث پر کتاب تحریر کی ہے اس کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کی کوشش کی جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

روشن خیالی کی مذمت:

مولف نے اپنی کتاب میں حدیث کو حجت تسلیم نہ کرنے والوں کو روشن خیالی سے مرعوب قرار دیا ہے اور انہیں مغرب زدہ فکر کا غلام کہہ کر ان کے حدیث کے معاملے میں اعتراضات اشکالات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

مناظرانہ اسلوب:

مفتی محمد بن عبداللہ نے اپنی تالیف میں مناظرانہ رنگ اپنایا ہے اور مناظرہ کی صورت میں بحث کی ہے نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو کہ مولف نے اپنی رائے کو غالب کرنے کیلئے کتاب " حدیث رسول اور پرویزیت" میں تحریر کیا ہے کہ

"پھر افسوس صد افسوس ان لوگوں پر ہے جو آنکھیں بند رکھتے ہوئے اندھی تقلید کرتے ہوئے منکرین حدیث کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے روشن خیال اور جدید تعلیم یافتہ ہونے پر فخر کرتے ہیں اور قرآن وحدیث پر ایمان رکھنے کے باوجود ان سے مسائل نہیں سیکھتے سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کے فریب میں نہ آئیں کیونکہ ان کے فریب کا جال بہت وسیع ہے "(۱۲۸)

مخالفین پر تنقید و تنقیح:

مفتی موصوف نے انداز تحریر میں مخالف پر واضح انداز میں تنقیدی طرز اپنا کر اس کے افکار و نظریات کا رد کیا گیا ہے اور اسے اسلامی لٹریچر کے اور اصول و قوائد کی مخالفت کرنے والا قرار دیا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو مفتی صاحب کی تحریر جہاں انہوں نے پرویز اور پرویزیت پر تنقید کی ہے۔

حوالہ جات کا انداز:

مولف کتاب نے مخالفین پر بحث کرتے ہوئے اور ان کے نظریات و تفکرات پر تنقید کے دوران جو حوالہ جات کی تخریج کی ہے وہ قرآنی آیات کے علاوہ دور حاضر کے تحقیقی معیار پر پوری نہیں اترتی اگر وہ حوالہ جات مکمل طور پر درج

کرتے تو کتاب کا علمی معیار اور بلند ہوتا۔ مثلاً کتاب کا حوالہ پیش کرتے ہوئے وہ صرف کتاب کا نام درج کرتے ہیں اور مصنف یا مطبع اصل یا ترجمہ کا نہیں بتاتے تو اس انداز سے اس حوالہ تک رجوع کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

الغرض اس کتاب کو ہم حجیت حدیث کے میدان میں ایک کتاب کا اضافہ کہہ سکتے ہیں اور اگر مفتی صاحب دور حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کتاب کی ترتیب بناتے تو یہ کتاب زیادہ مفید اور نفع رساں ہو سکتی تھی اور اس کے ساتھ تنقید کا انداز بھی اگر نرم اور دھیما ہو تا تو گفتگو اور زیادہ سنجیدہ اور پر وقار نظر آتی۔

اس مختصر تجزیے کے بعد اب مولانا فیض احمد ملتانی کا حجیت حدیث کے موضوع پر کام کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے ابتدائی مآخذ مثلاً قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی طرف رجوع کر کے حجیت حدیث کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کے علاوہ کتب سیئر میں جو واقعات ملتے ہیں ان کو بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ تعامل امت اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث شرعی احکام میں حجت ہے۔

سابقہ انبیاء کی سیرت سے دلائل:

ایک اور نقطہ جو مولانا کی حجیت حدیث کے اثبات میں ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے سابقہ انبیاء علیہ السلام کی سیرت کو کامل اور اطاعت کے لائق قرآن کی روشنی میں ثابت کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب دوسرے رسولوں کی سیرت انکی امت پر ہمیشہ سے فرض رہی ہے تو امام الانبیاء کی سیرت و سنت کیونکر حجت نہیں بن سکتی (۱۲۹) نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو کہ سابقہ انبیاءؑ کی سیرت کسطرح کامل اتباع کے لائق رہی ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴾(۱۳۰) حضرت ہود علیہ السلام کا پیغام جو آپ نے اپنی قوم کو سنایا اس کے بعض اجزاء یہ ہیں ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ (۱۳۱) اور حضرت صالح علیہ السلام کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ بیان فرمائے کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ (۱۳۲) اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے پیغمبرانہ پیام بھی انہی الفاظ میں قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اغیار کی نظر میں:

مولانا فیض احمد ملتانی کی حجیت حدیث پر خدمات میں ایک اور خوبی جو قابل بیان ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے غیر مسلم مصنفین کی آراء حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں درج کی ہیں جو کہ آپ کا ہی امتیاز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز کی طرح اور کسی محدث نے بیان نہیں فرمائی کہیں کہیں علامہ کاظمیؒ نے غیروں کی نظر میں حدیث کے مقام کی بات کی ہے مگر بہت کم لیکن مولانا فیض احمد نے اغیار نے جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تحریریں لکھیں ہیں ان کو بیان کیا ہے مثال کے طور پر روسی مصنف ٹالسٹائی کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

"ہر ایک بانی مذہب کی سیرت سے اس کی تحریری معاشغات کی تکمیل ہوتی ہے چنانچہ حضرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں امر حق کی جامع نصیحتیں اور ان کے افعال نیکی کے مجسم نمونے ہیں اور گبن ریڈوڑ کے حوالے سے یہی مفہوم تاریخ زوال روم میں درج ہے۔"(۱۳۳)

الغرض نتیجہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حجت حدیث پر مندرجہ بالا محدثین ملتان کا یہ متفقہ موقف ہے کہ انبیاءؑ خصوصاً سید الانبیاء کی احادیث کا شرعی حجت ہونا اور ذریعہ ہدایت ہونا قرآن حکیم کی بے شمار آیات اور عقل و فطرت کی شہادت سے ثابت ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہر گز عنزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز درپئ مصطفٰےؐ

مندرجہ بالا عنوان پر تجزیاتی مطالعہ کے بعد تراجم حدیث و حواشی پر تجزیاتی مطالعہ پیش خدمت ہے اس میدان میں ترجمہ بلوغ المراغ از مولانا عبد التواب محدث ملتانی کا تجزیہ بیان کیا جاتا ہے۔

بلوغ المرام از حافظ ابن حجر عسقلانی حدیث کی مشہور و معرف کتاب ہے اس کا ترجمہ عبد التواب محدث ملتانی نے کیا ہے اگر ترجمہ پر بغور نظر ڈالی جائے تو مندرجہ ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

i. مولانا عبد التواب محدث ملتانی نے بلوغ المرام کا ترجمہ تحت اللفظ فرمایا ہے مگر اب اسے تھوڑے تصرف کے ساتھ بامحاورہ بنانے کی سعی کی گئی ہے۔

ii. ہر حدیث کا مفہوم سادہ لفظوں میں کتاب کے حاشیہ پر بیان کر دیا گیا ہے۔

iii. اگر کوئی جملہ مشکل آ گیا ہے تو اس کو حل کرنے کی سعی کر دی گئی ہے اور اسکی تشریح بھی الگ بیان کر دی گئی ہے۔

iv. حدیث سے متعلقہ مذاہب کا ذکر اور راجح قول کی نشاندہی واضح انداز میں کی گئی ہے۔

v. تشریح اور توضیح ہو یا مسئلہ زیر بحث اس میں حاشیہ پر وضاحت کرتے ہوے سلفیت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

vi. حدیث کے مقام و مرتبہ اور درجہ کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔

vii. کتاب کے آغاز میں عام اور اوّل اصطلاحات حدیث کی تعریف اور وضاحت کر دی گئی ہے تاکہ کتاب میں جہاں کہیں ان کا ذکر آئے طالبعلم اور قاری کو ان کے سمجھنے میں دشواری اور مشکلات کا سامنانہ کرنا پڑے۔

قدیم وجدید کا امتزاج:

مولانا محدث ملتانی کا ترجمہ چونکہ بہت پہلے تحریر ہوا تھا اور اس میں قدیم اردو کا استعمال ہوا اب اس ترجمہ میں بعض مقامات پر جزوی ترمیم کی گئی ہے اور اصلاح بھی کی گئی ہے۔ اس میں اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو جس سے یہ تالیف موصوف کی تالیف ہی نہ رہے بلکہ قابل برداشت اصلاح کی گئی ہے حواشی کو نہیں تبدیل کیا گیا مگر متن میں قدرے تصرف کیا گیا ہے۔ یہ تصرف مولانا عمر فاروق سعیدی کی قلم سے ہوا ہے۔

رسالہ اصطلاحات المحدثین کا اضافہ:

اس ترجمہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود (۱۹۰۶ء– ۱۹۹۵ء) کا تحریر کردہ رسالہ اصطلاحات المحدثین شامل کیا گیا ہے۔ جسمیں طالبین حدیث کیلئے مفید معلومات اور ضروری اصطلاحات کی تشریح سادہ اور آسان انداز میں کی گئی ہے۔

ان اصطلاحات میں حدیث، خبر، سند، متن، حدیث کی اقسام، اسباب طعن، الجرح وتعدیل، تحمل حدیث اور اصطلاحات متفرقہ کی وضاحت درج کی گئی ہے۔

اس میدان میں ایک اور ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی م ۱۳۹۴ھ کی مشہور کتاب اعلاء السنن ہے جسکا ترجمہ مولانا نعیم احمد استاد خیر المدارس ملتان نے احیاء السنن کے نام سے کیا ہے اور حواشی بھی تحریر کیے ہیں جن میں حدیث کی مختصر تشریح بھی فرمائی ہے۔اس ترجمہ اور حواشی کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

i. ہر حدیث کا الگ الگ ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

ii. ترجمہ کے ساتھ ساتھ راویوں کے مختصر حالات کا بھی ذکر ہے۔

iii. حدیث کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

iv. حدیث کے احکام کی وضاحت بھی آسان انداز میں درج ہے۔

v. حدیث کے حکم کی حکمتیں بھی درج کی گئی ہیں۔

vi. اس کے ساتھ ساتھ حدیث پر عمل کے فائدے بھی درج کیے ہیں۔

vii. علاوہ ازیں حدیث کا درجہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

تراجم حدیث کے بخوبی مطالعہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تراجم کا کام ایک نعمت سے کم نہیں بالخصوص ان حضرات کیلیے جو عربی زبان سے ناواقف ہیں یا صحیح معنیٰ ومفہوم تک پہنچنا ان کی بساط میں نہیں اللہ تعالیٰ ان مترجمین کو اپنی رحمت سے مالامال فرمائے۔(آمین)

باب پنجم

حوالہ جات

۱۔ صدیقی، محمد سعد، علم حدیث اور پاکستان میں اسکی خدمت، شعبہ تحقیق قائداعظم لائبریری لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۶۵

۲۔ ایضاً، ص ۶۶

۳۔ روزنامہ نوائے وقت (۱۴ – ۵ ۱۵ -)، مضمون، سنت کی آئینی حیثیت، از قلم حافظ فاروق سعیدی

۴۔ مودودی، ابوالاعلی، مولانا، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۶۷

۵۔ آل عمران: ۳: ۱۷۹

۶۔ النساء: ۱۳۶: ۴

۷۔ النساء: ۴: ۱۷۰

۸۔ النساء: ۴: ۱۷۱

۹۔ الاعراف: ۷: ۱۵۸

۱۰۔ عثمانی، شبیر احمد، مولانا، فضل الباری شرح بخاری، دارالکتب کراچی، ۱۹۷۳ء، ج ا ص ۲۴۰

۱۱۔ النور: ۲۴: ۶۲

۱۲۔ النجم: ۵۳: ۱ تا ۴

۱۳۔ کاندھلوی، محمد ادریس، حجیت حدیث، مکتبۃ العلم لاہور، س ن، ص ۲۸

۱۴۔ النساء: ۴: ۶۴

۱۵۔ النساء: ۴: ۸۰

۱۶۔ آل عمران:۳: ۳۱

۱۷۔ الاحزاب:۲۳: ۲۱

۱۸۔ الاصفہانی، ابو القاسم، حسین بن محمد، <u>مفردات القرآن</u>، بیروت دار المعرفۃ، ۱۹۷۲ء، ص ۱۴

۱۹۔ حجیت حدیث، ص ۳۳- ۳۴

۲۰۔ ابن کثیر، اسمعیل، القرشی، <u>تفسیر القرآنِ العظیم</u>، مطبہ لاہور ۱۹۷۳ء، ج ۳، ص ۴۷۴

۲۱۔ الحجرات:۲۹: ۶

۲۲۔ ابن قیم، الجوزی، العلامہ، <u>زاد المعاد</u>، دار العلم بیروت ۱۹۸۴ء، ص ۷۷

۲۳۔ محمد:۴۷: ۹

۲۴۔ محمد:۴۷: ۲۸

۲۵۔ ہود: ۱۱: ۱۶

۲۶۔ التوبہ:۹: ۶۹

۲۷۔ الاحزاب:۳۳: ۱۹

۲۸۔ الانعام:۶ : ۸۸

۲۹۔ البقرہ: ۲: ۲۱۷

۳۰۔ محمد: ۴۷: ۳۲

۳۱۔ الاحزاب: ۳۳: ۵۷

۳۲۔ ص:۳۸: ۷۸

۳۳۔ کاندھلوی، محمد مالک، مولانا، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۸۲ء، ج۶، ص ۴۴۴

۳۴۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، حجیت حدیث، مطبۃ لاہور، س ن، ص۳۹

۳۵۔ خاکوانی، محمد باقر، ڈاکٹر، علوم الحدیث، ادارہ مطبوعات، سلیمانی لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۴۱

۳۶۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر حدیث، مطبع لاہور، ص ۳۳- ۳۵

۳۷۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، کاظمی پبلیشرز ملتان ۲۰۰۳ء، ج۱، ص۲۶۷

۳۸۔ ایضاً، ص۲۶۸

۳۹۔ ایضاً، ص۲۷۰

۴۰۔ المومنون:۲۳: ۱

۴۱۔ الحجر: ۲۱: ۱۵

۴۲۔ بنی اسرائیل: ۱۷: ۸۵

۴۳۔ الانعام: ۶: ۱۲۴

۴۴۔ الحج: ۲۲: ۷۵

۴۵۔ آل عمران: ۳: ۳۳

۴۶۔ الاعراف:۷: ۱۴۴

۴۷۔ مقالات کاظمی ج۱ ص۲۷۳

۴۸۔ الانعام: ۶: ۷۵

۴۹۔ النمل: ۲۷: ۱۹

۵۰۔ یوسف: ۱۲: ۹۳

۵۱۔ یوسف: ۱۲: ۹۴

۵۲۔ الانبیاء: ۲۱: ۶۹

۵۳۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۲۷۵

۵۴۔ آل عمران: ۳: ۳۱

۵۵۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۲۷۹

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۸۹

۵۷۔ ایضاً، ص ۲۹۰

۵۸۔ التحریم: ۶۶: ۱

۵۹۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۳۰۳

۶۰۔ شجاعبادی، محمد بن عبد اللہ، مفتی، حدیث رسول اور پرویزیت، ملتان ۲۰۰۸ء ص ۱۰۹

۶۱۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۶۲۔ ایضاً ص ۲۱

۶۳۔ پرویز، غلام احمد، شاہکار رسالت، ادارہ طلاع اسلام لاہور، ص ۲۸

۶۴۔ ایضاً، ص ۳۷

٦٥۔ النساء: ۴: ۱۱۵

٦٦۔ الاعراف: ۷ : ۲۷

٦۷۔ حدیث رسول اور پرویزیت، ص ۲۳

٦۸۔ فیض احمد، مولانا، المسائل والدلائل، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ص ۳۹

٦۹۔ ایضاً، ص ۴۰

۷۰۔ ال عمران: ۳: ۱٦۴

۷۱۔ المسائل والدلائل، ص ۴۱

۷۲۔ الحجر: ۱۵: ۹

۷۳۔ لقمان: ۳۱: ۱۲

۷۴۔ المسائل والدلائل، ص ٦۱

۷۵۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، کاظمی پبلیشرز ملتان ۲۰۰۳ء، ج ۱، ص ۲۴۸

۷٦۔ ایضاً ص ۲۴۹

۷۷۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۵۸

۷۸۔ فیض احمد، مولانا، المسائل والدلائل، مکتب حقانیہ ملتان، س ن، ص ۹۱

۷۹۔ ندوی، سلیمان، سید، خطبات مدراس، ادارہ نشریات اسلام کراچی ۱۹٦۸ء، ص ۵۲

۸۰۔ ندوی، سلیمان، سید خطبات مدراس، ص ۵۷

۸۱۔ ابی نعیم، احمد بن عبد اللہ، الحافظ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار العلم بیروت ۱۹۸۰ء ج ۱، ص ۲۳۸

۸۲۔ ایضاً، ج ا، ص ۳۴۲

۸۳۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، سیرت مصطفےٰ ﷺ، صدر مطبہ لاہور ۱۹۷۹ء، ج ا ص ۱۷۴

۸۴۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویہ، دارالاحیاء بیروت ۱۹۳۲ء، ج ۳ ص ۳۲۸

۸۵۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، نشر السنۃ ملتان، س ن، ج ۲ ص ۳۷۴

۸۶۔ دار قطنی، علی بن عمر، سنن دار قطنی، دار المحاسن قاہرہ ۱۹۲۶ء ج ۳، ص ۲۱۰-۲۰۹

۸۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق الساسیہ، نخبۃ التالیف قاہرہ، ۱۹۶۱ء ص ۱۰۴ تا ۱۰۹

۸۸۔ سیرت مصطفےٰ ﷺ، ج ۲، ص ۳۷۷ تا ۳۱۲

۸۹۔ نقوش، رسول نمبر، لاہور، ۱۹۸۲ء، ج ۲، ص ۲۱۷

۹۰۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، امام، الجامع الصحیح البخاری، دار الاحیاء التراث العربی ۱۴۰۸ھ، ج ۲، ص ۱۴۳ تا ۱۴۷

۹۱۔ ابن سعید، محمد ابو عبداللہ، الطبقات الکبریٰ، بیروت: ۱۹۷۵ء ج ۵ ص، ۲۹۳

۹۲۔ ابن اثیر، محمد بن عبد الکریم، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، بیروت: ۱۹۸۰ء ج ۳، ص ۲۳۳

۹۳۔ الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب ذمۃ المسلمین

۹۴۔ ایضاً، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم

۹۵۔ حاکم، نیشاپوری، امام، المستدرک، دائرہ معارف اسلامیہ حیدر آباد، ۱۳۳۴ھ، ج ۳، ص ۵۷۳

۹۶۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، صحیفہ ابن حمام بن منبہ، سلک سنز فیصل آباد، ۱۹۸۲ء، ص ۲۷

۹۷۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، التاریخ الکبیر، دائرہ معارف حید آباد ۱۳۶۰ھ ج ۴، ص ۱۸۶

۹۸۔ حمید اللہ، صحیفہ ابن ہمام، ص ۳۰

۹۹۔ Azmi, Muhammad, Mustfa, Studies in Early Hadith Lieterature, Indiana, 1978,P43

۱۰۰۔ Do.P.50-60

۱۰۱۔ ابن اثیر، علامہ مبارک بن محمد، الجزری، اسد الغابہ فی احوال الصحابہ، دار احیاء الثرات بیروت، ج۳، ص۲۲۷

۱۰۲۔ المسائل والدلائل، ص۸۷

۱۰۳۔ ملتانی، عبد التواب، مولانا، بلوغ المرام (ترجمہ) فاروقی کتب خانہ ملتان، ۲۰۱۴ء، ص۵۵

۱۰۴۔ ایضاً، ص۵۶

۱۰۵۔ ایضاً، ص۵۵

۱۰۶۔ ایضاً، ص۵۸

۱۰۷۔ ایضاً، ص۵۹

۱۰۸۔ ایضاً، ص۶۰

۱۰۹۔ ایضاً، ص۳۱۲

۱۱۰۔ از قلم شاگرد رشید مولانا عبد القدوس جالندھری

۱۱۱۔ نعیم، احمد، مولانا، احیاء السنن، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن، ج۱، ص۲۰-۱۹

۱۱۲۔ النحل: ۱۶: ۴۳

۱۱۳۔ احیاء السنن، ج۱، ص۲۱

۱۱۴۔ ایضاً، ص۲۹

۱۱۵۔ الیوسف: ۱۲: ۲۴

۱۱۶۔ بنی اسرائیل: ۱۷: ۷۴

۱۱۷۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، کاظمی پبلیشرز ملتان ۲۰۰۳ء، ج ۱، ص ۲۹۸-۲۹۷

۱۱۸۔ التحریم: ٦٦: ۲-۱

۱۱۹۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۳۰۳

۱۲۰۔ النور: ۲۴: ۲

۱۲۱۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۳۱۷-۳۱٦

۱۲۲۔ النور: ۲۴: ٦۲

۱۲۳۔ النساء: ۴: ۱۳٦

۱۲۴۔ البقرہ: ۲: ۱۸۵

۱۲۵۔ البقرہ: ۲: ۱۸۴

۱۲٦۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، مطبع الحدود مصر ۱۹۸۴ء، ج ۲، ص ۵۸

۱۲۷۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۳۲۴

۱۲۸۔ محمد بن عبد اللہ، مفتی، حدیث رسول اور پرویزیت، ادارہ اشاعت القرآن والحدیث ملتان ۲۰۰۸ء، ص ۳۱

۱۲۹۔ المسائل والدلائل، ص ۵۴

۱۳۰۔ الشعراء: ۲٦: ۱۰۸

۱۳۱۔ الشعراء: ۲٦: ۱۲٦

۱۳۲۔ الشعراء: ۲٦: ۱۷۹

۱۳۳۔ المسائل والدلائل، ص ۶۱

باب ششم

ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

فصل اوّل تاریخ حدیث واصول حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

باب زیر بحث میں ملتان میں تاریخ واصول حدیث پر کام کا تنقیدی جائزہ زمانی ترتیب کے مطابق پہلے علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کے کام کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ نے مقالات کاظمی میں عنوان نمبر ۱۰ تا ۱۲ بعنوان کتابت حدیث دوم حضرات صحابہ کرام و کبار تابعین کرام کے عہد میں حدیث اور سوم تدوین حدیث مضامین درج ہیں ان کے بارے میں تعارف اور تجزیہ پہلے ہو چکا ہے اب ہم ان کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

کتابت حدیث کے عنوان سے صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۶ مواد تحریر ہے جس میں عہد نبوی میں کتابت حدیث کو سنن ابو داؤد شریف کی ایک حدیث سے ثابت کیا گیا ہے ایک بات پہلے تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ درست ہے کہ عہد صحابہؓ میں احادیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں نہیں ہوئی"(۱) لیکن پھر فرماتے ہیں کہ " اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ عہد رسالت میں مطلقاً کتابت حدیث نہیں ہوئی"(۲) لکھتے ہیں بلکہ خود رسول ﷺ نے بعض صحابہ کو حدیثیں لکھنے کا حکم فرمایا ابو داؤد شریف میں ہے۔

((عن عبداللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شی اسمعه من رسول اللہ ﷺ ارید حفظه فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شی تسمعهٗ ورسول اللہ ﷺ بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عنِ الکتابة فذکرت ذٰلک الی رسول اللہ ﷺ فاوماء باصبعه الیٰ افیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده مایخرج منه الا حق))(۳)

"حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول ﷺ سے ہر سنی ہوئی حدیث کو یاد کرنے کیلئے لکھ لیا کرتا تھا قریش کے چند لوگوں نے مجھے روکا اور کہا کہ رسول ﷺ سے ہر سنی ہوئی بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول ﷺ بشر ہیں وہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں کلام فرماتے ہیں (قریش کی یہ بات سن کر) میں کتابت حدیث سے رک گیا اور میں نے یہ بات رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سب کچھ لکھ لیا کرو اور اپنی مبارک انگلی

سے اپنے دہن اقدس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس ذات پاک کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اسکی قسم کھا کر کہتاہوں کہ اس دہن مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا"

روایت میں واقعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ پیش آیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکتب یعنی لکھ لیا کرو۔ کیونکہ اس دہن اقدس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

اس حدیث سے شاہ صاحب نے کتابتِ حدیث کے بارے میں صریح حکم اخذ کیا ہے لکھتے ہیں "اس حدیث میں کتابت حدیث کا صریح حکم وارد ہے" یہی یہ اس حدیث کا معنیٰ متعین کیا ہے جو اس حدیث سے متعارض محسوس ہو تا ہے۔ وہ یہ کہ لاتکتبوا عنی غیر القرآن کہ مجھ سے قرآن مجید کے ساتھ اور لکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن غیر قرآن سے مخلوط ہو جائے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ "عہد رسالت مآب میں کتابت حدیث ثابت ہے مگر عام نہیں کیونکہ کتابی صورت میں تدوین حدیث اس عہد میں نہیں ہوئی "(۴)

اسی بات سے اوپر بیان کیا گیا حکم قابل بحث آتا ہے کہ کتابتِ حدیث کا صریح حکم میرے خیال میں اسے حکم کی بجائے اجازت تک محدود سمجھا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اس کی ایک وجہ تو روایت میں بیان ہونے والا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص قریش کے کہنے پر حدیث لکھنے سے رک گئے تھے۔ آپؐ نے انہیں لکھنے کی اجازت دیتے ہوئے یہ اطمینان دلایا کہ اس دہن مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اگر اس حدیث سے کتابت حدیث کا صریح حکم ثابت کیا جائے تو ساتھ ہی اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ عہد نبوی میں کتابت حدیث نہ ہونے کی وجہ سے کتب حدیث مرتب نہ ہو سکیں تو پھر حکم صریح پر عملدرآمد میں کوتاہی ماننی پڑے گی جو کہ محال ہے۔ صحابہ کرام نے ارشادات رسول ﷺ اور اعمال واحوال کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا احاطہ تحریر میں سارا ذخیرہ احادیث نہ لایا جاسکا یہ کام دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے آغاز میں وسیع پیمانے پر شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔

دوسرا مضمون بعنوان حضرات صحابہ کرامؓ وکبار تابعین کے عہد میں حدیث ہے یہ مختصر مضمون صفحہ ۲۴۶ کے نصف سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۸ کے نصف پر ختم ہو جاتا ہے اس مضمون میں آیت کریمہ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"(۵)

کے تحت اتباع رسول ﷺ کو ثابت کیا ہے اور اسی سے حدیث رسول ﷺ کی ضرورت ثابت کی ہے اسی ثبوت سے اتباع کرنے والوں پر حدیث کو جاننا اور یاد رکھنا لازم آتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"اسی لیے تقریباً دس ہزار صحابہ کرام نے احادیث مقدسہ اپنے سینوں میں ضبط کر کے تابعین کو پہنچائیں اور تابعین نے تبع تابعین کو اسی طرح سنت مقدسہ واحادیث کریمہ کی نعمت عظمٰی ہم تک پہنچی "(٦)

۴ مقلین سات مکثرین پھر صحابہ کرامؓ اور ۱۸ تابعین کے اسماء گرامی مع سن وفات کے درج کیے ہیں پھر ان مراکز کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں ان حضرات نے خدمت حدیث کا کام سرانجام دیا۔ لکھتے ہیں:

"مثلاً مدینہ منورہ میں چار سو چوراسی تابعین کے حالات طبقات ابن سعد وغیرہ کتب، تاریخ وسیئر میں ملتے ہیں اسی طرح مکہ مکرمہ میں ایک سو اکتیس اور کوفہ میں چار سو تیرہ بصرہ میں ایک سو چونسٹھ "(۷)

تیسرا مضمون تدوین حدیث کے عنوان سے صفحہ ۲۴۸ کے نصف آخر سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۹ تک درج ہے اس مضمون میں پہلے تدوینِ حدیث کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل بصیرت حضرات کو اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر کتابی صورت میں تدوینِ احادیث کا کام نہ کیا گیا تو اس نعمت عظمٰی سے محروم ہو جائیں گے "(۸)

پھر مکتب حدیث لکھنے والے حضرات کے نام تحریر کیے جن میں سنِ وفات کی ترتیب پیش نظر رہی ہے آغاز ربیع بن صبیح متوفی ۱٦۰ھ میں موسٰی بن عقبہ م ۱۴۱ھ سے کیا ہے اور اختتام امام ابن ماجہ ۲۷۳ھ پر کیا ہے اس دوران بڑے محدثین جنہوں نے کتب حدیث مرتب کی ہیں ان کے نام مع سن وفات درج کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہم ان صحابہ کرامؓ و تابعین عظام واجلہ محدثین کے اس احسانِ عظیم کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے رسول ﷺ کی احادیث مقدسہ کو کتابی صورت میں مدون کر کے امت مسلمہ کیلئے ہدایت کا ایک روشن مینار کر کے سنن نبویہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ کے انوار سے ہر مومن کے دل کو منور فرمایا"(۹)

تاریخ حدیث میں یہ مضامین بہت مختصر اور ابتدائی معلومات پر مبنی ہیں دور حاضر میں مستشرقین کے زیرِ اثر اور مسلمان اہل علم کی ہاں حفاظتِ حدیث پر جو سوالات پیدا ہو گئے ہیں ان کو ان مضامین میں موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔

ان مضامین کے مخاطب عقیدت مند پیروکار ہیں جن کو عقیدت و محبت کی زبان میں عظمت حدیث اور اتباعِ حدیث کی طرف مائل کیا گیا ہے اور ان کے اندر عقیدت پیدا کر کے ان سے حدیثِ رسول ﷺ کی پیروی کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں "اسی طرح سنن مقدسہ و احادیث کریمہ کی نعمت عظمیٰ ہم تک پہنچی" (۱۰) اس ایک جملے میں سنن، احادیث کے ساتھ دو اسمِ صفت لگا کر پھر ان کو نعمت قرار دے کر نعمت کے ساتھ بھی اسم صفت لگائی ہے یہ مثال ہے عقیدت کی انتہا کی۔ حضرت نے عربی اور فارسی زبان میں مہارت تامہ ہونے کی وجہ سے اردو زبان میں عربی الفاظ اصطلاحات اور محاورات وغیرہ کو بڑی سلاست اور روانی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ یہ بات اہل علم کیلئے فضیلت لیکن عامی کیلئے حجاب بن جاتی ہے مثلاً فرماتے ہیں:

"ان صحابہ کرام میں جن حضرات کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے اکثار فی الروایہ سے کام لیا تو وہ خطا میں واقع ہو جائیں گے انہوں نے قلت روایت کو اختیار کیا اور جنہیں یہ اندیشہ نہ تھا انہوں نے اکثار فی الروایہ پر عمل کیا" (۱۱)

اس مثال میں اکثار فی الروایہ خالص عربی اصلاح ہے جو صرف عربی پس منظر رکھنے والے اردو داں اہل علم کیلئے قابل فہم ہو سکتی ہے مگر عربی پس منظر سے بے بہرہ اردو پڑھنے والے کیلئے اس کو سمجھنا مشکل ہی نہیں بوجھل بھی ہے۔ اس عبارت میں ایک اور جملہ ملاحظہ کریں "تو وہ خطا میں واقع ہو جائیں گے" یہ بھی عربی اسلوب پر مبنی جملہ ہے ورنہ سادہ اردو میں اسے اس طرح لکھا جاتا تو عام فہم بھی ہو جاتا اور رواں بھی تو وہ خطا میں پڑ جائیں گے یا ان کے خطا میں پڑنے کا امکان ہے یہاں تک تو بات زبان کی تھی۔

اوپر بیان ہونے والے مؤقف میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقلین میں خلفاء راشدین کو شمار کر کے ان کے قلیل الروایہ ہونے کی وجہ ان کا اپنے بارے میں خطا میں پڑنے کے امکان کو بتایا گیا ہے جبکہ اسی دور کے وہ صحابہ جو بہت بعد میں ایمان لائے اور کثیر الروایہ ٹھہرے ان کے کثیر الروایہ ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا اور وہ خطا میں پڑنے سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔ قلیل الروایہ اور کثیر الروایہ صحابہ کے درمیان فرق کی جو وجہ بیان کی گئی

ہے وہ یہ سوال پیدا کرتی ہے کہ کیا خلفاء راشدین کو اپنے خطا میں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ عام تصور تو یہ ہے کہ خلفاء راشدین کا فہم دین، تعلق بالرسولؐ اور اتباع واطاعتِ رسولؐ کا معاملہ دیگر صحابہؓ سے بھی افضل تھا پھر وہ اپنے بارے میں خاص اقوال، احوال اور اعمال رسول کے بیان کرنے کے بارے میں کیسے خطا میں پڑنے کا سوچ سکتے تھے اگر چہ ہر صحابی ستارہ ہے مگر ہر صحابی کو خلیفہ راشد ہونے کا شرف تو حاصل نہیں ہے۔

یہ سوال اہم ہے اور اس کا جواب دینا چاہیے تھا۔ مگر یہاں پر محترم کاظمی شاہ صاحب نے اختصار سے کام لیا ہے اس لیے جو روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ان کو من و عن نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی شاہ صاحب کی تاریخ حدیث پر یہی مضامین ان کی کتب مکالات کاظمی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث پر ان کے کام میں تاریخِ حدیث پر زیادہ مواد نہ ہے دراصل شاہ صاحب قدیم محدثین کی روایت کے امین نظر آتے ہیں جنہوں نے تاریخِ حدیث کو آج کے اسلوب میں موضوعِ بحث نہیں بنایا۔

ملتان میں تاریخِ حدیث پر جس شخصیت کا کام میسر آسکا ہے وہ ہیں مولانا فیض احمد صاحب ملتانی تاریخ حدیث پر آپ کا کام آپ کی کتاب "مقام حدیث مع ازالہ شبہات" میں مختلف عنوانوں کے تحت درج ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس کتاب کا اصل موضوع حدیث کے مقام کو بیان کرنا اور ان شبہات میں سے بعض کو دور کرنا جو تاریخِ حدیث کے بارے میں بھی پائے جاتے ہیں جن کو زیرِ بحث لا کر ان کے جواب دیے گئے ہیں۔ ان کا انداز تحقیقی کی بجائے عامیانہ ہے مثلاً تاریخ اور حدیث نبوی میں چند امتیاز کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

"کہا جاتا ہے کہ حدیث نبویؐ بیش از بیش تاریخ کا حصہ ہے اور تاریخ کو دین یا دینی حجت نہیں کہا جاسکتا"(۱۲)

اس حوالے میں بحث کا آغاز کہا جاتا ہے سے کیا گیا ہے حدیث کے ماہر ہونے کے حوالے سے مولانا محترم کو بھی علم ہے کہ قِیل یا ذُکِرَ سے شروع ہونے والی روایت کا کیا درجہ ہوتا ہے۔ یقیناً یہ کمزور درجے کی روایت ہوتی ہے دورِ حاضر کی تحقیق تو اسے قابل اعتناہی نہیں سمجھتی۔ لہٰذہ دورِ حاضر کی تحقیق کے اصولوں کے مطابق کسی قائل کا بیانیہ من و عن نقل کرنے کے بعد اس پر تنقید کی جاتی ہے۔

اس بحث کو حضرت مولانا جس رخ پر لے گئے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے معترض کے اعتراض کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں معترض کے اعتراض میں مجرد تاریخ یا قرآن مجید میں بیان ہونے والی تاریخ کو حجت نہ ماننے کی بات نہیں کی گئی بلکہ جمع تدوین حدیث اور حدیث میں بیان ہونے والے ان واقعات کو زیر بحث لانے کی بات کی گئی ہے جن کو اسرائیلیات موضوع یا ضعیف روایات کے نام سے ہمارا ذخیرہ حدیث میں یاد کیا جاتا ہے۔ دین میں حجت قرآن ہے یا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ قرآن کی حفاظت کے بارے میں امت مسلمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جبکہ سنت رسولؐ یا تو قرآن میں بیان ہوئی ہے یا حدیث میں حدیث ہمارے پاس اس طرح ایک کتاب کی صورت میں نہیں پہنچی جیسے قرآن مجید علم حدیث کا نام آتے ہی حدیث کی اقسام کا ذکر آتا ہے جس میں مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے حدیث کی بہت سی قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں جن کی قبولیت اور عدم قبولیت کے بارے میں امت کے علماء مختلف الرائے ہیں۔ اس بنیادی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے ورنہ جیسا کہ مولانا نے بحث کو اٹھایا ہے وہ مسئلے کے حل کیلئے چندہ مفید نہیں ہے بلکہ نئے مسائل پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مولانا کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں:

" سو یاد رہے کہ سب سے پہلے تو یہی کہنا غلط ہے کہ تاریخ، دین کے باب میں مطلقاً حجت اور قابل استناد نہیں کیونکہ قرآن پاک کے تیس پاروں میں سے کوئی پارہ اور کوئی بڑی سورت چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے ایسی نہیں ملے گی جس میں امم ماضیہ کے احوال و اعمال پر متنبہ نہ کیا گیا ہو تاریخی حقائق اور ان کے عبرت ناک عواقب و نتائج سے دنیا کو آگاہ نہ کیا گیا ہو تو کیا صحیح تاریخ پر مشتمل قرآن عزیز کے اس ضخیم حصہ کو بھی معاذاللہ دینی حجت کے باب سے نکال دیں گے اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ثابت ہوا کہ ہر وہ کلام دینی حجت ہے جس کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف مستند طریق سے ثابت ہو گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو"(۱۳)

مندرجہ بالا پیراگراف میں جس طرح تاریخ، قرآن، اور حدیث کو کہیں بالمقابل کہیں ایک دوسرے کا حصہ قرار دے کر خلطِ مبحث کیا گیا ہے ایسا دراصل قدیم و جدید کے فہم میں فرق کی وجہ سے ہوا ہے قدیم اسلوب اور جدید اسلوب جدا جدا ہیں اب علوم کی تقسیم زیادہ واضح ہو گئی ہے اور دورِ حاضر کا پڑھا لکھا طبقہ تاریخ، اصول اور متن میں فرق سمجھتا اور قرآن، حدیث فقہ اور تاریخ کے مضامین کو الگ الگ کر کے دیکھتا ہے۔ لہٰذہ قدیم کیلئے جدید ذہن کا اظہار بیان ایک حجاب بن گیا ہے حالانکہ مولانا فیض احمد صاحب نے آخری فقرے میں جو بات کہی ہے وہی اصل میں زیرِ بحث ہے وہ

ہم دوبارہ پیش کرتے ہیں تاکہ بات آگے بڑھانے میں آسانی رہے فرماتے ہیں "ہر وہ کلام دینی حجت ہے جس کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف مستند طریق سے ثابت ہو گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو" (حوالہ بالا)

اس جملے میں تین باتیں قابل غور ہیں (۱) دینی حجت (۲) مستند طریق سے ثابت (۳) گو وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ان مضامین پر الگ الگ بحث کریں گے۔ (۱) دینی حجت۔ جمہور کے نزدیک سنت رسولؐ دینی حجت ہے مگر فقہاء کے ہاں یہ حجت مختلف سطحوں میں بدل جاتی ہے۔ اوامر و نواھی کی عام تقسیم درج ذیل ہے: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب پھر حرام، مکروہ تحریمی (۳) مکروہ تنزیہی (۴) مباح۔ دینی حجت ان آٹھ بنیادی حصوں میں تقسیم ہو کر اختلاف کا سبب بنتی ہے اس عنوان پر اسی قدر بحث کے بعد ہم دوسرے عنوان پر گفتگو کرتے ہیں (۲) مستند طریق سے ثابت۔ یہی مقام دراصل موضوع زیر بحث کا اصل نکتہ بحث ہے یعنی جو روایت یا مضمون رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہمارے پاس پہنچا ہے اس کی قدر و قیمت کیا ہے وہ مستند ہے یا اس میں کوئی کمزوری ہے اگر کمزوری ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے اخذ حکم میں اس کا درجہ کیا ہے یہ بحث محدثین میں بھی موجود ہے اور فقہاء میں تو خاص طور پر بہت نمایاں ہے حدیث کو تاریخ قرار دے کر اس کے حجت ہونے کی بحث اور مستند طریق سے ثابت ہونے کی بحث تقریباً یکساں نوعیت کی بحث ہے اس میں مبالغہ ہوتا ہے تو نوبت انکار تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے صرف نظر ہوتا تو نوبت جمود کے شکار ہونے تک پہنچ جاتی ہے دونوں گروہوں کے پاس دلائل ہیں مگر حرکت کو ترجیح حاصل رہنی چاہیے کیونکہ جمود آگے بڑھنے کی صلاحیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ رہا تیسرا نکتہ کہ خواہ وہ تاریخ ہی کیوں نہ ہو مندرجہ بالا بحث کے بعد اس پر مزید بحث کی ضروت تو نہیں تاہم اس بارے میں صرف ایک جملہ مفید مطلب رہے گا وہ یہ کہ جو بھی ہو مستند ہو غیر مستند کا کوئی مقام نہ ہے۔

اس کے بعد سات خصوصیات بیان فرمائی ہیں جو تاریخ اور حدیث کے فرق اور حدیث کے امتیاز پر مبنی ہیں اس کا زیادہ تر انحصار سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث پر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ اس کے حوالے ملخصاً درج ہیں۔

اس کے بعد مذکورہ کتاب کے صفحہ ۵۴ سے عہد نبوی میں حفظ حدیث کے عنوان کے تحت صفحہ ۷۸ تک تبع تابعین کے عہد میں حدیث کی کتابت تک مختلف ادوار میں تاریخِ حدیث پر مواد مہیا کیا گیا ہے۔ حفظِ حدیث اور کتابت حدیث پر مختلف کتب حدیث سے مواد جمع کر کے نمبر وار اور خوبصورت ترتیب سے اسے جمع کیا گیا ہے جس میں یہ ثابت

کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ عہد نبویؐ سے عہد تابعینؒ تک حدیث کی حفاظت حفظ کے ذریعے بھی ہوئی اسے احاطہ تحریر میں لاکر بھی کی گئی۔

استدلال میں نقل کا پلڑا بھاری ہے اور ہر درجے کی کتب حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ زیادہ تر جذبات سے اپیل کی گئی ہے مثلاً حفاظت حدیث پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اندازہ فرمائیے جس قوم کے نزدیک آپ کے ایک موئے مبارک کی قدر وقیمت ساری دنیا سے زیادہ ہو اس نے آپ کی زندگی کی نگہداشت میں کس اہتمام اور توجہ سے کام لیا ہو گا"(۱۴)

احادیث کی تعداد کے عنوان سے ایک پیرا گراف چشم کشا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"بقول حضرت العلامہ مناظر احسن گیلانیؒ صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اس وقت صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں ان کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے اور یہ ہر رطب ویابس کے مجموعہ کی تعداد ہے تمام کتابوں سے چھان بین کر ابن جوزی نے انہیں جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت میں مشہور ہیں ان کا بیان ہے کہ اول درجے کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچ سکتی (اور) واقعہ یہی ہے کہ دس ہزار نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں عہد نبوت اور عہد صحابہؓ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھی"(۱۵)

اس کے بعد احادیث کی اتنی زیادہ تعداد کی توجیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ دراصل طرق کی کثرت ہے مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح حدیث انما الاعمال بالنیات ایک حدیث ہے مگر سات سو طریقوں سے محدثین نے اسے روایت کیا ہے۔ گویہ ایک حدیث ہے مگر اصطلاح کے تحت بجائے ایک کے اس حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے اب جس محدث کو یہ حدیث سات سو سندوں سے حاصل ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے سات سو حدیثیں یاد ہیں"(۱۶)

عہد نبوی میں احادیث کے تحریری سرمایہ پر ۲۴ روایتوں کو نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عہد نبوی میں بہت کچھ تحریری سرمایہ حدیث کے بارے میں موجود تھا پھر عہد صحابہؓ کے تحریری سرمایہ پر ۳۳ روایات درج کر کے واضح کیا ہے کہ اس عہد میں بھی احادیث تحریر کرنے کی مختلف شکلیں پائی جاتی تھیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"عہد نبوی کے ۲۴ حوالہ جات کے ساتھ عہد صحابہؓ کے ان ۳۳ کا اضافہ کیجئے تو ۵۷ بنیں گے ان ۵۷ مستند شواہد سے ثابت ہوا کہ عہد نبوت کی طرح عہد صحابہؓ میں بھی احادیث لکھی جاتی رہیں صحابہ کرام نے خود حدیثیں لکھیں اپنے شاگردوں کی درخواست پر انہیں لکھنے کی اجازت دی بلکہ ان کو حدیثوں کے قلم بند کرنے کا حکم دیا۔"(۱۷)

آخر میں معروف چھ صحابہؓ کرام کے اسماء گرامی ان کی روایتوں کی تعداد اور ان کا سن وفات درج کیا ہے جو کہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱)حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ (۵۳۷۴ سے زائد) (۶۳ھ)۔

(۲)حضرت ابو ھریرۃؓ (۵۳۷۴) (۵۹ھ)۔

(۳)حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (۲۶۶۰) (۶۸ھ)۔

(۴)حضرت عبد اللہ بن عمر (۱۶۳۰) (۷۳ھ)۔

(۵)حضرت جابر بن عبد اللہ (۱۵۶۰) (۷۸ھ)۔

(۶)حضرت انس بن مالک (۱۲۸۶) (۹۳ھ)۔عہد تابعین میں کتابت حدیث(۱۸)۔

اس عہد میں کتابت حدیث کے بارے میں دس روایات نقل کی ہیں۔ تبع تابعین کے عہد میں کتابت حدیث کے بارے میں مختلف مؤلفین کے نام اوران کی کتب کے نام تحریر کر کے ثابت کیا ہے کہ اس عہد میں کتابت حدیث کا کام پہلے ادوار کی نسبت تیز ہو گیا۔ آخر میں تدوین و تحریر حدیث کے تین دور کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں میں اخبار وسئیر اور احکام و سنن کی ترتیب و تدوین کے در حقیقت تین دور ہیں۔اول جب ہر شخص نے اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کی معلومات ایک جگہ فراہم کی گئیں اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔پہلا دور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا دوسرا دور ۱۵۰ھ تک اور تیسرا دور تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔

ان ادوار کی تقسیم بحثیت افرادِ کار:

پہلا دور صحابہؓ واکابر تابعین کا تھا دوسرا تبع تابعین کا اور تیسرا ادوار امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا۔(۱۹)

تاریخ حدیث کے اس حصے میں زیادہ تر مواد مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث سے لیا گیا ہے اس حصے میں زبان بھی جدید ہوگئی ہے اس میں سلاست وروانی محسوس کی جاسکتی ہے آخری حوالہ سید سلمان ندویؒ کی خطباتِ مدارس سے لیا گیا ہے سید سلمان ندوی صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ انشاپرداز ہیں لہٰذہ ان کی اردوزبان کی سادگی وسلاست کے کیا کہنے۔ ہر حال ایک تازگی کا احساس ہوا البتہ دلائل میں عقل کی بجائے جذبات کا پلڑا بھاری ہے تاہم خوبصورت رنگ اور عشق ومحبت کے سنگ کتابت حدیث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جہاں بڑے ذوق وشوق سے کتابت حدیث کو عہد نبویؐ سے لے کر عہد تبع تابعین تک تحریری شکل میں جمع ہوتے اور ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سوال ہنوز جواب طلب ہے کہ ان ادوار میں ذخیرہ احادیث کا کتنا حصہ ضبطِ تحریر میں موجود تھا اور دورِ تدوین میں جمع ہونے والی احادیث کی تعداد کتنی تھی۔ اہل علم کو دور اول کے جو احادیث کے رسالے وغیرہ ملے ہیں یا انہوں نے ذکر کیے ہیں ان میں احادیث کی تعداد بہت کم تھی جبکہ بعد کا ذخیرہ حدیث لاکھوں تک پہنچا۔

اصول حدیث پر کام کا تنقیدی جائزہ:

ملتان میں تاریخ حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے کے بعد اب ہم ملتان میں اصولِ حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں:

سب سے پہلے ملتان میں اصول حدیث پر ہونے والے کام میں ایک اہم نام علامہ عبد العزیز پرھاروی کا ہے جن کا اصول حدیث پر ایک رسالہ کوثر النبی فی اصول الحدیث النبوی کے نام سے مکتبہ امدادیہ ملتان نے شائع کیا ہے یہ رسالہ عربی زبان میں ہونے کی بنا پر صرف عربی زبان جاننے والوں کیلئے اہمیت کا حامل ہے اردوداں حضرات اس کو عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے سمجھنے اور استفادہ کرنے سے قاصر ہیں۔

اس رسالے میں اصول حدیث پر قدیم محدثین کی اصولِ حدیث پر لکھی ہوئی کتب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے البتہ اس کتاب کے ناشر نے اسمیں کچھ پہلو دورِ جدید کی کتب کے بھی شامل کر دیے ہیں۔ مثلاً فہرست عنوان جو صفحہ نمبر ۳ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ نمبر ۷ پر ختم ہوتی ہے اس میں نمبروار الفصل الاوّل فی شرح الحدیث اور الفصل الثانی اول من صنف فی الحدیث مقدمه فی معنی الحدیث کے فصل کے عنوان درج کر کے آگے صفحات بھی درج کر دیئے ہیں مگر کتاب کے اندر یہ عنوانات تحریر نہیں ہیں بلکہ لفظ مسئلہ لکھ کر وضاحت کی گئی ہے اسی عنوان کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جو فہرست عنوانات میں درج ہے۔ آسان زبان میں اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتب میں اس کا شمار ہوتا ہے یہ اس دور میں لکھی گئی جب مسلمانوں میں عربی زبان میں تدریس کا عمل اپنے عروج پر تھا۔ مدرسوں میں عربی اور فارسی زبانیں رائج تھیں فارغ التحصیل افراد عربی زبان پر عبور رکھتے تھے آگے بڑھنے کیلئے یہی زبان واحد ذریعہ تھیں اس دور میں علم اصولِ حدیث کی یہ اہم خدمت تھی۔

اس کتاب میں اصول حدیث کے تمام موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور حدیث کو جانچنے کیلئے جو اصول محدثین نے مقرر کیے ان پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا عبد العزیز پرھاروی چونکہ حنفی ہیں اور برصغیر میں حکومتی سطح پر بھی فقہ حنفی ہی رائج تھی اس لیے امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کے مسائل کو ترجیح دینا اور امام ابو حنیفہ کے مؤقف کو برتر ثابت کرنا اس دور کا ایک اہم انداز تھا۔ چنانچہ مولانا عبد العزیز نے بھی امام ابو حنیفہ کو موضوع بحث بنایا ہے اور ان کے حوالے سے کلام کیا ہے مثلاً فہرست عنوانات میں نمبر ۱۴ پر عنوان درج ہے مناظرہ ابی حنیفه مع الاوزاعی فی رفع الایدی اور اس عنوان کے تحت صفحہ ۲۴ پر تحریر کرتے ہیں کہ "مسئله وروی الخوارزمی ان الامامَ اباحنیفه اجتمع مع الاوزاعی بمکه فی دار الحناطین فقال الاوزاعی مالکم لاترفعون ایدیکم عند الرکوع والرفع منه فقال رجل انه لم یصح عن رسول اللهﷺ فیه شیئ فقال الاوزاعی کیف لم یصح وقد حدثنی الرهری عن سالم عن ابیه ان رسول اللهﷺ کان یرفع یدیه اذاافتتح الصلوٰه وعند الرکوع والرفع منه فقال ابو حنفیه حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمه والاسود عن عبدالله بن مسعود ان البنیﷺ لایرفع یدیه لاعند افتتاح الصلوٰة ثم لایعود فقال الاوزاعی احدثک عن الزهری عن سالم عن ابیه وتقول حدثنی حماد عن ابراهیم فقال ابو حنیفه کان حماد افقه من سالم وعلقمة لیس بدون ابن عمر رضی اللہ عنہ فی الفقه وان کانت لابن عمر رضی اللہ عنہ فضل صحبته فالاسود له فضل کثیر وعبدالله هو عبدالله قال ابن همام فترجح بفقه الرواة کماترجح الاوزاعی بعلو الاسناد وهو المذهب المنصور عندنا انتهی فقوله لم یصح معناه لم یصح شیئ یصلح حجة بلامعارض ولیس المراد ان اسناد الزهری غیر صحیح"(۲۰)

ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے مناظرہ کو نقل کر کے دراصل فقہاء کے اس اصولِ حدیث کو بیان کرنا مقصود ہے کہ فقیہہ راوی کی روایت کو کم فقیہہ راوی کی راویت پر ترجیح حاصل ہو گی۔

۱۸۹ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مولانا عبد العزیز پرھاروی نے اصولِ حدیث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اپنے عہد کے اسلوب پر لکھی گئی یہ کتاب علم حدیث کے میدان میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تین صدیاں گزرنے کے باوجود مولانا عبد العزیز کا نام بھی زندہ ہے اس سے بڑھ کر ان کا علمی کام علم کی آبیاری کر رہی ہے۔

اب اصول حدیث پر مولانا خیر محمد جالندھری کے رسالے خیر الاصول فی حدیث الرسول کا ذکر کرتے ہیں۔ مولانا خیر محمد جالندھری نے یہ مختصر رسالہ اصولِ حدیث پر تالیف کیا ہے اس رسالہ کے کل ۱۶ صفحات ہیں جن میں صفحہ ۱۱ تک اصولِ حدیث پر کلام کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۲ پر ضمیمہ کے تحت احناف کے بارے میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین میں بیان کی گئی رائے کی وضاحت کی گئی ہے جبکہ صفحہ ۱۳ سے ۱۵ تک مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا رسالہ اصولِ حدیث نظم فارسی درج ہے اور آخری صفحہ پر عربی زبان میں بعض اصلاحات کی وضاحت کی گئی ہے یہ رسالہ اصولِ حدیث پر بہت مختصر مواد پر مشتمل ہے مختلف عنوانات کے تحت ایک ایک سطر کی وضاحت کی گی ہے اس سے اصول حدیث کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً خبر متواتر کی تعریف میں لکھا ہے وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ ہر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مدرسے کی ابتدائی کلاسز کے طلبہ کی ضرورت پوری کرنے کیلئے تحریر کیا گیا ہو گا۔ کیونکہ مبتدی طلبہ کیلئے اسی قسم کے مواد کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر رسالے کا نام خیر الاصول فی حدیث الرسول میں خیر کا لفظ مولف خیر محمد سے مطابقت رکھتا ہے یہ ایک اسلوب ہے جس کا آغاز تو اعلیٰ علمی ذھانت کی نمائندگی کیلئے ہوا ہو گا لیکن اب عربی مدرسوں کے نام رکھتے ہوئے اکثر مہتمم حضرات نے اپنے نام کے بعد یا پہلے جامعہ کا لفظ لگا لیا ہے۔ ایسے مدارس میں بچوں کی تعداد خواہ کتنی قلیل ہو مگر مہتمم حضرات کے روزگار کا خوب سامان مہیا ہوتا رہتا ہے۔

رسالے کی زبان بھی خاص بوجھل ہے کیونکہ درس نظامی کے فارغ التحصیل فاضلین جنہوں نے اپنی ساری توجہ عربی مدارس پر رکھی اور جدید علوم کے قریب بھی نہ گئے ان کی زبان سہل نہ ہو سکی اور اردو زبان نے ترقی کر کے جو درجہ حاصل کر لیا ان حضرات کی زبان وہ درجہ حاصل نہ کر سکی عربی علوم کے اتنے بڑے فاضل ہونے کے باوجود ان کے قاری سہل اردو سے محروم ہی رہے۔

اب سید احمد سعید شاہ کاظمی صاحب کے کام کا جائزہ پیش خدمت ہے آپ کا یہ کام بھی ان کے مقالات پر کتب میں مختلف مضامین کی صورت میں بکھرا ہوا ہے۔ مقالات کاظمی کے نام سے آپ کی کتاب کے حصہ اول میں مضامین صفحہ ۲۵۱ سے صفحہ ۲۵۸ تک پھیلے ہوئے ہیں آٹھ صفحات پر مشتمل یہ مضامین ۹ عنوانات پر مشتمل ہیں یعنی اوسطاً ایک مضمون ایک صفحہ پر مشتمل ہے اس خاکے سے اچھی طرح محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اس میدان میں علامہ صاحب نے کوئی تحقیق یا تفصیلی کام نہیں کیا بس گزشتہ کتب میں پائے جانے والے مواد کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا ہے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے عقیدت مند طبقہ کو اردو زبان میں اصول حدیث کے بارے میں چند ابتدائی معلومات حاصل ہو گئیں۔ اصولِ حدیث پر شاہ صاحب نے جن عنوانوں کے تحت مضامین درج کیے ہیں ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے پھر ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ (۱) علم اصول حدیث کی بعض ضروری اصلاحات (۲) تقریر (۳) حدیث اور اثر اور خبر (۴) سنت (۵) تعدد رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی اقسام (۶) احادیث صحیحہ اور ان کے مراتب و درجات میں تفاوت (۷) علم حدیث میں مشغول ہونے والوں کی اقسام (۸) بعض اقسام کتب حدیث (۹) حدثنا اخبرنا، انبانا کا فرق۔

سنت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"سنت طریقہ کو کہتے ہیں اور لسانِ شرع میں طریقہ مسلوکہ فی الدین کا نام سنت ہے یعنی امور دینیہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ؐ کا جاری کیا ہوا طریقہ سنت ہے خصوصاً رسول اکرم ﷺ کا طریقہ سنت نبوی کہلاتا ہے محدثین صحابہ کرامؓ اور خلفا راشدین کے پسندیدہ طریقوں کو بھی سنت کہتے ہیں" (۲۱)

سنت کی اس تعریف میں الفاظ اپنے مفہوم کو بیان کرنے کیلئے استعمال ہوئے ہیں ان پر عربی کا غلبہ ہے اور اردو داں طبقے کے فہم سے بالاتر ہیں۔ دوسری بات یہ کہ سنت کے بارے میں ابتدائی معلومات فراہم کی گئیں ہیں سنت اور حدیث میں

فرق کی بحث، سنت محدثین کے ہاں اور سنت کا مفہوم فقہا کے ہاں وغیرہ بحثوں کو یہاں موضوعِ گفتگو نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ علمی دنیا میں یہ بحثیں عام ہیں اور عامیوں کیلئے بھی ان کی قدر قیمت اہمیت کی حامل ہے یہاں اللہ اور رسول ﷺ کے جاری کردہ اور صحابہؓ اور خلفاراشدین کے پسندیدہ طریقوں کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ اللہ کا جاری کردہ طریقہ کن معنوں میں سنت ہے اور رسول ﷺ کا جاری کردہ طریقہ کیوں سنت کہلاتا ہے اور صحابہؓ وخلفاء راشدین کے پسندیدہ طریقے کس درجے اور کن معنوں میں سنت کہلاتے ہیں اور علم اصول حدیث میں سنت کا معنیٰ ومفہوم کیا ہے اور اس بارے میں محدثین کیا کیا رائے رکھتے ہیں یہاں شاید ان بحثوں کو اپنے سارے پہلوؤں کے ساتھ زیر بحث لانا محترم شاہ صاحب کا مقصد نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اگر ان پہلوؤں کو زیر بحث لانا چاہتے تو وہ اس کے اہل تھے اور وافر علم کے حامل تھے۔ یہاں دراصل اختصار مطلوب تھا۔ لہٰذا انہوں نے مختصر تعریف درج کر دی پس اس کام کو تحقیقی کام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں ایک اور مقام مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے صفحہ ۲۵۵ پر احادیث صحیحہ اور ان کے مراتب ودرجات میں تفاوت کے عنوان سے تھوڑی سی تمہید کے بعد ترتیب وار مراتب بیان کیے ہیں جو درج ہیں۔ ۱- قوت وصحت میں سب سے اعلیٰ درجے کی وہ احادیث میں جو بخاری ومسلم دونوں کی متفق علیہ ہیں۔ ۲- ان کے بعد وہ حدیثیں ہیں جو صرف صحیح بخاری میں ہیں۔ ۳- پھر وہ جو صرف مسلم میں ہیں۔ ۴- پھر وہ جو شرائط شیخین کے موافق ہیں (۲۲) ۵- ان کے بعد وہ حدیثیں جو صرف امام بخاری کی شرط پر ہیں۔ ۶- پھر وہ جو صرف امام مسلم کی شرط کے موافق ہیں۔ ۷- ان کے بعد ان احادیث کا درجہ ہے جنہیں بقیہ اصحاب صحاح ستہ نے اپنی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہو۔ احادیث کے درجات بلحاظ سند بیان ہوئے ہیں ان کی تعداد ۷ ہے یعنی محدثین کے نزدیک سند کے سات درجات ہیں جو مختصر طور پر بیان کر دیے گئے ان کی زبان سادہ اور سہل ہے اور عام قاری بھی ان جملوں کا مفہوم سمجھ سکتا ہے البتہ حقیقت جاننے کیلئے اسے علم حدیث سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔

اب ہم مولانا فیض احمد صاحب کے اصولِ حدیث پر کام کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا فیض احمد صاحب نے اپنے رسالے مقام حدیث جو بعد ان کی بڑی کتاب "المسائل والدلائل" کے حصے کے طور پر شائع ہوئی میں اصول حدیث کے بارے میں صفحہ ۱۳ پر حدیث مقبول ہونے کی شرطیں اور صفحہ ۱۴ پر صحیح اور جعلی حدیث پرکھنے کا معیار برہانی کے

عنوان سے شرائط کا ذکر کیا ہے ان دو عنوانات کے علاوہ آپ نے اصول حدیث پر کچھ اور تحریر نہیں کیا یہ دراصل سند کے صحیح ہونے کی شرائط اور متن کو جانچنے کے معیار پر مبنی مواد ہے۔ اسمیں وہی شرائط درج ہیں جو اصول حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔ مولانا فیض احمد صاحب نے اس مواد کو مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب کی کتاب حجیت حدیث سے حوالے کے ساتھ نقل کیا ہے سند کے صحیح ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

(۱)صادق ہو عمر بھر حدیث رسول کے سلسلہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو(۲) صحیح فہم والا ہو غبی اور بد عقل نہ ہو حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو(۳) صحیح حافظہ والا ہو نسیان و وہم کے غلبہ کا شکار نہ ہو چکا ہو(۴) ثقہ اور متقی ہو، فاسق، فاجر، اور بدکار نہ ہو(۵) محتاط ہو روایت میں سہل انگاری سے کام نہ لیتا ہو(۶) حدیث میں جعل سازی کی اس پر کوئی تہمت اور شبہ بھی نہ ہو(۷) معروف ہو مجہول نہ ہو۔۔۔(۸) اس کی روایت میں کسی قسم کا اختلاف و تعارض نہ ہو(۹) سلسلہ سند متصل ہو۔۔۔(۱۰) سلسلہ سند جس شخص پر منتہٰی ہو اس کیلئے یہ شرط ہے کہ روایت قولی ہو تو اس نے خود سنا ہو فعلی ہو تو آنکھوں سے دیکھا ہو۔(۲۳)

متن کو جانچنے کا معیار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں محدثین نے ایک عظیم الشان اور لاثانی "معیارِ برہانی" بھی مقرر کیا ہے جس سے بہتر معیار مقرر کرنا انسانی علم و فہم اور عقل و خرد سے بالاتر چیز ہے اور وہ معیار یہ ہے موضوع حدیث کی پندرہ علامتیں ہیں:

(۱) نص قرآنی کے مخالف ہو(۲) سنت متواترہ کے مخالف ہو(۳) اجماعِ قطعی کے مخالف ہو(۴) عقل سلیم اسے محال سمجھتی ہو عقل مقیم کا کوئی اعتبار نہیں(۵) شریعت کے قواعد کلیہ اور مسلمہ کے خلاف ہو(۶) سلسلہ سند میں ایک راوی بھی ایسا پایا جاوے جس سے حدیث نبویؐ کے بارے میں جھوٹ ثابت ہو اگرچہ عمر بھر میں ایک مرتبہ ہی سہی(۷) صحابہ کے مطاعن میں رافضی یا اہل بیت کے مطاعن میں خارجی روایت کرے(۸) قرینہ حالیہ اس کے کذب پر شاہد ہو(۹) روایت کا مضمون ایسا ہو کہ جس کا جاننا تمام مکلفین پر فرض ہو اور لاعلمی کا کوئی عذر بھی نہ ہو مگر باں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوا ایک کے اور کوئی نہ ہو(۱۰) جس زمانہ کا وہ واقعہ بیان کرے وہ صحیح تاریخی شہادت کے صریح خلاف ہو(۱۱) حدیث کے الفاظ یا معنی ایسے رکیک ہوں کہ قواعد عربیت کے مطابق نہ ہوں یا شانِ نبوت و رسالت کے مناسب

نہ ہوں (۱۲) معمولی کام پر غیر معمولی اجر کا وعدہ یا سخت عذاب کی دھمکی ہو (۱۳) حدیث کسی ایک ایسے محسوس و شاہد واقعہ کے بیان پر مشتمل ہو کہ اگر وہ وقوع پذیر ہو تا تو نقل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہوتے لیکن اب اس ایک روای کے سوا اور کوئی روایت کرنے والا نہیں (۱۴) یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس ایک راوی کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عقلاً محال ہو (۱۵) واضع حدیث خود حدیث میں جعل سازی کرنے کا اعتراف کرے۔(۲۴)

سند اور متن کے جانچنے کے ۹ اور ۱۵ کل ۲۴ اصول درج کیے گئے ہیں مولانا نے یہ اصول عربی کتب سے براہِ راست لینے کی بجائے مولانا ادریس کاندھلوی صاحب کی کتاب حجیت حدیث سے لیے ہیں من و عن نقل کرنے کی بجائے ان کا اختصار پیش کیا ہے جس کا حوالہ بھی دے دیا ہے سند کے صحیح ہونے اور متن کے جانچنے کیلئے عام اہل علم کیلئے مناسب راہنمائی کا سامان موجود ہے۔

تاریخ واصولِ حدیث پر ہونے والے کام کا انفرادی جائزے کے بعد مجموعی طور پر اس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ملتان میں تاریخ واصول حدیث پر بہت کم کام ہوا ہے اس کا ایک سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں اسلام کا اقتدار وسطی ایشیاء کے فاتحین کے ذریعے قائم ہوا اور اسلامی تعلیمات صوفیاء کرام کے ذریعے پھیلیں۔ فاتحین کیلئے حکومتی معاملات چلانے کیلئے فقہ کی ضرورت تھی چنانچہ فقہ اور اصول فقہ حکمرانوں کی ضرورت کے پیش نظر فروغ پذیر رہے جبکہ صوفیا کرام کی مشغولیت تصوف میں زیادہ رہی وہ اور اد و وظائف کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی صفائی اور اپنے اپنے ملفوظات کے ذریعے ان کی شخصیتوں کی تعمیر کرتے رہے۔ حدیث مدارس کے سلیبس میں شامل رہی بھی تو مختصر طور پر اور اہل علم کی وہ توجہ حاصل نہ کر سکی جو توجہ اسے محمد بن عبد الوہاب اور شاہ ولی اللہؒ کی تحاریک احیاء العلوم کے بعد حاصل ہوئی۔

دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے اگرچہ دورِ قدیم میں حکومتوں کیلئے ملتان بہت اہم مقام رہا ہے۔ یہاں ہر قسم کی ترقی اپنے عروج پر رہی ہے بڑی بڑی سیاسی، علمی اور روحانی شخصیتوں نے یہاں جنم لیا انہوں نے اپنے گہرے نقوش یہاں ثبت کئے مگر پھر عالمِ اسلام خاص طور پر برصغیر میں انارکی کی وجہ سے اٹھارویں صدی عیسوی میں ملتان بھی ویرانی کا شکار ہو

گیا۔ یہاں کی ویرانی نے ملتان کی علمی روایت کا بھی گلہ گھونٹ دیا جب دہلی، لکھنؤ اور لاہور وغیرہ میں علمی روایت کا احیاء ہو رہا تھا تب ملتان میں بیداری کے آثار پیدا نہیں ہوئے تھے ملتان میں احیاء علوم کا دور انگریزوں کے عہد میں شروع ہوا یہاں پہلے سکول اور کالج قائم ہوئے پھر دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور ان مدارس کے مہتمم اور اساتذہ کرام نے علوم دینیہ کو پہلے سبقاً سبقاً پڑھایا پھر ان کو کتابوں اور رسالوں کو صورت میں مرتب کیا۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی کا کام استثنیٰ کا درجہ رکھتا ہے۔

فصل دوئم

ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

ملتان میں حدیث کے موضوعاتی مطالعہ میں سب سے پہلے ہم مفتی اللہ بخش صاحب کی کتاب اربعین احادیث کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔ اربعین احادیث کے نام سے کتاب کے موضوع کا تعین نہیں ہوتا البتہ اس نام کے نیچے ایک سطر تحریر کی گئی ہے جس سے کتاب کے موضوع کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ سطر یہ ہے **المعروف چہل حدیث برائے اثبات حیات برزخی لبنی الکریم و اشھداءِوَ المؤمنین وَ غیرھم۔**

اتنی ذہنی مشقت اٹھانے کے بعد بھی انسان اس کتاب کا موضوع متعین کرنے میں ٹھوکر کھا سکتا ہے اگر وہ برزخ اور قبر کو ایک معنوں میں لینے کی غلطی کر بیٹھے تو وہ سمجھے گا کہ اس کتاب میں ایسی چالیس احادیث سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی، شہداء اور مومنین وغیرہ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ مگر اس رسالے میں استدلال اس امر پر کیا گیا ہے کہ مندرجہ بالا حضرات دنیاوی قبر میں زندہ نہیں بلکہ عالم برزخ میں ان کی روحیں موجود ہیں اور اللہ کے ہاں اپنے مرتبوں کے مطابق اس کے انعامات سے متمتع ہو رہی ہیں۔

مفتی صاحب پہلے قبروں اور مزاروں پر عام لوگوں کی حاضری کے انداز سے بے چین ہوئے یہ بے چینی انہیں غور و فکر کے ذریعے اس مقام تک لے گئی کہ انسانوں کا مزاروں پر اس طرح سجدہ ریز ہونا شریعتِ اسلامیہ میں جائز نہیں ہے پھر انہوں نے اس نظر سے قرآن واحادیث کا مطالعہ کیا اس مطالعہ کے بعد اربعین آیات اور اربعین احادیث کے نام سے دو رسالے ان کے ہاتھ سے مرتب ہو کر مارکیٹ میں آئے جو ایک ہی موضوع پر ہیں۔ جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ قبر میں مردوں کی حیات کا کوئی تصور نہیں ہے۔ البتہ عالم برزخ میں ان کی روحیں موجود ہیں اور وہ حسب مراتب انصاف خداوندی سے سرفراز ہیں۔

اربعین احادیث میں زیادہ تر احادیث صحاح ستہ سے لی گئی ہیں حوالہ جات میں بھی متفق "علیہ بخاری، مسلم وغیرہ کتب کے حدیث کے حوالے دیے گئے ہیں بعض جگہ مشکوٰۃ المصابیح کے ذریعے سے بھی احادیث درج ہیں۔

رسالہ کی کتابت طباعت، کاغذ سب درمیانے درجے کا ہے انداز بیان سادہ اور عام آدمی کو سمجھ آنے والا ہے استدلال میں فقہی اصلاحات بوجھل پن پیدا کر دیتی ہیں بعض مواقع پر عام سے خاص مراد لیا گیا ہے۔ مثلاً دوسری حدیث کے ترجمہ کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں "پس قسم ہے اللہ کی کئی آدمیوں کو میرے سامنے سے ہٹالیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میرے امتی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے پیغمبر علیہ السلام تجھے پتہ نہیں تیری موت کے بعد انہوں نے کیا عمل کیے یہ ہمیشہ دین توحید سے پھرے رہے تھے "(۲۵)

اصل عربی عبارت میں دین توحید کے الفاظ نہیں ہیں یہ ترجمہ میں بڑھائے گئے ہیں اصولی طور پر یہ اضافہ غلط نہیں ہے مگر جو چیز الجھن پیدا کرتی ہے وہ یہ کہ مفتی صاحب جس مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں توحید اس کا خاص موضوع ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کے ساتھ خاص ہو گیا ہے ان کا عقیدت مند جب اس ترجمہ کو پڑھے گا تو وہ دین اسلام یا اسلامی تعلیمات، اتباعِ رسول ﷺ سے انحراف کی بجائے سمجھے گا کہ انہوں نے مفتی صاحب کے مکتبِ فکر سے روگردانی کی تھی ترجمے میں چند الفاظ کی زیادتی معاملے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے اسی امر کی تائید اس حدیث کی تشریح میں استعمال ہونے والے چند فقرات سے بھی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ لوگ جن کو نبی علیہ السلام منّی ومن امّتی فرما رہے ہونگے اعمالِ صالحہ کے پابند ہونگے جن کے تاثرات سے نبیؐ فرمائیں گے یہ تو میرے امتی ہیں لیکن عقیدہ فاسد ہونے اور شرک وبدعت کی تائید کرنے کی وجہ سے حوضِ کوثر سے دور کیے جائیں گے "(۲۶)

اس تشریح میں دھتکارے جانے والے لوگوں کو اعمالِ صالحہ کا پابند بتایا گیا مگر ان کو دھتکارنے کی وجہ فاسد عقیدہ یعنی شرک وبدعت کی تائید بیان فرمایا ہے اسی بیان میں بدعت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بدعت کی تائید کرتا ہے وہ بدعت کو اختیار بھی کرتا ہے اب بدعت کو اختیار کرنے والے اعمال، اعمال صالحہ کیسے رہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان کے عمل میں بھی نقص ہو گا دوسرے نبیؐ قیامت کے دن مومنوں کو ان کے وضو دھونے کے اعضاء اور پیشانیوں کے روشن ہونے کی بنا پر پہچانیں گے نہ کہ تمام اعمال صالحہ تیسرے یہ کہ شرک صرف عقیدہ پر ہی اثرانداز ہوتا ہے بلکہ عمل کی دنیا کو بھی ویران وبرباد کر دیتا ہے ایسا ہو نہیں سکتا کہ کسی قوم کے اندر عقیدہ تو شرک کا رائج ہو جائے مگر اس کے اعمال صالحہ ہی رہیں۔ پس شرک وبدعت کی تردید کے غلبہ نے حضرت مفتی صاحب سے اس حدیث کی تشریح میں ایسے خیالات کا اظہار کرا دیا جو

خاص ان کے مکتب فکر اور اس میں رائج و پسندیدہ اصلاحات کی نمائندگی کرتے ہیں مجھے ان کی اس تشریح کے نتائج سے اختلاف نہیں ہے مگر ایک پہلو کو نمایاں کر کے دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کرنے پر اعتراض ہے اس طرزِ تشریح کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بس شرک اور بدعت کی تردید کرنے والے مکتب فکر میں شامل ہو کر آپ اطمینان حاصل کر لیتے کہ ہم حق پر ہیں اور باقی تمام باطل پر یہی فرقہ پرستی ہے جس نے امت کو ٹکروں میں تقسیم کر رکھا۔ میرا مقصد کسی کو فرقہ باز ثابت کرنا ہے اور نہ فرقہ پرستی پھیلانے کا مرتکب قرار دینا بحیثیت محقق میرا فرض صرف اس قدر ہے کہ اس اسلوب بیاں اور طرزِ تشریح سے ایسے نتائج خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ تقریروں میں آپ فرقہ پرستی کی مذمت کرتے رہیں لیکن عملی طور پر ایسا اسلوب بھی اختیار نہ فرمائیں جس سے ذہن خود بخود ایک فرقہ کی صداقت اور دیگر کے باطل پر پختہ ہو جائیں۔

اِنّکَ لاتدری ماعملوا بَعدَکَ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

"یہ جملہ نص صریح ہے کہ موت کے بعد محمد ﷺ کو امت کے نیک و بد عمل کا مطلقاً کوئی علم نہیں ہو تا خواہ قبر مبارک کے پاس کئے گئے ہوں یا دور کسی عرب ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں نہ سننے سے نہ دیکھنے سے اور نہ امت کے اعمال پیش ہونے سے یعنی جاننے کے جتنے ذرائع ہیں کسی ذریعہ سے بھی نہیں جانتے۔۔۔ ماعملوا۔۔۔ جو کچھ انہوں نے کیئے نیک یا بد صلوٰۃ و سلام حج و زکوٰۃ وغیرہ کسی قسم کے عمل کا تجھے پتہ نہیں" (۲۷)

اَنّکَ لاتدری ماعملوا ابعدکَ کا جملہ اس عبارت میں خاص ہے یہ صرف ان لوگوں کے عمل کے بارے میں نہ جاننے کی بات کی گئی ہے جن کو حضورؐ اپنے امتی قرار دے کر ان کو اپنی طرف آنے کی اجازت دیں گے مگر ان کو آپ کے سامنے سے ہٹا لیا جائے گا یعنی یہ کل امت نہیں ہے بلکہ بعض ہیں۔ دوسرے ماعملوا میں سب نیک اعمال میں شامل کر دیئے ہیں جبکہ وہ اپنے اعمال بد جو کہ ان کے عقائد بد یا مقاصد بد کی پیداوار ہونگے کی بنا پر آپ کے سامنے سے ہٹائے جائیں آپ ان کے بارے میں بے خبر ہونگے ایسا تو اس دنیا کی زندگی میں بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا اگر کسی نے اپنی چرب زبانی کی بنا پر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کروالیا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے آگ کا ٹکڑا اپنے لیے لے لیا۔ اس سے معلوم ہوا لوگوں کے وہ اعمال مقاصد، عقائد جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ وہ آپ کے علم میں تھے مندرجہ بالا حدیث میں بھی گویا خاص اعمال ہیں ان کو تشریح میں عام ثابت کرنے سے استدلال کمزور ہو جاتا ہے اگرچہ صحیح بات پر ہو۔

موضوعاتی مطالعہ میں دوسرے نمبر پر قاری محمد طاہر رحیمی صاحب کی دو کتب (۱) **ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس** (۲) **زبدۃ المقصود فی حل قالَ ابو داؤد**۔ کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔ پہلی کتاب میں امام بخاری کے ان مقامات کی وضاحت کی گئی ہے جس میں امام صاحب نے دوران بحث قال بعض الناس کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں اوّلاً چار امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے (الف) تعداد قال بعض الناس امام بخاری نے "بعض الناس" کے عنوان سے پچیس جگہ کلام فرمایا ہے جس میں سے یہ پہلا موقع ہے یہاں سے [کتاب الزکوٰۃ] سے لے کر "کتاب الاکراہ تک سات، کتاب الاکراہ میں دو کتاب الحیل میں چودہ کتاب الاحکام میں دو یہ کل پچیس ہو گئے عام طور پر چوبیس کی تعداد مشہور ہے جو صحیح نہیں۔ (ب) مراد بعض الناس اکثر جگہ اس سے مراد امام ابو حنیفہ بعض جگہ امام محمد بن ادریس شافعی کہیں عیسٰی بن ابان (تلمیذ امام محمد) کہیں امام محمد بن حسن شیبانی اور بعض مواقع پر امام زفر مراد ہوئے ہیں۔ (ج) غرض بخاری: اس نقل قول سے ہر جگہ تردید و تنقید ہی مقصود نہیں ہوتی ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے بلکہ بعض جگہ محض اختلاف ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے اور بعض جگہ امام صاحب کی یا اپنے مذہب مختار کی تائید و تصویب مقصود ہوتی ہے البتہ اکثر مقامات میں اس نقل قول کا مقصد یقیناً تردید و تنقید احناف ہوتی ہے جس کا منشا عدم فہم مذہب یا بناء الفاسد علی الفاسد ہوتا ہے۔ (د) وجہ ابہام بعض الناس: امام بخاری نے امام ابو حنیفہ کو نام کی بجائے "بعض الناس" سے تعبیر کیا ہے اس کی تین وجوہ ہیں ا تقویٰ و احتیاط۔۔۔۔ امام بخاری نے تقویٰ اور احتیاط کی بنا پر مناسب نہ سمجھا کہ امام صاحب کی تصریح فرمائیں کیونکہ ہو سکتا تھا کہ یہ موصوف کا مذہب نہ ہو اس لیے بعض الناس کے مبہم لفظ سے تعبیر کیا حاشا و کلاّ کسی عداوت و ذاتی رنجش یا تحقیر کی بنا پر امام بخاری نے ہر گز نہیں بولا کیونکہ یہ چیز امام بخاری کی شانِ تقویٰ کے سراسر خلاف ہے کہ امام بخاری جیسا عظیم المرتبت محدث جلیل القدر مجتہد اعظم کی تحقیر کرے یہ سراسر خلافِ عقل و دانش ہے۔ (۲) شمول و عموم یعنی جو مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب تھا اور امام بخاری نے اس سے تعرض کیا وہ اکیلا امام صاحب ہی کا نہیں ہوتا اس لیے حضرت مولف نے بطور عموم کے "بعض الناس" کہہ دیا۔ (۳) ادب و احترام یعنی اگر بعض الفقہاء کا لفظ فرماتے تو مطلب یہ ہوتا کہ میں جو ان کی تردید کر رہا ہوں اس کا منشا ان کی کمزوری فقاہت ہے۔ تو بعض الفقہاء کی بجائے بعض الناس کہہ کر امام صاحب کا ادب احترام ملحوظ رکھا"۔ (۲۸)

اس مقام پر سب سے پہلے بعض الناس کی تعداد کا تعین ہے کہ ۲۵ جگہ پر استعمال ہوا ہے مشہور ۲۴ ہے۔ دوسرے مقام پر وضاحت کی ہے کہ بعض الناس سے مراد کون ہے اس کا جواب یہ ہے اکثر جگہ پر امام ابو حنیفہ مراد ہیں تیسرے نمبر امام ابو حنیفہ کو بعض الناس کیوں کہا جبکہ امام بخاری دیگر آئمہ فقہاء مثلاً امام مالک و شافعی، امام احمد اور اور یحیٰ بن معین کے نام لیے ہیں۔ اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے مؤلف کا ایک جملہ کہ تحقیر تو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کی بھی جائز نہیں یہ جائیکہ امام بخاری جیسا عظیم المرتبت محدث اعظم امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر مجتہد اعظم کی تحقیر کرے محل نظر ہے۔ کیونکہ اہل علم کے ہاں اگر کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا ہے یا وہ کسی شخصیت کا نام صیغہ غائب میں لیتے ہیں اس سے ان کی تحقیر نہیں ہوتی بلکہ یہ ہر دور کے اسلوب اور خاص منصب کے طرزِ استدلال و تحریر پر منحصر ہوتا ہے کہ مسائل اور شخصیتوں کو کس نظر سے دیکھتے اور کس طرح ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ لہٰذہ معمولی اختلاف کا توہین یا اختلاف رائے رکھنے والی شخصیت کے ذکر کو تحقیر قرار دے لینا صحیح رائے نہیں ہے زیرِ نظر کتاب **"مَاینفع الناس فی شرحِ قال بعض الناس"** میں فقہ کی اصطلاحات اور عربی الفاظ کا زیادہ استعمال درج ہے جسکی وجہ سے فقہ میں مہارت رکھنے والا آدمی تو اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے یا عربی زبان جاننے والا اس کے مفہوم کا ادراک حاصل کر سکتا ہے مگر جو قاری فقہ کی اصطلاحات سے واقف نہیں اور عربی زبان میں بھی مہارت نہیں رکھتا وہ شاید اس علمی ذخیرہ سے نفع نہ اٹھا سکے اور دوسری اہم بات کہ اس کتاب کی پرنٹنگ ناقص ہے الفاظ کی فونٹ اور انداز اجنبی معلوم ہوتا ہے جسکی وجہ سے ذوق مطالعہ پڑھنے کی بجائے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور تحریر کی پیش کش میں جو حسن ہے اس کا مظاہرہ اس کتاب کی پرنٹنگ مفقود ہے حتیٰ کہ بعض الفاظ تو پڑھے بھی نہیں جاتے۔ اس تحریر کی بعض مقامات پر ایسے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو بوجھل محسوس ہوئے ہیں مثال کے طور پر کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶۳ پر مؤلف کتاب تحریر کرتے ہیں کہ "مسئلہ ایمان میں تشددِ بخاری اور تساہل بخاری" (۲۹)

حضرت مولانا محمد طاہر رحیمی کی دوسری کتاب **زبدۃ المقصود فی حل قال ابو داؤد** ہے اس کتاب کے سبب تالیف مقدمہ میں بیان فرماتے ہوئے رحیمی صاحب رقمطراز ہیں کہ "خیال ہوا کہ صرف اقوال ابی داؤد کے متعلق ایک مختصر و جامع رسالہ مرتب کر دیا جائے تاکہ بالخصوص طلباء کیلئے سہولت میّسر آئے بس اسی نظریے کے تحت یہ رسالہ معرضِ وجود میں آگیا اس میں اقوال ابی داؤد کا حل و کشف مولانا محمد شریف کشمیری بعض دیگر مشائخ وعظام کی تقاریر اور بذل المجھود مصنفہ محدث خلیل احمد سہارنپوری کی تحقیقات کی روشنی میں کیا گیا ہے" (۳۰)

یہ خالص فنی کام ہے اور طلبہ واساتذہ کیلئے مشکل مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت نے بھی عہد جدید کے محدثین کے اقوال پر اکتفا کیا ہے اور حقیقت حال واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جیسا کہ مولانا مفتی محمود صاحب مفتی عبدالستار صاحب اور محمد شریف کشمیری صاحب اور قاری رحیم بخش نے اس کتاب پر اپنے تبصروں میں مصنف کی لیاقت و قابلیت کی تعریف کی ہے گویا یہ ایک اہم علمی کام بھی ملتان کی سرزمین پر پیدا ہونے والے سپوت کے ہاتھوں سرانجام پایا۔

اب ہم ملتان سے تعلق رکھنے والی ایک اور اہم شخصیت سید محمود حسن شاہ صاحب کی کتاب ترجمان الحدیث کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

سید محمود حسین شاہ صاحب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے دوران تدریس انہوں نے حدیث کو اردوں داں طبقے کیلئے اردو میں جمع کر کے مرتب کیا اور احادیث کی تشریح ان کے موضوعات کے اعتبار سے کی یہ ایک قابل قدر کام ہے جس میں تعلیمات حدیث کو موضوعات کے تحت مرتب کر کے عصر رواں کی زبان میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

سید محمود حسین شاہ صاحب اگرچہ مدرسہ ایجوکیشن کے فارغ التحصیل ہیں مگر انہیں سلیس اردو زبان لکھنے میں بھی کمال مہارت حاصل ہے۔ شاہ صاحب نے زمانے کی ضروریات کو سمجھا اور آج کے تقاضوں میں سے ہر ایک تقاضے کو بخوبی پورا کیا ۔کتاب پڑھتے ہوئے کہیں بھی احساس نہیں ہوتا کہ یہ کتاب کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی یونیورسٹی پروفیسر کی تحریر کردہ ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی اردو زبان پر عربی اور فارسی زبان کے ایسے اثرات ہرگز نظر نہیں آتے جو جملوں کی ساخت کو اردو زبان کی گرامر کے مطابق نہ رہنے دیں اور یا عربی یا فارسی کی موٹی موٹی اصطلاحات والفاظ پڑھنے والے کیلئے گرانی پیدا کرنے کا باعث ہوں۔ چونکہ شاہ صاحب قدیم روایت کے ساتھ وابستہ ہیں لہٰذا اس روایت کے اثرات نے شاہ صاحب کو بھی متاثر کیا ہے لہٰذا شاہ صاحب کے ہاں بگاڑ کی وجوہات میں سے سب سے پہلی وجہ دنیا سے بے پناہ محبت ہی قرار پائی ہے اگرچہ شاہ صاحب ترک دنیا کا سبق دیتے ہوئے تو بالکل نظر نہیں آتے اور ان کی تشریحات میں توازن بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن اسکو وجہ اول کے طور پر پیش کرنے سے ذہن اس طرف ضرور منتقل ہوتا ہے کہ امت میں راھبانہ تصور مذھب رائج ہونے اور صوفیانہ نقطہ نظر کے غلبے کی وجہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر دنیا کے لفظ میں اسباب حیات کیلئے استعمال ہو کر مال ودولت کمانے سے ہی بے رغبتی کا پہلو غالب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام نے کمانے سے منع نہیں کیا بلکہ حرام طریقے اختیار کرنے سے منع فرمایا اور دولت کو حرام راستوں پر خرچ کرنے کی ممانعت کی ہے۔ جبکہ راھبانہ تصور کے در آنے کی وجہ سے اسباب حیات کی جدوجہد کو غیر مذہبی

چیز قرار پاکر مسلمان کی نظروں سے تسخیر کائنات کے تصور کو ہی اوجھل کر دیا اور ان کی نفع رسانی کی صلاحیت کو کچل کر رکھ دیا۔ یہ سب کچھ شاہ صاحب کی طرف منسوب کرنا بالکل بے اصل ہے۔ لیکن اس کے کچھ اثرات ان کے ہاں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ہمارے نزدیک امت مسلمہ کے زوال پستی اور انحطاط کے بنیادی اسباب یہ ہیں (۱) دنیا سے بے پناہ محبت مال دولت جمع کرنے کے جنون میں ہم غیر مسلوں سے کچھ پیچھے نہیں ہیں حرام وحلال کی کوئی تمیز روانہیں رکھتے صرف روپیہ چاہیے کہاں سے آتا ہے؟ کن ذرائع سے آتا ہے؟ ہم اس سوال کے چکر میں نہیں پڑتے بلکہ اب تو سرے سے یہ سوال خارج از بحث ہو گیا ہے" (۳۱)

دنیا سے بے پناہ محبت کی تشریح میں شاہ صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے یہ آپ کے سامنے ہے اور اس میں مندرجہ بالا اثرات صاف طور پر محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ پہلے جملے میں مال ودولت جمع کرنے کے جنون کو غیر مسلموں کے مقصد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ﴿ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ (۳۲) کا حکم مسلمانوں کے قرآن میں بیان ہوا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ "قرضِ حسنہ"۔ اللہ نے مسلمانوں سے طلب کیا ہے اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر نفع رسانی کو امت مسلمہ کے لئے خیر امت ہونے کا سبب قرار دیا ہے مزید یہ کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں طاقت جمع کرنے پر لگا دیں تا کہ وہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کر کے رکھ سکیں۔ یہ سب کام اسباب ووسائل حیات کو پیدا کئے بغیر کیسے ہوسکتے ہیں مگر ایک عرصے سے مسلمانوں میں یہی تصور رائج چلا آرہا ہے کہ وہ دنیا سے محبت میں مبتلا ہیں اس وجہ سے اللہ ان سے ناراض ہے اور مسلمانوں میں موجود پریشانی، بدحالی، بے چینی اور مسائل کا انبار اللہ کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذہ اگر مسلمان اپنے ان مصائب سے نجات چاہتے ہیں تو انہیں اللہ کی ناراضگی سے بچنے اور اس کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی رضا کا رائج تصور اس کی عبادت اور ذکر وغیرہ کے ذریعے اس کی ناراضگی دور کر کے اس کی رضا حاصل کرنے پر مبنی ہے۔ اگرچہ شاہ صاحب نے دولت جمع کرنے کا جنون کے الفاظ استعمال کئے ہیں لہٰذہ وہ اس الاؤنس کے مستحق قرار پاسکتے ہیں کہ شاہ صاحب دولت کمانے کو ناپسندیدہ عمل نہیں سمجھتے بلکہ کما کما کر جمع کرتے چلے جانے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یہ رعائیت اگر گستاخی نہ سمجھی جائے تو رعائیت بے جاسی لگتی ہے کیونکہ شاہ صاحب ایجابی طور پر دولت کمانے کی کہیں بھی تائید کرتے نظر نہیں آتے کیونکہ بدقسمتی سے امت کا مائنڈ سیٹ ایسا ہی تشکیل پا گیا ہے۔ اسمیں دولت کمانے کی گنجائش مشکل ہی سے نکلتی ہے اگر نکلتی بھی ہے تو صرف ضرورت پوری کرنے کے درجے میں اسباب ووسائل کی کثرت وبہتات کو خلاف تقوٰی سمجھا جاتا ہے زھد وقناعت کا مفہوم محدود ترین وسائل میں گزارا کرنا بن گیا ہے جب کہ زیادہ سے زیادہ وسائل پیدا کر کے

انہیں خدمتِ انسانیت کیلئے وقف کرنے کا تصور ہم سے روٹھ گیا ہے۔ البتہ گزرے ہوئے بزرگوں اور مذہبی شخصیتوں کی سخاوت کے قصے واعظ بھی ترنم سے سناتا اور سامعین بھی سنتے اور سر دھنتے ہیں۔ مگر ذہن میں مال و دولت کمانے کا تصور غیر مذہبی فعل ہی سمجھا جاتا ہے۔ کوئی نہیں سوچتا ان سخاوت میں نام پیدا کرنے والوں کے پاس وسائل کہاں سے آتے تھے جن کو وہ دن رات لٹاتے رہتے تھے کیا ان کی اپنی محنت کی کمائی کا نتیجہ یا ان کے غلام، محنت کش اور نوکروں وغیرہ کی مشقت بھری کمائی تھی یا ان کے عقیدت مند بے حال پسماندہ اور بے حال انسانوں کے ہدیے اور نذرانے تھے جو وہ سخت مشقت سے کماتے اور ان کی خدمت میں نچھاور کر دیتے تھے۔ وہ یہ ہدیہ قبول فرما کر اپنے عقیدت مندوں پر احسان فرماتے اور انہیں زہد و قناعت کی تعلیم سے نوازتے رہتے تھے۔ یہ درست ہے حرام و حلال کا شعور ایمان کے تقاضوں میں سے ہے جب آپ مومن کو دینے والا بنا دیتے ہیں تو لینے کا تصور خاص طور پر ناحق لینے کا تصور اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ دینے والے کیلئے ضروری ہے کہ وسائل حیات کو محنت کر کے حاصل کرے۔ پھر انسانوں پر خرچ کرے حرام میں پڑنے کو مسلمانوں کی خامی بتا کر اس کا مرثیہ پڑھتے چلے جانے سے اصلاح کم ہوتی ہے جبکہ مسلمانوں کو خوبیوں پر ابھار کر انہیں نیکی کے راستے پر ڈالنے سے اصلاح کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ ہم بھی ایک عرصے سے تاریک پہلوؤں کو دیکھ کر تاریکی کے عادی ہو چکے ہیں ایک نسل سے تاریکی لے کر غیر شعوری طور پر اگلی نسل کو تاریکی ہی منتقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں روشنی دیکھنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کر کے پوری قوت سے ان کو روشنی دکھانی چاہیے جو ہماری ہی وجہ سے تاریکی دیکھنے کے عادی ہو چکے اور انہیں اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آ رہی ہے۔

شاہ صاحب محترم نے اس بات کی نشان دہی کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اب تو سرے سے یہ سوال ہی خارج از بحث ہو گیا ہے۔ یعنی حلال و حرام کی تمیز کا سوال کہ دولت کے آنے کے ذرائع جائز ہیں یا ناجائز اس میں کچھ مبالغہ اور کچھ مایوسی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ حقیقی صورتِ حال یہ ہے کہ ہر دور میں حلال پر قائم رہنے والے بھی ہوتے اور حرام میں پڑنے والے بھی دور عروج میں اول الذکر کی اکثریت ہوتی ہے اور دورِ زوال میں ثانی الذکر کی لیکن حرام خور طبقہ عام طور پر بالائی طبقہ ہوتا ہے جو حرام خوری کو نیچے تک منتقل کرتا ہے۔ لہٰذہ عوام کی قانون شکنی خواص کے طرزِ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے لہٰذہ دراصل مخاطب اسی طبقے کو بنانا چاہیے جو ایسی صورتِ حال پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ بے اختیار عوام قطعی حلال راستے پر چلنا بھی چاہیں تو ان کے چلنے کی چابی بھی بالائی طبقے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لہٰذہ اسی کو مخاطب بنا کر ان کی اصلاح پر توجہ مرکوز کی جائے تو حقیقت حال جاننے اور اس کو بیان کرنے اور نتائج مرتب ہونے کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ آج کا واعظ اور مصلح یا تو صیغہ جمع متکلم کا استعمال کرتا ہے یا جمع حاضر و جمع غائب کا عوام میں طاقت کے اعتبار سے تقسیم کو موضوع بنانا ضروری ہے تاکہ ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کے مطابق بوجھ کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے کیونکہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿لا یکلّف اللہ نفساً الّا وُسعھا﴾(۳۳)۔ترجمہ "اللہ کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا"سب کو یکساں طور پر مخاطب بنانے اور برائیوں سے باز آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طاقتور پر ذمہ داری سے کم بوجھ پڑجاتا ہے اور کمزور پر ذمہ داری سے بہت زیادہ بوجھ پڑتا ہے۔ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کے مطابق مخاطب بنا کر اسے اصلاح کی دعوت دینے سے بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔یہ چند اصلی باتیں تھیں جو آج کے مصلحین کی خدمت میں بطورِ غور فکر پیش کی ہیں(۳۴)۔

شاہ صاحب محترم اس اسلوب کے تنہا اور کلّی ذمہ دار نہیں ہیں۔وہ اس روایت سے ذرا مختلف راستہ لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں مگر دوٹوک انداز میں اپنے آپ کو اس سے مکمل طور پر الگ نہیں کرپائے۔عذاب قبر کے حوالے سے شاہ صاحب نے باب دوم میں حدیث نمبر ۱۴ درج کی ہے اور حدیث نمبر ۴۳ میں عالم برزخ کا ذکر کیا ہے۔حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"نبی ﷺ نے فرمایا جب آدمی مرتا ہے تو صبح وشام اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔اگر وہ جنتی ہے تو اس پر بہشت کا عکس پیش ہوتا ہے اور اگر وہ جہنمی ہے تو دوزخ کی آگ اس پر توڈالتی ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ جو قبر سے اٹھنے کے بعد قیامت کے دن تجھے ملنے والا ہے"(۳۵)

اس کی تشریح میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کو صرف دوبارہ اپنے آخری ٹھکانے کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور وہ اندازہ لگالیتا ہے کہ مجھے قیامت کے دن کہاں جانا ہے۔"اس حدیث میں صبح وشام کا لفظ ہمارے ذہنی معیار کو سامنے رکھ کر فرمایا گیا ہے۔ورنہ عالم برزخ میں زمان ومکان کا یہ تصور نہیں ہے جس سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے برزخ کے سلسلے میں نبی ﷺ نے جو خبریں دی ہیں ان کے تفصیلی تعارف کا دنیا میں کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ ہمارے ظاہری حواس اس جہاں کی حقیقتوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں"(۳۶)

حدیث کی درج بالا تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اہل ظواہر میں سے نہیں ہیں جو حدیث کے ظاہری مفہوم پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں خواہ اس سے کچھ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔شاہ صاحب صاف فرماتے ہیں کہ اس جہان کی حقیقت کا ادراک اس جہاں کے حواس سے ممکن نہیں ہے۔لہٰذہ یہ تمثیلی اندازہ ہے اس سے حقائق کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے اصل حقیقت کیا ہے اس کا اس جہاں میں ہی علم ہوگا۔مزید یہ کہ شاہ صاحب عصر رواں کے ذہن سے بھی واقف ہیں جو سوال کرتا ہے اور بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ایسے حضرات نے قبر کے عذاب وغیرہ سے ہی انکار

کر دیا ہے کیونکہ اسے وہ قرآن مجید میں نہیں پاتے اور جو احادیث قرآن مجید کے مطابق نہ ہوں وہ ان احادیث کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف صحیح نہیں سمجھتے چنانچہ ان کے نزدیک عقائد کیلئے قرآن مجید کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے قرآن مجید کے علاوہ عقائد خبر واحد سے اخذ نہیں کیئے جاسکتے چنانچہ اس گروہ نے تو عذاب قبر اور قبر کی زندگی کی نفی کر دی ہے شاہ صاحب نے اس زندگی کو تسلیم کیا ہے مگر فرمایا اس جہاں کے حواس کے ذریعے اس جہاں کا تفصیلی تعارف ممکن نہیں۔ یہی بات جنت اور جہنم کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے بلکہ کہی گئی ہے۔ جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ اللہ پر ایمان کے ضمن میں سب سے اہم بات سب سے آخر میں درج کی ہے یعنی "اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ آدمی اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرے اور آخرت میں اللہ کے احتساب سے خائف رہے "(۳۷)

اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے یہ قرآن مجید کی اصطلاح ہے جس کے اندر تقویٰ ہو اس کو متقی کہتے ہیں۔ متقین کے اللہ نے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں آخرت کے احتساب سے خوف بھی انسان کو اللہ کی نافرمانی سے بچاتا ہے۔ گویا آخرت بھی تقویٰ پیدا کرنے کے کام آنے والا عقیدہ ہے اس ضمن میں شاہ صاحب کے ہاں گویا تقویٰ قابل ترجیح ہے حالانکہ اللہ نے قرآن مجید میں احسان کو بھی مومنین کی خوبی بتایا ہے اور احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو پسند فرمایا ہے ان سے انعامات کے وعدے کیے ہیں لیکن ہماری رائج مذہبی فکر کے مطابق نافرمانی سے بچنے کو غلبہ حاصل ہے لہٰذہ زور نافرمانی سے بچنے پر دیا جاتا ہے سوچ کا یہی پہلو شاہ صاحب کے ہاں بھی غالب نظر آتا ہے۔

ایمان باللہ کے عنوان کے تحت توحید اور شرک کے مضامین بھی زیر بحث آئے ہیں اور ساتھ ہی وسیلہ پر بھی بات کی ہے وسیلہ کے بارے میں ایک حدیث درج کرنے کے بعد اس کی تشریح کے چند نکات انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

""توسل "بایں معنٰی کہ کسی کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا قبول کرنے کی درخواست کرنا، اہل تصوف اس کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں انبیاء، اولیا اور صالحین اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے وجیہہ، مقرب اور ذی مرتبہ ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس لیے ان کا واسطہ دے کر (مثلاً بحرمۃ فلاں بجاہ فلاں یا بحق فلاں) کہہ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کے قبول کرنے کی استدعا کی جائے جن بزرگوں کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے وہ نہ تو اس وقت موجود ہوتے ہیں اور نہ یہ بات ان کے علم میں ہوتی ہے کہ کوئی حاجت مند ان کی وجاہت اور قربِ الٰہی کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کر رہا ہے۔ قرآن وسنت اور تعامل صحابہ کرام سے یہ توسل ثابت نہیں ہے قرآنی دعائیں توسل سے بالکل آشنا نہیں ہیں۔ چاہے وہ فرشتہ، نبیوں اور اہل ایمان نے کی ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سکھائی ہیں
حضور ﷺ کے ہاں بھی توسل کا یہ مفہوم نہیں ملتا جو ہمارے ہاں رائج ہے مذکورہ بالا حدیث پر غور کرنے سے جو حقیقت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ زندہ صالحین سے توسل فعلی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے سے دعا کی درخواست کی جائے اور ساتھ ہی اللہ سے استدعا کی جائے کہ رب اکرم اپنے اس بندے کی دعا میرے لیے قبول فرما حدیث کی کتابوں میں مجھے

آج تک ایک ضعیف روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملی کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر یہ درخواست کی ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں یا سفارش فرمائیں کہ وہ میرے فلاں حاجت پوری کر دے یا فلاں مصیبت سے مجھے نجات دے" (۳۸)

"وسیلہ" کا موضوع ہمارے ہاں مناظرے کا موضوع ہے اس پر خوب دلائل بازی ہوتی ہے مناظرے میں تو ایک دوسرے کے خوب لتے لیئے جاتے ہیں اور ایمان تک چیلنج ہوتا ہے اور خوب جذباتی منظر پیدا کیئے جاتے ہیں لیکن شاہ صاحب نے بڑی شائستگی سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے کہا کہ اہل تصوف کے ہاں اسے صحیح سمجھا جاتا ہے۔ مگر اپنے مطالعہ قرآن وحدیث کے نتیجے میں فرمایا کہ مجھے رائج شدہ تصور کے مطابق وسیلہ کے حق میں ایک ضعیف روایت تک نہیں ملی اس حدیث کی تشریح بھی کر دی زندہ شخصیت سے دعا کرانا جائز ہے اس حدیث سے یہی ثابت ہے۔ گویا شاہ صاحب نے مسئلہ کے دونوں پہلو بیان کر دیئے اور کسی کے ایمان کو چیلنج کیا اور نہ مناظرہ کی فضا پیدا کی اختلافات اور تفرقہ بازی کی اس فضا میں یہی بہترین روش ہے کہ امت کو متحد کیا جائے ان کو مشترکاتِ پر جمع کیا جائے۔ بات کو سلیقے سے پیش کیا جائے تا کہ لوگوں میں توجہ اور ٹھنڈے دل سے بات سننے اور کہنے کی خوبی پھر سے پیدا ہو سکے۔ کسی مسئلہ کے بارے میں سب آراء جمع کر کے اپنی رائے کا ذکر کرنا ہی صحیح علمی رویہ ہے علم کی دنیا میں یکطرفہ نقطہ نظر کا اظہار صاحبِ فکر و نظر افراد پیدا کرنے کی بجائے محض مقلد اور عقیدت مند لوگ پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ہمارے ہاں زیادہ ایسا ہی ہو رہا ہے قابل قدر ہیں وہ لوگ جو قارئین اور اہل علم میں وسیع تناظر میں غور و فکر کر کے اپنی رائے قائم کرنے کی صلاحیت پیدا کریں ۔شاہ صاحب کا شمار ایسے اہل علم میں ہوتا ہے۔

رسول پر ایمان کے عنوان سے ۲۱ احادیث جمع کی ہیں تعارف کراتے ہوے آخری جملہ ان کے تصور رسالت کو واضح کرتا ہے لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو زمین پر دین قائم کرنے کیلئے مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی اس کام میں کھپا دی" (۳۹)

دور حاضر کی فرقہ وارانہ بحثوں سے کس قدر بلندی آپ کے ہاں پائی جاتی ہے۔ اس کا اندازہ ان دو فقروں میں مقصد بعث رسول بیان کرنے سے آسانی سے ہو جاتا ہے اگرچہ شاہ صاحب نے ایمان بالرسالت کے تمام پہلوؤں کو بیان کیا ہے مگر بات جہاں تک پہنچائی ہے وہ آج کے دور کی مباحث سے بالاتر اس دین کے قیام کی جدوجہد ہے جس کیلئے نبی اکرم ﷺ مبعوث کئے گئے تھے۔ اس کی جو وضاحت حدیث کی روشنی میں کی ہے اس کا جائزہ پیش خدمت ہے۔ حدیث نمبر ۱۵۰ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں جب تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو اور میں جب تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اس پر عمل کرو"

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا مقام بہت بلند ہے آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر جملہ اسلامی قانون کا ماخذ بن جاتا ہے حضرت کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ زندگی کی شاہراہ کے فانوس بن جاتے ہیں۔ بلکہ آپ کے فیصلوں اور اصولوں نے پوری دنیا کے فلسفیوں، قانون دانوں اور دانش وروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اس لیئے آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں جس کام سے روک دوں اس سے رک جاؤ اور جس کام کا حکم دوں تم اسے کرو۔ آنجناب ﷺ ساری امت کے قائد و امام ہیں آپ کے اس مقام کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔(۴۰)

اس تشریح میں ایک تو دورِ حاضر میں حجیت حدیث کے پہلوں سے صرف قرآن کو ماخذ قانون ماننے پر اصرار کرنے والوں کا رد کیا ہے اور نام لیئے بغیر ایک سخت لفظ بھی استعمال کر دیا ہے کہ بعض احمقوں نے یہ رائے قائم رکھی ہے۔ اس جملے کے استعمال سے شاہ صاحب کے اندر کا روایت پسند بھی باہر آگیا ہے البتہ یہ متجددین کا گروہ ہے جو اگرچہ قدیم دور سے امت میں موجود رہا مگر دورِ حاضر میں اس کا ظہور سر سیّد احمد خاں کی شکل میں ہوا اور ان کی فکر کے پیروکاروں میں علامہ غلام احمد پرویز کا نام سرِ فہرست ہے۔ یہ گروہ متجددین کہلاتا ہے اور ان پر سنگ باری میں روایت پسند سب یک زبان ہیں لہٰذہ شاہ صاحب کے قلم سے سخت لفظ ادا ہو گیا۔ یہ باعث افسوس تو ہے مگر باعث تعجب نہیں البتہ شاہ صاحب نے نبی اکرم ﷺ کیلیئے ساری امت کے قائد اور امام کے الفاظ استعمال کر کے دورِ حاضر کی زبان میں گویا آپؐ کی جامعیت کو سمو دیا ہے۔ کیونکہ عصر حاضر میں مذہبی رہنما کیلیئے امام کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہ سیاسی رہنما کیلیئے قائد کا لفظ بولا جاتا ہے شاہ صاحب نے نبی اکرم ﷺ کیلیئے یہ دونوں الفاظ بیک وقت استعمال کر کے آپ کی مذہبی سیادت اور سیاسی قیادت کی حیثیت کو گویا ایک ہی شخصیت میں جمع کر دیا ہے۔ یہ عصری رجحانات کے عین مطابق ہے جس میں نبی اکرم ﷺ محض مذہبی شخصیت اور معلم اخلاق کے طور پر سامنے نہیں آتے بلکہ آپ سیاسی قائد اور پوری زندگی کیلیئے ایک نظام دینے اور سیاست کی تشکیل کے ذریعے تمام شعبہ ہائے زندگی کو اس کے اندر سمونے کے علمبردار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ البتہ ایک پہلو مزید یہ کہ جو بات شاہ صاحب نے اوپر عنوان کی وضاحت میں کہی ہے کہ آپ ﷺ نے نظام قائم کیا اور اس کیلیئے اپنی ساری زندگی کھپا دی اس مضمون کی صریح حدیث آپ نے اس باب میں ذکر نہیں کی یہ ایسی احادیث ہیں جن سے یہ مضمون اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس مضمون سے ذرہ بھر اختلاف نہیں کیا جا سکتا مفہوم سے مکمل اتفاق ہونے کے باوجود صریح الفاظ میں کوئی حدیث کم از کم اس باب میں موجود نہیں ہے یا درج ہونے سے رہ گئی ہے یہ مضمون پوری سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے کھل کر سامنے آتا ہے۔ فریضہ اقامت دین بھی ایک ایسا عنوان ہے جو اگرچہ قرآن

مجید کی آیت مبارکہ ﴿ان اقیموا الدین﴾ (۴۱) سے لیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح خلافت اور حکومت الہیہ کے بجائے یا اس کے ساتھ استعمال ہوئی ہے اور جماعت اسلامی کی اصلاحات میں اس کو نمایاں حیثیت حاصل ہے اس موضوع پر مولانا محمد یوسف اصلاحی کی ایک کتاب فریضہ اقامت دین کے نام سے موجود ہے اسی موضوع پر فکر کی غلطی کے عنوان سے مولانا وحید الدین کی کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ تاہم اقامت دین کے مفہوم میں خود جماعت اسلامی کے سائے میں پروان چڑھنے والے ایک اور سکالر جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے بھی اختلاف کیا ہے یہ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اقامت دین کا ایک مفہوم دین کو قائم کرنا ہے جس کیلئے جماعت اسلامی کی جدوجہد ہے جبکہ علامہ غامدی اور ان کے شاگردوں اور مولانا وحید الدین اور ان کی فکر سے متاثر حضرات اقامت دین کو قائم رکھو سمجھتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دین کو قائم کرنا ایسا فرض نہیں ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ ۔۔۔ دین سے مراد اسلامی نظام زندگی قائم نہ ہونے سے لوگ ایسے گناہ گار نہیں ہوتے جیسے ترک نماز وغیرہ سے چنانچہ اہل علم پر مسلمانوں میں اسلام کی تبلیغ کرنا فرض ہے۔ جب زیادہ مسلمان باعمل اور مخلص ہو جائیں گے وہ اپنے نظام کو بھی اسلام کے مطابق بنالیں گے۔ جبکہ جماعت اسلامی نے اقامت دین کی جدوجہد کو بھی فرض قرار دیا اور اپنے ہر ہر رکن اور حامی کا یہ دینی فرض قرار دیا کہ وہ نظام کو تبدیل کرنے کی سیاسی جدوجہد میں اپنا تن من دھن ایک مذہبی فرض سمجھ کر لگائے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اللہ کے ہاں اس کا مواخذہ ہو گا۔

شاہ صاحب نے فریضہ اقامتِ دین کے عنوان کے تحت ۱۳۳ احادیث درج کی ہیں۔ اس باب میں جو احادیث بیان کی ہیں ان کے عنوان درجِ ذیل ہیں:

(۱) داعیان حق (۲) دعوتِ دین اور رشتہ دار (۳) دین خیر خواہی ہے (۴) کتاب وسنت کا مقام (۵) تعلیم قرآن کی فضیلت (۶) عالمِ قرآن کا مرتبہ (۷) قرآن کی اجتماعی تلاوت (۸) عامل بالقرآن کے والدین کا اعزاز (۹) ملتِ اسلامیہ کے عروج وزوال کا سبب (۱۰) قرآن میں مشغول ہونے کا صلہ (۱۱) اقامتِ دین سے انحراف کی سزا (۱۲) برائی کے خلاف جہاد کا تقاضا ہے (۱۳) اسلام میں اجتماعیت (۱۴) جماعت سے وابستگی (۱۵) جماعت سے علیحدگی (۱۶) انتخابِ امیر (۱۷) پانچ احکام (۱۸) دینِ حق اور گروہ بندی (۱۹) اطاعت امیر کی حدود (۲۰) دینی جماعت کے کارکنوں کے باہمی تعلقات (۲۱) خواتین کا اجتماع (۲۲) دعوتِ اِلی اللہ میں حکمت (۲۳) پرفتن دور (۲۴) واعظ بے عمل (۲۵) تبلیغ کی اہمیت (۲۶) ریاکاری عالم سخی اور مجاہد (۲۷) تبلیغِ قرآن کی راہ میں رکاوٹیں (۲۸) دنیا پرست علماء (۲۹) علماء میں نفاق کی کثرت (۳۰) دعوت واصلاح کا کام (۳۱) داعی اِلَی اللہ

ان عنوانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقامت دین کے مختلف مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔ اقامت دین کا آغاز دعوتِ الی اللہ سے ہوتا ہے۔ دعوت کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے داعی کا عملی نمونہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصطلاح کو بھی ایک فرض کے طور پر ادا کرنے کیلئے استعمال کیا ہے۔ صرف ایک عنوان اقامتِ دین سے انحراف کی سزا میں اقامتِ دین کا لفظ استعمال کیا ہے اور حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کے نتائج بد کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا شاہ صاحب نے ترکِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اقامت دین سے انحراف قرار دے کر اس کے جو اثرات بد قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں اِن کا ذکر کیا ہے پھر ایک باب اقامتِ دین کی راہ میں آزمائش کے عنوان سے قائم کیا ہے ان دونوں کے درمیان باب ہشتم جہاد فی سبیل اللہ کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے اور آخری باب کا عنوان اسلامی سیاست ہے۔

اسلامی سیاست کو نظام حکومت، شوریٰ، حکمرانوں کا تقرر، اطاعتِ امر حقوق شہرت معیشت اور عدالت وغیرہ کے بارے میں احادیثِ جمع کر کے آج کے طالب علم کو آج کی زبان اور اصلاحات میں سمجھایا ہے کہ اسلامی سیاست کیا ہے۔ اس میں کون سے موضوعات زیرِ بحث آتے ہیں ان کے بارے میں اسلام کیا راہنمائی دیتا ہے۔

اس کتاب کی فہرست مضامین کے بارے میں اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ اس میں فہرست ابواب و مضامین میں رائج انداز سے ہٹ کر اندازا اختیار کیا گیا ہے۔ عام طور پر ابواب اور فصول کے سامنے ان کے صفحات لکھے جاتے ہیں یعنی یہ باب یا فصل کتاب کے فلاں صفحے سے شروع ہوتی ہے مگر اس کتاب میں فہرست میں حدیث کا عنوان درج کر کے آگے اس کا نمبر درج کیا گیا ہے مثلاً باب پنجم کا عنوان ہے خوفِ خدا اور پرہیز گاری اس کے سامنے صفحہ نمبر درج نہیں ہے آگے حدیث کا عنوان دیا گیا ہے ایمان کی روح خدا خوفی۔ اس کے سامنے صفحہ نمبر نہیں لکھا گیا بلکہ اس حدیث کا نمبر لکھا گیا ہے جس کا عنوان شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کے سامنے ۱۲۷ لکھا گیا ہے حدیث کا نمبر ہے صفحہ نہیں جس صفحہ پر یہ حدیث درج ہوئی ہے اس کا نمبر ۱۸۵ ہے اس لیئے عام قاری اگر حدیث کے سامنے لکھے ہوے نمبر کو دیکھ کر صفحہ کھولنا چاہے گا تو اس کو مایوسی ہو گی کیونکہ حدیث اسے اس صفحہ پر نہیں ملے گی اس طرح قاری خاصی الجھن میں پڑ جائے گا۔

سید محمود حسن شاہ صاحب کی کتاب ترجمان الحدیث کے حصہ اوّل کے تنقیدی جائزہ پیش کرنے کے بعد حصہ دوم کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

ترجمان الحدیث جلد دوم تین ابواب ۲۳ فصول اور ۲۵۳ عنوانات پر مشتمل ہے تین ابواب کے عنوانات پہلا خاندان کی تشکیل دوسرا خاندان کی بربادی اور تیسرا اصلاحِ معاشرہ پر مبنی ہے۔ خاندان کی تشکیل میں نکاح، مہر، بیوی کے حقوق اور شوہر کے حقوق وغیرہ موضوعات پر احادیث رسول ﷺ جمع کر کے ہر حدیث کا ایک عنوان متعین کر کے اس کی مختصر اور مناسبِ حال وضاحت کی گئی ہے۔ شاہ صاحب کی زبان نہایت آسان اور اسلوب سادہ اور اندازِ بیان پر کشش ہے شاہ صاحب کے ہاں فرقہ واریت کا شائبہ تک نہیں ہے البتہ متجددین، یا معروف الفاظ میں مغرب پرست طبقہ یا مغربی تہذیب اور اس کا پرچار کرنے والوں کیلئے سخت الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ کسی شخصیت کا ایسا عمل مذہبی طبقے میں باہمی نفرت کے باوجود ایسے فاضل کیلئے عزت واحترام میں اضافے کا باعث ہی بنتا ہے۔ اس لیے آپس میں سر پھٹول میں مشغول ہونے کے باوجود مغربی تہذیب اور اس کے اثرات کے خلاف سب یک زباں ہیں، شاہ صاحب محترم تو آپس کی سر پھٹول پر بھی یقین نہیں رکھتے اور اس کا شائبہ تک ان کے ہاں نہیں پایا جاتا۔

ہمارے مذہبی طبقے میں مغرب سے بیزاری کے اسباب میں سے ایک ہے کہ برصغیر میں مغلوں کی حکومت جو بہر حال مسلمانوں کی حکومت تھی کا خاتمہ انگریزوں کے ذریعے ہوا۔ برصغیر کے مقامی حکمرانوں میں سے بعض نے انگریزوں کے ساتھ سازگاری کر کے ان کی حکومت قائم کرنے میں ان کی مدد کی اور بعض نے اپنی حکومت بچانے کیلئے ان سے جنگ کی اور جنگ میں شکست سے دوچار ہو کر اپنی حکمرانی کھو بیٹھے۔ آخری اور فیصلہ کن معرکہ ۱۸۵۷ء میں ہوا جس میں پاک وہند کے آزادی پسندوں نے انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر کاروائی کی مگر اس میں انہیں شکست ہوئی اور انگریزں کی حکومت پورے برصغیر میں قائم ہو گئی۔ شکست کھانے والے فوجی افسروں اور جاگیرداروں کو انگریزں نے خوب سزائیں دیں جس کی وجہ سے پڑھے لکھے قدامت پسند طبقے کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا پیدا ہونا ایک قدرتی اور فطری امر تھا۔ ملک کا مذہبی طبقہ اسی پسِ منظر میں پروان چڑھا اور انگریزوں کے ستم سہہ کر بھی اس نے مذہب کا پرچم بلند کیئے رکھا لہٰذہ اس کے دلوں میں نہ صرف انگریزوں کی سیاسی حاکمیت کے خلاف بلکہ ان کی جاری کردہ قوانین اور تہذیب کے خلاف نفرت بھی اس طبقے کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔ اس امر کا دوسرا سبب مسلمانوں کا اپنی تہذیب کی برتری کا زعم ہے کسی بھی قوم کے دورِ جمود کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس کے ہاں اپنے ورثہ پر فخر حد سے بڑھ جاتا ہے وہ اس میں کچھ بھی کم یا زیادہ کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتی۔ شکست کے بعد اس کے ہاں حفاظت اور دفاع کے تصور کو فروغ حاصل ہوتا ہے وہ اپنی کچھ اقدار کے تحفظ کے نام پر یا تہذیب کو درپیش خطرات سے بچانے کے نام پر اپنی ساری توانائیاں اپنے جمود کو قائم رکھنے کیلئے صرف کر دیتی ہے۔ اگر اس میں کوئی اصلاح کی تحریک اٹھتی بھی ہے تو وہ جزوی اصلاح کی تحریک ہوتی ہے۔ ایک مدّت گزرنے کے بعد اس کی اصلاح کی کوششیں پھر جمود وروایت پرستی کے دھارے میں گم ہو جاتی ہیں۔

برصغیر میں انگریزوں کے آنے یا مغرب میں آزادی فکر کے زیر اثر ایک طبقہ وجود میں آیا جس میں بلالحاظ مذہب سارے ہندوستانی شامل تھے۔ جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ کار میں افکارِ تازہ سے متاثر ہوکر اصلاح کی تحریکیں برپا کیں۔ مسلمانوں میں بھی سرسید احمد خان کو اس معاملے میں امام کا مرتبہ حاصل ہے، سرسید کی ملی خدمات کے سب معترف ہیں۔ مگر ان کے مذہبی نظریات ان کے قریبی ساتھیوں سے بھی ہضم نہ ہوسکے۔ علی گڑھ میں کالج اور پھر یونیورسٹی کا قیام مسلمانوں میں جدید علوم کی ترویج واشاعت کا نقطہ آغاز تھا پھر جگہ جگہ مدرسۃ الاسلام اور اسلامیہ کالجز نے مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فرغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان اداروں سے فارغ التحصیل جدید علوم میں مہارت حاصل کر کے حکومتی مشیزی کا حصہ بن گئے اور آخر کار بیوروکریسی، فوج اور عدالتوں میں اعلیٰ ترین عہدوں پر پہنچ کر ملکی نظام اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہوگئے۔ مگر عربی زبان سے ناآشنائی اور اسلامی علوم کے ماخذات تک رسائی سے محرومی کے سبب اسلام اور اسلامی قانون وتعلیم کے لئے انہی اداروں کے فارغ التحصیل افراد کے محتاج رہے جو قدیم نظام تعلیم کے محافظ کے طور پر مدرسہ ایجوکیشن کے نام پر ملک میں رائج چلا آرہا تھا۔ پس قدیم قدامت پرست تھا اور اپنے آپ کو اسلام کا محافظ شارع کے طور پر پیش کرکے مذہبی رہنمائی پر اپنی اجارہ داری کا علمبردار تھا۔ جبکہ جدید جدت پسند اور اسلامی علوم سے بیگانہ یا اگر مہارت کی کوئی رمق رکھتا بھی تھا تو عوام کی طرف سے مذہبی رہنمائی کیلئے مذہبی طبقات کی طرف رجوع کی بنا پر غیر مؤثر تھا۔

اس پس منظر میں قدامت پرستوں کا جدت پسندوں پر حملہ آور ہونا گویا ان کے نزدیک اسلام کی حفاظت ودفاع کی اہم خدمت بجالانا ہے بقول اقبال:

یک زباں فقیہان شہر میرے خلاف

اس طبقے کی متجددین کے خلاف سخت الفاظ قابل فہم ہیں۔ لہٰذہ درگزر کے قابل بھی اس معاملے میں اس طبقے کو معذور سمجھتے ہوئے افکار کو آگے بڑھایا جائے۔ شاہ صاحب زبان وبیان میں جدید ہونے کے باوجود افکار ونظریات میں قدامت پسند ہیں وہ شیخ الحدیث ہونے کے باوجود حنفی ہیں۔ لیکن حنفیت کو غالب نہیں کرتے اور دور دراز کی فقہی بحثوں میں نہیں پڑتے شاہ صاحبؒ کے نزدیک اہمیت اسلامی تعلیمات کو حاصل ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اسلام کی تعلیم کو سمجھیں اور اس پر عمل کرنے میں اخلاص کا مظاہرہ کریں۔ وہ عام لوگوں کو فقہی بحثوں میں الجھا کر عمل سے بے پرواہ اور بیگانہ نہیں کرنا چاہتے نہ وہ بحثوں کا عادی بنا کر بس بحثوں ہی میں پڑے رہنے کا ذوق پیدا کرتے ہیں۔ ان کے سامنے عملی زندگی ہے اور عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہنا ان کے نزدیک اسلام کا تقاضا ہے۔ لہٰذہ احادیث کے انتخاب

اور اس کی تشریح میں ان کا یہی ذہن کار فرما نظر آتا ہے۔ مثلاً نکاح اور باجہ کے عنوان سے نسائی اور ترمذی سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال و حرام کے درمیان حد فاصل نکاح میں باجہ اور آواز کا ہونا ہے" (۴۲)

تشریح فرماتے ہیں "زنا اور نکاح کے فرق و امتیاز کا انحصار صرف باجہ اور آواز پر نہیں ہے یہ تو عقدِ نکاح کے وقت گواہوں کی موجودگی سے بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ کہ تم نکاح کے معاہدے کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرو یہاں تک کہ اس کی خبر دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے دور دور تک کے رشتہ داروں اور جاننے والوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فلاں لڑکے نے فلاں لڑکی سے شادی کی ہے" (۴۳)

شاہ صاحب چونکہ موسیقی اور آلات موسیقی کے بارے میں روایتی نقطہ نظر کے حامل ہونے کی بنا پر موسیقی کو اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز سمجھتے ہیں اس لئے دف اور صوت کی تشریح تشہیر کرو سے کی ہے۔ آگے تحریر فرمایا کہ اس کی خبر دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے اور دور و نزدیک کے رشتہ داروں اور جاننے والوں کے علم میں یہ بات آجائے۔۔۔ حالانکہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی کی جگہ پر دف اور صوت سے خبر دور دور تک کیسے جائے گی اور دور کے رشتہ داروں تک کیسے پہنچے گی ۔شرکاء محفل کو تو خبر ہو سکتی ہے اس کیلئے دف اور صوت کی ضرورت نہیں اور دور تک خبر پہنچانے کیلئے کسی اطلاع دینے والے کی ضرورت پڑے گی خاص طور پر اس دور میں جبکہ نہ لاؤڈ سپیکر تھا اور نہ اطلاعات کے جدید ذرائع اب تو فیس بک پر فنکشن کی خبر لگا دیں تو سب کو پہنچ جاتی ہے۔ شادی کی خوشی کے موقع پر شاہ صاحب کی توجہ ساز و آواز کی طرف نہیں گئی جا بھی کیسے سکتی تھی خوشی کے اظہار کے مواقع تو ہمارے ہاں غیر اسلامی قرار پا چکے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"نکاح میں آواز ہونے کے معنی یہ ہیں کہ محفل نکاح کے شرکاء ایجاب و قبول کے بعد دولہے کو بڑے زور شور سے مبارک باد دے کر اپنی مسرت کا اظہار کریں اس موقع پر ڈھولکی یا نقارہ بجا کر نکاح کے اعلان کو مکمل کیا جائے" مزید لکھتے ہیں "اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح کی تقریب ہر سنجیدہ اور اچھے اشعار گا کر خوشی کا اظہار کیا جائے اور نکاح کی خبر کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کیلئے ڈھولک یا نقارے کا استعمال کیا جائے" (۴۴)

اس تشریح میں بھی شاہ صاحب گانے سے خوشی حاصل کرنے کیلئے سنجیدہ اشعار کی شرط لگاتے ہیں اور ڈھولک کو پھر نکاح کی خبر کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کیلئے استعمال کرنے تک مخصوص قرار دیتے ہیں۔ گانے کے مفہوم تک پہنچے ہیں مگر ساز کے بغیر اور سنجیدہ اشعار تک محدود کر کے شادی کے موقع پر ہر شادی کے نغمے اور خوشی کے اظہار کے

جو دیگر طریقے رائج ہیں روایتی مذہبی فکر ان کی اجازت دینے کیلئے تیار نہیں چنانچہ اس کو بھی شاہ صاحب نے موضوع بنایا ہے فرماتے ہیں۔

"یہ بات دھیان میں رہے کہ آجکل شادی بیاہ کے موقع پر بڑے زور شور سے جو فحش فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے وہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ شادی کی خبر کو دور دور تک پھیلانے کیلئے ڈھولک یا نقارہ بجانا جائز ہے" (۴۵)

فحش گانوں کی ریکارڈنگ کو تو شاہ صاحب نے قطعاً حرام اور ناجائز قرار دے دیا اس سے کم یعنی فحش سے پاک ریکارڈنگ کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ڈھولک یا نقارہ بجانے کا جواز خبر کو دور دور تک پھیلانے کو قرار دیا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ نقارہ یا ڈھولک شادی کی جگہ پر بجے گی اس کی آواز بھی چند گھروں تک جائے گی۔ وہ بھی محض دھم دھم کی آواز ہوگی شادی کی خبر تو کسی کو زبان کے ذریعے ہی دینی پڑے گی وہ تو افراد کے ذریعے پہنچے گی شادی کی خبر دور دور تک پہنچانے میں ڈھول یا دف کا کوئی کردار نہیں ہے کیونکہ جہاں شادی ہو رہی ہے اس گھر میں ڈھول یا دف کے بجنے سے لوگوں کو صرف یہ علم ہوگا کہ اس گھر میں شادی ہو رہی ہے کس کی شادی کس سے ہو رہی ہے اس کا علم زبان سے خبر پر موقوف ہوگا ڈھولک یا دف کا اس میں کوئی کردار نہیں ہے۔

دوسرا باب خاندان کی بربادی کے اسباب کے عنوان سے ہے اس کی آٹھ فصلیں ہیں اسمیں حدیث نمبر ۱۰۳ سے حدیث نمبر ۱۵۵ تک کل ۵۳ احادیث شامل ہیں ہر حدیث ایک عنوان کے تحت درج کی گئی ہے تو گویا آٹھ فصلوں کے نیچے ۵۳ عنوانات کے تحت راہنمائی فراہم کی گی ہے۔

طلاق کو خاندان کی بربادی کے اسباب میں سب سے پہلی فصل میں موضوع بحث بنایا گیا ہے بیک وقت تین طلاقوں کا مسئلہ کے تحت نسائی کی ایک حدیث لائے ہیں ترجمہ درج ذیل ہے:

"رسول اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ سخت ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر ارشاد فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں یہاں تک کہ (آپ کے غصہ کو دیکھ کر) ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا حضور ﷺ کیا میں اسے قتل نہ کر دوں "(۴۶)

اس حدیث کے تحت شاہ صاحب نے تین طلاق بیک وقت دینے کی خرابی بیان کی ہے اس پر رسول ﷺ کی ناراضگی کا ذکر کیا ہے طلاق دینے کے صحیح طریقے پر روشنی ڈالی ہے اور عرضی نویس طلاق لکھتے ہوئے خود ہی تین طلاق لکھ

کر مرد سے انگوٹھا لگوا لیتے ہیں ان کے اس فعل کی مذمت کی ہے جہاں تک تین طلاق کے تین یا ایک واقع ہونے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ناجائز اور گناہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طریقہ سے طلاق دے تو شرعاً اس کی حیثیت کیا ہے؟ آئمہ اربعہ کے نزدیک یہ تین واقع ہو جاتی ہیں۔ بیوی شوہر پر حرام ہے اَلاَّ یہ کہ مطلقہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے پھر وہ وفات پائے یا اس عورت کو طلاق دے تو عدت گزارنے کے بعد وہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ طاؤس اور عکرمہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے صرف اور صرف ایک رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے بھی اس رائے کو پسند کیا ہے" (۴۷)

بیک وقت تین طلاقیں دینے کا مسئلہ خاص طور پر ان علاقوں میں بہت گھمبیر صورت اختیار کر چکا ہے جہاں عورت کو اسلام کے دیئے گئے حقوق حاصل نہیں ہیں جہاں عورت کا مہر یا تو ۳۲ روپے مقرر کیا جاتا ہے جو وہ معاف کرنے کو ترجیح دیتی ہے اس لیے اگر وصول بھی کرے گی تو اتنی معمولی رقم سے اسے کیا حاصل ہوگا اور اس کے خاوند پر کیا بوجھ پڑے گا۔ اگر مہر کی رقم زیادہ ہو تو وہ صرف لکھوانے تک محدود ہوتی ہے دینا عرف میں شامل ہی نہیں البتہ جہیز کا بوجھ اور بارات کے اخراجات کا بوجھ لڑکی کے والدین پر نقد پڑ جاتا ہے جو والدین کو ہر صورت برداشت کرنا پڑتا ہے اس وجہ سے والدین بیٹی کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ یہاں سے آپ کی ڈولی اٹھی ہے اس گھر سے آپ کا جنازہ اٹھے یعنی جس گھر میں آپ کو شادی کر کے بھیج دیا گیا ہے اب آپ نے ساری زندگی اسی گھر میں گزارنی ہے۔ ایسے علاقوں میں مطلقہ ہونا عورت کیلئے بہت بڑا طعنہ بن چکا ہے اور کمزور اور بے بس ہونے کی بنا پر قصوروار بھی عورت کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے اور مطلقہ کی دوسری شادی ہونا بھی آسان نہیں ہوتا۔ اس پس منظر میں عورت تو کم از کم طلاق کے تصور سے ہی کانپ اٹھتی ہے جائیکہ اسے بیک وقت تین طلاق کے الفاظ استعمال کر کے شوہر اپنے گھر سے باہر نکال دے اور وہ بے سہارا بن کر بوڑھے والدین یا بھائیوں کے گھر آبیٹھے۔ بیک وقت تین طلاق کی شکار ہونے والی عورت کی ترجیح اپنا پہلا شوہر ہی رہتا ہے۔ اس صورت میں مرد کے جرم کی سزا بھی عورت کو بھگتنی پڑتی ہے کہ وہ کسی مرد سے نکاح کرے اور حقوق زوجیت ادا کرے پھر وہ طلاق دے تب وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو اور از سر نو نکاح کر کے اس کے ساتھ دوبارہ ازدواجی زندگی شروع کرے اس گھمبیر صورتِ حال کی طرف ہمارے فقہاء کی نظر نہیں جاتی وہ تقلید جامد کے سبب فقہاء اربعہ کی پیروی میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کی صورت میں تین واقع ہونے کا فتویٰ دینے پر اصرار کرتے ہیں اور اس کے خلاف کو خلافِ شرع کہتے ہیں۔ شاہ صاحب اس لحاظ سے قابل قدر ہیں کہ انہوں نے دو مشہور تابعین اور ایک عظیم محدث کی رائے بھی نقل کر دی ہے جو فقہاء اربعہ کے خلاف ہے بیک وقت تین طلاقیں دینے کے باوجود ایک طلاق

واقع ہونے کے حق میں ہے۔ ہمارے ملک کے اہل حدیث حضرات دیگر احادیث کی بناپر تین طلاقیں بیک وقت دینے سے صرف ایک کے واقع ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

حالات کے فرق کے لحاظ سے فقہا اربعہ کی رائے اس جگہ عورت کے حق میں جاتی ہے جہاں عورت نکاح کے بدلے میں مہر پاتی اور اس کیلئے نکاح ثانی کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ عورت طلاق کو آزادی سمجھ کر نکاح ثانی کے بدلے نیا حق مہر حاصل ہونے کیلئے پر امید ہوتی ہے۔ مزید براں اولاد پالنے کا بوجھ بھی عورت پر نہیں آتا بلکہ والد اولاد کی پرورش کا ذمہ دار ہوتا ہے اور عورت بوجھ سے آزاد مگر جہاں عورت مہر سے محروم، جہیز اور بارات کے اخراجات کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی، مطلقہ ہونا اس کیلئے گالی کوئی مطلقہ سے نکاح کرنے کیلئے تیار نہیں اس پر مستہزاد بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی عورت ہی اٹھائے ایسے حالات میں عورت کو فٹ سے شوہر سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا کر دینے کا فتویٰ دینے والوں کو ہزار بار سوچنا چاہیے کہ ان کی اس تشریح سے اس عورت کا مسئلہ حل ہوا یا مزید الجھ گیا ہے۔ اگر الجھ گیا ہے تو اس کی ذمہ دار شریعت ہے یا ارباب شریعت کی تعبیر و تشریح ایسے حالات میں عورت کے حق میں اہل حدیث حضرات کی تشریح و موٴقف درست ہے۔

شاہ صاحب حنفی ہونے کے باوجود متشدد حنفی نہیں ہیں انہوں نے فقہا اربعہ کا موٴقف درج کرنے کے ساتھ دو تابعین اور ایک محدث ابن تیمیہ کا موٴقف درج کر کے بڑی جراءت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگرچہ ایک آدمی تقاضا کر سکتا ہے کہ انہیں اس سے آگے بھی جانا چاہیے تھا۔ مگر اس کا یہ مطالبہ جائز ہونے کے باوجود بعض اسباب کی بنا پر ماورا بھی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ تقلید جامد کے اس ماحول میں یہ بھی بڑی بات ہے کہ دوسرا موٴقف بغیر تنقید و تردید کے درج کر دیا جائے اور پڑھے لکھے لوگوں کیلئے آزادی کا دروازہ کھول دیا جائے کہ وہ جان سکیں کہ دوسرا نقطہ نظر بھی پایا جاتا ہے ورنہ ہمارے ہاں فقہ کی کتب کا تو اسلوب ہی یہ ہے کہ ہمارا موٴقف درست ہے اور دوسروں کا موٴقف درست نہیں ہے۔ دلائل ہمارے حق میں ہیں۔ شاہ صاحب آخر میں تھوڑا سا اور آگے بڑھے ہیں تحریر فرماتے ہیں:

"بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دینا جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح طلاق دے تو آئمہ اربعہ کے نزدیک تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے علماء اہل حدیث نے آخری رائے کو پسند کیا ہے"(۴۸)

اس باب سے ایک ہی حدیث اور عنوان کے تحت شاہ صاحب کی علمی خدمت کا جائزہ لیا جا سکا ہے اس سے شاہ صاحب کی وسعت نظر، اندازِ فکر اور تعلیمات اسلامی کیلئے تڑپ اور درد کا اندازہ ہو سکتا ہے اب ہم تیسرے باب کے بارے میں کچھ تحریر کریں گے۔

تیسرا باب اصلاح معاشرہ کے عنوان سے آٹھ فصول اور حدیث نمبر ۱۵۴ سے حدیث نمبر ۲۵۳ تک سو احادیث پر مشتمل ہے۔ چونکہ ہر حدیث کا ایک عنوان ہے تو اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سو عناوین کے تحت شاہ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فصول کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں فصل اول کا عنوان باہمی تعلقات ہیں۔ دوسری فصل عبادت تیسری علاج چوتھی جنازہ پانچویں مہمان کے حقوق چھٹی پڑوسی کے حقوق ساتویں غریبوں اور کمزوروں کے حقوق اور آٹھویں فصل خدمتِ خلق کے بارے میں احادیث پر مشتمل ہے۔ اس باب کا عنوان بڑا خوبصورت ہے اصلاحِ معاشرہ ۔۔۔۔ معاشرے کی اصلاح کیلئے مختلف موضوعات پر احادیث کا انتخاب شاہ صاحب کے معاشرے کی اصلاح کے بارے میں خواہش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں دورِ زوال اور ہندو دھرم سے مسلمان ہونے کی بنا پر نیز وسطی ایشیاء کے فاتحین کے ذریعے جو اسلام پھیلا اس میں توھمات اور مقامی رسم ورواج اور روایات کو کافی دخل رہا ہے۔ مصلحین امت کی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کیلئے قرآن وحدیث کی صحیح تعلیمات ان تک پہنچائی جائیں۔ اس ضمن میں مولانا منظور احمد نعمانی کی معارف الحدیث، مولانا بدر عالم کی معارف السنہ کو خاص اہمیت حاصل ہے اس کے ساتھ ساتھ مولانا جلیل احسن ندوی کی راہِ عمل اور زادِ راہ بھی اردو داں طبقے کیلئے حدیث کی بہترین رہنما کتابوں میں شامل ہیں۔ شیخ الحدیثِ محمود حسین شاہ صاحب کی ترجمان الحدیث بھی اسی درجے کی کتاب ہے جس میں احادیث سے رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ اس رہنمائی میں مسلمانوں کی اصلاح اور بھلائی مقصود ہے مثلاً مسلمان کے چھ اوصاف کے تحت حدیث نمبر ۱۶۲ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے اور ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا ہو۔ (۱) اسلام کے ناطے سے مسلمان کو دوسرے مسلمان سے سگے بھائی جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ (۲) وہ اس کی حق تلفی نہ کرے۔ (۳) مصیبت زدہ اور مظلوم مسلمان کے معاملہ میں وہ غیر جانبداری کا رویہ اختیار نہ کرے بلکہ اس کی بھرپور حمایت کرے۔ (۴) اگر کوئی ضرورت مند بھائی پریشان ہو اور زندگی کے کسی معاملہ میں الجھا ہوا ہو تو اس کی حاجت پوری کرے۔ (۵) جو بھائی کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے غمگین اور پریشان ہو اس

کو اس مصیبت سے نکالے۔(٦) کسی مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرے زندگی میں اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔"اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی شخص کو بھی گناہ کی زندگی سے روکنا جائز نہیں ہے۔ جو شخص عادی مجرم ہو فسق و فجور کا علمبردار ہو یا خلق خدا کی آبرو اور مال کو برباد کر رہا ہو نہ صرف یہ کہ اسے برائی سے روکنا چاہیے بلکہ اگر وہ نہ رکے تو اس کی سرکوبی کیلئے حکومت اور عدالت سے بھی رجوع کرنا چاہیے"(٤٩)

اس حدیث کی تشریح میں شاہ صاحب کا دل امت مسلمہ کے ساتھ دھڑکتا ہوا صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ مسلم بھائی کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ان خوبیوں سے ہر مسلمان کو متصف اور ان خامیوں سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں جن کی حدیث میں نشاندہی کی گئی ہے۔ آپ کی تشریح پڑھنے کے بعد کسی قسم کی فرقہ وارانہ ذہنیت کا شائبہ تک دل کے قریب سے نہیں گزرتا۔ وہ مسلم کو خطاب کرتے ہیں اسے حدیث میں بیان ہونے والا اسلام بتاتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کو ڈھالنے کی تلقین کرتے ہیں۔ عصرِ حاضر کی اختلاف و انتشار سے بھری مسلم دنیا میں ایسے ہی دل دردمند سے نکلے ہوئے پر اثر خیالات مسلمانوں میں باہمی اخوت و محبت پیدا کر سکتے ہیں۔ شاہ صاحب کے ہاں پلڑا کسی ایک طرف جھکا ہوا نہیں ملتا بلکہ ان کے ہاں بڑا توازن پایا جاتا ہے۔ غیبت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی غلطیوں کا تذکرہ عام نہ کرے لیکن جب معاملہ حقوق العباد کی پامالی تک پہنچ جائے پھر خاموش رہنا جائز نہیں بلکہ اصلاح کی کوشش جائز ہے جہاں تک اصلاح ہو جائے۔

اب ہم ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی دو کتابوں نمبر (١) ایمان کی چھاؤں میں دوسری زہد مفہوم اور تقاضے کا جائزہ پیش کریں گے۔ ڈاکٹر سعید الرحمٰن شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں پروفیسر ہیں ان کی یہ دونوں کتب دراصل ایم اے (اسلامیات) کے حدیث کے سلیبس کا حصہ تھیں۔ شروع میں تو شاید طلبہ کی ضرورت پوری کرنا پیش نظر تھا مگر کام جب اپنے اختتام کو پہنچا تو وہ بخاری شریف کی کتاب الایمان ایمان کی چھاؤں بن گئی اور مسلم شریف کی کتاب الزہد، زہد مفہوم اور تقاضے کے نام سے منصۂ شہود پر آئی۔ یہ دونوں کتب اپنے مواد اور مضامین و مباحث کے اعتبار سے اونچے درجے کی کتب ہیں اگرچہ طلبہ کیلئے بھی اس میں بہترین مواد ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ علماء اسلام کی رہنمائی کا سامان بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر سعید الرحمٰن کا اسلوب بیان خالص علمی اور فکری ہے باوجود ایک خاص مکتب فکر کے مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے فرقہ پرستی کا ان میں دور دور تک نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ شاید انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کا فیضان ہے کہ اس نے انہیں ایک فرقہ کی فکر کے ساتھ وابستہ رہنے سے بہت بلند کر دیا اور اسی اعتبار

سے ان کی فکر میں بلندی، وسعت اور اظہار رفعت پیدا ہو گئی ایمان کی چھاؤں میں بخاری شریف کی کتاب الایمان کا ترجمہ اور تشریح ہے خود تحریر فرماتے ہیں:

"اس لیے یہ ضروری خیال ہوا کہ حدیث نبویؐ کے متنوع پہلوؤں میں سے اس پہلو کو زیرِ بحث لایا جائے جس کا تعلق معاشرتی او سماجی حوالہ سے ہے اور اس سلسلے میں دورِ حاضر کے ان مسائل کے حل کی وضاحت کی جائے جو احادیث کے دائرہ کار میں آتے ہیں"(۵۰)

آغاز کتاب میں ایمان کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی جس میں ایمان اور اس کے تقاضوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے مختلف مکاتب فکر کے نزدیک ایمان کی جو تعریفیں پائی جاتی ہیں ان کو بیان کیا ہے جس کی تلخیص پیشِ خدمت ہے:

(۱)ایمان محض قلبی طور پر کسی چیز کو پہچان لینے کا نام ہے۔

(۲)ایمان محض زبان سے اقرار کا نام ہے۔

(۳)ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے۔

(۴)اعمالِ صالحہ ایمان کا جزو اور حصہ ہیں۔

(۵)متوازن اور معتدل نظریہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص صاحب ایمان ہے جس میں قلبی تصدیق اور زبانی اقرار کے دونوں عناصر موجود ہوں"(۵۱)

ایمان کے بارے میں تمام نظریات کا ذکر کر کے کسی ایک کو ترجیح دینا یہ علمی روّیہ ہے اس کا مطلب ہے کہ موٗلف کی نظر میں تمام نظریات ہیں وہ سب نظریات کی اہمیت سے آگاہ ہے اور سب کو مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندہ سمجھتا ہے مگر خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے اور اس ترجیح کیلئے اس کے پاس دلائل ہیں۔ استدلال علم کے دروازے کھولتا ہے لیکن جب کوئی مفکر اپنی فکر کو اسلام قرار دے کر دوسرے افکار کو باطل کفر اور اس جیسے دیگر القاب دے کر انہیں رد کرتا ہے تو وہ صرف اپنے پیرو کاروں کے نزدیک ہی قابل قدر قرار پاتا ہے دیگر افکار کے پیرو کاروں کے ہاں اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی اور اس کا صحیح کام بھی دوسرے لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں بن پاتا یہ طرزِ فکر اور رویہ امت میں تفریق کے بیج بونے کا

سبب بنی ہوئی ہے۔ محترم ڈاکٹر سعید الرحمٰن کا دامن اس فرقہ پرستی سے پاک ہے بلکہ جو ان کی کتب کا مطالعہ کرے گا اسے اسلام کی حقیقی وسعت کا اندازہ ہوگا اور صحیح اسلامی طریق فکر سے اس کو آگاہی ہوگی ہو سکتا ہے فرقہ بندی میں جکڑا ہوا ذہن اس کتاب کے مطالعہ کے بعد فرقہ بندی سے تائب ہو کر اسلام کی وسعت میں اپنے لیے سکون واطمینان حاصل کرنے کو اپنے لیے ترجیح بنالے۔

مؤلف کتاب جناب ڈاکٹر سعید الرحمٰن ایک روشن خیال وسیع المطالعہ اور عصرِ حاضر کے مزاج اور تقاضوں سے پوری طرح اور مستقبل میں دیکھنے کی صلاحیت سے مالامال شخصیت نظر آتے ہیں اس کی ایک مثال کتاب کے صفحہ ۸۴ پر باب کفرانِ العَشیرہ وَ کفرٍ دونَ کُفر۔ اس میں کفر اور کفران اور کفر دُونَ کفر کی وضاحت کی ہے پھر اس ضمن میں امام بخاری جو حدیث لائے ہیں اس کی تشریح کی ہے پہلے ترجمہ حدیث ملاحظہ فرمائیں: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے دوزخ دکھائی گئی کیا دیکھتا ہوں وہاں عورتیں بہت ہیں وہ کفر کرتی ہیں لوگوں نے کہا کیا اللہ کا کفر کرتی ہیں آپؐ نے فرمایا نہیں خاوند کا کفر کرتی ہیں۔ احسان نہیں مانتی اگر ایک عورت سے ساری عمر احسان کرو پھر وہ کوئی بات تم سے دیکھے تو کہنے لگتی ہے میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔

اس حدیث سے عام طور پر ذہن عورت کی خامیوں کی طرف جاتا ہے مردوں کی برتری پر مبنی معاشرے میں اس طرف ذہن منتقل ہونا باعث تعجب بھی نہیں ہے اور الفاظِ حدیث سے بظاہر مفہوم بھی یہی بر آمد ہوتا ہے۔ مگر جن اہل علم کی نظر عملی حالات پر ہوتی ہے اور وہ قرآن وسنت کی مجموعی تعلیمات کا حقیقی ادراک رکھتے ہیں ان کے ہاں اعتدلال بھی پایا جاتا ہے اور انصاف بھی وہ پوری بات واضح کرنا عین تقاضاء اسلام سمجھتے ہوئے یہ فریضہ احسن انداز میں ادا کرتے ہیں ڈاکٹر سعید الرحمٰن کے ہاں برائیوں کا پلڑا صرف بیوی یا عورت کے حق میں نہیں جھکا ہوا۔ بلکہ وہ مرد عورت دونوں کو ان کے اپنے اپنے پلڑے میں تولنے کے حق میں ہیں۔ یعنی ناشکری اور نافرمانی صرف عورت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مرد پر قوام ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور وہ بھی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کمی یا کوتاہی کا شکار ہو سکتا ہے اس کیلئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر نہایت کریم اور مہربان ہے اسی طرح شوہر کو بھی فراخدلی اور اپنے اجتماعی ارادے کی دل سوزی سے خدمت کرنے والا ہونا چاہیے چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا اشاد گرامی ہے تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہیں"(۵۲)

پھر میاں اور بیوی دونوں کے حقوق و فرائض بیان کرتے ہوئے عورت کے اسلامی تصور کو ان الفاظ میں اجاگر کیا ہے:

"حدیث میں لفظ "عشیر"(وہ جس کے ساتھ زندگی بسر کی جائے) کا استعمال اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ خاندان کا ادارہ در حقیقت دو افراد کے باہمی میل جول اور ان کے درمیان مساوی معاشرتی حیثیت سے تشکیل پاتا ہے ان میں حاکم و محکوم آقا و غلام کے رشتے کی بجائے "زوجیت" کا رشتہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمسر اور جوڑ ہیں یہی سبب ہے کہ عربی لغت میں "زوج" کا اطلاق مرد و عورت پر یکساں ہوتا ہے جس سے دونوں کی مساوی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح قرآن حکیم میں بیوی کیلئے کوئی لفظ مخصوص بھی کیا گیا ہے تو وہ "صاحبہ" ہے جس کا مفہوم بھی ساتھی اور رفیق کے ہیں۔ الغرض یہ ادارہ (خاندان) دو افراد کے مابین ایک مساوی معاہدے سے وجود پذیر ہوتا ہے جس کی رو سے فریقین پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں"(۵۳)

عورت کی ایک کمزوری کی نشاندہی کرنے والی حدیث میں مردوں کی برتری کے تصور پر مبنی اس معاشرے میں شوہروں کو بھی ان کی ذمہ داریاں یاد دلانا، قرآن مجید کے خاندان کے تصور میں زوجین کی وضاحت کرتے ہوئے دونوں کی مساوی معاشرتی حیثیت کی بات کرنا یقیناً ایک انقلابی فکر کی نمائندگی ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو دورِ حاضر کے رائج معاشرتی بیانیہ میں فٹ نہیں بیٹھتی لیکن ہے حق پر مبنی بات۔ عام طور پر اہل حق کو حق کہنے کی قیمت ادا کرنا پڑتی رہی ہے۔ مگر ڈاکٹر سعید الرحمٰن نے حق بات کہی نہیں بلکہ لکھ دی ہے اس سے اب تک ہزاروں طلبہ استفادہ کر چکے ہونگے جو اب استاد کے منصب پر فائض ہونگے مگر نہ معلوم انہیں یہ بات سمجھ بھی آسکی ہے یا انہوں نے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے نوٹس کا سہارا لیا یا اگر اس مقام کو پڑھا تو جامد ذہنوں کی طرح اپنے ہی خیالات کو پڑھ کر گزر گئے اور دماغ وہیں رہا جہاں سماج نے اسے سیٹ کر رکھا ہے۔

اب ہم ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی حدیث پر دوسری کتاب زہد، مفہوم اور تقاضے کا جائزہ پیش کرتے ہیں یہ کتاب دراصل صحیح مسلم شریف کی کتاب الزہد میں بیان ہونے والی احادیث کی تشریح پر مبنی ہے زہد حدیث میں استعمال ہونے

والی اصطلاح ہے جس کا ابتدائی مفہوم دنیا کی اشیاء سے ایسی بے رغبتی کی تلقین تھا جس سے اللہ کے دین اور اس کی رضا کو ہی ہر حال میں قابل ترجیح بنائے رکھیں وہ زہد اختیار کریں کا مطلب تھا وہ اللہ کی رضا کے کاموں کو ترجیح دیں ذاتی مفاد، ذاتی برتری و تفوق، نام و نمود کیلئے مال کی طلب و حصول اور اسراف کے کاموں میں اس کا خرچ جیسے اوصاف بد سے بچے رہیں۔ مگر اس ابتدائی پاکیزہ اور لائق تقلید مفہوم سے نکل کر یہ لفظ دنیا اور اسبابِ دنیا سے مطلقاً بے رغبتی کیلئے استعمال ہونے لگا۔ یہ نتیجہ تھا امت میں دیگر مذاہب کے معتقدات و اعمال کے رائج ہونے اور امت میں سے وسعت آجانے کی وجہ سے اور وقت کے گزرنے کی وجہ سے امت میں تصوف کے راستے سے رہبانیت راہبانہ کے تصورات بھی نہ صرف رائج ہو گئے بلکہ پختہ تر ہوتے چلے گئے اب دنیا کے اسباب کے طرف دھیان نہ دینے والے کو ولی اللہ قرار دیا گیا اور وہ اسباب و وسائل حیات کے امور میں جدوجہد کرنے والے کو دنیادار اور اللہ سے دور کرنے والے اعمال میں مشغول قرار پایا۔ یہ فرق صرف نظری طور پر ہی رائج رہا اور نہ امت کے صالحین، اولیا اور ان کے گدی نشینوں کے مال و اسباب دنیا کے ہاں جو ڈھیر لگے رہتے اور لگے ہوئے ہیں وہ سب عقیدت مندوں کی نظروں کے سامنے ہونے کے باوجود وہ مذہب کی اسی تشریح کو درست سمجھتے ہیں جس کے مطابق مال و اسباب کے حصول کیلئے مشقت اٹھانے والا اللہ سے دور اور ان کے بزرگ اللہ کے قریب اور اپنے مریدوں وغیرہ کی ضروریات پوری کرنے کی طاقت سے مالا مال ہیں۔ اس پس منظر کا ڈاکٹر سعید الرحمٰن کو اچھی طرح ادراک ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"عام طور پر اس عنوان کے تحت آنے والی بعض احادیث کی اردو زبان میں جو شرح کی گئی ہے وہ نہ صرف تشنہ طلب ہے بلکہ اس سے ابھرنے والی تصویر کسی طور پر دین حق کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی "(۵۴)

تصوف کے راستے سے آنے والے رہبانیت کے تصورات نے جس طرح زہد و قناعت جیسی اصطلاحات کو اپنے لئے سہارا بنایا ہے۔ وہ اسی سے خاص ہے اس کے ساتھ ساتھ رہبانیت کے غلبہ نے انسانی ذات پر بھی منفی اثرات ڈالے اور بعض دیگر الفاظ و اصطلاحات کے بھی مبہم مفاہیم مسلمانوں میں رائج کر دیئے جو مسئلے کو واضح کرنے کی بجائے الجھا دیتے ہیں ان میں ایک لفظ "فیض" ہے۔ یہ بھی شخصیت کے شخصیت پر اثرات کا نام ہے مگر تصوف میں یہ لفظ شیخ کے غیبی تصرفات سے متمتع ہونے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مرید حضرات حضرتِ والا سے فیض پانے کیلئے اپنی عمروں کا ایک حصہ ان کے درِ دولت پر نذرانوں کے ساتھ حاضری دیتے ہیں اور اپنی سخت جدوجہد اور مشقت سے جو بھی فکری بلندی یا

وسائلِ حیات میں سے حصہ پاتے ہیں اسے وہ اپنے حضرت والا کا فیض ہی قرار دیتے ہیں۔ فیض کا لفظ غلط نہیں ہے بلکہ اس کے استعمالات میں غلطی کا امکان ہے ویسے اقبال نے بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

یہ فیضانِ نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

اتنی لمبی تمہید دراصل ڈاکٹر سعید الرحمٰن کو اپنی زیر تبصرہ کتاب میں لفظ "فیض" کے استعمال پر تبصرہ کرنے کیلئے باندھنی پڑی ڈاکٹر سعید الرحمٰن لکھتے ہیں:

"اس عنوان کے تحت احادیث کی جو وضاحت کی گئی ہے وہ دراصل اس فیض کا نتیجہ ہے جو راقم الحروف نے اپنے اساتذہ کے علاوہ خانقاعالیہ رائے پور سے حاصل کیا ہے" (۵۵)

اس بیان میں لفظ فیض قابلِ غور ہے اپنے تعلیمی اداروں اور تربیتی خانقاہوں کا جائزہ لیں تو تعلیمی ادارے علم کے فروغ کے مراکز ہیں اور خانقاہیں شخصیت کے عمل کو صحیح رخ پر ڈھالتی اورانسان کے اندر وہ خوبیاں پیدا کرتی ہیں جن سے وہ اللہ کی رضا کے راستے پر گامزن رہے حصول علم اور عملی تربیت، یہ دو عناصر ہیں جو شخصیت بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں علم میں فکری تربیت بھی شامل ہے عام طور پر دینی مدارس میں تو روایتی تعلیم دی جاتی ہے اور روایت سے جڑے ہوے افکار پختہ کیے جاتے ہیں لیکن کچھ شخصیتیں اورادارے ایسے موجود ہیں جو روایتی جامد سوچ کے علم الرغم آزادانہ غور و فکر کو عام کرنے کیلئے کوشاں ہیں جو فرد ان شخصیتوں اوراداروں میں سے کسی سے متاثر ہوتا اور اپنی فکر کو ان میں سے کسی ایک کے سانچے میں ڈھال لیتا یا آزدانہ غور و فکر کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ اپنی اس رائے کو درست سمجھتے ہوئے اس شخصیت یاادارے کا ممنونِ احسان ہوتا اور اس کا ذکر اپنے محسن کے طور پر کرتا ہے دراصل وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میری اس تخلیق یا تحریر میں جو خوبیاں پائی جاتیں ہیں انہیں میرے اساتذہ کے ساتھ ساتھ فلاں شخصیت یاادارے کی تربیت یا محنت کو بھی دخل حاصل ہے۔ جس نے مجھے روایتی افکار کی جکڑ بندی کی بجائے غور و فکر کا راستہ دکھایا اس پورے پراسس کیلئے لفظ فیض کا استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ لفظ چونکہ دیگر مبہم مفاہم کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اس لیے ایک عصری زبان میں بات کرنے والی شخصیت کیلئے بہتر تھا کہ وہ یہ لفظ استعمال کرنے کی بجائے ایک دو فقروں میں اس کی وضاحت فرماتے۔

روایتی افکار و اصلاحات کی بجائے عصری تقاضوں سے مطابقت اور دوڑ پیچھے کی طرف ایسے گردش ایام نو کے سنگ ڈاکٹر سعید الرحمٰن دورِ اول کے مفاہیم پر نظر رکھنے اور اسی کو عام کرنے کے طلبگار نظر آتے ہیں ایام زمانہ نے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو جس طرح گہنا دیا ہے اس کا انہیں شعور حاصل ہے۔

پختہ شعور ان کی تشریحات اور تعبیرات میں جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے کتاب الزھد کی یہ تشریح پڑھ کر انسان تارک الدنیا نہیں بنتا بلکہ دنیا اور اسباب دنیا کو دین کے مطابق حاصل کرنے اور خرچ کرنے اور برتنے کا شعور حاصل کرتا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں: تکاثر کے مفہوم کے زیر عنوان تین حدیثیں مع ترجمہ لکھ کر وضاحت میں جس طرزِ فکر کو پیش کیا ہے اس سے یہ خرابی طبقہ خواص کی قرار پائی ہے۔ غریب آدمی جو نانِ جویں تک سے محروم اور بنیادی ضروریات تک سے تہی ہے اس کے اندر مال کی طلب اور اس کے بڑھنے کی خواہش فطری ہے اور اس کیلئے ضروری بھی مگر قرآن مجید ان کو متوجہ کرتا ہے جو خزانوں کے مالک ہیں مگر پھر بھی ان کا پیٹ نہیں بھرتا سب کچھ ہونے کے باوجود ھل من مزید کا نعرہ ان کی زبان و دل کا رفیق بنا رہتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"گویا جس شخص یا گروہ کے پاس دولت اور سرمایہ ہوتا ہے وہ نہ صرف اسے اپنی ملکیت گردانتا ہے۔ بلکہ اس میں اضافے کیلئے ہمہ قسم کے حربے بھی بروئے کار لاتا ہے اور پھر حد سے زیادہ ہوس اسے جامہ انسانیت سے باہر لے آتی ہے حتّٰی اس کا ہدف یہ قرار پاتا ہے کہ نہ صرف اس کا کوئی ہم سر باقی نہ رہے۔ بلکہ دوسروں کے پاس موجود وسائل بھی اس کے تصرف میں آجائیں اور یوں مرض تکاثر اپنے ہم جنسوں کے استحصال کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔(۵۶)

اس وضاحت میں انسان کے ان رویوں کو تکاثر سے متاثر قرار دیا ہے جو دوسروں کے استحصال کا باعث بنتے ہیں ورنہ مال کمانا اور حلال طریقے سے اسے حاصل کرنے کیلئے محنت و مشقت اٹھانا عین اسلام ہے کیونکہ دنیا میں باعزت طریقے سے زندگی گزارنے کیلئے، صلہ رحمی کرنے کیلئے، غریبوں کی خدمت کیلئے، پیچھے رہ جانے والوں کو آگے بڑھانے کیلئے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے غرضیکہ زندگی میں ہر قدم پر مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ جتنا کوئی زیادہ مالدار ہو گا اسی قدر وہ زیادہ مال ان نیک کاموں پر خرچ کر سکے گا اور جس کے پاس مال کم ہو گا وہ ان اعلیٰ ترین کاموں کیلئے کم مال خرچ کر سکے گا۔ پس اس بحث سے یہی نتیجہ نکلا کہ زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی طلب مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ برے مقاصد کی آبیاری کیلئے ممنوع ہے چنانچہ ڈاکٹر سعید الرحمٰن نے اس تصور کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ذریعے بھی واضح کرنے کوشش کی ہے لکھتے ہیں:

"امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ گزشتہ اور اپنے دور کے حکمرانوں اور بالادست طبقات کا ذکر کرتے ہوئے مرض تکاثر کی علامات کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں کہ جب دنیوی تعیش کو ایسے افراد نے اپنی زندگی بنالیا اور آخرت تک کو بھلا بیٹھے اور ان پر شیطنت غالب آگئی تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی میں منہمک ہو جائیں چنانچہ ان میں سے ہر شخص دادِ عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگا حتّٰی کہ ان امراء اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہو گیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درھم سے کم مالیت کا کمر بند یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا۔ ایسے ہی انہوں نے عالیشان، سر بفلک محل، فوارے، حمام، بے نظیر پائیں باغ، سواری کے نمائش جانور، خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لیے لازم قرار دے لیں اور زندگی کی ضرورتِ اصلی انہیں سمجھ لیا کہ صبح وشام عیش ونشاط کی محفلیں ہوں جس میں طرح طرح کے کھانے وسیع دستر خوانوں پر چنے ہوں اور خود لباسِ فاخرہ پہنے ہوں پھر یہ مصیبت صرف بادشاہوں اور امیر طبقات ہی میں منحصر نہیں رہ جاتی بلکہ رفتہ رفتہ عوام جن کا واسطہ ان لوگوں سے پڑتا ہے اپنے امیر آقاؤں کی ریس میں لگ جاتے ہیں۔ ورنہ انہیں ان آقاؤں کی نگاہوں میں عزت واحترام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کے درباروں میں قدر ہوتی ہے "(۵۷)

ڈاکٹر سعید الرحمٰن کی یہ دونوں کتب ملتان میں علم حدیث پر ہونے والے کام میں فکر کی تازگی اور سوچ کی بلندی پائی جاتی ہے۔ خطہ ملتان خوش قسمت ہے کہ اس کی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں صحیح الفکر اور راسخ العقیدہ شخصیت بحثیت پروفیسر خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی کاوشوں سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کثیر ہے ان کے ہاں فہم اور غور کی جو بلندی پائی جاتی ہے وہ انہی کا خاصہ ہے۔ ہمارے مذہبی میدان میں ان جیسے صاحبان علم کو بھرپور حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے تاکہ چراغ سے چراغ روشن ہو اور اسلام کی صحیح تعبیر اور تشریح مسلمانوں کے سامنے آئے۔

فصل سوئم

ملتان میں شروحِ حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

گزشتہ صفحات میں ہم نے بالترتیب تاریخ حدیث، اصول حدیث اور حدیث کے موضوعاتی مطالعہ پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ پیش کیا اب ہم شروح حدیث کے کام کا جائزہ لیتے ہیں۔

شروح حدیث کے میدان میں سب سے قبل مکمل شرح حدیث "خیر المفاتیح اردو شرح مشکٰوۃ المصابیح" جس کے مصنف کا نام مولانا شبیر الحق کشمیری ہے کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مشکٰوۃ شریف کی یہ شرح تین جلدوں میں مکمل کی گئی ہے۔ پہلی جلد ۴۹۵ صفحات پر مشتمل ہے اور کتاب الطہارہ تک احادیث کی شرح کی گئی ہے جلد اول میں آغاز عرض ناشر سے ہوتا ہے۔ جو دو صفحات میں العلامہ محمد اسحاق صاحب نے رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۸ء میں تحریر کیئے ہیں پھر مختصر حالات صاحبِ تقریر (مولف کتاب) ایک صفحہ پر سمیٹ دیئے گے ہیں اس تحریر کے آخر میں کوئی نام درج نہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ نے مولانا موصوف سے پوچھ کر تحریر کر دیئے ہونگے پھر اجازت نامہ ہے۔ حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ کا تحریر کردہ ہے اس شرح کو سمجھنے کیلئے اس اجازت نامہ سے بعض اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

"اسی جذبہ خیر کی بنا پر اوائل ماہ شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ میں مولانا زید مجدھم [محمد اسحاق ناشر کتاب] نے بندہ سے مشکٰوۃ المصابیح کی احادیث کی تشریحات و توضیحات سے متعلق درس کے دوران بیان شدہ فوائد کے اس مجموعہ کے متعلق دریافت فرمایا جو کہ ۱۴۱۹ھ میں مولوی عبد الغفور سلمہ نے ضبط کیا تھا۔ جس پر بندہ نے عرض کیا کہ اس میں عمیق و دقیق نظر ثانی کے بغیر اشاعت مناسب نہیں اس پر مولانا موصوف زید مجدھم نے یقین دلایا کہ تصحیح کیلئے ایک فاضل عالم کی خدمات مہیّا ہیں جس پر بندہ نے موجود شدہ فوائد کا مجموعہ حضرت مولانا کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ مولانا نے اپنی نگرانی میں خاص توجہ سے نظر ثانی اور تصحیح کا کام کرایا اور مواقع قلیلہ میں بعض فوائد کا اضافہ بھی کیا اور سہولت استفادہ کیلئے متونِ احادیث کو اعراب اور ترجمہ سے بھی مزین کیا۔" (۵۸)

اس عبارت میں پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ۱۴۱۹ھ میں مولوی عبد الغفور کا مرتب کردہ بیان شدہ فوائد کا مجموعہ شائع کرنے کی اجازت طلب کی گئی جس پر مولانا کشمیری نے دقیق اور عمیق نظر ثانی کے بغیر اسے شائع کرنے کو مناسب خیال نہ

کیا اس پر ایک فاضل نامعلوم عالم صاحب کی نوید دی گئی جو اس پر عمیق و دقیق نظر ثانی کر سکتا ہے۔ اس پر مولانا نے موجود شدہ فوائد کا مجموعہ مولانا (ناشر) کے سپرد کر دیا، یہاں یہ سمجھنے میں دشواری محسوس ہو رہی ہے کہ مولانا نے جو مجموعہ ناشر کے حوالے کیا۔ کیا وہ ان کی عمر بھر کی محنت کا نتیجہ تھا یا یہ مولانا عبدالغفور نے اپنا جمع کیا ہوا مجموعہ مولانا محترم کے حوالے کر دیا تھا وہی مجموعہ مولانا نے ناشر کے سپرد کر دیا۔۔۔] پھر جس فاضل عالم سے ناشر نے اپنی موجودگی میں نظر ثانی اور تصحیح کا کام کرایا وہ ہستی کون ہیں جنہوں نے مولانا کشمیری کے کام پر نظر ثانی اور تصحیح کا کام کیا۔۔۔ وہ بھی کم از کم مولانا کے پائے کے فاضل عالم ضرور ہونے چاہییں ان کا نام بھی اس کتاب میں موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اہل علم ایک اور اہم علمی شخصیت سے واقف ہو پائیں۔ مولانا کشمیری صاحب کے اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظر ثانی شدہ مسودہ پھر حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا ہو گا۔ مگر اس کا واضح اظہار نہیں کیا گیا مولانا کا جملہ کچھ یوں ہے "اور مواقع قلیلہ میں بعض فوائد کا اضافہ بھی کیا۔ اور سہولت استفادہ کیلئے متون احادیث کو اعراب اور ترجمہ سے بھی مزین کر دیا" (۵۹)

اجازت نامہ کے بعد اجمالی فہرست ہے پھر فہرست عنوانات ہے صفحہ نمبر ۱۲ سے مقدمہ الکتاب شروع کیا گیا ہے اس سے پہلے کتاب کے ۲۴ صفحات ہیں جن پر صفحات کی پہچان کیلئے صفحہ نمبر دیا گیا ہے اور نہ حروفِ ابجد وغیرہ سے صفحا ت کی نشاندہی کی گئی ہے اچانک ایک صفحہ ۱۲ کا عدد درج ہے پھر صفحات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۲۷ تک مقدمہ الکتاب ہے جسمیں اصولِ حدیث، تاریخِ حدیث اور مصابیح السنہ کے مؤلف اور مشکوٰۃ کے مؤلف کے حالات زندگی وغیرہ مضامین الباحث العاشر کے عنوان سے دس بحثیں ہیں پھر صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۳۸ تک غالباً خطبہ جو صاحبِ مشکوٰۃ نے عربی میں لکھا ہے اس کی تشریح جملوں کے اعتبار سے اردو میں درج کی ہے مثلاً

"**پانچویں بات**: دوسرا جملہ نحمدہ ہے۔ سوال: نحمدہ مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے اور جمع متکلم کا صیغہ اس وقت لاتے ہیں۔ جب فعل میں تعدد ہو حقیقۃً یا اظہارِ عظمت شان مقصود ہو یہ دونوں باتیں یہاں نہیں ہیں کیونکہ حامد صرف مصنف ہیں۔ تو واقعہ میں تعدد نہیں اور یہ مقام مقامِ حمد ہے اور اس میں خشوع وخضوع ہوتا ہے مقام حمد تواضع وانکساری کا مقتضی ہے لہٰذہ دوسری صورت بھی نہیں ہو سکتی۔

پہلا جواب: یہاں اظہار عظمت شانِ حمد مقصود ہے۔ اظہارِ شانِ حامد مقصود نہیں بلکہ حمد کی شان کی عظمت کو بتلانا ہے یعنی اللہ کی تعریف یہ بہت عظیم الشان امر ہے جس کیلئے ایک مکمل جماعت چاہیے آدمی سے حمد باری تعالیٰ متعذر ہے۔

دوسرا جواب: مصنف اس بات پر تنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ اچھے کاموں میں دوسروں کو بھی شریک کر لینا چاہیے ہمدردی اور مواسات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے جمع کا صیغہ لائے۔ جیسے مثل مشہور ہے حلوہ خوردن تنہا نہ باشد۔

تیسرا جواب: مصنف نے حمد کو اقرب اِلی الاجابت کرنے کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کیا یعنی سب مل کر حمد کریں گے تو قبولیت کے زیادہ قریب ہو گی جیسے جماعت کی نماز وغیرہ کہ جب اولیاء کی قبول ہو گی تو دوسروں کی بھی قبول ہو جائے گی۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی ردی اور جید دونوں کو ملا کر فروخت کرے تو مشتری کو یہ اختیار نہیں ہو تا کہ وہ جید رکھ لے اور ردی واپس کر دے بلکہ اگر واپس کرے تو دونوں کو واپس کرے اور اگر رکھے تو دونوں کو رکھے اور اللہ تعالیٰ نے بندے کیلئے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تو وہ خود ایسے کیسے کر سکتا ہے کہ بعض کی نماز قبول کرے اور بعض کی نماز قبول نہ کرے۔

چوتھا جواب: مصنف کی مراد یہ ہے کہ صرف حمد بالسان ہی نہیں بلکہ میرے ہر عضو سے حمد کا صدور ہو رہا ہے۔ مثلاً بازو ،ہاتھ، آنکھ کان وغیرہ اس لحاظ سے یہ ایک جماعت ہے اس لیے مصنف نے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔"(٦٠)

" خطبے میں **نحمدہ و نسعینہ و نستغفرہ و نو من بہ و نتو کل بہ** وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو عہد نبوی سے استعمال ہوتے آرہے۔ یہ مصنف نے خود استعمال نہیں کیے بلکہ استعمال ہونے والے الفاظ کو نقل کیا ہے اول تو اس پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہو تا جو مولانا محترم نے پیدا کیا ہے۔ اگر پیدا ہو تا بھی ہے تو اس کا سادہ سا جواب ہے کہ اللہ کیلئے ایسے الفاظ دراصل جماعت المؤمنین کی طرف سے ہوتے ہیں خواہ استعمال کرنے والا واحد شخص ہو۔ مولانا محترم نے سوال بھی خود پیدا فرمایا اور اس کے جو چار جوابات دیئے ہیں وہ بات کو طوالت دینے کے مترادف ہے سوائے عقیدت مند طالب علموں یا کم علم پڑھنے والوں کے کوئی جواب بھی اطمینان بخش نہیں ہے خاص طور پر تیسرا جواب تو سخت قابل اعتراض بھی ہے کہ اللہ کو بندوں کے معاملات پر قیاس کر کے اللہ کو گویا پابند بنا دیا کہ وہ جماعت میں ہر ایک کی دعا یا حمد قبول کرنے کا پابند ہو گیا ہے۔ مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی جید اور ردی دونوں کو ملا کر فروخت کرے تو مشتری کو یہ اختیار نہیں ہو تا کہ وہ جید رکھ لے اور ردی واپس کر دے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تو وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے کہ بعض کی نماز کو قبول کرے اور بعض کی نماز قبول نہ کرے"(٦١)

اس نقطہ نظر پر کئی سوال پیدا ہوتے ہیں ردی اور جید مشترک مال کو مشتری چھانٹنے کے حق سے محروم اس وقت ہو گا جب وہ اس ملے ہوئے مال کو خریدے گا۔ لیکن اگر وہ ملے جلے مال کو خریدنے سے انکار کر دے تو اسے کون پابند کر سکتا ہے کہ وہ اسے ضرور خریدے دوسری بات یہ ہے کہ اگر جید اور ردی مال اس کے سامنے واضح ہے تو وہ یقیناً کم قیمت پر خریدے گا۔ جب اس نے قیمت کم دی ہے تو اب اسے جید لینے اور ردی کو نکالنے کا استحقاق نہ رہا۔ یہ تو بندوں کا بندوں سے معاملہ ہے اللہ کا معاملہ تو بندوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے کہ اللہ قبولیت کیلئے پابند ہو گیا ہے۔ مسجد نبوی میں مسلمانوں کے ساتھ منافق بھی شریک ہو جاتے تھے کیا ان کی نمازیں متقی صحابہؓ کی وجہ سے اور رسالتمآب ﷺ کی امامت کی بنا یکساں درجے میں قبول ہو جاتی تھیں اللہ کا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے عمل کے ساتھ ساتھ اس کی نیت کے مطابق

بھی ہے۔ اللہ کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ نماز میں شریک ہر ہر فرد کے دلوں کا حال اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ کسی کے عمل کا بدلہ رتی بھر بھی کم نہیں کرتا اور نہ اس سے اپنے عمل کے وزن سے زیادہ بدلے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ وہ عادل و عالم ہستی ہے لہٰذہ کسی جماعت کے ساتھ شمولیت کی وجہ سے کوئی اپنے عمل کی قبولیت کی سند حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ ایسا بندوں کے ہاں تو ممکن ہے انسان ایسا خوشی میں، غمی، بھول چوک میں اور کسی اور سبب سے کر جاتے ہیں یہ انسانوں کی ایسی خامیاں آئے روز ہمارے مشاہدے میں آتی رہتی ہیں مگر اللہ ان تمام قسم اور اس جیسی دیگر تمام خامیوں سے پاک ہے۔ سبحان اللہ کا یہی مطلب ہے یہ صرف پڑھنے کا کلمہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کے اللہ کی طرف منسوب کرنے والے ان تمام تصورات سے بالاتر کرکے پاک کرنے کا کلمہ بھی ہے جو اللہ کے شایانِ شان نہیں ہیں مگر بعض لوگوں نے اپنی سادگی میں یا عیاری سے انہیں اللہ کی جانب منسوب کرر کھاہے۔ ایسے نہ پیدا ہونے والے سوالات یا خود پیدا کردہ سوالات کے ایسے جوابات جو ذہن کو مزید الجھادیں اس سے ہمارے دورِ عروج کی بحثوں کے معیار کا اندزہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی بحثیں کسی غور و فکر کے بغیر نقل ہوتی ہوتی ہمارے دور تک پہنچیں او پھر اس عہد سے اگلی نسلوں کو منتقل ہو جائیں گے اس پر غور و فکر کرکے ان کو ج غیر متعلق کہنے کی کسی میں جسارت نہیں ہو گی کیونکہ آج کے طالب علم کے ذہن کا سانچہ اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ وہ استاد سے آگے بڑھے اور نہ اس سے آگے سوچے جیسا کہ طالب حدیث کیلئے ضروری آداب کے تحت شیخ الحدیث نے تحریر فرمایا ہے:

"اپنے شیخ اور استاد کی تعظیم کرے حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے تواضعوا لمن تعلمون منه اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں انا عبد من علمنی حرفاًان شاءَ باعَ وان شاء اعتق اور استاد کی تعظیم کا معیار یہ ہے کہ پس پشت بھی کوئی ایسا قول و فعل نہ ہونے دے جو استاد تک پہنچنے کی صورت میں اس کیلئے باعث اذیت ہو اور یہ بھی ادب ہے کہ علمیت میں استاد کی ترجیح کا اعتقاد رکھے ورنہ علم سے انتفاع نہ ہو گا" (۶۲)

اس پیراگراف کو پڑھ کر علامہ اقبال کا شعر بے اختیار زبان پر آگیا آپ بھی غور فرمائیں:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ الا اللہ

مقدمہ الکتاب میں خطبے کے بعد صاحب مشکوٰۃ کا دوبارہ تعارف اور مصابیح السنہ اور مشکوٰۃ المصابیح کے درمیان ۱۶ فرق بیان کیے ہیں آخر میں مشکوٰۃ شریف کی شروح کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ مقدمہ الکتاب کے عنوان سے دو مضامین میں حضرت شیخ الحدیث نے کافی معلومات جمع کر دی ہیں جو طالبانِ علمِ حدیث کی تشنگی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔

شرح حدیث پہلی حدیث انما الاعمال بنیات کی شرح سے شروع ہوتی ہے اس میں بھی کافی نکات زیر بحث آئے ہیں سب سے پہلے حدیث کے آخری حصے میں بیان ہونے والا مضمون زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"بعض روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت رہتی تھی جو مشہور ام قیس سے تھی اس کو ایک آدمی نے پیغام نکاح بھیجا تو ام قیس نے ایک شرط لگائی کہ تم مدینہ میں ہجرت کر کے آجاؤ تو پھر میں نکاح کر لوں گی اس شخص نے محض نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو چونکہ نیت فاسد تھی۔۔۔ اس نے نیت فاسد سے ہجرت کی تھی چنانچہ بعد میں اس کا نام مہاجر ام قیس ہو گیا"(۶۳)

اس پر سوال نقل کیا ہے کہ یہ کام صحابیؓ سے کیسے مقصود ہو سکتا ہے کہ محض نکاح کی غرض سے ہجرت کرے؟ جواب دیا ہے۔۔۔ یہ کوئی متبعد نہیں صحابہ کے اندر کمالات بتدریج پیدا ہوئے۔ یہ خالص علمی جواب ہے جو آج واعظین کے تیار کردہ ذہن کے معیار پر شاید پورا نہیں اترتا ان کے لئے صحابہ کرام کا لفظ ہی ایسا قابل احترام ہے کہ وہ کسی صحابی کے بارے میں ادنیٰ درجے کی کمی بھی برداشت نہیں کر سکتے اور توہین قرار دے کر مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔ ایسے افراد کو اہل علم کی باتوں کو توجہ سے سننا چاہیے اور علمی معاملات میں ٹھنڈے دل و دماغ کے استعمال کی عادت اختیار کرنی چاہیے۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ نے چھ صفحات پر بحث فرمائی ہے اہم نکات اس بارے میں تحریر فرمائے جن کی وضاحت کی گئی ہے حدیث میں بات بہت سادہ کی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک انسان کے اعمال کا وزن اس کی نیت کے مطابق ہو گا۔ لہٰذہ اللہ اور بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے انسان کو اپنی نیت صاف رکھنی چاہیے طوالت کی وجہ سے مصنف بہت دور نکل گئے ہیں اور حقیقی مضمون وہ توجہ حاصل نہیں کر سکا جس کا وہ مستحق تھا جس کی وجہ سے بخاری شریف میں بھی اور مشکوٰۃ شریف میں بھی اس حدیث کو اول نمبر پر درج کیا گیا ہے زیادہ زور اخلاص نیت پر دینے کی ضرورت تھی اور اس مضمون کی تائید میں احادیث اور آیات لائی جانی چاہیے تھیں تا کہ اہل ایمان پر اخلاص نیت کی قدر و قیمت واضح ہو۔ مگر اس تقریر میں دیگر مضامین کو اتنی جگہ ملی کہ یہ مضمون جگہ پانے سے محروم رہا کتاب العلم کی ایک حدیث کا ترجمہ پھر حضرت شیخ الحدیث کی تشریح درج کی جاتی ہے:

"اور حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ کہا جو میں جانتا ہوں رسول ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل اس امت کیلئے ہر سو برس بعد ایک آدمی بھیجتا ہے جو اس کیلئے اس کا دین تازہ کرتا ہے" (روایت کیا اس کو ابو داؤد نے)

تشریح: " اعلم یہ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے۔ اسم تفصیل کا نہیں (لہٰذہ الامہ میں لام نفع کیلئے ہے) اور دین سے علم دین مراد ہے حاصل حدیث نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کی نفع رسانی کیلئے ہر صدی کے اختتام پر ایسے شخص کو بھیجتے رہیں گے جو امت کیلئے تجدید دین کا کام کرتا رہے گا جس کو ہماری اصلاح میں مجدد کہتے ہیں یعنی ایسے شخص کو بھیجتے رہیں گے جو علوم ظاہرہ وباطنہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ خود بھی تبع السنت ہو گا قانع البدعت ہو گا یعنی جو دین کو رسم ورواج اور سنت وبدعت کے درمیان فرق کرے گا دوسروں کو متبع بالسنت ہونے کی تلقین کرے گا چنانچہ علماء اور اہل حق ہر زمانہ کی تعین کر دیتے ہیں مجدد شخص واحد ہوتا ہے یا جماعت بھی ہو سکتی ہے راجح قول یہی ہے کہ شخص واحد بھی ہو سکتا ہے اور جماعت بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ تجدید دین کرے سب سے پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز ہیں پھر امام شافعی پھر علامہ سیوطی پھر امام غزالی اور پھر مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی چودھویں صدی کے مشہور مجدد حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی ہیں۔ بعض حضرت تھانوی کے قائل ہیں لیکن وہ مجدد غیر ہیں مجدد غیر وہ ہوتا ہے جو دین کے کسی جزو کو لے کر بدعت سے پاک کر دے میرے نزدیک اس موجودہ زمانہ میں تبلیغی جماعت بھی مجدد دین کی جماعت ہے۔(۶۴)

مولانا کا اسلوب: مولانا پہلے حدیث درج کرتے ہیں اس کے نیچے اردو ترجمہ یا محاورہ لکھتے ہیں عربی اور اردو عبارت دو الگ الگ اوپر نیچے سطروں میں لکھتے ہیں دونوں عبارتوں کے درمیان لکیر ڈال کر خانے بنا دیئے گئے ہیں یہ کمپیوٹر کی ٹائپنگ کا کمال ہے۔ عربی عبارت بمع اعراب لکھی گئی ہے اور اس کا فونٹ موٹا ہے جبکہ اردو باریک فونٹ میں لکھی گئی ہے ترجمہ بامحاورہ ہونے کی بنا پر باریک فونٹ ہونے کے باوجود عربی عبارت سے زیادہ جگہ میں سماتا ہے۔ بامحاورہ ترجمہ ہونے کے باوجود اردو عبارت کی روانی کبھی متاثر ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث بالا کے ترجمہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ کے بعد تشریح کے عنوان سے پہلے عربی الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں ہر لفظ کی تفصیلی وضاحت کرنے کی بجائے صرف مشکل الفاظ کی وضاحت پر اکتفا کرتے ہیں پھر حدیث میں بیان ہونے والے مضمون کو کھولنا شروع کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث بالا کے ضمن میں مجدد کی بحث کی ہے البتہ مجدد کے کام کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ بہت مختصر ہے بدعت کو ختم کر کے سنت کو رائج کرنے والا مجدد ہو گا۔ لیکن اسلام میں جس دور میں جو تغیر بھی آئے اس تغیر سے اسلام کو پاک کرنے کا نام تجدید ہے۔ عصر حاضر می ایک مکتب فکر کے نزدیک شرک وبدعت بہت بڑا فتنہ ہے اس لیے حضرت مولانا نے بدعت کے خاتمے کو تجدید قرار دیا ہے پھر مجدد دین کے جو نام تحریر فرمائے وہ صرف چھ شخصتیں اور ایک

جماعت ہے۔ جبکہ ۱۴ صدیاں گزرنے کی وجہ سے ۱۴ حضرات کے ناموں کی ضرورت ہے آج کے دور میں ہر فرقہ کا اپنا مجدد ہے اور ایک مجدد دوسرے مجدد کی تردید کرتا نظر آتا ہے یہ دور زوال ہماری فکر و نظر کے زوال تک محیط ہے لہٰذہ ہمارے مجدد بھی جدا جدا ہوگئے ہیں۔ اہل علم کا فرض ہے کہ وہ فرقہ واریت سے امت کو نکال کر اتحادِ امت کی راہ پر ڈالیں اور ان کے فکر و نظر میں ایسی بلندی پیدا کریں کہ وہ بلند سطح سے امت کے ہر ہر خیر خواہ کو نظر میں رکھ کر امت کیلئے اس کی خدمات پر اسکی تحسین کر سکیں۔

اس کے بعد کتاب کی جلد دوم کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے جلد دوم کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز پر مشتمل ہے ۔یہ ۵۶۰ صفحات پر محیط ہے اور اس کی ایک اجمالی فہرست صفحہ ۶ پر دی گئی ہے اور فہرست عنوانات کتاب کے آخر میں صفحہ ۵۴۹ سے صفحہ ۵۶۰ تک درج ہے۔ یہ فہرست عنوانات پہلی جلد کے خلاف ہے کہ وہ آغاز میں دی گئی تھی۔ عرض ناشر دو صفحات اور اجازت نامہ ایک صفحہ پر درج ہے جو بالکل وہی ہے جو کتاب کی جلد اول میں صفحوں کے نمبر لگائے بغیر درج کیا گیا ہے صفحات کے نمبر تو یہاں بھی نہیں لگائے گئے البتہ شمار میں آسکتے ہیں جبکہ پہلی جلد میں کسی حساب سے شمار کرنا بھی ممکن نہ تھا۔

کتاب کے عمومی تعارف کے بعد اب اس کے مضامین کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ صفحہ ۷ سے کتاب الصلوٰۃ شروع ہوتی ہے ترجمہ نماز کا بیان کیا ہے آغاز صلوٰۃ کے لفظ کی تشریح سے کرتے ہیں لکھتے ہیں:

لغت میں "صلوٰۃ" دعا کو کہتے ہیں اصلاح شریعت میں صلوٰۃ چند مخصوص اقوال و افعال کو کہتے ہیں جن کی ابتداء تکبیر سے اور انتہا سلام پر ہوتی ہے صلوٰۃ کے مادہ اشتقاق کے بارے میں کئی اقوال نقل کیے جاتے ہیں

نوویؒ نے مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ کا مادہ اشتقاق "صلوین" ہے جو سرین کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں چونکہ نماز میں ان دونوں ہڈیوں کو رکوع و سجود کے وقت زیادہ حرکت ہوتی ہے اس لیئے اس مناسبت سے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں "صلوٰۃ" مصلی سے مشتق ہے جس کے معنی ٹیڑھی لکڑی کو آگ سے سینک کر سیدھا کرنا چنانچہ نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کے مزاج میں نفس امارہ کی وجہ سے ٹیڑھا پن ہے۔ لہٰذہ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خداوند قدوس کی عظمت اور ہیبت کی گرمی جو اس عبارت میں انتہائی قربِ خداوندی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے اس کے ٹیڑھے پن کو ختم کر دیتی ہے آگے چل کر پھر سوال کر کے اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

"سوال صلوٰۃ کا مشتق منہ کیا چیز ہے؟ جواب: اسکے بارے میں متعدد اقوال ہیں علامہ عینی نے تقریباً اس کے بارے میں نو قول ذکر کیے ہیں اور راجح اس قول کو قرار دیا ہے کہ یہ صلوٰۃ بمعنی دعا سے مشتق ہے چونکہ ارکانِ مخصوصہ دعا پر مشتمل ہیں اور نہیں تو کم از کم اهدنا الصراط المستقیم پر تو مشتمل ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیات بھی اسی پر دال ہیں کہ صلوٰۃ بمعنی دعا کے بھی ہے جیسے وصلّ علیھم یہاں دعا مراد ہے"(۶۵)

لفظ صلوٰۃ کی تحقیق پر مولانا نے مختصر طور پر اظہار خیال کیا ہے آغاز میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے کیے ہیں اور آخر میں بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ راجح قول اس کو قرار دیا ہے کہ یہ صلوٰۃ بمعنی دعا سے مشتق ہے لیکن اس پر جو دلائل نقل کیے ہیں وہ کمزور ہیں۔ چونکہ مولانا نقل پر انحصار کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اساتذہ سے آگے بڑھنے کو خامی قرار دے چکے ہیں اس لیے ان سے تنقیدی نظر ڈالنے کی توقع رکھنا روا نہیں ہے۔ تاہم ہم ان کے دلائل کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتے ہیں جو انہوں نے یا ان کے بقول علامہ عینی نے دعا سے مشتق ہونے کو راجح قرار دیتے ہوئے دیے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے تین دلائل ذکر کیے ہیں: (۱) چونکہ ارکانِ مخصوصہ دعا پر مشتمل ہیں (۲) نہیں تو کم از کم اهدنا الصراط المستقیم پر مشتمل ہے (۳) [قرآن میں] صلوٰۃ بمعنی دعا کے بھی ہے جیسے وصل علیھم ان دلائل کا جائزہ لیں پہلی دلیل مبہم ہے ارکانِ مخصوصہ سے کون سے ارکان مراد ہیں دوسری دلیل نہیں تو کم از کم کے الفاظ سے بیان ہونے والی دلیل کا وزن دلائل میں کم از کم ہوتا ہے۔ آخری دلیل کہ قرآن میں یہ لفظ دعا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا ایک معنی دعا بھی ہے لیکن صلوٰۃ کو صرف دعا تک محدود کرنے کی کوئی واضح دلیل کم از کم ان دلائل میں نظر نہیں آتی۔ ہاں اگر ذہن کی تربیت اس طرح کی گئی ہو کہ اساتذہ اور اسلاف کی ہر بات حق ہوتی ہے اور ان سے آگے بڑھنا نفع کی بجائے نقصان کا باعث بن جاتا ہے تو ایسا ذہن اگر اطمینان نہ بھی پائے گا پھر بھی اپنے آپ کو زبردستی اطمینان دلائے گا۔

صلوٰۃ کے مذکورہ تین معانی میں سے دوسرے معنی کو کسی نہ کسی درجے میں ترجیح حاصل ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ٹیڑھی لکڑی کو آگ سے سینک کر سیدھا کرنا۔ اسمیں ٹیڑھ سے سیدھ تک کا سفر صلوٰۃ کے انسان پر اثرات کی نشاندہی کرتا ہے کہ صلوٰۃ کے ذریعے انسانی شخصیت کے ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا مقصود ہے اس سے آگے بڑھیں تو کہیں گے کہ صلوٰۃ کے ذریعے انسان کو اچھا انسان بنانا مقصود ہے اسی طرح فرد سے آگے جب اجتماعیت پر اس کا اطلاق ہوگا تو مفہوم یہ قرار پائے گا کہ معاشرے کے ٹیرھے پن کو سیدھا کرنا یعنی اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں ان کو ختم کر کے ان کی جگہ اچھائیوں کو پروان چڑھانا پھر قرآن مجید نے اقامت صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ پوری امت کا فرض اقامت صلوٰۃ ہے گویا یہ ایک نظام کے قیام کی بات ہے اور دعا سے بہت آگے کی

بات ہے مقصود تو ایسا نظام قائم کرنا ہے جو برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے ہو اور نیکیوں کو فروغ دینے کے لیے سرگرم عمل اس نظام کو قائم کرنے کے لیے بے چین اور بے قرار افراد تیار کرنا جو اپنا تن من دھن اس عظیم مقصد کے لیے لگانے کو ہمہ وقت تیار رہیں۔

پھر دوسرے نمبر پر جس لفظ سے صلوٰۃ کو مشتق قرار دیا گیا ہے اور نماز میں سرین کی ہڈیوں کی حرکت کو وجہ بتایا گیا ہے اسے دوسرے نمبر پر درج کر کے بغیر تبصرے کے چھوڑ دینا صحیح علمی خدمت محسوس نہیں ہوتا۔ یہ مفہوم فطرت سلیمہ پر خاصا گراں گزرتا ہے اور یونیورسٹی میں طلبہ اور طالبات کی مشترک کلاس میں اس کا ذکر کرنا بھی دل گردے کا کام ہے۔ لیکن چونکہ ہمیں نقل کی عادت پختہ ہو چکی ہے اس لیے ہم بغیر الفاظ کے مفاہیم پر غور کیے وہی باتیں کہتے چلے جاتے ہیں جو ہمارے اسلاف سے نقل ہوتی ہوئی چلی آ رہی ہیں۔ ذرہ برابر غور نہیں کرتے کہ کہاں فریضہ اقامت صلوٰۃ اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد و منافع اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات مفیدہ کہاں سرین کے اندر کی ہڈیوں کی حرکت اگر محض بدن کے کسی حصے کی ہڈیوں کی حرکت کسی اسلامی اصلاح کی وجہ تسمیہ ہو تو یہ وجہ بہت ہی کم تر درجے کی وجہ ہے۔ لہٰذا اس وجہ کو کہیں آخر میں درج ہونا چاہیے۔ وہ محض تمام معنی کا احاطہ کرتے ہوئے نہ کہ دوسرے نمبر پر بلا تبصرہ

کتاب الصلوٰۃ کی فصل اول غالباً فضائل صلوٰۃ پر مبنی احادیث پر مشتمل ہے اس کی پہلی ہی حدیث کا ترجمہ اور تشریحی نکات پیشِ خدمت ہیں پہلے حدیث کا ترجمہ تحریر ہے:

"حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان تا رمضان ان گناہوں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوتے ہیں جب کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔۔۔روایت کیا اس کو مسلم نے"(٦٦)

اس حدیث کی تشریح میں تین سوالات کے جوابات دیئے پہلے قاعدہ کلیہ اخذ کیا ہے وہ یہ کہ پانچوں نمازیں ایک دوسرے کیلئے مکفر ہیں پھر سوال اٹھایا کہ جب نمازوں کی وجہ سے سیئات کی تکفیر ہو گئی تو پھر جمعہ اور رمضان کس کے لیئے مکفر ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ ان سے ہر ایک میں مکفر بننے کی صلاحیت ہے اگر بالغرض کوئی گناہ بچ گیا تو ان سے اس کی تکفیر ہو جائے گی دوسرا سوال یہ کیا کہ کس قسم کے گناہوں اور سیئات کیلئے مکفر ہیں۔ جواب میں فرمایا اس پر اجماع ہے کہ صغائر کیلئے مکفر ہے کبائر کے لیے نہیں۔

تیسرا سوال یہ کیا کہ حسنات کا مکفر للصغائر ہونا اجتناب عن الکبائر کی قید و شرط کے ساتھ مقید و مشروط ہے یا نہیں؟ جواب اہل سنت والجماعت کے نزدیک مشروط نہیں معتزلہ کے ہاں مشروط ہے۔ بظاہر یہ حدیث اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔۔۔ پھر ان کے نزدیک جو حقیقت ہے وہ بیان کی ہے اسے تین دلائل کی صورت میں ذکر کیا اور لفظ جواب استعمال کیا لکھتے ہیں اس کے جواب یہ ہیں:

"جواب ا: عبارت میں اذا اجتنب الکبائر اور الکبائر کے معنی میں ہے اب معنی یہ ہوگا یہ حسنات مکفر ہیں سوائے کبائر کے۔

جواب ۲: اذا اجتنب الکبائر یہ شرط نفس تکفیر کے لیے نہیں وعدہ تکفیر کے لیے ہے یعنی جو کبائر سے بچے گا اس کے لیے حسنات کے مکفر ہونے کا وعدہ ہے جو نہیں بچے گا کبائر سے اس کیلئے یہ وعدہ نہیں ہے۔

جواب ۳: یہ شرط عمومی ہے یعنی اجتناب عن الکبائر ہو گا جو جمیع صغائر کیلئے حسنات مکفر ہوں گی اور اگر اجتناب عن الکبائر نہیں ہو گا تو من جملہ صغائر کیلئے مکفر ہوں گی ہر صغیرہ کیلئے مکفر نہیں" (٦٧)

فضائل نماز میں جمعہ اور رمضان کی فضیلت کا ذکر بھی آ گیا اور فضیلت سب کی یکساں بیان ہوئی کہ یہ ان گناہوں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوتے ہیں۔ فضائل کی روایات دراصل عمل پر ترغیب کیلئے ہوتی ہیں یعنی فضائل بیان کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جس عمل کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے اس کے کرنے کا شوق اور رغبت انسان کے اندر پیدا ہو لہٰذہ تشریح میں بھی اسی مضمون میں غالب رہنا چاہیے۔ لیکن سننے والے کا ذہن چونکہ ان سوالات کی طرف بھی جا سکتا ہے اس لیے حضرت مولانا نے سوالات اٹھائے اور ان کے جوابات بھی تحریر فرمائے تا کہ ذہن میں خلجان نہ رہے دوسرے جواب میں بات بالکل واضح فرما دی کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ صغائر کیلئے مکفر ہیں کبائر کے لیے نہیں یہاں بات مکمل ہو گئی ہے۔ تشریح اپنے اختتام کو پہنچ گئی مگر اس کا کیا جائے کہ جو علمی بحثیں ہمارے دورِ قدیم میں جاری رہی ہیں اور آج چنداں مفید نہیں ہے ان کا تذکرہ نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے تیسرے سوال میں وہی مسئلہ پھر سے اٹھایا اور اہل سنت اور معتزلہ کی بحث کو لے آئے اور خود تحریر فرمایا کہ بظاہر یہ حدیث اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے لیکن بظاہر کا لفظ لکھ کر گویا اس مؤقف کی کمزوری کو ظاہر کیا اور آگے تین جواب لکھ کر اس کمزوری کو واضح کر کے گویا اہل سنت کے مسلک کو صحیح قرار دیا۔ جواب پڑھنے سے عقیدت مند تو ان کو اسی طرح ذہن نشیں کر کے آگے پڑھ کے سناتا رہے گا مگر غور فکر کرنے والا دماغ اسمیں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے معتزلہ کے مؤقف کو کمزور قرار دے کر اہل سنت کے مؤقف کو درست سمجھ لیا جائے جبکہ مولانا محترم پہلے یہ بات خود تحریر کر چکے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ صغائر کیلئے مکفر ہیں کبائر کیلئے

نہیں۔ ہماری بحث کا رخ یہ ہو کہ آخرت میں اللہ کے ہاں انسان کے اعمال کا وزن ہو گا وہاں اعمال تلیں گے ایک پلڑے میں نیک اعمال ہونگے اور دوسرے پلڑے میں اعمال بد ہونگے۔ جن اعمال کا وزن زیادہ ہو گا انسان کا انجام اسی کے مطابق ہو گا۔ فضائل کی روایات میں بعض اوقات بظاہر پلڑا کسی خاص عمل کے حق میں جھکا ہوا محسوس ہوتا ہے تو اس کی وضاحت اس انداز میں ہونی چاہیے کہ انسان کے اعمال کے ترازوں میں تلنے کا تصور نمایاں رہے۔

کتاب کے آخر میں کتاب الجنائز پر مبنی احادیث کا بیان ہے اس کتاب میں تشریح بہت کم ہے دورہ حدیث کراتے ہوئے علماء کرام زیادہ وقت پہلے ابواب کو دیتے ہیں اور ان بحثوں پر خوب وقت صرف کیا جاتا ہے طول طویل بحثیں ہوتی ہیں لیکن آخری حصے ضروری تشریح سے بھی محروم رہتے ہیں۔ چنانچہ کتاب الجنائز اس امر کا ثبوت مہیا کر رہی ہے صفحات کے صفحات کسی قسم کی تشریح کے بغیر پڑے ہوئے ہیں جبکہ کہیں کہیں تشریح میں چند سطریں تحریر کی گئیں ہیں مثلاً

پہلے باب کی فصل اول سے چوتھے باب کے شروع ہونے تک مسلسل احادیث بیان ہوئی ہیں اس دوران بہت کم تشریح کی گئی ہے۔

باب المشی بالجنازہ و الصلوٰۃ علیھا کی الفصل الثانی کی پانچویں حدیث ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

"حضرت ابن عباس سے روایت ہے بے شک نبی اکرم ﷺ نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی روایت کیا اس کو ترمذی ،ابو داؤد اور ابن ماجہ نے "(۶۸)

اس حدیث میں نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے مگر مولانا نے یہاں پر اس پر کوئی تبصرہ وغیرہ نہیں فرمایا حالانکہ حنیفہ نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتے جبکہ اہل حدیث کی کوئی بھی نماز سورۃ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ وہ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو لازم قرار دیتے ہیں۔ مولانا اہل السنت والجماعت حنفی ہیں مگر اس مقام سے اس مسئلہ کو موضوع بنائے بغیر آگے گزر گئے ہیں البتہ حدیث نمبر ۶ کی تشریح میں چند سطریں تحریر فرمائی ہیں پہلے حدیث کا ترجمہ پھر تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت تم میت پر نماز جنازہ پڑھو اس کیلئے خالص دعا کرو روایت کیا اس کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے"

تشریح: اس حدیث سے دعا بعد الجنازہ ثابت ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نمازِ جنازہ پڑھ چکو تو میت کیلئے فوراً دعا کرو۔ **فَاَخلِصُوا** **افاء تعقیب مع الوصل** کے لیے ہے۔ جواب **اذا صلیتم اذا اردتم الصلوٰۃ علی المیت** کے معنوں میں ہے یہ بالکل ایسے ہے جیسے **اذا قمتم الی الصلوٰۃ** ہے ای **اذا اردتم الصلوٰۃ** اور دعا سے مراد وہی دعا ہے۔ جو کہ نمازِ جنازہ کے دوران پڑھی جاتی ہے اس پر قرینہ اگلی روایت ہے دوسرا قرینہ امام بیہقی نے ایک باب قائم کیا ہے باب **"الدعا فی صلوٰۃ الجنازہ"** کا عنوان قائم کرکے اس کے تحت پہلی حدیث کو ذکر کیا ہے تو باب کے ساتھ مطابقت تب ہو گی جب مراد نمازِ جنازہ کے اندر والی دعا ہو نیز وہ دلیل دیتے ہیں کہ فقہاء میں سے امام سرخسی کے بارے میں یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ لاباس۔ **جواب:** اس سے زیادہ سے زیادہ اباحت ثابت ہوتی ہے اور جب مستحب کو ضروری سمجھا جائے تو وہ واجب الترک ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ کسی امر مباح کو ضروری سمجھ لیا جائے اس کیلئے تو بطریق اولیٰ واجب الترک ہو گا۔

اس تشریح میں مولانا محترم نے نمازِ جنازہ کے بعد کی دعا کو موضوع بنایا ہے لیکن سوال اور جواب کا جو اسلوب پہلے تھا وہ اس تشریح میں پوری طرح برقرار نہیں رہ سکا۔ پہلے طریقہ یہ تھا کہ پہلے سوال لکھ کر سوال درج کرتے تھے پھر اس کا جواب تحریر کرتے تھے اب سوال کا لفظ درج نہ ہونے سے سوال کی طرف توجہ نہیں جاتی چنانچہ جواب پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اوپر ان کا مؤقف نہیں بلکہ معترض کا سوال درج ہے پھر اس کا جواب حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا اپنا نقطہ نظر چونکہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کے حق میں نہیں ہے اس لیے انہوں نے اپنے مؤقف کے حق میں دلائل جمع کر دیئے ہیں اور ہر اس دلیل کو رد کیا ہے یا اس کی وضاحت اس انداز میں کی ہے جس سے ان کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن مولانا محترم کے ہاں مناظرانہ طرز کا شائبہ ہے اور نہ جدلیات میں پڑنے والوں کی طرح طعن و تشنیع کو کوئی دخل اور نہ دورِ حاضر کی فرقہ بندیوں کی طرح مخالف فرقے یا ان کی قابلِ احترام شخصیتوں کا نام لے کر ان پر تنقید کے انگارے برسائے گئے ہیں۔ اس پس منظر میں ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ مولانا محترم کا اندازِ تحریر خالصۃً عالمانہ ہے اگرچہ وہ اپنے پہلے سے قائم تصورات کو تائید مہیّا کرتے ہیں مگر انداز سلجھا ہوا اور دلائل سے پُر ہوتا ہے۔ آپ ان کے دلائل سے اختلاف کر سکتے ہیں یا ان کو رد کر سکتے ہیں مگر مخالف رائے رکھنے والوں کیلئے ان کے ہاں اظہارِ نفرت نہیں پایا جاتا یہ ایک پسندیدہ علمی اسلوب ہے۔ اس سے نظریات زیرِ بحث رہتے ہیں شخص زد میں نہیں آتے اس طرح مجموعی طور ہر ایک دوسرے کی قدر دانی کے جذبات فروغ پاتے رہتے ہیں۔

خیر المفاتیح اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح کی تیسری جلد کتاب الزکوٰۃ سے شروع ہو کر کتاب البیوع پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔اس کتاب کی فہرست عنوانات صفحہ نمبر ۳ پر درج ہے اور صفحہ نمبر ۴ پر خیر الاصول فی حدیث الرسول کے عنوان سے مولانا خیر محمد جالندھری صاحب کا مختصر رسالہ درج کیا گیا ہے اس کے آغاز میں تنبیہات کے عنوان سے ۴ باتیں تحریر کی گئی ہیں جن میں سے پہلی تین رسالے کے بارے میں اور چوتھی اس طرح تحریر ہے" رسالہ ہذا کے آخر میں ایک فارسی رسالہ اصولِ حدیث کا منظومہ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی تبرکاًوافادۃللطلبہ ملحق کیا گیا ہے" صفحہ ۵ سے آٹھ تک اس رسالہ کے آخر میں یہ فارسی رسالہ درج نہ ہے البتہ صفحہ ۹ پر ضمیمہ کے عنوان سے ایک شبہ اور اس کا جواب درج کیا گیا ہے۔ پھر صفحہ نمبر ۱۰ سے کتاب الزکوٰۃ شروع کی گئی ہے۔ دورِ حاضر میں شائع ہونے والی کتب کے اسلوب کے لحاظ سے صفحہ نمبر ۴ سے ۹ تک شائع ہونے والے صفحات غیر متعلق ہیں۔ان کو کتاب کے شروع میں ہونا چاہیے تھا وہاں اصولِ حدیث پر اس سے بھی بہتر مواد موجود ہے لہٰذہ وہی کافی ہے اور صفحہ ۹ پر شائع ہونے والا ضمیمہ اس مقام پر بالکل غیر متعلق ہے یہ کتاب کے پبلشر کی بے ذوقی یا اس کی حنفیہ کی صفائی کیلئے بے تابی کو ظاہر کرتا ہے۔

اب آتے ہیں کتاب کی تیسری جلد کے جائزے کی طرف جو کتاب الزکوٰۃ سے شروع ہوتی ہے کتاب کے اس حصے میں بھی مؤلف محترم کا انداز یکساں ہے پہلے حدیث اعراب کے ساتھ درج کی ہے پھر اس کے نیچے اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ پھر تشریح کے تحت مضمون کی وضاحت کے بعد سوال وجواب کی صورت میں مختلف مضامین زیر بحث آئے ہیں حنفی ہونے کی بنا پر حضرت مولانا حنفی فقہ کو ترجیح دیتے ہیں اور تشریح کرتے ہوئے حنفی فقہ کے مسائل کیلئے دلائل لاتے ہیں مثلاً باب **ماتجب فیہ الزکوٰۃ کی فصل اول** کی پہلی حدیث کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ:"حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ وسق سے کم کھجور میں زکوٰۃ نہیں

پانچ اوقیہ دوسو درھم سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں"(٦٩)

تشریح: اس حدیث میں تین مسئلے بیان کیے گئے ہیں جن میں سے آخری دو اجماعی ہیں اور پہلا مسئلہ اختلافی ہے۔مسئلہ: آیا زمین کی پیداوار میں عشر کے وجوب کے لیے نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ امام صاحب فرماتے ہیں زمین کی پیداوار میں عشر کے لیے نصاب متعین مقرر نہیں مطلقاً عشر واجب ہے ماخَرَج میں خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔باقی آئمہ مع صاحبین فرماتے ہیں کہ نصاب متعین ہ اور پانچ وسق ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا اور ایک صاع تقریباً ۴ سیر کا ہوتا ہے تو ہمارے زمانے کے اعتبار سے تیس من کے قریب بنتا ہے۔امام صاحب کی دلیل مابعد کی روایت حدیث ابن عمر ہے قال **فیما سقت السماء و العیون او کان عشریا العشر الخ** حدیث کے عموم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کوئی نصاب متعین

نہیں ہر قلیل وکثیر میں عشر واجب ہے اتو حقہ یوم حصادہ مطلق ہے باقی آئمہ کی دلیل یہی حدیث وسق ہے۔ احناف کی طرف سے جواب ا- جو صاحبِ ہدایہ نے دیا کہ یہ سوالِ تجارت پر محمول یعنی زمین کی پیداوار جو تجارت کیلئے ہو اس میں زکوٰۃ عشر واجب ہے۔ چونکہ اس زمانے میں زکوٰۃ کا نصاب پانچ وسق ہوتا تھا اور ایک وسق چالیس اوقیہ کا ہوتا ہے تو پانچ وسق کی قیمت دوسو درھم کو پہنچ جاتی تھی تو پانچ وسق کی مقدار نصاب کو پہنچتی تھی۔ اس لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے تو صدقے سے مراد لینا یہ طحاوی کی روایت پر منطبق نہیں ہوتا اس میں صراحتاً عشر کا لفظ ہے (فیہ العشرَ اذابلغ خمسۃاوسق) جواب ۲- یہ نفی نفس عشر کی نہیں بلکہ یہ نفی عشر الموداۃ اِلی بیت المال کی ہے مطلب یہ ہے کہ جب پانچ اوسق سے کم مال ہو تو اس کا عشر خود ہی ادا کرے اور فقراء کو دے دے بیت المال کی طرف لے جانا کوئی ضروری نہیں۔ جواب ۳- یہ حکم مجاہدین کو تھا ان کو فرمایا کہ اگر پیداوار سے کم ہو تو عشر کوئی ضروری نہیں تمہارے لیے اس لیے کہ تم جہاد کی تیاری میں لگے رہتے ہو اور امام کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ (یہ جواب شرح وقایہ کے حاشیہ برجندی میں ہے جو کہ عام دستیاب نہیں)

جواب ۴- صدقہ سے مراد عشر نہیں بلکہ عشر کے ماسوا جو وقتی طور پر چندے مسلمانوں کے ذمہ ہوتے تھے وہ مراد ہیں۔ یعنی جو وقتی ضروریات کے پیش نظر حوادثات کے پیش نظر صدقہ لیا جاتا ہے اگر پانچ وسق سے کم پیداوار ہو تو چندہ نہیں لیا جائے گا۔ جواب ۵- یہ خبر واحد ہے اس کے مقابلے میں فیماسقت السماء والی روایت مشہور ہے یہ خبر مشہور کے معارض ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے اس طرح یہ آیت کریمہ وَمِمَّا اَخرجنا لکم کے بھی معارض ہے۔ (۷۰)"

یہاں معاملہ صرف اس قدر ہے کہ عشر کیلئے پیداوار کی کم از کم مقدار نصاب کے طور پر شریعت میں مقرر کی گئی ہے یا نہیں اس حدیث میں ۵ اوسق پیداوار میں عشر کیلئے نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ جبکہ ۵ اوسق سے کم میں عشر نہیں ہے اس پر آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کا اتفاق ہے مگر امام ابو حنیفہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر کو لازم قرار دیتے ہیں کہ اس کی مقدار ۵ اوسق سے کم ہو اور کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ اب امام ابو حنیفہ کے مؤقف کے حق میں حضرت مولانا نے چھ دلائل جواب نمبر کے عنوان سے درج کر دیئے ہیں دلائل میں اسلوب ان دلائل کا جو امام ابو حنیفہ کی رائے کے خلاف جاتے ہیں ایسی توجیح کرنا ہے جس سے کہی ہوئی بات کا مفہوم امام صاحب کی رائے کے حق میں ہو جائے۔ ان دلائل میں پیداوار، اس کی اہمیت اس کا زمانہ یا ضروریات زمانہ زیر بحث نہیں آتی۔ چونکہ نقل پر انحصار ہے تقلید عقیدہ ہے چنانچہ احادیث پر آزادانہ غور فکر کر کے ان کے نئے مفاہیم متعین کرنا یا امام صاحب کی رائے کے خلاف دلائل محکم پا کر ان کی رائے ترک کر کے

دوسری رائے اختیار کرنے کے راستے کو اپنانے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے اس لیے بحث نقلی دلائل کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ جس سے علم میں اضافہ ہوتا اور نہ نیا علم تخلیق پاتا ہے اور نہ یہ علم دورِ حاضر کے تقاضوں کا ساتھ دیتا اور نہ ہی اس علم کے پڑھنے والوں کے ذہن کو کھولتا اور ان پر نئے امکانات کے دروازے کھولتا ہے۔ یہ تقلیدِ حامد ہے جو جمود کو پروان چڑھاتی ہے جبکہ ملت اسلامیہ کی ضرورت حرکت ہے ذہنی حرکت اور عملی حرکت۔ حرکت میں برکت ہے اگر امت کے ذہنوں میں حرکت پیدا ہو گی تو امت کیلئے برکت کی راہیں کھلیں گی حضرت مولانا کا کام اپنی جگہ قابل قدر اور باعث مسرت ہے کہ اس سے اردوداں طبقہ کو ایک عہد کی علمی روایت کو سمجھنے اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے میں مدد ملتی ہے اسی موضوع پر دیگر لٹریچر پڑھنے کے بعد ان کے علم میں اضافہ اور ہر پہلو کے بارے میں جاننے کی طلب کی تسکین ہو گی۔

ذکرواذکار کی اہمیت: حضرت مولانا ذکر کی اہمیت پر ایمان رکھتے ہیں اور ایسی احادیث جن میں ذکر اللہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے ان پر خوبصورت تشریحی نوٹ دیئے ہیں جس سے ان کے ذکر کے بارے میں دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً اس ضمن میں **کتاب الدعوات کے باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب اِلی اللہ** کی فصل سوم کی حدیث نمبر ۴ کا ترجمہ اور تشریح پیشِ خدمت ہے۔

"ترجمہ حضرت مالک سے روایت ہے کہا مجھ کو یہ بات پہنچی کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر کرنے والا غافلوں میں ایسا ہے جیسے جہاد کرنے والا پیچھے بھاگنے والوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا خشک درخت میں سبز ٹہنی کی مانند ہے ایک روایت میں ہے سبز درخت خشک درختوں میں اور اللہ کا ذکر کرنے والا غافلوں میں اندھیرے والے گھر میں چراغ کی مانند ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والے کو، اللہ اسکی جنت میں جو جگہ ہے وہ زندگی میں دکھلاتا ہے اللہ کا ذکر کرنے والے کے گناہ آدم کے بیٹوں اور جانوروں کی گنتی کے برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: وَعن مالک" فرمایا کہ شریعت نے نسب کو محفوظ رکھنے کیلئے، حدزنا اور عزت کو محفوظ رکھنے کیلئے حد قذف اور عقل کو محفوظ رکھنے کیلئے حد شرب اور مال کو محفوظ رکھنے کیلئے حد سرقہ ، دین نے یہ حفاظت کے اسباب پیدا کیے ہیں اور دین کی حفاظت کا سبب جہاد ہے۔

حضرت مولانا مسعود کشمیری کی بات سنائی کہ فرمایا کہ مقصود تو رضائے الٰہی ہے اس کو حاصل کرنے والا ایک لمبا راستہ ہے ریاضتوں والا، مجاہدوں والا، عبادتوں والا اور ایک مختصر ہے شہادت والا ہم کمزور ہیں اس لیے مختصر راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس تشریح میں مضمون کا تسلسل متاثر ہوا ہے دین نے نسب، عزت، عقل اور مال کو محفوظ کیا اور دین کو محفوظ

کرنے والا عمل جہاد ہے اس اعتبار سے جہاد سب سے افضل عمل قرار پایا۔ اوپر حدیث میں غافلوں میں ذکر کرنے والوں کو بھاگنے والوں میں جہاد کرنے والا قرار دیا گیا ہے اس لیے گویا علماء کرام ذکر کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی بنا پر جہاد کرنے والے قرار پائے۔ حضرت مولانا کشمیری کی بات میں جو فرمایا شہادت والا راستہ مختصر ہے لہٰذہ ہم مختصر راستہ اختیار کرتے ہیں۔۔۔ ان دونوں باتوں کا آپس تعلق ثابت کرنے کیلئے کافی ذہنی مشقت اٹھانی پڑے گی کیونکہ جہاد ایک مستقل کام ہے جو ساری زندگی کرنا پڑتا ہے اگر جہاد سے مراد قتال فی سبیل اللہ ہے یہ تو سب سے مشکل کام ہے گھر میں بیٹھ کر ذکر اللہ پر اکتفا کرنے والے کیلئے یہ مشقت ہمیشہ کام مجاہدات و ریاضتوں سے بھی مشکل ہے۔ پھر شہادت کا مرتبہ بیٹھے بٹھائے تو حاصل نہیں ہو جاتا وہ تو میدان کارزار میں بازیاں کھیلنے کے باوجود بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ جسم کے زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ مل جائے اس کو مختصر راستہ کیسے فرمایا اور پھر اس کو کمزوری کے ساتھ کیا مطابقت ہے یہ سمجھ میں آنے والے مضامین نہیں ہیں۔ بعض اوقات بات کسی خاص پسِ منظر میں ہوتی ہے تو بالکل درست ہوتی ہے اور اس بات کو اسی پسِ منظر میں ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا کے ذہن میں اس قول کا پس منظر اور ہو گا لہٰذہ آپ نے اس پس منظر میں بات بیان کر دی لیکن ضبطِ تحریر میں پس منظر کے بغیر آئی ہے لہٰذہ نا قابل فہم بن گی۔ ایسا ہونا باعث تعجب نہیں کیونکہ کتاب کو آخری مرحلے تک پہنچانے تک جن مراحل سے گزرنا پڑا ہے ان کی وجہ سے کہیں بھی یہ خلاء پیدا ہو سکتا تھا۔ اگر کتاب پر نظر ثانی کا ذکر آیا ہے مگر نظر ثانی میں بھی کہیں کمی رہ جانا خلافِ واقعہ نہیں ہے اس معمولی فروگزاشت کے باوجود مولانا کا کام حدیث کے طلبہ کیلئے فائدے سے خالی نہیں ہے۔

حضرت مولانا قدامت پسند روایت کے امین ہیں فقہ حنفی کے مقلد ہونے کی وجہ سے حنفیت سے باہر سوچتے بھی نظر نہیں آتے البتہ اگر ان کا عذر یہ ہو کہ یہ کام فقہاء کرام کا ہے کہ وہ اجتہاد کر کے نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں کوئی رائے دیں تو ہم کہیں گے کہ حدیث اور قرآن تو فقہ کے ماخذ ہیں لہٰذہ فقیہہ قرآن وحدیث اور فقہاء اور اہل علم کے کام کو دیکھ کر ہی کوئی رائے قائم کرے گا۔ اس اعتبار سے استاد الحدیث کے یہ زیادہ شایان شان ہے کہ وہ تبدیلی حالات یا نئے حالات میں اسوہ نبوی ﷺ یا فرامینِ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اطلاق کر سکے۔ یا اس کے سامنے صرف گذشتہ علماء ہی کے اقوال نہ ہوں کہ وہ ان کو اپنے اسلاف سے لے کر اپنے اخلاف تک منتقل کرتا رہے بلکہ اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ ان ارشادات کو اپنے عہد کے پس منظر میں سمجھے اور ان پر ان کا اطلاق کر سکے اس طرح اس کا علم بھی up to date اور اس کی راہنمائی بھی up to date اور اس کی زبان بھی عصری زبان ہو جس کو عام وخاص سب سمجھتے ہوں۔ اس ضمن میں ایک حدیث اور اس کی تشریحی نکات اور ان پر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے کتاب المناسک کی فصل اول کی حدیث نمبر ۸ کا ترجمہ: "ابن عباس سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے اور

کوئی عورت سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں فلاں فلاں جنگ میں لکھ دیا گیا ہوں اور میری بیوی حج کیلئے نکلی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

تشریح: حاصل حدیث مسئلہ !عورت کے حج کرنے کیلئے محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: اگر حج کیلئے اتنا سفر ہو جو مسافت قصر ہے تو احناف کے نزدیک عورت کیلئے تب جائز ہو گا جب محرم ساتھ ہو اور اگر اس سے کم ہو تو بغیر محرم کے اکیلے حج کر سکتی ہے۔ البتہ مسافت قصر پر سفر کرنا ہو تو آیا محرم کا ہونا نفس وجوب کی شرط ہے یا وجوب ادا کی شرط ہے اس میں دو قول ہیں:(۱) نفس وجوب کی (۲) وجوب ادا کی- ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ جب عورت مرنے لگی ہوں اور حج نہ کیا ہو تو اس پر وصیت واجب ہو گی یا نہیں جو کہتے ہیں نفس وجوب کی شرط ہے تو ان کے نزدیک وصیت ضروری نہیں اور جن کے نزدیک وجوب ادا کی شرط ہے۔

سوال: مابعد والی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسافت قصر سے کم ہو تو بھی عورت بلا محرم سفر نہیں کر سکتی جن کے نزدیک یوم، یومین وغیرہ اس کیلئے بھی محرم کا ہونا ضروری ہے؟ جواب: ان حدیثوں کا تعلق سفر کے آداب (کتاب الآداب) ساتھ ہے۔ لیکن محدثین نے ان کو درج کر دیا کتاب الحج میں اس کی وجہ سے مذکورہ اعتراض وارد ہوتا ہے حالانکہ ان کا تعلق حج کے ساتھ نہیں ہے۔ جواب ۲: یا پھر یہ بیان اولیت پر محمول ہے کہ اگر مسافت مدت قصر سے کم ہے پھر بھی اولیٰ یہ ہے کہ محرم ساتھ ہو۔

عورت کا حج محرم کے ساتھ یہ ایک اہم مسئلہ ہے دیگر عالم اسلام میں یہ ایک نظری مسئلہ رہے گا جب تک سعودی حکومت حج پر آنے والی عورت کے ساتھ محرم کی شرط برقرار رکھے گی۔ تاہم دیگر سفر کیلئے عورت کے ساتھ محرم کی شرط لگانے سے عورت اور مرد دونوں کیلئے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے سفر کی نوعیت کو موضوع زیر بحث بنایا جائے یا امن کی حالت کو محض جنس زیر بحث آئے یا خود یہ اور اس قسم کے دوسرے موضوعات ہمارے غور و فکر کے محتاج ہیں۔ اس حوالے سے عورت کے مقام، حقوق، آزادی اور سماج میں کردار کے بارے میں جو بحثیں آج دنیا میں پائی جاتی ہیں اور اس کے زیرِ مسلمان ممالک میں ان کے حکمران طبقات، مغرب کے تعلیم یافتہ یا اپنے معاشرے کے بے چین عناصر کے ہاں کیا کیا سوالات جنم لے کر بحث کا موضوع بن چکے ہیں اس پس منظر میں روایتی مؤقف یا نقطہ نظر میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر نہیں تو یہ نقطہ نظر کیسے دلائل کے ساتھ اس ذہن سے منوانا اور ان کے دماغوں کے اندر اتارنا ہے کہ اس پر ان کا اطمینان ہو سکے۔

ربٰوا کے بارے میں بحث

کتاب البیوع کے باب الرّبٰو کی فصل اول کی پہلی حدیث کا ترجمہ اور اس کی تشریح میں صرف ایک سطر میں بہت بھاری مضمون بیان کیا ہے حدیث نمبر ۲ کے ضمن میں کچھ مسائل فقہ بیان کیے ہیں جس میں حسب معمول فقہ حنفی کے مؤقف کی ترجیح میں دلائل دیے گئے جو زیادہ تر احادیث میں ان کے خلاف بیان ہونے والے نقطہ نظر کی تاویل پر مشتمل ہیں۔ اب پہلی حدیث کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا رسول ﷺ نے سود کھانے والے کھلانے والے اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا گناہ میں یہ سب برابر ہیں (روایت کیا اس کو مسلم نے)۔ (۱۷)

تشریح: عن جابر (الخ) اس حدیث کی رو سے بینک کی ملازمت حرام ہے۔ چاہے جس قسم کی بھی ہو اس میں سب داخل ہیں۔ ترجمہ: "حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہا رسول ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے میں چاندی چاندی کے بدلے میں گندم گندم کے بدلے میں جو جو کے بدلے میں کھجور کھجور کے بدلے میں نمک نمک کے بدلے میں مثل کے برابر اور نقد بہ نقد فروخت کیا جائے جب اجناس مختلف ہوں جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن بیع دست بدست ہو" (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: ان چھ چیزوں میں تفاضل حرام ہے مسئلہ ربو کا حرام ہونا انہی چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں؟ اہل ظواہر اور بعض تابعین کے نزدیک ان ہی چھ چیزوں کے ساتھ مختص ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک یہ حرمت ربوٰ معلول بالعلۃ ہے باقی وہ علت کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہو گیا ہے۔ احناف کے نزدیک حرمت ربوٰ کی علت قدر اور جنس ہے۔ شوافع کے نزدیک طعمیہ اور تمنیہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک الافیات (قوت) الاذخار ہے۔ یعنی وہ اشیاء جن میں غذا بننے اور ذخیرہ اندوزی کی صلاحیت ہو (مسئلہ ترجیح کا ہے) احناف کی بیان کردہ علت زیادہ راجح ہے اور وجود ترجیح کئی ہیں (۱) "کیلا بکیل" اور ایک روایت میں "وزنا بوزن" یہ حال ہیں اور حال قید ہوتا ہے اور مجتہد کی شان یہ ہے کہ قیودات سے بحث کرے اور احناف کی بیان کردہ علت کا تعلق قیدات سے ہے۔ بقیہ آئمہ کی علت میں قیودات کے علاوہ ذوات میں بحث ہے انہوں نے ذوات کا لحاظ کیا ہے اور احناف نے ذوات کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ (۲) بعض احادیث میں جو اسی واقعہ سے متعلق ہیں ان میں یہ الفاظ ہیں وکذالک المیزان اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں ممایکا ویوزن چنانچہ صحیح ومسلم میں پہلے الفاظ ہیں (۳) اشیاء کثیرہ کے اندر ربو کا ہونا نہ ہونا اس علت کے ذریعے سے معلوم ہو جائے گا اس کے ذریعے ربوٰ سے بچنا امت کے لئے آسان ہو جائے گا بخلاف آئمہ کی بیان کردہ علت کے اس سے حکم محدود ہوتا ہے۔

سوال: **بیع سلم فی الموزونات جائز ہونی چاہیے۔**

جواب: چونکہ امت کا اجماع ہو چکا ہے اس بات پر کہ **بیع سلم فی الموزونات** صحیح نہیں ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہے یا پھر آلاتِ وزن مختلف ہیں تفاوت فاحش ہے اس لیے حکماً یہ سمجھا جائے گا کہ یہ **بیع الموزون بغیر الوزون** ہے۔

سوال: موجودہ زمانے میں دس روپے دے کر بیس روپے لے لینا یہ فلوس کے حکم میں ہیں اس کے باوجود بیع تفاضلاً جائز نہیں؟

جواب: یہ علت جو بیان کی گی ہے یہ ربوٰ الفضل کی ہے اور جو محل اشکال ہے یہ ربوٰئے قرآن ہے جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے وہ قرضہ دے کر زیادہ وصول کرنے کی صورت ہے۔

حرمت ربوٰ کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث کی بحث خالصۃً روایت اور نقل پر مبنی ہے الفاظ واصلاحات اور نکات اس طرح زیر بحث آئے ہیں جیسے ایک عہد کا ورثہ علم از بر ہے اور اس کو بڑی روانی سے بیان کرتے چلے جا رہے ہیں۔ روایت میں بیان ہوا کہ ہر سود کھانے، کھلانے لکھنے اور گواہی دینے والے پر لعنت جو حکم لگا دیا کہ اس حدیث کی رو سے بینک کی ملازمت حرام ہے چاہیے جس قسم کی بھی ہو اس میں سب داخل ہیں فقہاء نے حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنز یہی اور مباح تک کی قسمیں کی ہیں امر کس لیے ہے اور دورِ حاضر میں جب علماء کرام کی تنخواہ میں طلبہ کے اخراجات ، مدرسوں کی بلڈنگ اور ان کی تنزئین وآرائش کیلئے ملنے والی رقوم سب کی سب اس نظام کی دین ہیں جو سر تا پاؤں سود پر مبنی ہے۔ جب فی سبیل اللہ چندوں پر چلنے والے ادارے سود کی آلائش سے پاک نہیں ہیں تو جن نوجوانوں نے تعلیم حاصل کر کے اپنا روزگا خود تلاش کرنا ہے اور محنت کر کے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا پیٹ بھرنا اور ان کی معاشی وسماجی ضرویات پوری کرنی ہیں اور پھر مسجد، مدرسہ اور گدی نشین، بھکاری اور حقیقی ضرورت مندوں کی بھی کسی نہ کسی درجے میں ضرورت پوری کرنے کیلئے اسی کمائی میں سے خرچ کرنا ہے ان کیلئے آپ رہنمائی فراہم کرتے ہیں کہ بنک کی ملازمت حرام ہے لیکن وہی ملازم اگر مسجد، مکتب امام یا مدرسہ کی خدمت کیلئے اپنی کمائی میں سے کچھ دیتا ہے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں بلکہ اس کے مال، جان، روزگار میں برکت کیلئے دعائیں بھی کرتے ہیں اور پھر حدیث میں اگر چار افراد کو لعنتی کہا گیا ہے تو سوال پیدا ہو گا ایک اپنی انتہائی مجبوری کیلئے سود پر رقم لینے کیلئے مجبور ہے مثلاً اس نے اپنی بوڑھی ماں کا علاج کرانا ہے دوسرا اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے اصل زر پر سود وصول کرنے کے جرم کا مرتکب ہے ایک ماں کی بیماری کے علاج کیلئے کچھ خود اہتمام کرتا ہے قرض حسنہ کی صورت میں اور باقی رقم مجبوری کے عالم میں سود خور سے انتظام کراتا ہے اور ساتھ ہی ایک یا دو آدمی خدا ترس اس پر گواہ بھی بن جاتے ہیں کہ ماں کا علاج ہو جائے یہ سب افراد ایک ہی درجے کی لعنتی

کیسے ہوسکتے ہیں۔ حالانکہ سب ربوٰ کے کام میں شریک ہیں مگر ہر ایک کیلئے حالات مختلف ہیں آخر اس وسعت نظر کا مظاہرہ ہم کب کریں گے اس امت نے ہزار سال تک ساری دنیا کو راہِ راست دکھایا ہے مگر ایسی تشریحات کے ذریعے ہم اپنوں کو راستے دکھانے کی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کرپارہے۔

پھر دوسری حدیث میں احناف اور دیگر آئمہ کے اختلاف کی بحث حضرت کے تبحر علمی کی دلیل ہے آپ نے احناف کے مؤقف کو صحیح ثابت کرنے کیلئے خوب بحث کی ہے اور اعلیٰ علمی دلائل عطافرمائے ہیں ان کا معیار بہت بلند ہے ان کی زبان شکل اور اخص الخواص کی سمجھ میں آنے والی ہے۔ اس درجے میں بحث عام فہم زبان اور آسان الفاظ میں ہونی چاہیے اس میں کوئی شک نہیں کہ سالہاسال کی ممارست سے حضرت شیخ الحدیث کو یہ مباحث ازبر ہوچکے ہونگے اور ان کے بیان بھی سلاست اور روانی سے بھرپور ہونگے مگر کیا یہ ان تشنگان علم اور طلب علم حدیث کے ذہن نشین ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جن کو یہ ابواب سبقاً سبقاً پڑھائے جاتے ہیں مجھے تو جواب نہیں لگتا اگر جواب اثبات میں ہے تب بھی میں کہوں گا یہ اسلوب اور استدلال بڑا ادق ہے۔ اس کو عام فہم سمجھ رکھنے والے کیلئے سمجھنا کچھ آسان نہیں ہے۔"

اب ہم ملتان میں علم حدیث پر کام کرنے والی ایک اور اہم شخصیت مولانا عبد القادر قاسمی کی تشریحات بخاری کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

"تشریحات بخاری اردو" عبد القادر قاسمی صاحب فاضل دیوبند کی تالیف ہے اسے کتب خانہ مجیدیہ ملتان نے شائع کیا ہے اس کی سات جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور ابھی ان پر کام جاری ہے۔ حدیث نمبر ۱ تا ۵۰۹۱ تک احادیث کی تشریح درج ہوچکی ہے یہ بخاری شریف کی کتاب الایمان سے کتاب العقیقہ تک ابواب پر مشتمل ہے تشریحات بخاری کی جلد اول پر افادات قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب کے اسماء گرامی درج ہیں مگر جلد اول کی تشریحات میں مولانا رشید احمد گنگوہی کی تشریح درج نہ ہے جلد اول میں ترتیب خود مؤلف محترم نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

"اب تشریحات بخاری اس طرح مرتب ہوئی (۱) متن ترجمہ بامحاورہ (۳) تشریح از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (۴) تشریح از قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۵) تشریح از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۶) تشریح از محمد عبد القادر قاسمی فاضل دیوبند جو مختلف حواشی کا نچوڑ ہے" (۷۲)

جب ہم جلد اول کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں پہلے شیخ الاسلام کی تشریح ہے پھر شیخ الحدیث اور آخر میں عبد لقادر قاسمی صاحب کی قطب عالم کی تشریح جلد دوم میں ضمیمہ کے طور پر درج کر دی گی ہے مگر جلد اول میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اس طرح نہیں آسکی۔

تشریحات بخاری کی پہلی جلد ۸۰۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلے صفحہ پر افادات کے تحت قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے اسماء گرامی درج ہیں نیچے مرتب کا خانہ بنا کر اس کے نیچے استاذ العلماء مولانا محمد عبد القادر قاسمی فاضل دیوبندؒ لکھا ہے۔

صفحہ ۲ پر عرض ناشر اور صفحہ نمبر ۳ پر عرضِ مؤلف صفحہ ۴ پر فہرست مضامین تشریحات بخاری از اکابر علماء دیوبند کے تحت مضمون اس کے سامنے صفحہ پر درج کیا گیا ہے یہ فہرست مضامین صفحہ نمبر ۷ تک چلی گئی ہے پھر صفحہ ۸ پر مقدمہ کے زیر عنوان علم حدیث کا تعارف اور احادیث کی کتب کی اقسام صفحہ ۱۰ تک درج کی گی ہیں۔ صفحہ نمبر دس پر یہی مقدمۃ الکتاب کے عنوان سے بخاری شریف لکھنے کا پس منظر پھر وجہ تسمیہ کتاب پھر مؤلف کتاب کا تعارف اور صفحہ ۱۲ پر احوالِ بخاری کے عنوان سے امام بخاریؒ کے حالات زندگی اور پھر مسئلہ خلقِ قرآن اور امام بخاری کے عنوان سے اس مسئلہ کے بارے میں امام بخاری کی رائے اور اس پر ان سے ہونے والا سلوک درج کیا گیا ہے پھر واقعہ امیر خالد اور حادثہ فاجعہ کے عنوان سے آپ پر امیر کی زیادتی آپ کی بد دعا اور آپ کے وفات حسرت آیات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے اب ایک دفعہ پھر کتاب بخاری شریف کے زیر عنوان کتاب کا تعارف شروع کر دیا گیا ہے۔ گویا صفحہ ۸ سے صفحہ ۲۴ تک اس مقدمہ میں متعدد، مضامین درج ہوئے ہیں جن سب کا شمار یہاں موزوں ہے اور نہ مفید صفحہ نمبر ۲۴ پر ہی ایک چوکھٹے میں حضرت علامہ قاسمی صاحب نے دو سندوں کا تذکرہ کیا ہے ایک سند قاسمی المدنی اور دوسری سند مولانا کاندھلوی مولانا نے دونوں سندیں حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچا دی ہیں۔

کتاب کے صفحہ نمبر ۲۵ سے **باب کیف کان بدالوحی اِلی رسول اللہ ﷺ** سے شروع ہوتا ہے۔

یہاں سب سے پہلے یہ بحث کی ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب کو خطبہ سے کیوں شروع نہیں کیا صرف **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھ کر شروع کر دیا۔ حالانکہ حدیث شریف میں **کل ارذی بال لم یبدَءَ بحمداللہِ فھُوَ ابتر** (الحدیث) لہٰذہ اس حدیث کے تحت ان کو حمد لہ کا ذکر کرنا چاہیے تھا اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

"پہلا جواب یہ ہے کہ جس حدیث کے اندر حمد کا ذکر ہے وہ حدیث چونکہ امام بخاری کی شرائط کے مطابق نہیں اسی وجہ سے مصنف نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے چونکہ بخاری شریف کے اندر باریکیاں بے انتہا ہیں یہاں بھی مصنف نے ایک باریکی پیدا کی ہے۔ کہ حمد لہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کے اوصافِ کمالیہ کا اظہار کرنا ہے اور یہ مقصود بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پورا ہو گیا۔ لہٰذہ یہی حمد لہ کی جگہ کافی ہے یہ جواب مولانا کاندھلوی کے والد ماجد کا ہے۔

تیسرا جواب علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ میں نے محض اساتذہ کبار سے سنا ہے کہ اس کے بعض نسخوں میں حمد لہ ہے امام بخاری نے ابتداء کتاب میں حمد لہ لکھی تھی لیکن اس جواب کو ابن حجر نے رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں مؤطاء وغیرہ بسم اللہ سے شروع ہیں ان میں حمد لہ نہیں ہے۔

اصل جواب جو مولانا ذکریا کاندھلوی کو حضرت امام بخاری نے خواب میں بیان فرمایا کہ اس کی تالیف کتابی صورت میں نہیں ہوئی۔ بلکہ الگ الگ اجزا کتاب العلم کتاب الطہارہ وغیرہ تالیف ہوتے رہے بعد میں ان کو مرتب کر لیا گیا اس لیے خطبے کی نوبت نہیں آئی"(۷۳)

ہمارے نزدیک ان چاروں جوابوں میں دوسرا اور حافظ ابن حجرؒ کا جواب زیادہ موزوں ہے کہ بسم اللہ سے حمد کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور بخاری سے پہلے مرتب ہونے والا مجموعہ حدیث موطاء بھی حمد لہ کے بغیر شروع ہوتا ہے چنانچہ بسم اللہ سے شروع کر لیں نحمدہ سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اصل اندر بیان ہونے والے مضامین ہوتے ہیں جو اپنے مواد کے اعتبار سے لوگوں کی راہنمائی کرتے یا ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مگر ایک عرصہ گزرنے کے بعد کتاب کے آغاز میں خطبہ اس کا جزو بن گیا اور اہل علم اس کے ایسے عادی ہو گئے کہ انہوں نے ایسی کتب کے لئے مختلف قسم کی توجیہیں تلاش کرنے میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنا ضروری سمجھا جن کا آغاز خطبے سے نہیں ہوتا یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے انسانی ذہن جس چیز کا عادی ہو جاتا ہے اس کو حق ماننے پر ایسا پختہ کار بن جاتا ہے کہ اس کے خلاف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے خلاف پاتا ہے تو اس کی توجیہیں تلاش کر کے اپنے ممدوح کو اس پر ڈالے ہوئے بوجھ سے آزادی دلانے کیلئے راہیں تراشتا ہے حالانکہ شریعت نے اس پر اس قسم کا بوجھ ڈالا ہی نہیں ہو تا۔

مولانا محترم نے اصل جواب جو امام بخاری نے خواب میں حضرت کاندھلوی صاحب کو عنایت فرمایا نقل کر کے دراصل اپنی طرف سے کافی وشافی دفاع کر دیا ہے حالانکہ اس نے اگر حمد لہ سے آغاز کرنا ضروری اور اس کے بغیر کتاب

لکھنا شرعی طور پر ابتر ہے تو امام صاحب کو ہر کتاب کا آغاز حمدلہ سے کرنا ضروری تھا۔ اس جواب سے امام صاحب مزید بوجھ کے نیچے آگئے ہیں جب انہوں نے یہ تمام الگ الگ تحریر کی ہیں اور بعد میں ان کو مرتب کر لیا گیا۔ جب یہ الگ الگ کتاب کی صورت میں تالیف ہوتے رہتے تو ہر کتاب کا آغاز حمدلہ سے ہونا ضروری تھا پھر آخر میں جب ان کو مرتب کر لیا گیا تو اس مرتب شدہ مجموعہ کی ابتداء حمدلہ کرنے میں کیا امر مانع تھا۔ اتنا وقت صرف کرنے کی بجائے بس ایک جملہ میں اس کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرنے سے شریعت کا تقاضا پورا ہو گیا۔

الوحی کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

"لغت میں اس کے معنی الاعلام فی خفا کے آتے ہیں اور اصلاح میں وحی الکلام المنزل من اللہ تعالیٰ علیٰ الانبیاء کو کہتے ہیں وحی کی کئی قسمیں ہیں امام حلیمی نے چھیالیس قسمیں بیان کی ہیں۔ سہیلی نے وحی کی کل سات قسمیں بیان کی ہیں اور یہی عامۃ الشراح کی رائے ہے۔

اول خواب یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے۔ دوسرا قسم القاء فی القلب ہے۔

تیسرے اللہ تعالیٰ کا من وراءِ حجات کلام فرمانا چنانچہ حضرت موسیٰؑ سے کلام حجاب کی صورت میں ہوا تھا۔ چوتھے یہ کہ ملک اپنی اصل شکل کے اندر آ کر کلام کرے پانچویں انسانی شکل میں آ کر کلام کرے چھٹے یہ کہ مثل صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹے جیسی آواز جس کا ذکر روایت میں آ رہا ہے ساتویں یہ کہ حضرت جبرائیل کے واسطے سے وحی ہوا۔

مولانا زکریا کاندھلوی کے نزدیک صرف چار قسمیں ہیں (۱) من وراء حجاب (۲) تلقی بالقلب (۳) خواب (۴) وحی جو بواسطہ فرشتے کے ہو۔ (۷۴)

امام حلیمی نے وحی کی چھیالیس قسمیں بیان کر کے نہ معلوم کن کن پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے اتنی زیادہ اقسام سے مسئلہ پیچیدہ ہوتا ہے واضح نہیں ہوتا سہیلی نے سات قسمیں تحریر کیں تو حضرت مولانا زکریاؒ نے اسے چار تک محدود کر دیا معاملہ دراصل پہلے کی طرف لوٹ رہا ہے الکلام المنزلُ من اللہ علی الانبیاء کو وحی کہتے ہیں اس کی جو جو شکلیں ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے درمیان خاص ہیں کسی کی اس نے خبر دی ہے اور کسی کی خبر نہیں دی البتہ ہمیں تو رسول اللہ ﷺ کے خبر دینے سے ہی علم ہو گا کہ یہ وحی ہے۔ چنانچہ رسول ﷺ کے فرمان پر اکتفا کرنا ہو گا۔ جو معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ہے اور عام انسانوں سے غائب میں ہے اس کی زیادہ کھوج کرید سے معاملہ صاف ہونے کی

بجائے مزید پیچیدہ ہوتا جائے گا۔ لہٰذہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب کا موٴقف اقرب الالحق محسوس ہوتا ہے۔

کم اہم کو زیادہ اور زیادہ اہم کو کم اہمیت دینے کی مثال

حدیث نمبر ٦٦ کتاب العلم میں بیان ہونے کی بنا پر اگرچہ تشریح طلب نقطہ یہی ہے کہ لیبلغ الشاھدُ الغائب فان الشاھدَ عیٰ ان یُبلِّغَ من ھُوَ اوعی لہٗ منہُ۔

حضرت مدنیؒ نے اوعیٰ فہم اور حفظ دونوں معنی میں آتا ہے پھر امام ابو یوسف اور ان کے استاد سلمان اعمش کا مکالمہ درج کیا ہے کہ استاد نے شاگرد کے بتائے ہوے جواب پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنے کم فہم ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا" تو انہوں [استاد] نے فرمایا کہ اس حدیث کو میں تب سے محفوظ رکھتا ہوں کہ ابھی تک تیرے باپ نے تیری ماں سے ہمبستری بھی نہ کی تھی۔ مگر اسے میں آج ہی سمجھا ہوں اور فرمایا کہ تم طبیب ہو اور ہم دوا فروش ہیں۔(٧٥)

اس کے بعد شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی تشریح شروع ہو جاتی ہے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تشریح کے بارے میں عرض ہے کہ پوری حدیث میں ایک لفظ اوعی کے معنی بیان کرنے کے بعد بعض اوقات شاگردوں کے استاد سے زیادہ فہیم ہونے کی تائید میں جو واقعہ بیان کیا ہے اس میں استاد یعنی جناب سلمان اعمش سے اعترافِ حقیقت کے وقت جو جملہ نسل در نسل نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے اس کی ہمارے ہاں تو عامیوں کی زبان میں بھی گنجائش نہیں ہے ممکن ہے اس دور کے اہل علم کی زبان کی سطح یہی ہو یا یہ حضرت سلمان اعمش کی خصوصیت ہو۔ لیکن اس دور کے شارحین حدیث کا ایسے جملے بلا تکلف بولتے چلے جانا اور شاگردوں کا بلا تکلف ایسے جملوں کو آگے منتقل کرتے چلے جانے سے زبان کا جو معیار بنتا ہے وہ دورِ حاضر کے علمی ادبی اور سماجی معیار سے فروتر ہی قرار دیا جائے گا۔ جب اس قسم کے جملے بلا تکلف نقل اور درج ہونگے تو پڑھنے والے کی ذہنی اور علمی سطح پر کیا تبصرہ کیا جا سکے گا۔

حضرت شیخ الحدیث سے اس حدیث کی تفصیلی شرح منقول ہے جو تقریباً ایک صفحہ پر پھیلی ہوئی ہے شیخ الحدیث نے جن مضامین کو موضوع بحث بنایا ہے۔ پہلے اس عنوان کو باب کا عنوان بنانے کے بارے میں فنی بحث کی ہے پھر امام کے اس عنوان کو اختیار کرنے کی وجہ پر روشنی ڈالی ہے اور دو وجوہ کو تفصیل سے بیان کیا ایک یہ کہ کوئی شخص معانی حدیث کو نہ سمجھتا ہو تو بھی وہ الفاظ کو محفوظ کرے ممکن ہے اس سے الفاظ سیکھنے والوں میں سے کوئی امام ابو حنیفہ یا امام شافعیؒ کے درجے کا فقیہہ نکل آئے اور ایسے ایسے مسائل اس حدیث سے اخذ کر کے امت کی رہنمائی کے لیے مواد مہّیا کر دے جن کے بارے میں الفاظ حدیث حفظ کرنے والے کے خیال میں بھی نہ آئے ہوں دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر استاد کم تر

صلاحیت کا ہو اور اس کے مقابلے میں شاگرد ذہین وفطین ہو تو اسے ایسے استاد سے استنکاف فی طلب العلم نہ کرنا چاہیے ۔ چنانچہ امام بخاری کے سولہ ارابع یعنی چو کڑے میں سے ایک یہ ہے کہ " آدمی اس وقت تک محدث نہیں ہو سکتا جب تک علم اپنے بڑے اور ساتھی اور چھوٹے اور کتابوں سے حاصل نہ کرے " پھر حضرت عبدالرحمٰن کا بیان کہ میرے باپ ابو بکر حضور اکرم ﷺ کے حالات بیان کر رہے تھے اور لکھتے ہیں " چونکہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اجتماعی طور پر اشہر حرام میں تو قتل وقتال نہیں کرتے تھے مگر باقی دنوں میں خوب کرتے تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی اشہر حرم کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ تمہارے دماء اموال واعراض ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس مقام میں اس دن میں حرام ہیں۔ "(۷۶)

جلد اول کے بعد جلد دوم کو زیر بحث لاتے ہیں۔ جلد دوم کے ۶۲۸ صفحات ہیں یہ بھی کتب خانہ مجیدیہ ملتان سے ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے تعارفی صفحہ پر جس کا نمبر درج نہ ہے صفحات کی تعداد ۶۴۰ درج ہے لیکن آخری صفحہ پر یہ نمبر ۶۲۸ ہے اس لیے ہم نے ۶۲۸ کو ترجیح دی ہے۔ میرے زیرِ مطالعہ دوسرا ایڈیشن ہے جو ۲۰۰۴ء میں طبع ہوا ہے اس کی ایک خوبی یہ ہے اسے کمپیوٹر سے کمپوز کروا کر شائع کیا گیا ہے جبکہ پہلی جلد کاتب کی کتابت کے ذریعے پرنٹ ہوئی ہے اور اس پر دورِ حاضر میں صفحہ ۲ پر کتاب کے بارے میں دی جانے والی معلومات بھی درج نہ ہیں اس لیے جلد اول کے سنِ اشاعت کا علم نہیں ہوتا کہ کس سن میں شائع ہوئی۔ دوسری جلد کی دوسرے ایڈیشن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ پبلشر درجہ بدرجہ بہتری کی طرف گامزن ہے اور دور حاضر کے تقاضوں کو جان کر اس کے مطابق کتابیں شائع کرنے کی کوشش کر رہا۔ کتاب کے صفحہ ۳ پر عرض ناشر کے عنوان سے وہی مضمون بیان ہوا ہے جو جلد اول میں تحریر ہے صفحہ ۳ کے بعد پھر صفحہ ا شروع ہوتا ہے جس میں عرض مؤلف کے عنوان سے محمد عبدالقادر قاسمی فاضل دیوبند نے جلد اول میں قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی کے افادات نہ آنے کی وجوہ درج ہیں پھر ان حضرات کا شکریہ ادا کیا ہے جن حضرات نے اس کتاب کی طباعت تک پہنچانے میں کسی بھی قسم کی مدد کی ہے۔ گویا یہ ایک تازہ مضمون ہے جو جلد ثانی میں درج کیا گیا ہے صفحہ ۲ پر فہرست تشریحات بخاری جلد ثانی کا عنوان حاشیہ میں درج کیا گیا ہے جبکہ دوسری سطر میں " ضمیمہ ازافادات حضرت مولانا رشد گنگوہی اور باب بدء الوحی تا تحیۃ المسجد بخاری شریف " درج ہے اور آگے نمبر شمار عنوان اور صفحہ نمبر میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی بدء الوحی سے مناسبت کی وجوہ سے کتاب کی جلد دوم شروع کی گئی ہے جس کو مؤلف نے مضمون میں واضح کر دیا ہے اس لیے جلد ثانی میں شائقین کو باب اول سے کتاب کے شروع ہونے پر تعجب نہیں ہوتا کیونکہ آغاز میں ہی بتا دیا گیا ہے کہ جلد اول میں جو افادات قطب عالم کے شائع نہیں ہو سکے ان کو جلد دوم کے آغاز میں ضمیمے کے طور پر درج کر دیا گیا ہے۔ گویا جلد ثانی صفحہ ۱۹۴ سے شروع ہوتی ہے فہرست میں نمبر شمار ۴۰ عنوان مسجد میں نماز جمعہ جائز نہیں اور اس کے دلائل صفحہ نمبر ۱۸۵ کے بعد ضمیمہ کی فہرست مکمل ہوئی کے الفاظ درج ہیں پھر

کتاب مواقیت الصلوٰۃ پارہ نمبر ۳ صفحہ ۱۹۴ تحریر ہے اور نمبر شمار ۱۴ پر عنوان نماز کی فضیلت اور اس کے اوقات کی اہمیت صفحہ نمبر ۱۹۵ درج ہے قطب العالم کے افادات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کو ضمیمہ کے طور پر کتاب کے اس حصہ میں درج کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ بے ربط عبارات پڑھنے کو ملتی ہیں جن کی جگہ کتاب کی جلد اول کی احادیث کے تحت پوری کتاب کے الگ الگ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ ایسی بے ربط عبارات سے عقیدت و محبت کیلئے تو کچھ مواد مل سکتا ہے مگر کتاب سے استفادہ کرنے کیلئے خاص دقت اور رکاوٹ سامنے آتی ہے اس لیے ان افادات کو اگلے ایڈیشن میں فوری طور پر ان کی جگہ پر پرنٹ کروا کر شائع کیا جائے تو بہتر استفادہ ہو سکے گا ورنہ جب تک یہ جلد دوم کے آغاز میں ضمیمہ کے طور پر درج رہے گا روانی میں رکاوٹ، فہم میں الجھن اور کتاب کے حسن میں گہن کا کام کرتا رہے گا۔ اسکے بعد ہم جلد دوم کی ایک حدیث اور اس کے تشریحی نکات کو پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۸۹۸ اور ۸۹۹ کا ترجمہ اور تشریحی نکات پیش خدمت ہیں:

ترجمہ: حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خطبہ پڑھتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے پہلی وہ چیز جس کی ہم اس دن عید کے ابتداء کریں گے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں اس کے بعد واپس آکر قربانی کریں جس نے ایسا کیا وہ ہماری سنت کو پہنچا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس میرے باپ ابو بکر صدیق اس وقت تشریف لائے کہ انصار کی لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو جنگ بعاث کے بارے میں انصار نے ایک دوسرے کے بارے میں کہے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ لڑکیاں کوئی خاص گانے والیاں نہیں تھیں تو حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا شیطان کے باجے رسول ﷺ کے گھر میں یہ کتنے تعجب کی بات ہے اور واقعہ عید کے دن کا ہے۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! ہر قوم کیلئے عید ہوتی ہے جس دن وہ خوشیاں مناتے ہیں وہ ہمارا عید کا دن ہے تو ان کو خوشیاں منانے دو۔

تشریح از قطب گنگوہی: من جواری الانصار تغنیان (الخ) یہ الفاظ اس لئے بڑھائے گئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ لڑکیاں پیشہ ور گانے والی نہیں تھیں اور اس سے اس طرف بھی اشارہ کرنا ہے کہ بڑے لوگوں کی عورتوں اور بچیوں کیلئے گانا اس وقت جائز ہے جبکہ اس میں مفسدنہ ہو۔ مثلاً محارم کی طرف نظر کرنا یا حرام شہوت یا عبادات کا فوت ہونا یا آلات محرمہ میں سے کسی کو استعمال میں لایا جائے جیسے سارنگی، طبلہ وغیرہ یا ایسے مضامین کا ذکر اشعار میں کیا جائے جو شرعاً

جائز نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ گانے کی حرمت لغیرہ ہے لنفسہ نہیں ہے فقہانے جو گانے بجانے سے منع کیا ہے وہ فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے کیا ہے ورنہ فی نفسہ غنا جائز اور امر مباح ہے۔(۷۷)

هذا عیدنا مؤلف نے اس حدیث کو اس باب میں لا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عید کے دن تمام مسلمانوں کیلئے جائز ہے کہ مباح مثلاً کھیل، شغل اور دل لگی کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔(۷۸)

تشریح از شیخ زکریا: حضرت شیخ الحدیث نے پہلے باب کے عنوان میں لفظ سنت سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت کی ہے پھر یوم بعاث کے بارے میں تفصیل ذکر کر کے انصار کے قبول اسلام میں سبقت کے اسباب بیان کیے ہیں۔ تیسرے پیراگراف میں مزامیر الشیطان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"**فقال ابو بکر مزامیر الشیطان:** یہاں اشکال یہ ہے کہ اگر یہ سماع جائز تھا تو حضرت ابو بکر نے نکیر کیوں کی اگر ناجائز تھا تو پھر حضور اقدسؐ نے کیوں گانے دیا۔ پھر حضرت ابو بکر کے منع کرنے کے باوجود بھی باقی رکھا اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ گانا بجانا تھا ہی نہیں۔ اس لیے کہ ان اشعار میں جنگی کارنامے تھے اس لیے حضور اقدس ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی اور حضرت ابو بکر نے یہ سوچ کر کہ لوگ اس کو غلط بات کا ذریعہ بنالیں گے اور اس سے استدلال کریں گے لہٰذہ منع فرمادیا بعض لوگوں نے اس سے قوالی کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ اس کے اندر بھی ناچ گانا نہیں ہوتا لیکن یہ کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ یہاں گانا بچوں کے ساتھ اور چوں کہ آپس کے کھیل میں تسامح ہوتا ہے۔ نیز جب محرم اور مبیح میں تناظر ہو جائے تو محرم روایات کو ترجیح ہوتی ہے نیز دوسری بعض روایات میں ان دونوں گانے والی بچیوں کے متعلق تصریح ہے کہ لسیت بمغنیتین کہ درحقیقت وہ گانے والیاں نہیں تھیں"

عید پر خوشی کا اظہار اور عید منانے کا سنت طریقہ اس مضمون پر یہ باب مشتمل ہے اس باب میں دو احادیث میں جن کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نماز اور قربانی کا ذکر ہے دوسری حدیث میں انصاری دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے حضرت قطب العالم نے اسی مضمون کو موضوع بحث بنایا ہے اور قطب العالم نے باب کو اس نتیجے تک پہنچا کر بات ختم کر دی ہے کہ

"خلاصہ یہ ہے کہ گانے کی حرمت لغیرہ ہے لنفسہ نہیں ہے فقہاء نے جو گانے بجانے سے منع کیا ہے وہ فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے کیا ہے ورنہ فی نفسِہ غنا جائز اور امر مباح ہے"

لیکن حضرت شیخ الحدیث نے بات کو اس سے آگے تک بڑھایا ہے ایک اشکال ذکر کیا پھر اس کا جواب ارشاد فرمایا مگر وہ جواب کچھ مزید سوال پیدا کر گیا ہے وہ یہ کہ تحریر فرماتے ہیں

"کہ اصل میں یہ گانا بجانا تھا ہی نہیں" اگر یہ گانا بجانا تھا ہی نہیں تو خلیفہ المسلمین کے بارے میں آپ کیا تاثر دینا چاہتے ہیں جنہوں نے فرمایا أبمز امیر الشیطان فی بیت رسول ﷺ شیطان کے باجے رسول ﷺ کے گھر میں ؟ جن کو خلیفہ المسلمین شیطان کے باجے قرار دیں حضرت شیخ الحدیث ہی کا حوصلہ ہے کہ ان کے بارے میں ارشاد فرمائیں کہ وہ اصل میں گانا بجانا تھا ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے خلیفہ المسلمین کی شخصیت کے بارے میں کیا رائے قائم ہوتی ہے جو چیز ہے ہی نہیں اس کو وہ مزامیر شیطان قرار دیتے ہیں۔ کیا ان کی طبعیت میں مبالغہ تھا کہ کسی شے کو وہ قرار دیں جو وہ ہے ہی نہیں۔ تیسری بات یہ معاملہ کسی عام گھر کا نہیں ہے ایک شارع علیہ السلام ہیں۔ دوسرے ان کے جانشین اول ہیں۔ تیسری ام المؤمنین جن کی ذہانت و فطانت نے دین سمجھنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے اس گھر سے تو شریعت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ چنانچہ اس سرچشمہ فیض سے جس عمل کیلئے تائید حاصل ہو رہی ہے یا جس عمل کا جواز مہیا ہو رہا ہے محض فقہاء کرام کی قائم کی ہوئی حرمت کی بناپر اور ان کی پیروی میں خوشی منانے اور اس کے اظہار کے اس طریقے سے امت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم کر دینا یا فقہاء کا حوصلہ ہے یا فقہاء کو حرفِ آخر قرار دے کر ان کی تقلید کرنے والوں کی ہمت ہے۔ ساتھ ہی حضرت امام ابو حنیفہ کا یہ قول بھی بتکرار دہراتے رہتے ہیں کہ اگر میرے قول کے مقابلے میں حدیث کا حکم آجائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو اور حدیث کی پیروی کرو۔

اس حدیث میں جناب رسالتمآب ﷺ کا یہ فرمان کہ یہ ہمارا عید کا دن ہے ان کو خوشیاں منانے دو۔ اس فرمانِ عالیشان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو سمجھ کر سخت الفاظ استعمال کیے یا اس سے منع فرمایا منبع شریعت کی زبان فیض ترجمان نے ان کی تائید نہیں فرمائی۔ بلکہ اس کی اجازت عطا فرمائی کی خوشیاں منانے دو اب اگر ہم سے خوشیاں روٹھ گئیں اور ہم زاہد خشک بن کر اسلام کی تعبیر بھی اپنے مزاج کے مطابق کر چکے تو خوشیاں منانے کے جو طریقے شارع نے جائز قرار دے کر ان کی اجازت عطا فرمائی ہے محض فقہاء کے کہنے سے ان سے امت کو محروم نہ کیا جائے ۔ انسانی زندگی میں خوشیاں منانے کو بھی اہمیت حاصل ہے ان سے بھی شخصیت کے بعض پہلوؤں کی مثبت انداز میں تعمیر ہوتی ہے تعمیر شخصیت کے اسباب پر اس طرح پابندی لگا کر فقہاء امت کو فتنے سے بچا سکے اور نہ اس کو اپنے اجتہادات کا پابند بنا سکے البتہ ایک گناہ گار ہونے کا تصور ضرور عام ہوا جس کے نیچے لوگ اب تک دبے چلے آرہے ہیں۔ اب ہم جلد سوئم کا جائزہ لیتے ہیں۔

تشریحات بخاری جلد سوم: ۷۸۸ صفحات پر مشتمل قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تشریحات پر مبنی ہے اس حصے میں سے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے نام کو خارج کر دیا گیا ہے۔ آگے تشریح میں تشریح از شیخ گنگوہی، تشریح از شیخ زکریا اور تشریح از قاسمی کے عنوانات سے تشریحی

نوٹ درج کیے گے ہیں ہمارے پاس اس کے طباعت اول جو ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی ہے اس کے صفحات ۸۰۰ لکھے ہوے ہیں اور کمپیوٹر کی کتابت کی بجائے محمد عبدالسلام قاسمی کی کتابت ہے اس کے تعارف میں عرضِ ناشر کے عنوان نے ناشر رقم طراز ہیں۔

"اب مولانا مذکور کی چوتھی کتاب تشریحاتِ بخاری جلد سوم بتوفیق الٰہی ہم شائع کر رہے ہیں۔ یہ جلد آٹھویں پارے کے نصف تک پہنچی ہے اس جلد میں مولانا مدنی کے افادات شامل اشاعت نہیں ہیں۔ تحیۃ المسجد تک آپ کے افادات ختم ہوگے البتہ اس میں لامع الداری سے قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی تشریحات شامل ہیں اور بعض مقامات پر تشریح از قاسمی کے نام سے بخاری شریف کے خاشیہ سے مدد لی گئی ہے۔"

عرضِ مؤلف بھی صفحات "د" اور "ہ" پر موجود ہے جس میں مؤلف نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا ہے اس کی اشاعت وطباعت کے بعد اس پر اٹھنے والے اخراجات جمع کرنے اور پھر اگلی اشاعت کیلئے وہ مہیّا کرنے کی روداد بیان کی ہے۔ تشریح بخاری شریف ایک نیک مقصد ہے اور اس مقصد کیلئے اہل خیر تعاون بھی کرتے ہیں مگر اگر یہ کام تشریح تک محدود ہے تو یہ تین یا چار جلدوں میں سمیٹا جاسکتا ہے جب بزرگوں کے افادات سے اس کو مرتب کرنا مقصود ہو اور افادات بھی وہ جو دوران سبق پڑھاتے ہوے شاگرد تحریر کرتے ہیں تو اس میں ایسے مضامین بھی آجاتے ہیں جن کا تشریح سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۲۸۷ کی شیخ الحدیث کی تشریح کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ شاگردوں کی عقیدت مندی اپنی جگہ پر لیکن اساتذہ کو چاہیے کہ وہ شاگردوں کو اس قابل بنائیں کہ ان کے اندر اعتماد پیدا ہو جائے کہ وہ بھی حدیث کا فہم رکھتے ہیں اور شارحین حدیث کی شرحیں پڑھ کر ان کے اندر بھی ایسی قابلیت پیدا ہوسکتی ہے کہ وہ حدیث کی تشریح کے بارے میں کوئی رائے بیان کرسکیں اور ایسے تاثر کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے جس میں صرف استاد کی رائے اور وضاحت ہی حرف آخر کا مقام رکھتی ہو اور ایسے تصور کو پروان چڑھایا جائے جس میں شاگرد بھی خود کو ذہین سمجھے اور خود پر اعتماد محسوس کرے تاکہ وہ بھی علم حدیث کی صحیح معنوں میں خدمت کا شرف پاسکے اور امت کی ٹھیک ترجمانی کرنے کے قابل ہوسکے۔ یہ صرف اس انداز میں ممکن ہے جب استاد شخصیت پرستی کی بجائے علم پرستی فکر پرستی اور جدت پسندی کے تصورات شاگرد میں پیدا کرنے کا سامان مہیا کرے۔

جلد سوئم میں کتاب الزکوۃ، کتاب المناسک، کتاب الصوم اور کتاب البیوع کی احادیث کی تشریح میں بالترتیب تشریح از شیخ گنگوہیؒ تشریح از شیخ زکریاؒ اور تشریح از قاسمیؒ کے انداز میں درج ہے۔

یہاں ہمارے نزدیک جو امر زیادہ وضاحت طلب ہو وہاں ان حضرات محدثین کی تشریح بالکل مختصر ہو جاتی ہے جبکہ جن طوالتوں کو ہم غیر اہم سمجھتے ہیں ان میں اوراق کے اوراق بھرے ہوتے ہیں۔ کم وضاحت کی مثال جلد سوئم میں ہی حدیث نمبر ۱۸۲۲ کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ ہو:

ترجمہ " حضرت ابوہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے مال کہاں سے حاصل کیا ہے۔ آیا حلال سے آیا ہے یا حرام ہے"

تشریح از قاسمی: حلال طریقہ سے مال کا لینا اگرچہ مذموم نہیں ہے لیکن اس جگہ مذمت تسویہ بین الامرین کی ہے کہ حلال و حرام دونوں کر برابر کر دیا"

اب ہم مندرجہ بالا حدیث پر تشریح کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

اس حدیث کی تشریح میں نہ شیخ العرب والعجم مولانا مدنی صاحب کی تشریح درج ہے نہ قطب العالم مولانا گنگوہی صاحب کی تشریح درج کی گئی ہے اور نہ ہی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی آراء و وضاحت درج کی گئی ہے حالانکہ دور حاضر میں اس امر کی وضاحت کرنا عصری تقاضا اور دراصل رہنمائی ہے کہ مال کے جائز ذرائع اور طریقے کون سے ہیں اور کن کن صورتوں میں مال حاصل کرنا ممنوع اور حرام ہے بہتر تو یہ تھا کہ جہاں آپ اتنی محنت و مشقت کر کے دوسری بحثوں میں تشریحات درج کر رہے ہیں وہاں ان عصری بحثوں میں بھی اپنی علمی خدمات میں خود کو سرفہرست لاتے اور حدیث کی صحیح خدمت کرنے کے حقدار بنتے ویسے تو ایک جملہ میں صاحب شرح نے اتنی مہربانی فرما دی ہے کہ "حلال طریقہ سے مال کمانا مذموم نہیں۔" ہمارے نزدیک یہ مسئلہ زیادہ وضاحت کے قابل تھا۔

البتہ اس علمی تشنگی کو دوسری حدیث میں پورا کرنے کی نوید ملتی ہے اس حدیث شریف کا نمبر ۱۸۳۰ ہے۔ حدیث ترجمہ اور تشریح ملاحظہ ہو:

((عن انس بن مالک انہ مشی الی النبی ﷺ بخبزٍ و اھالۃٍ سنخۃٍ ولقد رھن النبی ﷺ درعًا لہ بالمدینۃ عند یھودی و اخذ منہ شعیراً لاھلہ ولقد سمعتہ یقول ما امسی عند ال محمد ﷺ صاع بر و لا صاع حب و ان عندہ تسع نسوۃٍ))

ترجمہ "حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے خدمت میں، میں (حضرت انسؓ) جو کی روٹی اور باسی سالن لے کر گیا حال یہ کہ آپؐ نے اپنی زرہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھ چکے تھے اور اس سے گھر

والوں کیلئے غلہ لیا تھا اور حال یہ کہ میں نے آپؐ سے یہ بھی سنا تھا فرماتے تھے کہ کبھی شام کے وقت محمد ﷺ کے خاندان کے پاس گندم کے چار سیر یا کسی قسم کے دانے کے چار سیر نہیں ہوتے تھے حالانکہ آپؐ کے پاس نو بیویاں تھیں۔"

تشریح گنگوہیؒ: **الرھن فی السم اہ السلف و زرہ** قرضہ کے بدلہ تھی کیونکہ طعام کی قیمت آپ ﷺ کے ذمہ قرضہ ہوگئی تھی۔ **مَا اَمسَا عنَد اٰلِ محمد** ﷺ یہ خاص شام کا ذکر ہے یہ نہیں کہ ہر دن ایسا ہوتا تھا یا غالب احوال کا بیان ہے تاکہ اگر اس کا خلاف ثابت ہو جائے تو یہ ضابطہ ٹوٹ نہ جائے۔

تشریح از شیخ زکریا:

الرھن فی السلم اس سے مراد بیع سلم نہیں ہے بلکہ دین مراد ہے جو طعام کے خرید کرنے کی وجہ سے آپؐ کے ذمہ ہو گیا تھا۔ اسی دین کو شیخ گنگوہی نے سلف سے تعبیر فرمایا ہے میرے نزدیک مسلم سے سلم معروف ہے جس سے گزشتہ حدیث میں ابراہیم نخعی نے دین میں بھی جواز رہن ثابت کیا ہے۔ کیونکہ بیع سلم میں مسلم الیہ پر قرض ہوتا ہے ابن بطال فرماتے ہیں کہ بالاجماع ادھار پر کوئی چیز خرید کرنا جائز ہے امام بخاری ان لوگوں کے خیال کو دفع فرمارہے ہیں جو شراء بالنسیہ کو جائز نہیں سمجھتے کیونکہ یہ قرضہ ہے میرے نزدیک یہ خیال نہیں بلکہ ابوداؤد میں نص ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قافلہ والوں سے غلّہ لیا اور آپؐ کے پاس اسکی قیمت نہیں تھی۔ اس کو بیچا اور اس کے نفع کو عبد المطلب کے خاندان کی بیوگان پر صدقہ کر دیا اور فرمایا اس کے بعد جب تک میرے پاس ثمن نہیں ہوگا۔ کوئی چیز نہیں خریدوں گا میرے نزدیک امام بخاری نے اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے حافظ فرماتے ہیں کہ گویا امام بخاری نے حدیث ابوداؤد کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اس ترجمہ کو شراء نبی ﷺ کے ساتھ مقید کیا ہے اور کتاب الاستقراض میں جو ترجمہ آرہا ہے۔ وہاں سے جواز شراء بالدین ثابت کیا ہے امام بخاریؒ اس ترجمہ میں حدیث عائشہؓ لائے ہیں کیونکہ ان کی یہ روایت آخر حیات کی ہے پس یہ ممکن نہیں کہ ابوداؤد کی روایت قصہ رہن کے بعد کی ہو چنانچہ کتاب المغازی میں ہے کہ آپؐ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپؐ کی ذرہ گروی رکھی ہوتی تھی اور حضرت انس یہ بھی فرماتے ہیں کہ اتنا مال نہیں تھا اس کو چھڑوا لیتے اور اقضیہ نبویہ میں ہے کہ حضور انور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسے چھڑا لیا اور ابن سعد میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے وعدے پورے کیے اور حضرت علیؓ نے قرضے ادا کیے اور امام شعبی سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زدہ چھڑا کر حضرت علیؓ کے سپرد کر دی تھی۔

تشریح از قاسمی:

کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے آلاتِ حرب کا غیر مسلم کے پاس گروی رکھنے کا جواز معلوم ہوا اور اہل ذمہ کے ساتھ معاملات کا جواز بھی ہوا صحابہ کرامؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غلہ نہیں ہو گا۔ صحابہ کرامؓ نہ آپؐ سے ثمن لینے کے روادار اور نہ ہی رہن رکھنے کے حق میں ہوں گے اس لیے آپؐ نے اہل ذمہ کی طرف رجوع فرمایا اور علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ آپؐ نے امت کوزھدفی الدنیا کی تعلیم دینے کے لیے ایسا کیا ورنہ آپ کا فقر تو اختیاری تھا ولقد سمعتہ یہ کلام قتادہ کا ہے اور فاعل حضرت انسؓ ہے۔(۸۰)

حدیث مذکورہ کی تشریح میں مندرجہ بالا تینوں محدثین کی آراء کا اندراج حدیث کے معانی و مفہوم کو واضح کرنے میں کافی مفید نظر آرہا ہے قطب عالم شیخ گنگوہی کی تشریح تفصیل کے ساتھ درج کی ہے اور ان کی تشریح میں زیادہ روایات درج ہیں۔ مزید یہ کہ سابقہ علماء کی آراء بھی بیان کی گئی ہیں۔ اس حدیث کی تشریح میں میری رائے کے مطابق مولانا قاسمی کی تشریح کو ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس حدیث کی عصری کی ہے کہ ہماری مذہبی فکر میں یہ تاثر عام ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے اور ان سے روابط کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور انسانی ضرورتوں میں سے سب سے اہم ضرورت معاشی ضروریات کی تکمیل ہے۔ ایسی اہم اور بنیادی انسانی ضرورت کی تکمیل کیلئے رسول ﷺ نے یہودی سے قرض لیا اور اہل خانہ کیلئے غلہ حاصل فرمایا کیونکہ سیرت ہی ہمارے لیے اسوہ کامل ہے۔ مولانا قاسمی نے اس اہم نکتہ کو واضح کر کے اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ غیر مسلم سے روابط ناجائز ہیں کہ غیر مسلم کے ساتھ بھی معاملات کا جواز سنت مصطفیٰ ﷺ سے ثابت ہے۔ تیسری جلد کے بعد چوتھی جلد کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تشریحات بخاری کی جلد چہارم صفحہ نمبر ا سے قبل ۳ صفحات سے شروع ہوتی ہے اور ۶۶۰ پہ ختم ہوتی ہے اس طرح کتاب کے مطابق ۶۶۰ صفحات ہیں مگر دراصل ۶۶۳ صفحات پر مشتمل ہے یہ جلد شروع میں حسب سابق جلد سوئم کی طرح افادات قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب درج ہے اور استاد العلماء مولانا محمد عبدالقادر قاسمی فاضل دیوبند کا نام درج ہے یہ بھی کتب خانہ مجیدیہ سے زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے اور دوسرے صفحہ پر جس کو نمبر نہیں دیا گیا شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کا نام بھی درج ہے جو جلد ہمارے پاس ہے اس پر طبع دوم اور سن ۲۰۰۷ء تحریر ہے تیسرا صفحہ نمبر نہیں اس صفحہ پر بھی عرض ناشر کے عنوان سے درج ذیل عبارت درج ہے۔ بحمد اللہ تشریحات بخاری کی جلد چہارم آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور مولانا عبدالقادر قاسمی صاحب کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور انشاءاللہ جلد پنجم بھی آپ کے ہاتھوں میں ہو گی دعا اور تعاون کی اپیل ہے۔(۸۱)

اس کے بعد صفحہ نمبر ا پر عرض مئولف کے عنوان سے مولانا قاسمی صاحب کی گزرش درج ہے اس میں انہوں نے اپنی بیماری کے بارے میں بتایا ہے اور صحت کی دعا کی گزارش بھی کی ہے اور جلد پنجم کی تکمیل کی دعا کی گزارش کی ہے اس کے بعد صفحہ نمبر ۲ تا ۱۴ فہرست مضامین درج ہے اور صفحہ نمبر ۱۵ سے باب سھولة والسماحة اور حدیث نمبر ۱۹۳۸ سے لے کر ۲۹۴۲ تک احادیث کی تشریح ہے اس طرح جلد رابع میں ۶۸۴ احادیث کی تشریح درج ہے۔

اس جلد کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تشریح کرتے ہوئے جہاں مذکورہ بالا محدثین کرام اگر عدم توازن کی فضاء قائم کرتے ہیں اور ایسی ایسی بحثیں شروع فرما دیتے ہیں جن کا تعلق نفس مضمون سے مطابقت کم رکھتا ہے مگر بعض مقامات پر اس مضمون کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ مثلاً جلد چہارم میں حدیث نمبر ۲۶۳۸ کا ترجمہ و تشریح ملاحظہ ہو جہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ قاسمی نے تشریح کرنے کے میدان میں علمی انداز اپنایا ہے اور روایتی انداز پر انحصار پیش کیا۔ چنانچہ حدیث کا ترجمہ ہے:

"حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہونے لگے تو فرمایا مجھے تم پر اپنے بعد اگر کسی چیز کا خطرہ ہے تو وہ یہ ہے کہ زمین کی برکتیں تم پر کھول دی جائیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے دنیا کی زیب وزینت اور رونق کا ذکر کیا ان دونوں میں سے ایک سے ابتداء کی اور دوسرے کو بعد میں ذکر فرمایا ایک آدمی مجمع میں سے اٹھ کر کہنے لگا یا رسول اللہؐ کیا شر کے ساتھ خیر بھی آتی ہے آپؐ خاموش ہو گئے ہم آپس میں کہنے لگے کہ آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے اور لوگ بھی خاموش ہو گئے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے تھے پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے چہرہ انور سے پسینہ پونچھا فرمانے لگے ابھی ابھی سوال کرنے والا کہاں ہے جو کہتا تھا کیا یہ مال خیر ہے تین مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا واقعی خیر خیر سے ہی حاصل ہوتی ہے جس نے اس کو اپنے حق میں لیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ جہاد میں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں خرچ کر دینا ہے اس کے لئے تو مہلک نہ ہو گا۔ لیکن جس نے اس کو اپنے حق سے نہ لیا اور نہ ہی حق ادا کیا پس وہ اس کھانے والے کی مثال اس کھانے والے کی طرح ہے جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا وہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف ہو گا"۔

اس حدیث کی تشریح قاسمی صاحب نے اس طرح درج کی ہے "مقصد اس حدیث کا یہ ہے کہ مال دنیا در حقیقت خیر نہیں ہے کیونکہ اس میں فتنے ہوتے ہیں اور آخرت سے روگردانی کرنی پڑتی ہے تو وہ شخص ہلاک ہو گا۔ جس نے مال ناحق لیا ہو گا اور غیر محل خرچ کیا ہو گا اسراف وتبذیر میں مبتلا ہو گا وہ تو ہلاک ہو گا اور جس نے میانہ روی اختیار فرمائی اور ناحق مال حاصل کرنے سے گریز کیا وہ بچ جائے گا"۔ (۸۲)

مندرجہ بالا حدیث کی تشریح میں مبہم انداز میں سہی قاسمی صاحب نے رویتی فکر سے ہٹ کر مال کو میانہ روی او ربے جاناحق خرچ کرنے کی روش سے بچ کر اعتدال، توازن اور صحیح مقام پر خرچ کرنے کی غرض سے کمانا اور حق کے ساتھ حاصل کرنا ایک احسن عمل قرار دیا ہے واقعی یہ فکر ان کی علمی استعداد کی شہادت دیتی ہے۔

اب جلد پنجم کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

جلد پنجم پر شروع میں رومن انداز میں صفحہ نمبر درج کیے گئے ہیں جس سے لگتا ہے کہ ناشر نے جلد چہارم میں ان صفحات کو نمبر نہ دے کر الجھن پیدا کی اور اب اس میں نمبر دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا یہ کام ترقی کی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ رومن انداز میں تحریر کردہ صفحہ نمبر ا پر حسب سابق افادات قطب العالم و شیخ الحدیث اور مولانا قاسمی فاضل دیوبند درج ہے اور ناشر کتب خانہ مجیدیہ ملتان تحریر ہے چنانچہ جلد پنجم میں شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی صاحب کا نام شامل نہیں ہے۔ صفحہ نمبر ۲ پر عرض ناشر کے عنوان سے جلد پنجم کی تکمیل اور طباعت پر تعریفی کلمات درج ہیں صفحہ نمبر ۴ پر عرض مؤلف کے عنوان سے پانچویں جلد کا اجمالی تعارف اور یہ بتایا گیا کہ اس جلد میں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے افادات کا اضافہ کیا گیا ہے اور عرض مؤلف میں ان حضرت کا خصوصی شکریہ ادا کیا گیا ہے جنہوں نے طباعت کے مراحل میں معاونت بھی فرمائی۔ ان حضرات میں قاری محمد حنیف جالندھری اور سید ارشد سعید کاظمی کے نام قابل ذکر ہیں۔ صفحہ نمبر ۶ سے فہرست عنوانات شروع ہوتی ہے جو صفحہ ۱۶ مطلب گیارہ صفحات پر مشتمل ہے اس رومن انداز کی گنتی صفحہ سولہ تک ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد صفحہ ۶۰۷ تک شرح بخاری درج ہے۔

حدیث ۲۶۴۳ تا حدیث ۳۶۶۰ کی شرح بیان کی گئی ہے اس جلد میں کاغذ بھی سطحی معیار کا استعمال ہوا ہے اور احادیث مکمل معرب درج ہیں اور پورے باب میں تمام احادیث کو نمبر وار درج کر کے ہر حدیث کے بعد اس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے اس جلد میں ایسے مسائل پر بحث بھی ملتی ہے جو امت میں صدیوں سے اختلافی چلے آرہے ہیں۔ جن میں ایک مسئلہ پیغمبرؐ کی میراث کا ہے جو کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؑ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں عرض کی چنانچہ حدیث کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ ہو حدیث جلد پنجم کے صفحہ ۱۳۰ پر درج ہے اور حدیث کا نمبر ۲۸۶۹ ہے۔

ترجمہ: " حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ خبر دیتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر سے سوال کیا کہ وہ ان کی وراثت تقسیم کر دیں جو رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے ہیں اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے بغیر لڑائی کے آپ کو عطا فرمائی یعنی فئی کا مال پس حضرت ابو بکرؓ نے انہیں جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ہم انبیاءؑ کی وراثت نہیں چلتی جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ مسلمانوں کیلئے صدقہ ہے جس پر حضرت فاطمہ بنت رسول ﷺ غضب ناک ہو گئیں پس حضرت ابو بکرؓ سے سلام وکلام چھوڑ دیا اور یہ مہاجرت ان کی وفات تک جاری رہی اور وہ فاطمۃ الزہراء رسول ﷺ کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں اور وہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جس مال متروکہ کا مطالبہ کیا تھا وہ وہ مال ہے جو رسول اکرم ﷺ نے خیبر، فدک اور مدینہ میں صدقات کا مال چھوڑا تھا جن کے دینے سے حضرت ابو بکر صدیق نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میں وہ کوئی چیز نہیں چھوڑنے والا جس پر رسول اکرم ﷺ عمل کرتے تھے بلکہ میں تو اسی پر عمل پیرا ہوں گا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں نے اگر آپؐ کے معمولات میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا تو بھٹک جاؤں گا۔ البتہ مدینہ کے صدقہ کے املاک تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مزارعت پر دیئے تھے خیبر اور فدک کے املاک حضرت عمرؓ نے روک رکھے تھے کسی کو نہیں دیے تھے فرمایا یہ دونوں املاک سرکار دوعالم ﷺ کا صدقہ ہیں ان حقوق کیلئے جو آپ کو پیش آئے تھے۔ دیگر مصائب کے لئے اور ان کا معاملہ اس خلیفہ اور حاکم کے سپرد تھا جو امور ولایت کا حاکم مقرر ہو چنانچہ وہ آج تک اسی حال پر ہیں" (۸۳)

تشریح از شیخ گنگوہی:

فغضبت فاطمة (الخ) یہ روای کا اپنا بیان وگمان ہے کہ ان کے عدم تکلم سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ناراض ہو گئیں حالانکہ درحقیقت وہ اس بات پر پشیمان تھیں کہ انہوں نے مطالبہ کرنے میں جلد بازی سے کام کیوں لیا تو عدم تکلم ندامت کی وجہ سے تھا یا آئندہ اس بارے میں کلام نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اپنے اوپر غضب ناک ہوئیں کہ ایک دنیاوی مطالبہ کے لئے خلیفۃ المسلمین کے پاس کیوں گئیں کیونکہ وہ ابو بکر صدیق تو خلیفہ راشد تھے کسی پر ظلم کرنے والے نہیں تھے اگر ان کا حق بنتا تھا تو وہ خود ادا کر دیتے اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ پر غضب ناک ہوئیں اور ان سے بالکل سلام کلام ترک کر دیا تو یہ جرم خود ان پر عائد ہوتا ہے نہ کہ صدیق اکبر پر کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تو ان کے باپ نبی اکرم ﷺ کی حدیث پر عمل کر رہے تھے کہ انہوں نے دنیا کی خاطر ان سے سلام ترک کر دیا۔

تشریح از شیخ زکریا:

بعض حضرات نے حضرت فاطمہؓ کے عدم کلام کو مسئلہ میراث کے بارے میں کہا ہے لیکن روایت اس کی تائید نہیں کرتی البتہ امام شعبیؒ نے نقل کیا ہے کہ **ان ابابکر عاد فاطمه** کہ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت فاطمہ کو واپس بلا کر ان کو راضی کر لیا اور حدیث شریف لانورث کے بارے میں ان کا اعتقاد خصوصیت کا تھا حضرت ابو بکر نے عموم پر

محمول کیا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا ہجران عن القاء تھا اور ہجران محرم یہ ہے کہ ملاقات کے وقت سلام وکلام نہ ہو۔ جب بعد ازاں وہ اپنی مرضی کی وجہ سے ملاقاتی نہیں ہوئی تو ہجران محرم کا تحقق کیسے ہوگا اور حافظ کے کلام کے آخر میں یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا بی بی! میں نے گھر بار اہل وعیال کنبہ کو تو محض اللہ کی رضا اس کے حبیبؐ کی رضا اور تم اہل بیت کی رضا کے لیے چھوڑا ہے میں نے میراث نبوی کو اپنے لئے تھوڑا رکھا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ کروں گا۔ کہتے ہیں کہ اس کلام کو سننے کے بعد وہ راضی ہوگئی کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کیلئے لانورث والی حدیث پر عمل کرنالازمی تھا۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کرتے تو عاصی ہوئے۔ اب ناراضگی حضرت فاطمہؓ کی اس لیے ہو سکتی ہے کہ چلو اس وجہ سے نہ سہی تکرماً کسی اور طریق سے ان کو کچھ دے دیتے محروم نہ کرتے لیکن اقتداء نبویؐ میں وہ ایسانہ کر سکے دوسرا حضرت فاطمہؓ کا زہد، عبادت فقراء اور مساکین پر شفقت میں مشہور تھیں وہ اس طرح کا مال لینے پر کیسے آمادہ ہو سکتی تھیں۔ البتہ اگر شرعاً حق بنتا تو مطالبہ کیا لے لیتیں۔ لہٰذا قطب گنگوہی کوکب دری میں اس مسئلہ پر بحث فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علیؓ نے لانورث کو منقولات پر محمول کیا اور حضرت ابو بکرؓ اور دیگر صحابہؓ نے اسے عموم پر حمل کیا تو اس بنا پر حضرت فاطمہ کی ناراضگی جب مال کی وجہ سے نہ ہوئی بلکہ ایک امر شرعی کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ ایک امر شرعی کی وجہ سے حضرت کعبؓ اور ان کے ساتھیوں سے آپؐ نے اور مسلمانوں نے پچاس دن تک بائیکاٹ جاری رکھا جب توبہ قبول ہوئی تب سلام وکلام کا سلسلہ جاری ہوا۔(۸۴)

مذکورہ بالا حدیث شریف اور اسکی تشریح جو کہ مولانا عبد القادر قاسمی نے شیخ گنگوہی اور شیخ زکریا کے حوالے سے درج فرمائی ہے بہتر تو یہ ہوتا کہ اس اختلافی مسئلہ پر مصنف اپنی تشریح بھی پیش فرماتے تو ان کی رائے بھی سامنے آجاتی مگر اس شرح میں بغور مطالعہ سے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں پر ان علماء میں سے کبھی ایک کی رائے شامل نہیں ہوتی تو کبھی دوسرے کی بہر حال اس تشریح پر جو نکات میرے ذہن میں ہیں وہ پیش کرتا ہوں:

"شیخ گنگوہی کی یہ تشریح کہ راوی کا اپنا گمان ہے کہ "حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ناراض تھیں" مجھے صحیح اور قوی محسوس ہوتا ہے کیونکہ ضروری تو نہیں کہ ہر بار عدم کلام کی وجہ کوئی دوسرا ہو بندہ خود سے بھی تو سوال کر رہا ہوتا ہے اور صرف خود سے کلام کرنا ہے سوال بھی جواب بھی کہ مجھے خلیفہ المسلمین کے پاس نہیں جانا چاہیے تھا اگر میرا حق ہوتا تو وہ خود دے دیتے اور حضرت زکریا کی بھی یہ تشریح ذہن کو مطمئن کرتی ہے کہ "حضرت ابو بکر اور دوسرے صحابہؓ نے اس حدیث شریف کو عموم پر محمول کیا" اس تشریح کی روشنی میں نہ حضرت ابو بکرؓ پر اعتراض کی گنجائش رہتی ہے اور نہ ہی بنت رسول ﷺ فاطمۃ الزہراء کی عظیم ذات پر اعتراض کی گنجائش ہے"

اب ہم جلد ششم کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

جلد ششم جو ہمارے پاس ہے اس کا ایڈیشن طبع اول ۱۹۹۹ء ہے اس کے صفحہ ا پر نام کتاب تشریحات بخاری اردو جلد ششم اور افادات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت مولانا سید حسین المدنی اور عبد القادر قاسمی درج ہیں اس کتا ب کے ۸۰۶ صفحات ہیں اور مکتبہ مجید پر ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ یہاں شروع میں ہی ایک چیز جو قابل بیاں لگتی ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ جلدوں میں جو القابات کا استعمال ہوتا رہا ہے مثلاً قطب العالم، شیخ العرب والعجم ان کے خلاف اس جلد ششم میں صرف حضرت مولانا استعمال ہوا جو کہ میرے نزدیک اچھی اور احسن تبدیلی ہے کیونکہ ہم نے حضرت مولانا اکابرین کے بیان میں پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے اور رائج بھی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جیسے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچتا جارہاہے اس میں مزید بہتری کی نوید سنائی اور دکھائی دیتی جارہی ہے۔

صفحہ "ب" پر عرض ناشر کے عنوان سے آج کے دور کو پر فتن دور اور مغرب کی غلامی کا دور کہا گیا ہے یہ بات قابل بحث تو ہے مگر اسکی وضاحت ہم باب سوئم میں سید محمود حسن کی کتاب ترجمان الحدیث پر تبصرہ کے دوران تفصیل سے کر چکے ہیں چنانچہ عرض ناشر میں کتاب کی طباعت پر خوشی اور مولانا عبد القادر قاسمی کی وفات پا جانے کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ تشریحات بخاری کا باقی کام ان کے صاحبزادگان محمد عبد السلام قاسمی اور محمد ابو بکر قاسمی مکمل کریں گے انشاء اللہ اس کے بعد صفحہ ذ پر عرض احوال کے عنوان سے مولانا موصوف کے صاحبزادگان کی طرف سے تشریحات بخاری کا مختصر تعارف درج ہے اور تمام محدثین کو عقیدت کا سلام پیش کیا گیا ہے اور ان کی طرف سے دعا کی اپیل بھی کی گی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں والد گرامی کے نقش قدم پر چل کر علم حدیث کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد صفحہ ھ، و، ز، ح، اور ط پر فہرست عنوان درج ہے اور صفحہ ی سے مولف تشریحات بخاری مولانا عبد القادر قاسمی کے حلات زندگی شروع ہوتے ہیں اور بالترتیب ی، ک، ل، م، ن، س، ع، ف، ص، ق اور ش پر آپ کے حالات زندگی درج ہیں۔ عمومی طور پر حالات زندگی جلد اول میں درج ہوتے ہیں مگر یہاں ششم میں درج ہیں اس کی وجہ شاید مولانا کی وفات ہوگی جسکا ذکر شروع میں نہیں ہے تو اب درج کر دیتے ہیں کہ محفوظ ہو جائیں: جلد ششم صفحہ نمبر ا کتاب المغازی سے شروع ہوتی ہے اور سورۃ النساء صفحہ ۸۵ے پر اختتام پذیر ہوئی ہے۔

اس جلد میں بھی حسب سابق انداز میں احادیث کی تشریح کی گئی ہے اس جلد کی پرنٹنگ سطحی معیار کی ہے کمپوٹر کی کمپوزنگ نہیں ہے بلکہ مصنف کے ہاتھ کے تحریر کردہ انداز کو پرنٹ کر کے تیار کر دی گئی ہے اگر جدید طرز کی کمپوزنگ کر دی جاتی تو کتاب اور زیادہ معیاری بن جاتی اور پڑھنے والے کے لیے زیادہ مفید ہو جاتی۔

اس جلد ششم میں اس بات کا اہتما کیا گیا ہے کہ جن محدثین عظام کے نام افادات کے ضمن میں شروع میں درج کیے گئے ہیں ان کی تشریح کو بیشتر مقام پر درج کیا ہے لہٰذا ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ یہ جلد ششم اکابرین وعلماء دیوبند کی آراء کا مجموعہ ہے اب مولانا گنگوہی صاحب مولانا مدنی صاحب مولانا زکریا صاحب اور مولانا عبد القادر قاسمی کی آراء کو یا شرح بخاری کو ان کی الگ الگ کتب کی طرف رجوع کرنے کی بجائے تشریحات بخاری کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے اور ان حضرات کی آراء علمی مقام کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے جلد ششم کے بعد تشریحات بخاری اردو کی جلد ہفتم آخری جلد کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

جلد ہفتم کے فرنٹ صفحہ پر تشریحات بخاری اردو اور افادات قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث مولانا زکریا درج ہے اور استاد العلماء مولانا محمد عبد القادر قاسمی فاضل دیوبند وناشر کتب خانہ مجید یہ ملتان پرنٹ ہے اور دوسرے صفحہ جس کو صفحہ نمبر نہیں دیا ہوا اس میں سن طباعت ۲۰۰۷ء درج ہے اس جلد کے ۶۷۵ صفحات ہیں۔اس کے بعد رومن رسم الخط میں صفحہ ۱ تا ۱۳ تک فہرست عنوان دی گی ہے اور پھر سورۃ المائدہ سے اس شرح کا آغاز ہوتا ہے اور کتاب العقیقہ پر اس جلد کا اختتام ہوتا ہے اس جلد میں ویسے تو بہت سارے مقامات پر کلام کیا جاسکتا ہے مثال کے طور پر حدیث نمبر ۴۴۱۸ کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ ہو پھر اس پر کلام کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

ترجمہ: "حضرت ابوہیریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت وَ اَنذِر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو رسول ﷺ کھڑے ہو کر فرمانے لگے اے قریش کی جماعت یا اس طرح کا کوئی اور کلمہ فرمایا۔ کہ اپنے آپ کو اطاعت کے ذریعہ عذاب الٰہی سے خرید کر لو کیونکہ میں تمہارے لئے اللہ کے عذاب سے کچھ بھی کام نہیں آسکوں گا۔اے بنو عبد مناف میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا اے عباس بن عبد المطلب چچا جان! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا اے بی بی صفیہ رسول ﷺ کی پھوپھی میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔اے فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی جو کچھ میرے مال میں سے چاہے تو مجھ سے مانگ لے لیکن اللہ کے عذاب سے میں تمہارے لئے کام نہیں آؤں گا"(۸۵)

تشریح از شیخ مدنی:

"اگر یہاں اشکال ہو کہ آنحضرت ﷺ حضرت عباسؓ، حضرت بی بی صفیہ اور حضرت بی بی فاطمہؓ سے فرمایا کہ لَا اغنی عنکم منَ اللہِ شیا کہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤنگا حالانکہ آپ کی شفاعت عامہ اور خاصہ حق ہے اس میں گناہوں کی معافی اور عذاب کی دفع ہونا بھی ہے تو پھر لا اغنی کہنا کیسے ہو گا تو ایک جواب تو اس کا یہ ہے کہ یہ کہ ابھی تک آپ کو اپنی شفاعت صغریٰ و کبریٰ کا علم نہیں تھا یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ شفیع چھڑا نہیں سکتا اس

کا کام تو صرف التجا کرنا ہے اگر قبول ہو جائے تو فبھا و نعمت ورنہ جبر نہیں کر سکتا تو آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ میں چھڑا تو نہیں سکتا شفاعت کروں گا وہ اس کے مخالف نہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی شفاعت اور اس طرح دوسرے اولیاء اور صلحاء کی شفاعت بغیر اذن اللہ نہیں ہو گی تو آپ فرما رہے ہیں کہ میں خود ذاتی طور پر کچھ نہیں کر سکتا باری تعالیٰ کا شفاعت کی اجازت دینا اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ اسے چھوڑانا چاہتے ہیں تو یہ بھی شفاعت کے خلاف نہ ہو گا بلکہ باذن اللہ کی قید سے مقید ہے تو لَا اَغنِی عَنکَ مِنَ اللہِ شیأً بغیر اذنِ اللہ "(۸۶)

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ سید حسین احمد مدنی نے شفاعت صغریٰ و کبریٰ میں تین جوابات دیتے ہیں جن کو اس طرح مختصر کیا جا سکتا ہے:

(۱) ابھی تک رسول ﷺ کو اپنے اس عظیم منصب کا علم نہ تھا۔

(۲) شفیع چھڑا نہیں سکتا اس کا کام صرف التجا کرنا ہے۔

(۳) آپؐ کی شفاعت اور دوسرے اولیاء و صلحاء کی شفاعت باذنِ اللہ ہو گی۔

اس مسئلہ میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہاں اگر مولانا گنگوہی صاحب اور شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی صاحب اور خود شارح جناب قاسمی صاحب کی تشریح بھی اگر درج ہوتی تو بات مزید کھل کر سامنے آتی اب چونکہ صرف مدنی شاہ صاحب کی تشریح درج ہے تو اس ضمن میں غرض ہے کہ پہلے دو جواب منصب نبوی کے اعلیٰ اور باکمال وصف کے معیار پر پورے نہیں اترتے کیونکہ شفاعت ایک عظیم منصب ہے اور اس کے بارے میں نبیؐ کو علم نہ ہو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور دوسرا جواب کہ چھڑا نہیں سکتا۔ یہ بات خدا اور رسولؐ کے درمیان طاقت آزمائی کا معاملہ ظاہر کرتی ہے جبکہ ادھر معاملہ در حقیقت خدا اور حبیبؐ کا ہے پہلے تو حبیبؐ وہ شفاعت فرمائیں گے بھی نہیں جو قبول نہ ہو یا قبول نہ ہونے کے قابل ہو اگر فرمائیں گے تو وہ خدا اپنے حبیبؐ کی شفاعت قبول فرمائیں گے اور شاہ صاحب کا تیسرا جواب بہر حال علمی طور پر مفہوم کو واضح کرتا ہے یہ شفاعت تو اذن ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا کیونکہ وہی ملک یوم الدین ہے۔

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا منصب نبوت شفاعت تو محمد مصطفیٰؐ کا خاصہ ہے مگر شفاعت حقہ ہو گی شفاعت باطلہ نہیں ہو گی یعنی جو حقدار ہو گا نبی اکرم ﷺ اسی کی شفاعت فرمائیں گے اور حدیث میں شرط اطاعت کی ہے کہ اطاعت کرنے والے کی ہی شفاعت ہو گی اگر بندہ مطیع نہیں ہے تو صرف حسب یا نسب کی وجہ سے شفاعت کا حقدار نہیں بن سکتا۔

درج ذیل صفحات میں مولانا محمد صدیق شیخ الحدیث جامعہ خیر المدراس ملتان کی شرح بخاری کا جائزہ پیش کیا جائے گا آپ کی شرح کا نام ہے الخیر السّاری فی تشریحات بخاری

افادات :استاد العلماء حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم

ترتیب و تخریج

حضرت مولانا خورشید احمد تونسوی:

صفحہ ۲ پر جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں تحریر ہے نیچے یا صفحہ اول پر مصنف کا نام درج نہ ہے افادات کے نیچے مولانا محمد صدیق صاحب کا نام ہے اور ترتیب و تخریج مولانا خورشید احمد نے دی ہے۔اس کتاب کی اول اشاعت ۱۴۲۳ھ میں ہوئی دوسری جمادی الاول ۱۴۲۷ھ میں اور تیسری اشاعت محرم الحرام ۱۴۳۱ھ میں ہوئی پہلی جلد کتاب الایمان اور کتاب العلم کی تشریح پر مشتمل ہے۔اس کے کل ۴۹۶ صفحات ہیں فہرست صفحہ ۳ سے ۱۳ تک ہے صفحہ ۱۴ پر درود شریف درج ہے صفحہ ۱۵ پر پیش لفظ تحریر کیے گئے ہیں پیش لفظ مولانا صدیق صاحب نے تحریر کیے ہیں جس میں حمد، درود، اور محدثین کیلئے دعا کے بعد استادِ محترم مولانا خیر محمد صاحب کیلئے رحمتوں کی دعا کی ہے اور اس کتاب کے مواد انہی کی طرف منسوب کیاہے تحریر فرماتے ہیں:

"ہزاروں رحمتیں نازل ہوں استادِ محترم مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ پر جنہوں نے محنت کر کے بخاری شریف کا چالیس سال تک درس دیا آپکے سامنے یہ ہدیہ "الخیر الساری فی تشریحات بخاری" استاد موصوف کی تقریر ہے جن کو بنیاد بنا کر بندہ نے درسِ بخاری شریف جاری رکھا اس میں کمی بیشی ممکن ہے۔اصولاً تمام مضامین حضرت الاستاد مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اس میں کچھ اضافے حالات حاضرہ کے پیش نظر کیے گئے اور کمی کوتاہی بندہ راقم الحروف کی بے مائیگی کی بنا پر ہوئی۔"(۸۷)

مولانا محمد صدیق صاحب کے مذکورہ بالا نوٹ میں اس کتاب میں بخاری شریف کی تشریحات کا اسلوب بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔مولانا محترم بھی شرح وحاشیہ کی اسی روایت کے محافظ ہیں جو ہمارے دورِ تقلید میں اہل علم کا خاصہ رہی

ہے متن کی تشریح میں استاد سے جو کچھ لیا وہ جوں کا توں اگلی نسل کو منتقل کر دیا۔ البتہ یہاں مولانا محترم نے حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر کچھ اضافے کرنے کا تذکرہ بھی کیا ہے اس کے بارے میں آگے چل کر اندازہ ہو سکے گا کہ ان اضافوں کی نوعیت کیا ہے؟

صفحہ ۷ا پر عرضِ مرتب کے عنوان سے مولانا خورشید احمد کا دو صفحے کا مضمون ہے جس میں انہوں نے اس کتاب کی ترتیب پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کیا ہے اور کتاب کو مرتب کرتے ہوئے ان کو پیش نظر جو امور رہے ہیں وہ انہوں نے اس مضمون میں درج فرمائے ہیں۔ افادہ عام اور فہم کتاب کیلئے ہم ان امور کو یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

"ا- تخریج کرتے ہوئے ماخذ کا حوالہ درج کیا ہے۔

۲- حسبِ ضرورت حاشیہ میں مکمل حدیث نقل کی ہے۔

۳- بخاری شریف کی اکثر احادیث کا جامہ پہنایا ہے۔

۴- مکرر لائی جانے والی احادیث کی رقوم الاحادیث اور انظر کے عنوان سے نشاندہی کی ہے۔

۵- راوی (صحابی) کے مختصر حالات پر روشنی ڈالی ہے۔

۶- راوی (صحابی) کی کل مرویات کو آشکارا کیا ہے۔

۷- کنیت ولقب سے مشہور ہونے والے صحابہ کرام اور تابعین کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔

۸- قرآنِ مجید کی آیاتِ مبارکہ کا حوالہ دیتے وقت پارہ، سورۃ، آیت نمبر کا اندراج کیا ہے۔

۹- بعض مقامات پر بیاضِ صدیقی کا حوالہ لکھا ہے اس سے مراد حضرت مولانا خیر محمد صاحب روالله مرقدَہ کی وہ تقریر ہے جسے حضرت شیخ الحدیث مدظلھم نے اپنے استاد مولانا خیر محمد صاحب سے بخاری شریف پڑھنے کے زمانہ میں لکھا تھا۔

۱۰-علماء، عوام، طلباء وطالبات کی سہولت اور آسانی کیلئے احادیث بخاری شریف لکھ کر شیخ الحدیث والتفسیر استاد العلماء علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی درسِ بخاری سے تحت الفاظ ترجمہ معمولی حذف واضافہ کے ساتھ شامل کیا ہے۔"(۸۸)

مرتب نے یہ امور درج کر کے روایتی انداز اختیار کرتے ہوئے اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالی سے اس کام میں مدد چاہی ہے اور اپنے استادِ محترم جناب مولانا محمد صدیق صاحب کی سرپرستی اور دعاؤں کے سہارے کا ذکر کیا ہے پھر تحریر فرمایا ہے:

"ربِ ذوالجلال، خالق ارض وسماء کی ذات پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کام کو شروع کر دیا۔ بندہ نے اپنی استطاعت کی حد تک بھرپور کوشش کی ہے کہ کام تا اختتام بلوغ المرام ہو"(۸۹)

صفحہ ۱۹ سے ۲۲ تک سوانح حیات کے عنوان سے مولانا محمد صدیق بن حاجی نبی بخش بن اکبر دین بن ابراہیم کی سوانح عمری بیان کی گئی ہے صفحہ ۲۳ پر قاری حنیف جالندھری نے تقریظ تحریر فرمائی ہے جو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ الخیر السّاری کی جلد اول کے صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۹۴ تک علم حدیث، اصولِ حدیث، حجیت حدیث وغیرہ کے مباحث بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مباحث حدیث کی ہر کتاب سے قبل محدثین بیان فرماتے ہیں لیکن الخیر السّاری میں بے جا طوالت پائی جاتی ہے اور اسلوب بیان بھی خاصا دقیق ہے نقطہ سے نقطہ نکالنا اور ایک مضمون سے دوسرا مضمون نکال کر اس کی کئی قسموں کا بیان اور پھر زبان ایسی کہ اخوص الخواص ہی کی سمجھ میں آسکے یا بہت ہی مضبوط حافظہ رکھنے والے طلبہ محض حافظے کے زور پر حفظ کر کے اساتذہ کو سنا کر امتحان میں کامیابی حاصل کرلیں۔ جس طرح زود نویس مسئلے کے زیادہ سے زیادہ پہلوؤں کو سامنے لانے میں دلچسپی رکھتا ہے بات سمجھانے اور واضح کرنے میں نہیں مثلاً صفحہ ۵۱ پر منکرین حدیث کے شبہات اوران کے جوابات کو ۵۹ صفحہ تک بیان کیا ہے کل دس شبے بیان کیے ہیں اور ہر شبے کے ایک سے زیادہ جواب دیئے ہیں جو خود ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں۔ مثلاً پہلا شبہ درج کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیث لکھنے سے منع کر دیا تھا اس شبہ کے سات جواب دیئے ہیں۔ "حدیث لکھنے اور منع کرنے کے بارے میں احادیث میں تعارض ہے بعض میں منع اور بعض میں حکم ہے ان میں تطبیق مختلف وجوہ سے بیان کی جاتی ہے التوجیہ الاول یہ نہی اس زمانے سے متعلق ہے جب قرآن پاک لکھا جا رہا تھا اسوقت اس لیے منع کیا گیا تھا تا کہ قرآن کا امتیاز باقی رہے اور خلط لازم نہ آئے۔(۹۰)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو آخر وقت تک نازل بھی ہوتا رہا اور لکھا بھی جاتا رہا۔ حدیث کو لکھنے کی اجازت کب دی گئی؟ اسی طرح صفحہ نمبر ۵۹ پر حکم منکرین حدیث کے عنوان کے تحت درج ہے "فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں ۱- متواتر ۲- مشہور ۳- خبر واحد۔ متواتر کا منکر بالاجماع کافر ہے چنانچہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ کسی کو حدیث سنائی گئی اس نے بطور استخفاف کے آگے سے کہا کہ بہت حدیثیں سنیں ہیں تو وہ کافر ہو گیا۔ (۹۱)

پھر بیان اصلاحاتِ حدیث کے ضمن میں لکھا ہے:

"ابتداءً حدیث دو قسم پر ہے (۱) ضعیف اور (۲) صحیح "(۹۲) اس کے بعد ضعیف حدیث کی دو قسمیں پھر قسم اول کی چار قسمیں اور قسم دوم کی پانچ قسمیں ذکر ہوئی ہیں۔ جب آپ خود ضعیف حدیث کی اتنی قسمیں قرار دے رہے ہیں تو کسی کو کافر قرار دینے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ حدیث کی قسمیں گنواتے گنواتے اور لکھتے آپ کے قلم کی سیاہی بھی خشک نہ ہو مگر کسی بھی قسم کا سوال یا عدم اطمینان ظاہر کرنے والے کو آپ فٹ سے کافر قرار دے دیں۔ جب سے کفر کی مشین ہم نے اپنے ہاتھ میں لی ہے تب سے اسلام کی وسعت قلب و نظر، مفاہمت، رواداری اور غور وفکر اور تخلیق علم وفن ہم سے رخصت ہو گئے اور پستی اور پسماندگی کا شکار ہو کر باہمی سر پھٹول میں غلطاں چلے آرہے ہیں۔ اہل علم کی طرف سے ایسے فتوؤں کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے ایمان کا مسئلہ اللہ کے ساتھ خاص ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور اسلام کی علمی خدمت کے کسی بھی شعبہ سے وابستہ ہے اس کی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج کر کے اسے کافر قرار دینا یہ فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ ہی کا حق ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق سلوک کرے بے اختیار اہل علم نے دوسروں کو کافر قرار دے کر اپنی شان میں خود کمی کی ہے۔

صفحہ ۹۵ پر سند الحدیث و اجازَتہٗ مولانا خیر محمد صاحب کی طرف سے ان کی مہر کے ساتھ اجازت نامے کی فوٹو کاپی پرنٹ کی گئی ہے۔ جو احادیث کے اساتذہ میں چلی آرہی ہے ورنہ کتب احادیث کے چھپ جانے کے بعد اس کی علمی حیثیت نہیں ہے بس عقیدت اور روایت ہے جو پوری کی جاتی ہے صفحہ ۹۷ سے ۱۰۱ تک سند حدیث ہی کے متعلق بیان ہے صفحہ ۱۰۲ پر دور دابراہیمی ہے اور صفحہ ۱۰۳ سے مضامین بخاری کے بارے میں مؤلف و مرتب کے خیالات کا آغاز ہوتا ہے سب سے پہلے یہی بحث ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا ہے حمد سے شروع نہیں کیا اس

کے بارے میں الحادی عشر یعنی پورے ۱۱ جوابات نقل کیے گئے ہیں پھر بھی مسئلہ حل نہیں ہوا تو ساڑھے تین صفحات مزید مختلف النوع مضامین کی تشریح میں صرف کر دیئے گئے ہیں۔

صفحہ ۱۰۹ سے پہلی حدیث کی تشریح شروع ہوتی ہے پہلے باب اس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ پھر حدیث کی عربی عبارت اور اس کے نیچے اس کا با محاورہ اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے پھر راوی حدیث حضرت عمرؓ کے مختصر حالات کا عنوان ہے ڈیش لگا کر لکھا ہے صفحہ ۱۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں کتاب زیر مطالعہ صفحہ ۱۳۰ کھول کر دیکھا تو وہاں تذکرہ موجود نہیں ہے آگے پیچھے دیکھا تو بھی حضرت عمرؓ کا تذکرہ پر نظر نہیں پڑی ممکن صفحہ صحیح نہ لکھا گیا ہے یا تذکرہ کرنا بھول گئے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث اخلاصِ نیت کے بارے میں جس کا مضمون یہ ہے انسان کے اعمال کا وزن اللہ کے ہاں اس کی نیت کے مطابق ہو گا چنانچہ ہر انسان کو اپنی نیت کو خالص رکھنا چاہیے کیونکہ اس کا معاملہ اللہ سے ہے اور اللہ دلوں کے رازوں تک سے خوب واقف ہے لہٰذہ ضروری ہے کہ انسان اپنی نیت کو خالص رکھے اور اپنے ہر کام میں رضاءِ الٰہی کو پیش نظر رکھے جتنا نیت میں خلوص ہو گا اتنا ہی اس کا عمل اللہ کے ہاں زیادہ وزن پائے گا اور اس پر اللہ کی طرف سے اسی قدر اسے انعام ملے گا۔ اس مضمون کو ضمنی بحثوں کے نیچے اس طرح دبا دیا گیا ہے کہ انسان کا دماغ گھوم کر رہ جاتا ہے ایک سیدھے سادھے مضمون کو ادق بنا کر طالب علم کو کٹھن گھیریوں میں ڈالنا علم کی خدمت ہے اور نہ حدیث کی فقہی بحثوں میں اس قدر دور نکل گئے ہیں کہ وضو میں نیت کے مسائل زیر بحث لے آئے ہیں فرماتے ہیں کہ "اگر بغیر نیت کے وضو کر لیا تو عند الاحناف وضو ہو جائے گا اور عند الجمہور وضو نہیں ہو گا"(۹۳)

بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے کہ وضو عبادت ہے یا نظافت۔۔۔۔ ایک صفحہ سے زیادہ اس مضمون پر بحث کر کے پھر فائدہ کے زیرِ عنوان لکھا ہے "یہ ساری بحث فقہاء کے طرز پر چلائی گئی ہے ورنہ حضرت العلامہ محدث وقت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ "یہ تو یہاں بیان مقصود ہی نہیں کہ لفظ ثواب محذوف ہے لفظ صحۃ بلکہ مقصود حدیث پاک سے اعمال منویّہ کا حکم بیان کرنا ہے یعنی "الاعمال بالنیات ان خیر فخیرٌ وَان شر اًفشر" جیسی نیت ہو گی ویسے ہی مراد(۹۴)

مضمون کی طوالت کی ایک اور مثال اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں سوال اٹھایا ہے کہ اس حدیث پاک کا باب کے ساتھ کیا ربط ہے اس سوال کے محدثین سے چھ جوابات نقل کیے ہیں اتنے جوابات علم اطمینان بخش دینے کی بجائے الجھنیں پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

اس تشریح سے مؤلف اور مرتب کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے ان کی محنت شاقہ بھی سامنے آتی ہے اور حدیث کی تشریح میں جس طرز کو اختیار کیا ہے وہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ بے جا طوالت کی صرف ایک مثال دے کر ہم آگے بڑھتے ہیں یہ حدیث نمبر ۱۴۴ ہے باب نمبر ۱۰۳ ہے باب کا عنوان ہے التمیه علیٰ کل حال وعندالوقاع۔۔اس ضمن میں جو حدیث لائے ہیں اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے "ابن عباس روایت کرتے ہیں وہ اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ تک پہنچاتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو کہے بسم اللہ الّٰھمَ جنس الشیطنٰ وَ جنب الشیطنٰ ماَرزقتنا۔۔(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز سے دور رکھ جو تو (اس جماع کے نتیجے میں) عطا فرمائے (یہ دعا پڑھنے کے بعد جماع کرنے سے) میاں بیوی کو جو اولاد ملے گی اسے شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا" (۹۵)

یہ حدیث کتاب الوضو میں اس غرض سے بیان ہوئی ہے کہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یہ بات اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی دوسری بات ہر حال میں بسم اللہ پڑھنا یہ بھی اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا ہر حال میں بسم اللہ پڑھنے سے وضو میں بسم اللہ پڑھنے کو ثابت کیا۔ جب ہر حال میں کا ثبوت نہیں ہے تو وضو سے پہلے پڑھنے کا ثبوت کہاں سے آئے گا۔ کتاب الوضو میں وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کو ضروری قرار دینے کیلئے ایک بالکل غیر متعلق حدیث درج کی ہے جس سے وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ثبوت مہیّا نہیں ہوتا۔ یہ اس حدیث پر بحث ہے ابتدائی شارحین نے بھی اس باب سے غیر متعلق قرار دے کر امام بخاری کے کتاب الوضو کے ابواب کی ترتیب کو تسلیم نہیں کیا جیسا کہ آگے کی بحث سے معلوم ہو گا اور اس بے ترتیبی پر اعتراض اس لیے جائز نہیں کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مجموعے مرتب کرنے کا آغاز کرنے والوں میں شامل ہیں۔ لہٰذہ آغاز میں کچھ کمیاں رہ جانا قدرتی امر ہے اور ہر چیز بتدریج ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنی انتہائی شکل کو پہنچتی ہے۔ ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد حدیث جس مقام پر آج ہے دورِ اول میں اس کی توقع رکھنا بجائے خود غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے حدیث کی خدمت انجام دی ہے ان کا نام اس کی وجہ سے زندہ

ہے وہ اللہ کے ہاں بھی انعام کے مستحق ہیں اس دور کی جمع کی گئی حدیث کی کتاب کو ارتقائی مراحل سے گزر کر ترقی یافتہ درجے کی کتاب کے برابر قرار دینے سے امام بخاریؒ کو تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ البتہ ہم طول طویل بحثوں کے ذریعے اپنے عقیدت مند شاگردوں کے ذہن میں الجھنیں ضرور بھر دیں گے ہماری تشریحات ایک معمہ بن جائیں گی سمجھنے نہ سمجھانے کا بس پڑھیں سنیں اور سنائیں اور ثواب پائیں اب حدیث مندرجہ بالا پر کی گئی بحث ملاحظہ فرمائیں:

تحقیق و تشریح

"**اشکال:** پھر وہی بات کہ امام بخاریؒ نے ترتیب کا لحاظ نہیں کیا۔ کہاں وضو اور کہاں جماع۔ اس میں کیا مناسبت ہے؟ **جواب اول: قال الکرمانی** علیہ الرحمۃ **من ان البخاری لایراعی حسن الترتیب جواب ثانی:** امام بخاریؒ اس باب میں وضو سے پہلے تسمیہ کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کو اپنی شرائط کے مطابق کوئی ایسی روایت نہیں ملی جو **تسمیہ عندا الوضو** کو ثابت کرے اس لئے **تسمیہ عند کل حال و عندالوقاع** کو ذکر کر دیا کیونکہ ان کے لئے دلائل تھے۔ تو جب یہ ثابت ہوا تو قیاساً تسمیہ عند الوضو بھی ثابت ہو گیا کیونکہ وقاع کا موقع تو ایک مستھجن موقع ہے۔ **سوال:** تسمیہ عند الوضو پر استدلال کے لئے تحت الباب میں کوئی حدیث کیوں ذکر نہیں فرمائی؟ (حدیث **لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ ترمذی ص ۱۳ مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی**) ہی ذکر دیتے۔ **جواب:** تسمیہ عند الوضو پر استدلال کے لئے تحت الباب حدیث تو کیا ذکر کرتے امام بخاریؒ کو تو اس قابل بھی کوئی حدیث نہیں ملی جس کو ترجمۃ الباب میں لاتے اور ذکر کرتے۔ اس لئے تحت الباب میں حدیث نہیں لائے اور لا وضوء والی حدیث اس لئے نہ لائے کہ وہ امام بخاریؒ کی شرائط کے مطابق نہیں تھی۔ **سوال:** ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں (۱) **التسمیہ علی کل حال** (۲) **و عندالوقاع** ترجمہ الباب کے دو جزوں میں صرف دوسرا جز ثابت ہے۔ پہلے جز کا ثبوت کیسے ہو گا؟ **جواب اول:** جب **تسمیۃ عندالوقاع** ثابت ہو گیا تو **علی کل حال** بھی ثابت ہو گیا۔ **عندالوقاع** صراحۃً اور **علی کل حال** استدلالاً ثابت ہوا۔ **جواب ثانی:** پہلا جز بعینہ ایک حدیث کا خلاصہ اور وہ حدیث مشہور یہ ہے **کان رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **یذکر اللہ علی کل احیانہ**۔ اس لئے اس جز کو ثابت کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ **یبلغ بہ النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس سے مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف علی ابن عباسؓ نہیں بلکہ مسند الی رسول اللہ ﷺ ہے۔ **سوال:** اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یوں کہہ دیتے **عن النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **جواب:** چونکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں احتمال تھا کہ ابن عباسؓ نے اس کو آپ ﷺ سے بلاواسطہ سنا ہے یا بالواسطہ۔ یہ

الفاظ بول کر اس وہم کو منقطع کر دیا۔ اس لئے یہ سارا تکلف کیا۔ **الی اھلہ:** یہ تسمیہ کس وقت پڑھنی چاہیے بعض روایتوں میں اذا نزل کے الفاظ ہیں، تو اس روایت اور روایت الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیہ عند الجماع ہو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ امام غزالیؒ عند الجماع کے قائل ہیں (عینی ص۲۶۹ ج ۲)۔ جمہور ائمہ چونکہ ننگے ہونے کی حالت میں مکروہ کہتے ہیں اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ ارادہ جماع کے وقت پڑھ لے۔ اگر ان دونوں روایتوں میں لفظ اراد کو محذوف مان لیا جائے تو الی اہلہ وغیرہ کے مجازی معنٰی مراد ہونگے اور اگر اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو تسمیہ قلبی مراد ہو گا کہ لسانی۔ **لم یضرہ: یجوز بضم الراء وفتحھا ویقال الضم افصح** گر جماع سے پہلے دعا پڑھ لی جائے تو اللہ پاک کے نام کی برکت سے شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ سوال: ضرر سے کیا مراد ہے؟ **جواب اول:** قال البعض ضرر جسمانی مراد ہے جسم پر یا عقل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ **جواب دوئم:** یا ضرر دینی مراد ہے کہ اس کو گمراہ نہیں کر سکے گا عاق نہیں بنائے گا **ویقال یحتمل ان یوخذ قولہ لم یضرہ عاما فیدخل تحتہ الضرر الدینی ویحتمل ان یوخذ خاصا بالنسبۃ الی الضرر البدنی الخ سوال:** بڑے بڑے صلحاء کی اولاد گمراہ ہو جاتی ہے ہم تو یہ گمان کریں گے کہ علماء وصلحاء نے وقاع کے وقت دعا پڑھی تو پھر لم یضرہ کا کیسے صدق ہوا کیونکہ ہم حسن ظن رکھتے ہیں۔ **جواب اول:** بیان تاثیر ہے لیکن مانع کی وجہ سے زائل ہو سکتی ہے، اس کی ضمانت نہیں ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے **ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر** جبکہ آپ اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو جواب یہی ہے کہ آیت میں بیان تاثیر ہے کہ نماز میں تاثیر یہ ہے کہ وہ فحشاء ومنکر سے روکتی ہے کبھی مانع کی وجہ سے تاثیر نہیں ہوتی۔ **جواب دوئم:** مولانا عبید اللہ انورؒ سے سنا کہ علماء وصلحا سے اللہ تعالیٰ ہدایت کا کام لیتا ہے ان پر تو شیاطین کا بس نہیں چلتا ان کی اولادوں کا شیطان بہت پیچھا کرتا ہے شیاطین کی جماعتوں کی جماعتیں لگا دیتا ہے تاکہ وہ آگے ہدایت نہ پھیلا سکیں بلکہ خود گمراہ ہو جائیں۔ **جواب سوئم:** علماء صلحاء کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ کسی غلطی فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ ہم ہدایت پھیلا رہے ہیں اگر وہ خود ہدایت پر قادر ہوتے تو اپنی اولاد کو پہلے ہدایت دے دیتے۔ **جواب چہارم:** کہ ہدایت حاصل ہونے کے لئے جتنے ادب کی ضرورت ہے علماء صلحاء کی اولاد اپنے آپ کو علماء صلحاء کی اولاد سمجھتی ہے اس لئے اتنا ادب نہیں کرتی جتنا عام لوگوں کی اولاد کرتی ہے۔ **سوال:** وہ موانع کیا ہیں؟ **جواب:** خویش واقارب ہیں اور مسموم ماحول ہے۔ **لفظی بحث:** حضرت شاہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ لم یضر ایسا کلمہ ہے جس کے آخر میں تینوں اعراب جائز ہوتے ہیں لیکن جب یہ ضمیر منصوب کے ساتھ مل جائے تو ضمہ متعین ہو جاتا ہے۔ **مسئلہ تسمیہ عند الوضوء:** تسمیہ عند الوضوء میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے۔ امام احمدؒ واسحاقؒ فرض مانتے ہیں۔ **الثانی انھا واجبۃ وھی روایۃ عن احمد و**

قول اهل الظاهر۔ امام اسحاق پھر نرمی کر جاتے ہیں کہ اگر بھول جائے یا تاویل سے چھوڑ دی تو اعادہ وضوء ضروری نہیں(**وان ترکها سهوا او معتقدا انها غیر واجبة لم تبطل طهارته وهو قول اسحاق بن راهویه کما حکاه الترمذی عنه**)**جمهور**: فرماتے ہیں کہ تسمیہ عند الوضو سنت ہے۔ امام بخاریؒ جمہور کی موافقت کرتے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ تسمیہ عدن کل حال اور عند الوقاع جیسے واجب نہیں ایسے ہی یہ بھی واجب نہیں ہے۔**دلیل امام احمد**علیہ الرحمہ**و اسحاق**علیہ الرحمہ**:** ترمذی شریف میں ایک روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا(**لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله**)

دلائل جمہورؒ: دلیل(۱): قرآن پاک میں وضو کا طریقہ بیان ہوا اس میں تسمیہ کا کہیں ذکر نہیں کیونکہ قرآن پاک سے وضو کے چار فرض ثابت ہیں اگر اس روایت سے یعنی روایت الباب سے وضو کے وقت تسمیہ کی فرضیت ثابت کریں تو خبر واحد کے ذریعہ قرآن پاک پر زیادتی لازم آئے گی جو جائز نہیں۔ **دلیل(۲)**:اگر تسمیہ عند الوضو فرض ہوتی تو آنحضرت ﷺ مسی صلوٰۃ کو فرماتے کہ دیکھ بسم اللہ کے بغیر تیرا وضو نہیں ہو گا چار چیزوں کے ساتھ بسم اللہ بھی پڑھنا۔
دلیل(۳):مہاجرین قنفذ کی روایت ہے کہ بغیر تسمیہ وضو ناپسند کیا تو اس روایت سے وضو بلا تسمیہ مکروہ ثابت ہوتا ہے تم اس کو فرض قرار دے رہے ہو یہ ساری باتیں **لا وضو لمن لم یذکر اسم الله** کی کمزوری سے قطع نظر کرتے ہوئے ہیں ورنہ امام ترمذی نے تو اس حدیث کا ضعف ثابت کیا ہے۔(حوالہ) **قال ابو عیسی قال احمد لا اعلم فی هذا الباب حدیثا لا اسناد جید**۔**امام احمد**علیہ الرحمہ**اور اسحاق**علیہ الرحمہ**کی دلیل کا جواب**: ترمذی والی روایت نفی کمال پر محمول کی جائے قرآن پاک کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے حدیث سے سنت مان لی جائے چنانچہ دار قطنی کی ایک روایت ہے جس سے جمہور کے دعوے کی تائید ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا **من توضأ و ذکر اسم الله فانه یطهر جسده کله و من توضأ و لم یذکر اسم الله لم یطهر الا موضع الوضوء**۔ **بیان استنباط الاحکام**: (۱) جماع کے آغاز یعنی جماع سے پہلے تسمیہ اور دعاء مذکورہ پڑھنا مستحب ہے۔ (۲) مطابقت حدیث ترجمہ سے ظاہر ہے۔"(۹۶)

الخیر السّاری کی دوسری جلد کتاب الوضو، کتاب الغسل، کتاب الحیض اور کتاب التیمم پر مشتمل ہے یہ حدیث نمبر ۱۳۴ سے شروع ہو کر حدیث نمبر ۳۳۹ پر اختتام پذیر ہوتی ہے اور اسی طرح باب نمبر ۹۶ سے شروع ہو کر باب نمبر ۲۴۱ پر ختم ہوتی ہے ہم آخر میں ایک حدیث کتاب الغسل سے لے کر اس کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔ باب نمبر ۱۹۷ جس کا عنوان **باب من بدأ بالحلاب او الطیب عند الغسل** (جس نے حلاب یا خوشبو لگا کر غسل کیا) کے تحت حدیث

نمبر ۲۵۴ درج ہے جس کا شمار کاتب کی غلطی سے ۱۵۴ لکھا گیا ہے ترجمہ حدیث درج کیا جاتا ہے "حضرت عائشہؓ سے آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب غسل جنابت کرنا چاہتے تو حلاب کی طرح ایک چیز منگواتے تھے (بہت سی دوسری روایات میں بعینہٖ حلاب منگانے کا ذکر ہے) پھر (پانی) اپنے ہاتھ میں لیتے تھے اور سر کے داہنے حصے سے غسل کی ابتداء فرماتے تھے پھر بائیں حصہ کا غسل فرماتے تھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے بیچ میں لگاتے تھے" (۹۷)

تحقیق و تشریح

یہ بات امام بخاری کے ان ابواب میں سے ہے جن کی غرض شراح کے ہاں متعین نہیں ہو سکی اس میں بہت اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس جگہ کو سمجھنے کیلئے تین سوال قائم کر لیں تو آسانی سے بات سمجھ آ جائیگی سوال (۱): غرضِ باب کیا ہے؟ سوال نمبر ۲: حلاب اور طیب میں کیا ربط ہے؟ سوال نمبر ۳: روایت الباب سے ترجمۃ الباب کی کیا مطابقت ہے؟ جواب اوّل۔۔ امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ غسل سے پہلے اگر خوشبو لگی ہوئی ہو تو غسل سے مانع نہیں ہے۔ یعنی غسل سے پہلے خوشبو کا استعمال جائز ہے جواب سوال ثانی: حلاب و طیب کے ربط میں شراح کے تین اقوال ہیں (۱) ذامین (۲) مادحین (۳) محققین۔

(۱) ذامین وہ لوگ جو امام بخاری کے خلاف تھے اس کو لے اڑے کہ حلاب تو اس برتن کو کہتے ہیں جس میں دودھ نکالا جائے لیکن امام بخاری کو اس کا معنی نہیں آیا وہ اس کا معنی خوشبو سمجھ بیٹھے۔

(۲) مادحین نے کہا کہ آپ نے خوامخواہ اعتراض کر دیا یہ اصل میں حلاب تھا اور یہ گلاب کا معرب ہے اور گلاب اور طیب میں مناسبت واضح ہے اور در حقیقت یہ ناسخین کی غلطی ہے۔

(۳) محققین نے کہا ہے کہ حلاب سے مراد دودھ دوہنے کا برتن ہی ہے۔ پہلی دونوں باتیں افراط و تفریط پر مبنی ہیں دودھ والے برتن میں دودھ کی خوشبوں باقی ہوتی ہے تو استعمال طیب عند الغسل کے استدلال کے لیے جو روایات لائے ہیں اس میں حلاب کا ذکر تھا۔ اسی لیے اس کو بھی ترجمۃ الباب میں ذکر کر دیا تو بقاء اثر لازم کے لحاظ سے حلاب اور طیب میں مناسبت ہے تو لہٰذہ غرضیں دو ہو گئیں۔

(۱) غسل سے پہلے طیب استعمال کر سکتا ہے (۲) اور اس پانی سے غسل کر سکتا ہے جس میں خوشبو کا اثر ہو حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے (۹۸)

القول الرابع: **قال الخطابی علیہ الرحمۃ الحلاب اناء یسع قدر حلیۃ ناقۃ و الدلیل علیٰ ان الحلاب ظرف قول الشاعر صَاحَ ھَل رایت وَ سمعت براع ردفی الزرع مابقی فی الحلاب**

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ غرض صرف حلاب کا ذکر کرنا ہے جس میں خوشبو کا اثر ہو اس سے غسل جائز ہے البتہ طیب لگا کر جائز نہیں۔ ایسے نہ ہو کہ کوئی حلاب کے استعمال پر طیب کو قیاس کر کے جائز نہ سمجھ لے تو غرض طیب کے جواز کی نفی کرنا ہے۔

سوال ثالث: روایت الباب میں طیب کا ذکر نہیں ہے تو ترجمۃ الباب سے مطابقت کیسے ہو گئی؟

جواب اول: علامہ قسطلانی والا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اس کے عدم جواز کو بیان کرنا مقصود ہے۔

جواب ثانی: امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ ترحمۃ الباب میں کوئی مسئلہ ذکر کر کے اس کی روایت نہ لائیں تو مقصد تعلیم حکم ہوتا ہے [جواب ثالث] یا شرائط کے مطابق روایت نہ ملی تو ذکر نہ کی اور عطف کر کے حکم ثابت کر دیا۔

جواب رابع: یا اشارہ ہوتا ہے کہ دلیل دوسری جگہ موجود ہے چنانچہ ج ا ص ۴۰ پر ہے باب من تطیب ثمَّ اغتسل و بقی اثر الطیب وہاں یہ بات صراحۃ مذکور ہے" (۹۹)

باب نمبر ۱۷۹ کی حدیث نمبر ۱۵۴ کا ترجمہ اور تشریح درج کی گئی اس تشریح سے مؤلف اور مرتب کے وسعت علم حدیث کے مفہوم کو سمجھنے اور سمجھانے کی لگن اور اظہارِ بیان پر قدرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے سب سے پہلے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ باب بخاری کے مشکل مقامات میں سے ہے پھر فرمایا اس میں بہت اختلاف واقع ہوے ہیں سمجھانے کیلئے پہلے تین سوال قائم کیے ہیں پہلے سوال کا صرف ایک ہی جواب دیا ہے البتہ دوسرے سوال کے جواب میں لکھا کہ شراح کے تین قول ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اس سوال کا جواب تین قسم کے لوگوں نے دیا ہے کیونکہ آگے محققین کے جواب میں دو غرضیں لکھ کر القول الرابع کے عنوان سے علامہ الخطابیؒ کی وضاحت درج کی ہے۔ پھر علامہ

قسطلانی کا قول بھی نقل کر دیا ہے اس کو کوئی نمبر نہیں دیا اس طرح جتنے اقوال بڑھتے جاتے ہیں اسی قدر بات الجھتی جاتی ہے کوئی ایک نتیجہ سامنے نہیں آتا اس سے مؤلف و مرتب کی معلومات کثرت تو سامنے آتی ہے اور وسعتِ مطالعہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے البتہ اتنے متعدد اور مختلف قول نقل کرنے کے بعد دونوں حضرات کسی نتیجے پر نہیں پہنچاتے طالب علم یا قاری کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود ہی کوئی نتیجہ اخذ کرلے۔ اسی طرح تیسرے سوال کے بھی چار جواب لکھے ہیں اور کتابت کی غلطی سے جواب ثالث کی سرخی نہیں دی بلکہ ایک جملہ باہر نکال کر لکھ دیا ہے جس سے فہم میں نقص واقع ہوتا ہے پھر جواب رابع درج کیا ہے۔ مگر نتیجہ قاری پر چھوڑ دیا ہے یہ ایسا اسلوب ہے جس سے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ شارح طالب علم یا قاری کی رہنمائی اس طرح کرے کہ جو جواب اس کے نزدیک قابل ترجیح ہے اس کو بیان کرکے ترجیح کے اسباب بھی بیان کر دے ورنہ طالب علم کیلئے کافی دقت پیدا ہوتی ہے۔ آج کا دور اختصار کا طالب ہے لہٰذہ ایسی بحثوں سے اگر صرفِ نظر بھی کر لیا جائے جن میں پڑنے سے قاری وہیں ہوتا ہے جہاں سے وہ مطلب علم کا سفر شروع کرتا ہے۔ یا اس کا دماغ مزید الجھ جاتا ہے تو مناسب ہے ایسی بحثوں کو چھیڑا ہی نہ جائے صرف ان امور کی وضاحت کر دی جائے جو عملی زندگی کیلئے راہنمائی فراہم کرتے ہوں۔ اگر اس کتاب میں بعض جگہ مسائل کو آخر میں بیان کر دیا ہے جو ایک قابل قدر بات ہے اس سے قاری کے سامنے ایک متعین نقطہ نظر آجاتا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنے لیے کوئی راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ جلد دوم میں بیان ہونے والے مضامین ومباحث کے بعد اب ہم "الخیر السّاری فی تشریحات البخاری" کی تیسری جلد کے بارے میں تنقیدی جائزہ اور تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔

۵۴۴ صفحات پر مشتمل تیسری جلد کتاب الصلوٰۃ اور کتاب مواقیت الصلوٰۃ کی احادیث نمبر ۳۳۹ سے حدیث نمبر ۵۷۳ اور باب نمبر ۲۴۲ سے باب نمبر ۳۹۱ تک کی احادیث کے ترجمہ اور تشریح پر مشتمل ہے احادیث کی تشریح کا اسلوب پہلی دو جلدوں ہی کی طرح ہے یعنی تحقیق و تشریح کے عنوان سے باب یا حدیث کے بارے میں پہلے سوال پیدا کرتے ہیں پھر اس سوال کا جواب دیتے ہیں جواب گذشتہ محدثین کے اقوال پر مبنی ہوتے ہیں اکثر جگہ ایک سے زائد جواب ہوتے ہیں ان کو بیان کرنے کے بعد فیصلہ قاری یا طالب علم پر چھوڑ دیتے ہیں۔

کتاب کے صفحہ نمبر ۳ سے فہرست ابواب شروع ہوتی ہے جس میں ایک طرف مضامین (عنوانات) دوسری طرف صفحات درج ہیں یہ فہرست صفحہ ۲۱ تک چلی گئی ہے صفحہ نمبر ۲۲ پر دورِ ابراہیمی لکھا ہوا ہے صفحہ نمبر ۲۳ پر پیش لفظ

وہی ہیں جو مولانا محمد صدیق صاحب نے پہلی جلد میں لکھے تھے دوسری اور تیسری جلد میں کسی مصلحت سے انہیں پھر لکھا گیاہے۔ اظہارِ تشکر کی بھی تکرار ہے جو صفحہ ۲۴ پر ہے صفحہ ۲۵ پر تقریظ جناب مولانا قاری حنیف جالندھری صاحب کی ہے افادے کیلئے حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کی تقریظ سے اس کتاب کے بارے میں تعارفی پیراگراف پیشِ خدمت ہے:

"تیسری جلد کتاب الصلوٰۃ سے باب موقیت الصلوٰۃ ختم تک ہے احادیث شریفہ کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ مکمل متن حدیث بھی درج کیا گیاہے تاکہ قارئین کو مراجعت میں سہولت ہو۔ اس کے علاوہ حل لغات، مطالب و مقاصد حدیث مذاہب فقہیہ کی تحقیق تنقیح اور تفصیل، ترجمہ الباب پر خصوصی کلام، امام بخاری کے استنبطات اور عصر حاضر کے متنازع مسائل (بین اہل السنہ والبدعہ) میں علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کی کافی ووافی وضاحت کی گئی ہے" (۱۰۰)

صفحہ ۲۸/۲۷ پر عرض مرتب کے عنوان سے مولانا خورشید احمد صاحب تونسوی کا ۱۵ رمضان المبارک بروز جمعرات ۱۴۲۶ھ لکھاہوا مضمون شائع کیا گیاہے۔ جس میں علامہ صاحب نے تیسری جلد کے چھپ کر بازار میں آنے تک کے حالات پر روشنی ڈالی ہے جلد ثالث کے بارے میں اقمطراز ہیں "تیسری جلد میں تقریباً ان تمام باتوں کو اوراق پر لانے کی کوشش کی گئی ہے جن کا پہلی دو جلدوں میں اہتمام کیا گیا تھا۔۔۔ جلد ثالث کی ترتیب و تخریج کے ساتھ ساتھ تصحیح پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ (۱۰۱)

صفحہ ۲۹ سے کتاب الصلوٰۃ کا آغاز ہوتا ہے صفحہ نمبر ۲۹ سے صفحہ نمبر ۳۲ تک کتاب الصلوٰۃ کا عنوان زیرِ بحث ہے حسبِ معمول سوال پیدا کر کے ان کے جوابات دیے گئے ہیں پہلے کتاب الصلوٰۃ کی تقدیری عبارت **ھذا کتابٌ فی بیان احکام الصلوٰۃ** درج کی ہے پھر دیگر تراکیب بیان کی ہیں جن کی چنداں ضرورت نہ ہے۔ ماقبل سے ربط کے بعد کتاب کا لغوی کے عنوان سے لکھا کہ کتاب کا لغوی واصلاحی معنٰی "الخیر السّاری فی تشریحات البخاری" ج ۱ صفحہ ۱۷۷ پر گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں حالانکہ اسے لکھنے کی بھی ضرورت نہ تھی اب صلوٰۃ کے چھ لغوی معنی درج کیے ہیں پھر سابع کے تحت ساتواں معنی بھی درج کیا ہے۔

ایک بحث کے عنوان سے شریعت کی اصلاحات کے بارے میں علماء معانی وبلاغت کا کیا فیصلہ ہے؟ حقیقت ہیں یا مجاز یا منقول اس میں اختلاف ہوا ہے اور تین مذہب ہیں تینوں مذاھب بیان کرنے کے بعد تعریف منقول پھر اقسام منقول پھر نقل کرنے والوں کی دو قسمیں (۱) اہل شریعت (۲) غیر اہل شریعت۔ آخر میں فائدہ اور فائدہ ۲ کے تحت اس بحث کو سمیٹا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

"فائدہ نمبر ا- منقول شرعی اور منقول اصلاحی ایک ہیں کوئی فرق نہیں لیکن شریعت کی اہمیت کی وجہ سے اس کا علیحدہ نام رکھا گیا ہے۔ فائدہ نمبر ۲- اب اگر شرعی معنی چھوڑ کر لغوی معنی مراد لیے جائیں گے تو شریعت کی توہین ہو گی"(۱۰۲)

اسی کتاب الصلوٰۃ کی تشریح کرتے روء سخن اس طرف پھر گیا ہے کہ "ہر ایک کی اپنے فن میں اجارہ داری ہوتی ہے اسی طرح دین میں علماء کرام کی اجارہ داری ہونی چاہیے ہر فن میں صاحب فن کی رائے ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ تو شریعت میں علماء کرام کی رائے کا اعتبار کیوں نہیں؟"

مولانا کی اس رائے سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہر فن میں صاحبِ فن کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے تو شریعت میں علماء کرام کی رائے کا اعتبار کیوں نہیں؟ البتہ علماء کرام اور صاحبِ فن کی تعین میں اختلاف ممکن ہے کیونکہ ہمارے درس نظامی کرنے والے حضرات اپنے علاوہ کسی کو علماء اور صاحب فن میں شمار کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ پھر اگر درس نظامی کے فارغ التحصیل سب ایک دوسرے کو صاحب علم مان لیں تو یہ بھی بڑی بات ہو گی اگرچہ مطلوب کی حد تک پہنچی ہوئی نہیں ہو گی۔ پھر شریعت پر اجارہ داری کے دعویدار علماء کرام یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے متعلق اساتذہ کرام کی رائے کو بھی کوئی وزن دینے کو تیار نہیں ہیں یا جن حضرات نے دین کے تقاضوں سے متاثر ہو کر خود امہات الکتب سے استفادہ کر کے دین کا علم پھیلانے کی جدوجہد کی اور ان کی دینی خدمات کو اہل فکر و دانش قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن شریعت کے یہ اجارہ دار ان کے علم کے بھی قدر دان نہیں ہیں بلکہ اس کی ناقدری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسا کہ حوالہ آگے آرہا ہے بلکہ بعض شدّت پسند تو علماء حق کا اطلاق صرف اپنے فرقے کے علماء پر کرتے ہیں۔ ان کے لیے ان کے ہاں لمبے لمبے القابات ہیں مگر دوسرے فرقے کے امام کا ذکر بھی کریں گے تو زیادہ سے اس کے نام کے ساتھ مولوی لکھ دیں گے اسی طرح جدید و قدیم کے ماہرین کے بارے میں مؤلف یا مرتب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے "حالانکہ شریعت میں علماء کرام کی رائے کا ہی اعتبار ہونا چاہیے کسی اور کی رائے معتبر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہی حضرات شریعت سے زیادہ آگاہ

وآشناہیں۔ آج یہ حال ہے کہ ہر شخص شریعت میں دخل دے رہاہے ڈاکٹر اسرار احمد مجتہدین گیا طاہر القادری وکالت کرتے کرتے مجتہدین بن گیاہے ایک بھنگ پینے والا آتا ہے اور کہتاہے کہ خدانے کہاہے نماز قائم کرو ہم نے نماز دل میں قائم کرلی دکھلاو اٹھیک بتایئے آپ کیاجواب دیں گے۔"(۱۰۳)

کتاب الصلوٰۃ کی تشریح میں شریعت پر اجارہ داری کی بحث ظاہر ہے استاد صاحب کے دوران تدریس خیالات پر مبنی ہو گی جسے سریع الاقلام طلبہ میں سے کسی نے نوٹ کرلیاہو گا۔ اب افادات کے تحت مرتب کی گئی کتاب کا جز بن گئی ہے۔ جب تک اس کتاب سے استفادہ کر کے پڑھانے والے اساتذہ موجود رہیں گے یہ بحث بھی اسی طرح نسل در نسل منتقل ہوتی رہے گی حالانکہ آج بھی کتاب الصلوٰۃ کی تشریح میں یہ بحث بے محل ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ بے محل ہوتی چلی جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر اسرار احمد اور ڈاکٹر طاہر القادری میں سے کسی نے بھی مجتہد ہونے کا دعوٰی نہیں کیا۔ ان دونوں حضرات نے لوگوں کو قرآن اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دی ہے اور قرآن اور اسلام کی جو تشریح انہوں علماء کرام کی لکھی ہوئی کتب سے سمجھی ہے اسی کو بیان کرتے کرتے ایک اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور دوسرے کی طول عمر کیلئے ہم دعا گو ہیں۔ پہلے کے پیروکاروں نے بھی ان کے مجتہد ہونے کا دعوٰی نہیں کیا البتہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب باقاعدہ درس نظامی کے فارغ التحصیل ہیں پنجاب یونیورسٹی سے انہوں نے ایل۔ ایل۔ بی بھی کیاہے اور ایم اے اسلامیات بھی اور پی ایچ ڈی بھی جو اسلام کے تصور سزا پر مقالہ لکھ کر حاصل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ترجمہ قرآن اور مختلف عنوانات پر کتب اور تقاریر کی کیسٹ وغیرہ گویا وہ تمام لوازمات ان کے اندر پائے جاتے ہیں جو شریعت کے اجارہ دار ہونے کا دعوٰی کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ ان تمام خدمات کے باوجود انہوں بھی مجتہد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا البتہ سواد اعظم میں سے ہونے اور ان کی ذاتی محنت اور ان کی بنائی ہوئی تنظیم منہاج القرآن کے ساری دنیا میں مراکز ہونے کی وجہ سے شاید ان کے پیروکار انہیں شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اتنے منکسر المزاج ہیں اور مٹے ہوئے ہیں کہ اپنے نام کے ساتھ مولانا لکھنے سے بھی اس بنا پر منع کرتے ہیں کہ میں کہاں اور مولانا ہونا کہاں۔ یہ ان کی عاجزی کا حال ہے۔ ایسے حضرات کے بارے میں غیر متعلق جگہ پر ایسا جملہ تاریخی لحاظ سے غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

تیسری بات یہ کی ایک بھنگ پی کر دل کی نماز پڑھنے والے کا ان دو حضرات کے ساتھ ذکر کرنے پر جب حضرت مولانا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو یقیناً خود بھی پریشان ہونگے کہ یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ دوران تدریس ایک ہی فعل کے ضمن میں متعدد اور مختلف درجے کے لوگوں کا ذکر آ سکتا ہے کیونکہ وہ زبانی بات ہوتی ہے آئی اور گئی کسی کو یاد رہی کسی کو نہ رہی گویا ریکارڈ پر نہ آئی۔ خاص پس منظر میں خاص مفہوم کے ساتھ ذکر ہو گئی۔ لیکن جب کوئی بات ریکارڈ کا حصہ بن جائے تو وہ مؤلف اور مرتب کی ذمہ داری میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے شاگرد اور متعلقین وضاحتیں دیتے رہتے ہیں لیکن بات بن نہیں پاتی۔ بد قسمتی سے اگر متذکرہ شخصیت غیر فرقے سے تعلق رکھتی ہے تو پھر وضاحت دینے کی بھی ضرورت نہیں رہتی بلکہ بعد والے پہلے والوں سے بڑھ کر اپنا حصہ ڈالنے کیلئے آزاد ہوتے ہیں۔ اور دوسرے فرقے سے تعلق رکھنے والے علماء کرام جو بالکل ایسے ہی شریعت کے اجارہ دار ہونے کے اہل ہوتے ہیں جس طرح پہلے فرقے کے علماء کرام معتب قرار پاتے ہیں۔ ان پر حرف گیری نیکی کا کام سمجھا کر کی جاتی ہے۔ جب عام پڑھے لکھے لوگ اس درجے کی بحثیں حاملین دین متین اور فاضلین شرع مبین کے ہاں دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں انکی قدر و منزلت بڑھنے کی بجائے گھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ خود درس نظامی کے فاضل نہ ہونے کے باوجود دین کے بارے میں اعلیٰ درجے کی تحقیق کے حامل بلند مرتبہ بحثوں کے عادی ہوتے ہیں۔ جبکہ علماء کرام ایک دوسرے کو مطعون کر کے اپنے طبقے ہی کو عوام کی نظروں سے گراتے رہے ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ کی اس غیر متعلق بحث پر ہر گفتگو کے بعد اب ہم تیسری جلد کے دیگر مقامات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ تیسری جلد میں بھی پہلی دو جلدوں کے اسلوب ہی کی پیروی کی گئی ہے۔ پہلے حدیث عربی زبان میں درج کی گئی ہے۔ عربی عبارت پر اعراب نہیں لگائے گئے۔ گویا اس مرحلے پر مؤلف و مرتب کے پیش نظر یہ ہے کہ یہ کتاب منتہی طلباء اور اساتذہ کیلئے ہے۔ ان میں اتنی استعداد ہوتی ہے کہ وہ درس میں شامل عربی کتب کے بغیر اعراب کے پڑھ لیتے ہیں۔

ملتان ہی میں شائع ہونے والی شرح تشریحات بخاری جس پر تنقید گزر چکی ہے اس میں حدیث کی سند مذکور نہیں تھی۔ وہاں روایت صحابی سے شروع ہوتی تھی۔ جبکہ اس کتاب میں پوری روایت درج کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ کتاب پڑھتے ہوئے سند دیکھنے کیلئے بخاری شریف کے اصل نسخے کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ سند بھی اس میں موجود ہوتی ہے۔ عربی کتاب کے نیچے چوکھٹے میں اردو ترجمہ بامحاورہ ہے جس سے خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی استفادہ کرنے

میں کوئی مشکل محسوس نہیں کرتے۔ قوسین میں الفاظ کو بڑھا کر وقفے کے خلا کو پر کر دیا گیا ہے جس سے فہم آسان تر ہو گیا ہے۔

حدیث کے ترجمے کے بعد تحقیق و تشریح کے زیر عنوان پہلے ترجمۃ الباب کی غرض اور باب سے تعلق کی وضاحت کی گئی ہے اس کے بارے میں پیدا ہونے والے سوالات نقل کر کے ان کے جوابات دیئے گئے۔ ایسے ایسے سوالات بھی نقل کئے گئے ہیں جو پیدا ہی نہیں ہوتے ابتدائی دور میں پیدا ہوتے ہونگے اور ان کا محدثین وشارحین نے جواب دے دیا۔ اب یہ حل ہو چکے مگر ہمارے شارح نے ان کو بھی درج کر دیا اور اس کو باقاعدہ موضوع بحث بنایا اور اس کے دلائل وغیرہ دیئے۔

ترجمۃ الباب کے بعد متن حدیث میں جملوں کی نحو اور الفاظ کی صرف حسب ضرورت بیان ہوئی ہے اور اس کے بعد حدیث میں بیان ہونے والے مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ بعض اوقات محض ایک لفظ آجانے سے اس کے بارے میں تفصیلی بحث نقل کر دی گئی ہے جیسے مثلاً باب نمبر ۲۴۲ کا عنوان ہے۔ باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء میں بات تو فرضیت صلوٰۃ پر ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ کتاب الصلوٰۃ کا باب ہے لیکن تشریح میں بحث اسراء اور معراج کی ہے پھر ان کا فرق، الفاظ کے معنی، معراج جسمانی یا روحانی یا نومی پر اس کے بارے میں دیگر مسائل پھر ماننے اور نہ ماننے والے کی حیثیت پھر جو ان کے نزدیک درست ہے اس کو نہ ماننے والے کو فوری طور پر کافر، فاسق قرار دینا۔ اس پر قدیم شارحین کے حوالے سے ان شروح کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وطن عزیز میں کافر بنانے کی جو فضاء قائم ہے اور ایک عرصے سے اس میں تشدد بھی شامل ہو گیا ہے اور بعض مذہبی تنظیموں کی طرف سے مخالف فرقے کے افراد کو خود ہی کافر قرار دے کر ان کو موت کے گھاٹ اتارنے کو حصول جنت کا ذریعہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان جماعتوں سے متاثر ہو کر فدائین اور رضا کار اس نیک کاموں کیلئے اپنی جانیں تک داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اس کی جڑیں ہمارے لٹریچر میں بھی گہری گڑی ہوئی ہیں۔ قتل وغارت گری اور فساد و بدامنی کو روکنے کیلئے ہر عہد کی حکومتیں جس طرح کسی کو کافر قرار دینے اور واجب القتل وغیرہ کے فتوی جاری کرنے کیلئے جس طرح کے اقدام سے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں وہ کافی نہیں بلکہ ان کو مسئلے کے حل کیلئے بہت وسعت اور گہرائی میں جا کر اقدامات کرنے پڑیں گے۔

اب ہم کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر باب نمبر ۲۵۳ بعنوان باب مایذ کرُفی الفخذ کے تحت احادیث کی تشریح کو زیر بحث لاتے ہیں۔ پہلے حدیث کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں پھر ہماری گزارشات ہونگی۔

"ترجمہ: "ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا کہ ابن عباسؓ جرھدؓ اور محمد بن جحشؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے تھے کہ ران شرمگاہ ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ران کھولی ابوعبداللہؒ (امام بخاریؒ) فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی اور حضرت جرھدؓ کی حدیث میں احتیاط زیادہ ہے اس طرح ہم (امت کے) اختلاف سے بچ جاتے ہیں حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ آئے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے گھٹنے ڈھک لئے اور حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ایک مرتبہ وحی نازل فرمائی اس وقت آپ ﷺ کی ران مبارک میری ران پر تھی آپ ﷺ کی ران اتنی بھاری ہوگئی تھی کہ مجھے اپنی ران کی ہڈی کے ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا"

تحقیق و تشریح

"سوال: جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ امام بخاریؒ کے نزدیک فخذ (ران) عورت (ستر) نہیں تو پھر یہ باب قائم کیوں فرمایا؟ **جواب:** امام بخاریؒ باب باندھ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احتیاطاً ران ڈھانپ لینی چاہیے۔ **سوال:** باب میں یذکر مجہول کا صیغہ کیوں استعمال فرمایا؟ **جواب:** چونکہ امام بخاریؒ ران کے عورت ہونیکی رائے نہیں رکھتے اس لئے مایذکر بصیغہ مجہول ذکر فریایا **قال ابوعبداللہ الخ:** امام بخاریؒ نے اپنا ذکر اپنی کنیت سے فرمایا اور یہ اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ **ویروی عن ابن عباس الخ:** امام بخاری نے اس کو مجہول کے صیغے سے تین روایوں سے تعلیقاً ذکر فرمایا ہے ۱۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ۲۔ حضرت جرھدؓ ۳۔ حضرت محمد ابن جحشؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی تعلیق کو امام ترمذیؒ نے موصولاً تخریج فرمایا ہے مؤطا میں ہے **عن ابن النضر عن زرعة ابن عبدالرحمن بن جرھد عن ابیه عن جده قال و کان جدی من اھل الصفة قال جلس رسول اللہ ﷺ عند و فخذی مکشوفة فقال خمر علیک اما علمت ان الفخذ عورة** اور حدیث محمد بن جحش کو طبرانی نے اس سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے **عن یحیی بن ایوب عن سعید بن ابی مریم عن محمد بن جعفر عن العلاء بن عبدالرحمن ابی کثیر مولی محمد بن جحش رضی اللہ عنه عنه قال کنت اصلی مع النبی ﷺ فمر علی معمر و ھو جالس عند داره بالسوق و فخذاه مکشوفتان فقال یا معمر غط فخذیک فان الفخذین عورة۔**

وقال انس حسر النبی ﷺ عن فخذہ: یہ بھی تعلیق ہے جسے امام بخاریؒ نے اس باب میں موصولاً بیان فرمایا ہے۔

سوال: یہاں سے امام بخاریؒ کیا بتانا چاہتے ہیں؟ **جواب:** یہاں سے امام بخاریؒ ایک اعتراض کو جواب دے رہے ہیں۔

اعتراض: یہ ہے کہ امام بخاریؒ پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب حدیث پاک کے اندر آگیا کہ ران عورۃ (شرمگاہ) ہے تو آپ اس کو عورۃ (ستر) کیوں نہیں مانتے تو یہاں سے امام بخاریؒ اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ **جواب:** کا حاصل یہ ہے امام بخاریؒ نے اس دلیل کو توڑنے کے لئے چار دلیلیں پیش کی ہیں۔ **دلیل اول: قال انس حسر النبی ﷺ عن فخذہ** حضرت انس نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ران کھول لی تو اس سے معلوم ہوا کہ فخذ عورت (شرمگاہ) نہیں اگر ران شرمگاہ میں شامل ہوتی تو آپ ﷺ اپنی ران ظاہر نہ فرماتے امام بخاریؒ کی اس دلیل کے آٹھ جواب دیئے گئے ہیں۔
جواب اول: مسلم شریف میں یہ ہے **انحسر** ایسا اوقات کپڑا سمٹتے اور اوپر چڑھتے ہوئے اور اٹھتے بیٹھتے ایسے ہو جاتا ہے۔
جواب ثانی: یا اسی کو مان لیں جس کو امام بخاریؒ نے بیان کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کی ران سے ازار کھل گیا یعنی حسر سے مراد انحسر ہے کہ وہ ران خود بخود کھل گئی نہ کہ نبی کریم ﷺ نے اسے خود کھول دیا۔ فعل حسر لازمی ہے اور قاموس میں مذکور ہے کہ حسر لازمی بھی آتا ہے۔ **جواب ثالث:** حسر کو مجہول کا صیغہ مان لو۔ **جواب رابع:** حدیث انسؓ واقعہ جزئیہ اور حکایت حال ہے جو کہ قاعدہ کلیہ کے خلاف ہے اور حضرت جرھدؓ کی حدیث ضابطہ ہے لہٰذا راجح ہے تو ضابطہ یعنی قاعدہ کلیہ کا اعتبار کیا جائے گا واقعہ جزئیہ سے استدلال کرنا مناسب نہیں۔ **جواب خامس:** حدیث انسؓ مبیح اور دیگر روایات محرم ہیں جبکہ ترجیح مبیح اور محرم میں سے محرم کو دی جاتی ہے۔ **جواب سادس:** عمدۃ القاری میں علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ حدیث انسؓ نبی کریم ﷺ کے عدم اختیار پر محمول ہے لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے آپ ﷺ کی ران مبارک ظاہر ہوئی۔ **جواب سابع:** ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ران کے عورت ہونے کے متعلق اللہ پاک کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا اس واقعہ کے بعد اس کے عورت ہونے کا حکم بتایا گیا ہو۔ **جواب ثامن:** فخذ مجازاً کہا ہے اصل میں پنڈلی کھلی تھی قرینہ بخاری ص ۸۶ ج ۱ **باب مایحقن بالاذان من الدماء** میں موجود حدیث کے یہ الفاظ ہیں **وان قدمتی لتمس قدم النبی ﷺ۔** **دلیل ثانی: وقال ابو موسی رضی اللہ عنہ غطی النبی ﷺ حین دخل عثمانؓ** یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما تھے اتنے میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے تو انہوں نے داخل ہونے کی اجازت چاہی تو اجازت مل گئی حضرت عمرؓ نے اجازت چاہی تو ان کو بھی اجازت مل گئی مگر جب حضرت

عثمانؓ آئے تو آپ ﷺ نے اپنی ران ڈھانک لی تو امام بخاری کا اس سے استدلال یہ ہے کہ اگر رکبہ عورت ہوتا تو اس کو نبی کریم ﷺ پہلے ہی ڈھانکتے۔ **جواب:** امام بخاریؒ کی دلیل ثانی کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی تشریف آوری پر رکبتین کو ڈھانکنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اوپر کوئی کپڑا نہیں تھا بلکہ قمیص گھٹنوں سے ہٹی ہوئی تھی نیچے والا کپڑا تھا تو حضرت عثمان غنیؓ کے دخول پر قمیص بھی اوپر ڈال لی۔ **دلیل ثالث: وفخذہ علی فخذی:** آپ ﷺ کی ران مبارک میری ران سے مس کر رہی تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ران عورت نہیں ہے لہٰذا اس کا ستر (پردہ) ضروری نہیں ہے۔ **امام بخاری** رحمۃ اللہ علیہ **کی دلیل ثالث کا جواب:** یہ ہے کہ اس حدیث میں تصریح نہیں ہے کہ ران کا ران سے مس کرنا بلا حائل تھا اور عام طور پر ران پر کپڑا ہوتا ہے۔ **دلیل رابع: وان رکبتی لتمس فخذ نبی اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بے شک میرا گھٹنا نبی کریم ﷺ کی ران سے چھو جاتا تھا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ گھٹنا عورت میں داخل نہیں ہے۔ **اعتراض:** حضرت امام طحاویؒ نے ایک روایت بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ ایک دن تشریف فرما تھے آپ ﷺ کی رانوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا حضرت ابو بکرؓ آئے اجازت چاہی آپ ﷺ نے انہیں آنے کی اجازت دے دی۔ آپ ﷺ اسی ہیئت پر بیٹھے رہے پھر حضرت عمرؓ آئے آپ ﷺ اس طرح بیٹھے رہے۔ پھر نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرامؓ آئے تو نبی کریم ﷺ اپنی ہیئت پر برقرار رہے پھر حضرت عثمان غنیؓ نے آنے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے انہیں جازت دے دی اور اپنی ران مبارک پر کپڑے کو درست فرمایا اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ران عورت میں داخل نہیں؟ **جواب:** امام طحاویؒ نے اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث اس طریقے پر غریب ہے۔ اس لئے اہل بیت کی ایک جماعت نے روایت کیا لیکن اس میں کشف الفخذین کا ذکر نہیں اور ابو عمر فرماتے ہیں کہ روایت حفصہؓ میں اضطراب ہے امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے کہ قصہ حضرت عثمان غنیؓ میں کشف الفخذین مشکوک ہے۔

مسئلہ مس عورۃ: پردے والی جگہ کو دیکھنا تو جائز نہیں کیا اس جگہ کا مس (چھونا) جائز ہے؟ اس بارے میں تفصیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عورت غلیظہ کے بارے میں تو اجماع ہے کہ نہ بالحائل مس کر سکتا ہے اور نہ بدون الحائل اور عورت خفیفہ کا مس بالحائل جائز ہے اور وہ بھی ضرورت کے تحت بلا ضرورت جائز نہیں تو دو شرطیں ہو گئیں۔ (۱) مس بالحائل ہو (۲) مس بالضرورت ہو۔ اور اس مس سے مراد خود مس کرنا نہیں بلکہ دوسرے کا مس کرنا مراد ہے۔

مسئلہ تکبیس: کیا ضرورت کے وقت مثلاً مرض وغیرہ کی صورت میں بالحائل کپڑے کے اوپر سے دبانا جائز ہے ؟ بعض حضرات فرماتے ہیں اس طرح دبانا جائز ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بالحائل بھی دبانا جائز نہیں یہ ہے علمی درجہ۔ رہا عملی درجہ تو اس بارے میں ہماری خصوصی وصایا ہیں۔ ضرورت مند مستثنیٰ ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی جائز سمجھ کر دبوانے لگ جائے اور جائز قرار دے تو اس میں بہت سارے نقصانات ہیں۔ **نقصان اول زیادتی احتیاج:** اس سے بلاوجہ ایک حاجت خواہ مخواہ بڑھا لیتے ہیں کہ جب تک کوئی دبانے والا نہیں آئے گا نیند نہیں آئے گی تو احتیاجی بڑھ گئی تو کیا یہ نقصان نہیں ہے ؟ **واقعہ:** استاد مکرم نے اپنے ایک ہم درس کا وقعہ سناتے ہوئے کہا کہ میرا ایک ساتھ جوانی میں مہتمم بن گیا مجھے ملنے خیر المدارس آیا تو ایک نوجوان اس کے ساتھ تھا ہم نے اکرام کیا چارپائی وغیرہ دی وہ اس پر لیٹ کر اپنے ساتھی نوجوان کو بلانے لگا اور کہہ رہا تھا "آئیں ناں مروڑے دیویں نا" یعنی آ ذرا مجھے دبا دے۔ **نقصان ثانی تضیع اوقات:** دبانے سے ایک کو تو آرام پہنچ رہا ہے اور دوسرے کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ **نقصان ثالث:** تنہائی جب ہوتی ہے تو دبانے والے نہ دبانے والوں کی نسبت مقرب ہو جاتے ہیں اس طرح طالب علموں میں تحاسد قائم ہو جاتا ہے اس سے دو پارٹیاں بن جاتی ہیں اور نقض امن ہوتا ہے۔ **نقصان رابع:** نقصان تعلیم اور نقصان تادیب جو استاد رات کے گیارہ بجے تک دبواتا رہتا ہے صبح اس دبانے والے شاگرد کو تادیب نہیں کر سکتا کہ تو نے مطالعہ کیوں نہیں کیا؟ اس سے نقصان تعلیم بھی ہوا اور نقصان تادیب بھی۔ **نقصان خامس:** بسا اوقات تنہائی سے فائدہ اٹھا کر چغلی اور غیبت شروع ہو جاتی ہے دبوانے والا اسے روکے گا نہیں اس سے دبانے والے کا ذہن بن جائے گا کہ یہ قبیح نہیں ہے یہ عمل اس طالب علم کے مزاج کو خراب کر دے گا تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا۔ **نقصان سادس:** استاد دبانے والے کو ترجیح دے گا کیونکہ دبانے والے اور نہ دبانے والے مختلف ہوتے ہیں ذہن میں فرق رکھے گا۔ **نقصان سابع:** بعض دفعہ جوان نہیں ملے گا بچوں سے دبوائے گا تو موضع تہمت ہو گا اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اتقوا مواضع التھمہ۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ "چوں خواہی کہ قدرت بماہلند:: دل ائے خواجہ سادہ روحاں مب ند" جبکہ مطلع صاف تھا جو اب خط بھی صاف تھا اب کے خط آنے لگے شاید کہ خط آنے لگے۔ آپ ﷺ رات کو کھڑے حضرت صفیہؓ کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے دو آدمی پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے بلا کر ارشاد فرمایا کہ یہ میری بیوی صفیہؓ ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے بارے میں کیا ہم غلط گمان کر سکتے ہیں العیاذ باللہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم باین ہمہ

صالحیں کی مجالس اس سے خارج ہیں ان کو دبانے سے وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ کندن (سونا) بنتا ہے نصائح ہوتی ہیں یہ ممانعت عام لوگوں کے دبوانے کے متعلق ہے اپنی طبیعت بناؤ کہ ہر کام خود کرو "**کان رسول اللہ ﷺ فی محنة نفسه**" اپنا کام خود نہ کرنا ہر کام کے لئے ایک آدمی ہونا یہ حاکمانہ انداز ہے اور یہ سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے اور پھر اگر عجب آگیا کہ میرے بھی پاؤں دبانے والے ہیں تو سارا بیڑا ہی تباہ ہو گیا۔ حضرت گنگوہیؒ پاؤں دبوا رہے تھے کہ کسی مجذوب نے آکر کہا کہ آپ خوش ہو رہے ہونگے کہ دبانے والے موجود ہیں فرمایا کہ نہیں ضرورت ہے تو اس مجذوب نے فرمایا پھر آپ کے لئے جائز ہے۔ **نقصان ثامن:** آٹھویں خرابی کو میں نہیں ذکر کرتا دبوانے سے وہ بھی تو کبھی پیش آجاتی ہے (غالباً برے کام کی طرف اشارہ ہے) **وحدیث انس رضی اللہ عنہ وحدیث جرهد رضی اللہ عنہ احوط الخ:** جب ران کے عورت (شرمگاہ) ہونے نہ ہونے کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ایک قوم (محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب اور اسماعیل بن علی اور محمد بن جریر طبریؒ اور داؤد الظاہریؒ) اور (امام احمدؒ کی ایک روایت نے کہا کہ فخذ (ران) عورت (شرمگاہ) نہیں ہے اور انہوں نے حدیث انسؓ سے استدلال کیا جو اوپر گذری ہے۔ اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ران عورت ہے اور انہوں نے حضرتؓ والی حدیث سے استدلال کیا ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ جب ایک حکم کے بارے میں دو حدیثیں آئیں ان میں ایک اصح ہے اور عمل اصح حدیث پر کیا جاتا ہے اور یہاں حدیث انسؓ اصح ہے حدیث جرحدؓ سے تو پھر کیسے اختلاف ہوا؟ تو امام بخاریؒ نے جواب دیا کہ حدیث انسؓ حدیث جرحدؓ سے اسند ہے اقویٰ ہے اور سند کے لحاظ سے حدیث جرحدؓ سے اچھی ہے مگر حدیث جرحدؓ پر عمل کرنا احتیاط کے عین مطابق ہے اور اختلاف سے بچنے کے زیادہ قریب ہے اور اختلاف سے بچنے اور نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ احوط پر عمل کرتے ہوئے ران کا ستر کریں یعنی ران چھپا کر رکھیں۔ **ران کے عورت (شرمگاہ) ہونے کے متعلق اختلاف: مذہب (۱)** محمد بن جریر طبریؒ اور داؤد ظاہریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ران عورت نہیں۔ **مذہب (۲)** جمہور علماء تابعینؒ، امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کے اصح قول کے مطابق اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی اصح روایت کے مطابق امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفرؒ بن ہذیل فرماتے ہیں کہ ران عورت (شرمگاہ) ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ **مکشوف العورة یعنی کشوف الفخذ** کی نماز فاسد ہے۔ **مذہب (۳):** امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ران حمام میں تو شرمگاہ نہیں مگر حمام کے علاوہ یہ عورت ہے۔ **وقال ابو موسی رضی اللہ عنہ غطی النبی ﷺ رکبتیه حین دخل عثمان رضی اللہ عنہ:** اس کو ترجمۃ الباب سے اس طرح مناسبت ہے کہ جب گھٹنے عورت

ہیں توران تو بطریقہ اولی عورت (شرمگاہ) ہوگی اس لئے وہ اس فرج کے زیادہ قریب ہے جو بالا جماع عورت (شرمگاہ) ہے۔ یہ عبارت اس روایت کا ایک حصہ ہے جسے امام بخاریؒ نے **عاصم احول عن ابی عثمان عن النهدی** کی روایت سے تفصیلاً بیان فرمایا ہے اور وہاں حدیث اس طرح ہے **ان النبی ﷺ کان قاعدا فی مکان فیه ماء قد انکشف عن رکبتہ او رکبتہ فلما دخل عثمان ؓ غطاها ابو موسی:** ابو موسیٰ سے مراد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں اور آپ کا نام عبد اللہ قیس ہے۔ **قال زید بن ثابت انزل اللہ علیٰ رسولہ ﷺ و فخذہ علیٰ فخذی الخ:** یہ تعلیق ہے اور حدیث کا ایک حصہ ہے اور امام بخاریؒ نے **سورۃ النساء** کی تفسیر کی **لا یستوی القاعدون من المومنین** کی تشریح اور تفسیر کرتے وقت اس تعلیق کو موصولاً بیان فرمایا ہے جو اس طرح ہے **حدثنا اسمعیل بن عبداللہ حدثنی ابراھیم بن سعد عن صالح بن کیسان عن ابن شھاب حدثنی سھل بن سعد الساعدی الحدیث و فیه فانزل اللہ علی رسولہ و فخذہ علی فخذی الخ** اور امام بخاریؒ نے اس **کتاب الجہاد** میں بھی بیان فرمایا ہے اور امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف **کتاب التفسیر** میں عبد بن حمید کے حوالے سے اور امام نسائی نے **کتاب الجہاد** میں محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبد اللہؒ کے حوالے سے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے"۔(۱۰۴)

تحقیق و تشریح کے تحت سب سے پہلے باب کے بارے میں دو سوال پیدا کر کے ان کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ پھر حدیث کی سند پر بات کی ہے کہ امام بخاری نے یہاں قال ابو عبد اللہ کہہ کر کنیت سے اپناذ کر کیا ہے۔ پھر تین راویوں سے تعلیقًا روایت سے گویا یہ حکم ذکر کیا کہ ران عورت ہے تشریح میں ان تینوں صحابہ کی روایات کی تخریج آئمہ حدیث سے نقل کی ہے پھر حضرت انسؓ کی روایت جس کو حضرت امام بخاری نے اسند قرار دے کر قابل ترجیح قرار دیا ہے ۔اپنے مؤقف کے حق میں اس روایت سے استدلال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ران مبارک کھلی تھی مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ ران عورت نہیں اگر ران عورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو چھپاتے امام بخاری کے اس موقف کو غلط ثابت کرنے کیلئے موقف و مرتب محترمین نے نو دلائل ان کے رد میں ذکر کئے ہیں۔ جو یکطرفہ اور سطحی بحث پر مبنی ہیں مثلاً دلیل نمبر ۸ ملاحظہ فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ران کے عورت ہونے کے متعلق اللہ پاک کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا ہو اس واقعہ کے بعد اس کے عورت ہونے کا حکم بتایا گیا ہو۔

اس دلیل کے تحت عمدۃ القاری ص۸۱ ج۶ کا حوالہ درج ہے۔ اس کا آغاز ہی کمزوری کا حامل ہے۔ محترم حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ اس وقت تک اس مسئلے پر گویا ساڑھے آٹھ سو برس گز چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کیا اس دور میں تو جائز تھا جب تمام ذخیرہ علم مرتب و مدون ہو کر سامنے نہیں آیا تھا۔ اب جبکہ ہر چیز مدون ہو چکی تمام درجوں کی روایات کا ذخیرہ کتابی شکل میں موجود ہیں۔ اب ہو سکتا کہنے کی گنجائش کہاں بچتی ہے۔ پھر خاص طور پر جہاں مسئلہ حرام و گناہ کبیرہ کا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو گزرے بھی ۵ صدیاں بیت گئیں اب بھی اگر شارحین حدیث اس قابل نہیں ہوئے کہ دوٹوک انداز میں بات کہہ سکیں تو شریعت کے واحد اجارہ دار ہونے کے دعوے پر غور کریں کہ کیا وہ اس دعویٰ کے تقاضوں پر پورا اترتے ہیں۔

پھر امام بخاری کے دلائل میں سے دلیل نمبر ۲، ۳ اور ۴ کا جواب دیا ہے۔ آگے چل کر "مسئلہ مس عورت" کے تحت چار سطروں میں جسم کے پردے والے حصے کو مس کرنے کے بارے میں نقطہ نظر بیان کیا ہے نتیجہ یہ نکالا ہے۔ مس دو شرطوں کے تحت جائز مس بالمائل اور اس بالضرورت پھر آخر میں ایک جملہ ہے اس پر کچھ عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ جملہ ہے "اور اس مس سے مراد خود کو مس کرنا نہیں بلکہ دوسرے کا مس کرنا مراد ہے" اس جملے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ بحث ہی دوسرے کے پردے والی جگہ مس کرنے کی ہے۔ اپنا جسم تو انسان بچپن سے استنجا کرتا ہے، مالش کرتا ہے، طہارت کرتا ہے، غسل کرتا ہے۔ لہٰذہ کسی عمر میں اگر کسی کے ذہن اپنے جسم کے پردے والے حصے کو مس کرنے کے بارے میں حرام یا حلال کا سوال پیدا ہوا تو اس کی ذہنی حالت کا معائنہ کرانے کی ضرورت ہو گی۔ یا اس وجہ پر غور کرنا ہو گا کہ اس کے ذہن میں ایسا واضح جواب ہونے کے باوجود یہ سوال آخر کیوں ہوا ہے؟ جن سوالات کے ایسے واضح جواب ہوں ان کو سوال بنا کر ان کے جواب پڑھنے سے آدمی ایک دفعہ تو حیران ہوتا ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

"پھر مسئلہ تکبیس" کے عنوان کے تحت جس دبوانے کے مسائل بیان کیے ہیں اس ضمن میں مولانا بہت خود دار، حقیقت شناس اور اپنے اوپر انحصار کرنے والی شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ آنجناب نے آٹھ دلائل دبوانے کے خلاف بیان فرمائے ہیں۔ یہ دلائل اپنے اندر وزن رکھتے ہیں۔ مدرسے کے ماحول میں اتنا لمبا عرصہ گزارنے کے باوجود اس میں جاری اس خرابی کو آپ نے اپنے نزدیک بھی بھٹکنے نہیں دیا اور عمر کے آخری حصے میں جب جسم کمزور پڑ جاتا ہے اور

جسم دبوانے کی حقیقی ضرورت بھی شاید آن پڑتی ہو حضرت اس سے بے نیاز نظر آتے اور اسے غلط چیز قرار دینے کے اپنے نظریے پر قائم ہیں۔ دبوانے کو منع کرنے کے اکثر دلائل عقلی ہیں اور آپ کے تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہیں اور نہایت وزن دار ہیں۔ اس پر مولانا کی بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ دراصل مولانا شرف انسانیت اور عزت نفس کے محافظ کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انہیں ہر گز پسند نہیں ہے ایک صحت مند فرد لیٹا ہوا راحت لے رہا ہو مگر دوسرا نوجوان جو اسی طرح کا انسان ہے قابل قدر ہستی ہے وہ اس کو دبا کر اپنا وقت ضائع کر رہا ہو اور پھر اگر کم عمر بچہ دبانے کے عمل میں مشغول تو یہ بات مولانا محترم کے نزدیک ناپسندیدہ ترین عمل ہے کہ یہ مواضع النعمت کی نوعیت کی چیز ہے۔ البتہ صالحین کی مجلس کو اس سے خارج کر کے مولانا نے اساتذہ کرام کیلئے گنجائش پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ مدرسے کے استاد تو اپنے طلباء کیلئے صالحین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا نے صالحین کی مجلس کو مستثنیٰ کر دیا اب صالحین تخلیہ کو خود کہیں نہ کہیں سے جائز ثابت کر لیں گے۔ اس لئے جس معاملے کے خلاف مولانا نے آٹھ دلائل بیان فرما کر آٹھویں خرابی کے پیش آنے کے امکان کے وجہ سے دبوانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کیلئے ایک چھوٹی سی موری ضرور کھول دی ہے۔ اب ضرورت منداس سے راستہ خود بنالیں گے۔ آخری جملے کافی قیمتی ہیں۔

"اپنی طبیعت بناؤ کہ ہر کام خود کرو۔ اپنا کام خود نہ کرنا ہر کام کیلئے ایک آدمی ہونا یہ حاکمانہ انداز ہے۔ یہ سنت رسول کے خلاف ہے اور پھر اگر عجب آگیا کہ میرے بھی پاؤں دبانے والے ہیں تو سارا بیڑہ ہی تباہ ہو گیا۔"

اسی بحث میں کسی مجذوب سے جواز وعدم جواز اخذ کرنے کا معاملہ بھی علمی لحاظ سے معتبر نہیں ہے۔ فرماتے ہیں "حضرت گنگوہی پاؤں دبوادیتے تھے کہ کسی مجذوب نے آکر کہا کہ آپ خوش ہو رہے ہونگے کہ دبانے والے موجود ہیں۔ فرمایا کہ نہیں ضرورت ہے تو اس مجذوب نے فرمایا پھر آپ کیلئے جائز ہے۔"

بیان حکایت کیلئے تو یہ بات درست ہے کہ کسی مجذوب سے سند لی جائے یا اس کے بیان جواز کو دلیل شریعت قرار دیا جائے۔ شرح حدیث میں اس کا آنا شانِ علم کے خلاف ہے پھر قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علم حدیث وفقہ کی مہارت کے اس درجے پر فائز ہیں کہ ان کے شاگردوں نے حدیث کے میدان میں گرانمایہ کارنامے انجام دیئے۔ ان سے بڑھ کر کون شرعی طور پر صحیح اور غلط کے بارے میں رائے دینے کا اہل ہو سکتا ہے۔ دوران تدریس ایسے

واقعات بیان ہو جاتے ہیں۔ ان کی غرض ایسے مجذوبوں کو بطور ماہر میدان بنا کر پیش کرنا نہیں ہوتا بلکہ کئی شعوری اور غیر شعوری وجوہات ہو سکتی ہیں جن کا تعلق استاد کے طریق تدریس سے ہوتا ہے کہ استاد طلبہ کیلئے تدریس کو بوجھ نہیں بننے دیتا بلکہ مختلف طریقے اختیار کر کے انہیں ہلکا پھلکا بنائے رکھتا ہے۔ کبھی کوئی مزاح پیدا کر کے، کبھی حکایت بیان کر کے کبھی ذاتی تجربے پر مبنی واقعہ سنا کر تحریر کا مزاج اور ہوتا ہے تحریر کو بھی دلچسپ ہونا چاہیے۔ مگر وہ نفس مضمون کی بلندی اسلوب بیان کی چاشنی اور انتخاب الفاظ کی ندرت اور جملوں کی روانی جیسی خصوصیات سے پر کشش اور دلچسپ بنتی ہے۔

دیوانے کے رد پر دلائل ذکر کرنے کے بعد پھر بحث حدیث کے اندر بیان ہونے والے مضمون کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ یہاں پڑھنے والے کو پھر ایک دھچکا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بحث مکمل ہو چکی اب نیا مضمون آ گیا ہے وہ بھی مکمل ہوا۔ اب قاری کسی نئے مضمون کی طلب میں نئی عبارت پڑھنا شروع کرتا ہے لیکن مضمون وہی پرانا حدیث انس اسند و حدیث جرھد اخوط الخ کے بارے میں بحث پھر سے شروع ہو گئی۔

اب ران کے عورت ہونے کے متعلق اختلاف کے عنوان سے وہی بحث پھر سے شروع کر دی گئی ہے۔ اب تک یہی بحث تو ہوتی آئی ہے یہاں آئمہ کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ گویا ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک مضمون کی تمام بحثوں کو ایک مقام پر مکمل کیا جائے اس کے جملہ پہلو زیر بحث آنے کے بعد وہیں تکمیل پذیر ہو جائیں تاکہ بار بار کی تکرار سے بچا جا سکے۔

الخیر السّاری فی تشریحات بخاری کی تین جلدوں پر تنقید اور تبصرہ مکمل ہوا۔ اب مجموعی طور پر کتاب پر گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

مطالعہ حدیث کا قدیم طریق کاران کتب میں نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ ترجمہ اور تشریح اردو زبان میں ہونے کی بنا پر یہ اردو دان طبقے کی اہم ضرورت پوری کرنے کا ذریعہ ہے۔ اساتذہ کرام کے علم کا مجموعہ ان کتب کے اندر سمٹ آیا ہے پر شیخ نے قدیم ذخیرہ کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق کچھ اضافہ کر کے نئی نسل کو علم منتقل کیا ہے۔

ترجمہ میں بامحاورہ ترجمے کو پیش نظر رکھا ہے جو اردو سمجھنے والے طبقے کی ضرورت کی عین مطابق ہے مشکل عربی الفاظ یا نحوی بحث کو تشریح میں پورا کیا گیا ہے۔ اس بحث سے صحیح استفادہ کرنے کیلئے ابتدائی عربی زبان کے فہم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ درس ان طلبہ کو دیا گیا جو عربی زبان کی اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ اس لیے استاد کے ذہن میں وہ

معیار تھا چنانچہ استاد نے شرح کرتے ہوئے طلبہ کے عربی زبان کے فہم کے بلند معیار کو سامنے رکھتے ہوئے درس دیا۔ پھر طلبہ نے اس کو نوٹ کر لیا یہ نوٹس تھوڑی بہت تصحیح یا نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں شائع کر دیے گئے۔ اس لیے کتب میں طوالت محسوس در آئی۔ تین جلدوں کا مواد اگر کتابی ضروریات کے مطابق تیار کیا جاتا تو ایک جلد میں آسانی سے سما سکتا تھا۔ اب طوالت کی بجائے اختصار کی ضرورت ہے ویسے بھی عربی زبان کا مقولہ ہے احسن الکلام ما قلّ ودلّ۔

مؤلف و مرتب حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست ہے کہ آئندہ آنے والی جلدوں میں تقریر کی بجائے تحریر کا رنگ نمایاں کریں اور لکھے ہوئے اسباق پر معمولی نظر ثانی کر کے شائع کرنے کی بجائے اضافی مواد کو خارج کر کے صرف حدیث کی تشریح اور اسی کے مضمون پر بحث کی جائے اور حدیث کی تشریح کو ترجمۃ الباب کے تحت بیان ہونے والے مضمون تک محدود رکھیں دیگر متعلقہ بحثیں اپنے اپنے مقامات پر درج کی جائیں۔

فصل چہارم

ملتان میں تراجم و حواشی و حجیت حدیث پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ

گزشتہ فصول میں ہم نے تاریخ و اصول حدیث، حدیث کے موضوعاتی مطالعہ اور شروح حدیث کا جائزہ پیش خدمت کیا اس فصل میں خطہ ملتان کی شخصیات نے جو کام ترجمہ و حواشی کے میدان میں سر انجام دیا اس کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

سب سے پہلے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی **معرکۃ الآراء کتاب بلوغ المرام مِن اَدِلۃِ الاحکام** کا جائزہ لیتے ہیں اس کتاب کا ترجمہ و حواشی مولانا علامہ عبد التواب صاحب ملتانی جو محدث ملتانی م (۱۳۶۶ھ) کے لقب سے بھی پہچانے جاتے ہیں نے تحریر کیا ہے اس ترجمہ و حواشی میں ایک خاص بات اور بھی ہے کہ اس میں ایک رسالہ اصطلاحات المحدثین از شیخ الحدیث مولانا سلطان محمودؒ (۱۹۰۴ء تا ۱۹۹۵ء) بھی طبع کیا گیا ہے جو صفحہ نمبر ۶۱ تا ۷۷ سولہ صفحات پر مشتمل ہے اس میں علم حدیث کو جاننے اور اس فن میں تحقیق کرنے کی لگن رکھنے والوں کو یہ کہا گیا ہے کہ

"علم حدیث کے تحقیقی مطالعہ کے لیے مصطلحات محدثین کا جاننا اتنا ضروری ہے جتنا کہ عربیت کے لیے صرف ونحو" اس رسالہ میں حدیث سے متعلقہ اصلاحات، اقسام، کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا آغاز صفحہ ا سے ہوتا ہے جو کہ خالی ہے دوسرا صفحہ بھی خالی ہے تیسرے صفحہ پر بسم اللہ شریف درج ہے اور کتاب کا نام بھی تحریر ہے چوتھے صفحہ پر کتاب کے بارے میں بنیادی معلومات درج ہیں جنمیں نام کتاب طابع حافظ ابو بکر طبع اول جون ۲۰۱۴ء تعداد ـــ ۱۱۰۰ اور مکتبہ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان اور دوسرا مکتبہ محمدیہ اردو بازار لاہور کا نام درج ہے صفحہ نمبر پانچ فہرست مضامین ہے جو مترجم مولانا عبد التواب صاحب نے کتابوں کے نام اصل کتاب کی طرز پر عربی میں درج کیے ہیں مگر ان کی تفصیلات کو اردو میں ترجمہ کے ساتھ تحریر کیا ہے مثال کے طور پر کتاب الطهارة کا ترجمہ طہارت کے احکام اور اس کے پہلے باب کا عنوان ہے ''باب المِیاہ'' اس کو مترجم لکھا ہے کہ "پانی سے متعلقہ مسائل" یہ ترجمہ کتاب الطهارة سے شروع ہوتا ہے اور کتاب العتق (آزادی کے مسائل کے بیان) پر اس کا اختتام ہوتا ہے اس ترجمہ کے ۷۶۲ صفحات ہیں۔

فہرست کتاب صفحہ نمبر ۵ تا ۴۵ تک پھیلی ہوئی ہے، صفحہ ۴۶ پھر خالی ہے جو کتاب کے حسن اور ترتیب میں خامی کو ظاہر کر رہا ہے صفحہ نمبر ۴۷ پر دیباچہ نقش ثالث کے عنوان سے قارئین کرام کے نام گذارشات تحریر ہیں جو دو صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ دیباچہ محمد عبد المنعم شاگرد خاص مولانا ملتانی کا تحریر کردہ ہے اس میں بلوغ المرام کی خصوصیت اہمیت اور افادیت کا تذکرہ ہے اس کے ساتھ ساتھ بلوغ المرام کے ترجمہ کی تاریخ پر بات کرتے ہوئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

"بلوغ المرام کا زیر نظر ترجمہ تقریباً ۷۰ سال سے چھپتا چلا آرہا ہے اور آج تک الحمد اللہ اس کی مقبولیت میں فرق نہیں آیا بلکہ دن بدن اضافہ ہوا ہے۔ کچھ عرصہ قبل علامہ عزیز زبیدی صاحب سے گزارش کی تھی کہ اس کی اردو جدید ترین کر کے اسے مزید آسان بنادیں تو آپ نے اس کے لئے تجویز کیا کہ اس کے ترجمہ کے الفاظ کو نہ چھیڑا جائے کہ اس سے بہتر ترجمہ ممکن نہیں البتہ مروجہ اردو کی مناسبت سے جہاں جہاں الفاظ کی تقدیم وتاخیر سے روانی میں بہتری محسوس ہوئی تھی وہاں یہ تبدیلی فرمادی اور اس طرح یہ ترجمہ زیادہ رواں ہو گیا" (۱۰۵)

بلوغ المرام کے ترجمہ میں تبدیلی کے عنوان پر مذکورہ بات کہ الفاظ کو نہ چھیڑا جائے اور ساتھ ہی یہ بات کہ البتہ مروجہ اردو کی مناسبت سے جہاں جہاں بہتری محسوس ہوتی تھی تبدیلی فرمادی اس پر ان حضرات کا واقعتاً امت پر یا کم پڑھے لکھے لوگوں پر ضرور احسان بنتا ہے کیونکہ مروجہ انداز فکر تو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اپنے استاد یا مرشد کی بات کو کسی بھی معنی میں تبدیل کرے یا تبدیل کرنے کا سوچے تو اسکی دنیا و آخرت خطرے میں پڑ جاتی ہے بہر حال اس ترجمہ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں جو مترجمین نے کوشش کی ہے وہ اس خطہ اور اردو دان طبقہ کے لئے نعمت سے کم نہیں جو عربی کتب سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے وہ ترجمہ کی طرف رجوع کر کے حدیث کے نور سے اپنے قلب کو ایمان کی روشنی سے منور کر سکتے ہیں۔

صفحہ ۴۹ پر پیش لفظ کے عنوان سے اصل کتاب بلوغ المرام کا اجمالی تعارف اور خصوصیات درج کی گئی ہیں اور اس کتاب کو احادیث نبویہ اور فقہ اسلامی کا انتہائی مختصر اور جامع دائرۃ المعارف قرار دیا ہے اور اس کے بعد جو مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں کتاب کی خصوصیت کے تناظر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ بجا طور پر حدیث و فقہ کا مجمع البحرین، زھد و سلوک کا خوان یغما اور طالبان حق کیلئے منارہ نور ہے“(۱۰۶)

ایسے مشکل الفاظ اگر کتاب کے آغاز کے صفحات پر قاری کے ذوق مطالعہ میں آئے تو کیا اس کا ذوق کم نہیں ہوگا یا اسکی طبیعت میں آگے پڑھنے میں مشکلات پیدا نہیں ہونگی جن کو خوان یغما کا معنی پتہ نہیں ہوگا۔ تو کیا یہ انداز بہتر نہیں کہ آپ آسان اور سادہ الفاظ کا انتخاب کر کے تحریر کو عام لوگوں کے لئے مفید بنائیں۔

اس کے بعد کتاب کا مقدمہ صفحہ ۵۱ سے شروع ہوتا ہے اس میں بلوغ المرام کا تعارف کتاب کی جامعیت اور حدیث کی تعداد کا ذکر ہے تعداد کے بارے میں تحریر ہے کہ بلوغ المرام میں کل احادیث کی تعداد ۱۵۰۵ ہے۔(۱۰۷)

اس کے ساتھ ساتھ جن جن امہات الکتب سے بلوغ المرام میں موجود احادیث ماخوذ ہیں ان کتب کا ذکر ہے معلومات میں اضافہ کی غرض سے یہاں بھی ان کتب کے نام پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) مسند امام احمد بن حنبل　　(۲) صحیح بخاری　　(۳) صحیح مسلم

(۴) سنن ابی داؤد　　(۵) جامع ترمذی　　(۶) سنن نسائی

(۷) سنن ابن ماجہ (۸)موطاامام مالک (۹)مصنف ابن ابی شیبہ

(۱۰) صحیح ابن خزیمہ (۱۱) صحیح ابن حبان (۱۲) مستدرک حاکم

(۱۳)السنن الکبریٰ للبیھقی (۱۴) سنن دار قطنی (۱۵) المعجم الکبیر الطبرانی

(۱۶) مسند بزار

ان سولہ امہات الکتب کو تحریر کرنے کے بعد مقدمہ میں بلوغ المرام کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے اور اسکی مختلف زبانوں میں کی گئی شروح تراجم وحواشی کا ذکر کیا ہے جن میں سبل السلام از قاضی شرف الدین حسین بن محمد مغربی اور گیلانی صاحب کی احسن الکلام سر فہرست ہیں اور پھر زیر بحث ترجمہ وحواشی کی تعریف درج ہے کہ حضرت مولانا عبد التواب کا ترجمہ وحواشی منفرد و مقام رکھتے ہیں اس بات میں کتنی صداقت ہے یہ اس کے بغور مطالعہ کرنے سے سامنے آئے گی جس کا تذکرہ اگلے صفحات میں آئے گا۔

مقدمہ کے بعد صفحہ ۵۳ سے گلہائے عقیدت کے عنوان سے مولانا تفضیل احمد ضیغم نے بتاریخ ۳۰/ ۱۲/ ۲۰۱۲ کو ترجمہ بلوغ المرام اور حواشی بلوغ المرام کے بارے میں معلومات درج کی ہیں ان میں مولانا ملتانی نے اس ترجمہ کو مکمل کب کیااور اس دور میں اسکی اہمیت کیا تھی اس پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”صاحب ترجمہ فضیلۃ الشیخ عبدالتواب محدث ملتانیؒ نے یہ ترجمہ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ کو مکمل کیا تھا۔ آج جب میں یہ تحریر لکھ رہاہوں تو ۱۴۳۲ھ ہے صفر کامہینہ جارہاہے یعنی آج سے ۹۰ سال قبل ۱۹۲۲ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا قیام پاکستان سے قبل بہت سی کتب حدیث کے تراجم نہیں ہوئے تھے اور آج تو ایک طرح سے قلم کا دور ہے بہت سی کتابوں کے تراجم ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں“

اس کے بعد مولانا تفضیل نے گزشتہ علماء کی تحریروں کی افادیت پر بات کی ہے اور بالخصوص علماء اہل حدیث کے نام بیان کیے ہیں اور ان کی کتب کا بھی تذکرہ فرمایاہے اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آج بھی ان کی کتب کی اہمیت و افادیت کم ہونے کی بجائے بڑھ رہی ہے جن میں مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ کی تالیف ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ اور

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی تالیف "پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں" کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے کہ آج بھی یہ کتابیں لوگوں میں اصلاح اور حدیث مبارک پر بہترین مواد کے طور پر عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

کتاب کے صفحہ نمبر ۵۵ سے تعارف مولف بلوغ المرام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شروع ہو جاتا ہے جو دو صفحات پر ہے اس میں بھی جناب حافظ صاحب کے نام کے ساتھ القابات کی اچھی خاصی گردان لگادی گئی ہے جو مناسب معلوم نہیں ہوتی ہے مثال کے طور پر ان کے نام کے ساتھ تحریر ہے کہ "تاجدار اقلیم حدیث" اب نام کے ساتھ ایسا لقب اچھا صاحب مطالعہ ہی جان سکتا ہے ورنہ کم پڑھا لکھا آدمی اس کے معنی کو سمجھنے سے قاصر رہے گا اور کتاب میں مطالعہ کا ذوق وشوق بھی کم پڑ تا جائے گا اور واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا تعارف گزشتہ باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے تعارف کے بعد صفحہ ۵۷ سے ۶۰ مترجم بلوغ المرام مولانا عبد التواب محدث ملتانی کا تعارف پیش کیا گیا ہے اس میں بھی حسب روایت القابات عالیہ سے آپ کا نام درج ہے مثال کے طور پر آپ کا تعارف تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "نمونۂ سلف محی السند زاھد، عابد، علامہ شیخنا حضرت مولانا ابوتراب محمد عبد التواب محدث ملتانیؒ۔(۱۰۸)

اس انداز پر بات تو گزشتہ بحثوں میں کافی ہو چکی ہے مگر یہاں اتنا عرض خدمت ہے کہ ایسا مزاج اسلام کے اصول وضوابط سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کسی نام کو اس انداز میں پیش کریں کہ ظاہراً لوگ سن کر اس کے احترام و احتشام میں واہ واہ کریں بلکہ اسلام کا مزاج تو یہ ہے کہ اس بڑی شخصیت کا تعارف اس کا بڑا کارنامہ ہو گا بڑی خدمت ہو گی۔ "لاشک فی" کہ مولانا عبد التواب نے علم حدیث کی خدمت فرمائی تو ان کا کام ان کی عظمت کو ظاہر کرنے میں کافی ہے۔

کتاب کے صفحہ ۸۱ سے کتاب الطہارۃ سے اس ترجمہ کا آغاز ہوتا ہے شروع سے پہلی لائن میں عربی میں کتاب کا نام درج ہے اور اس کے نیچے ترجمہ کیا گیا ہے دوسری سطر میں باب کا نام ہے عربی میں اور اسی کے نیچے اس کا ترجمہ ہے اور پھر کتاب کے صفحہ کی دائیں طرف حدیث کا متن درج ہے سند کا اندراج نہیں فرمایا گیا صرف عن ابی ھریرہؓ سے حدیث

شریف کا اندراج فرمایا گیا ہے پھر اس کے سامنے ہی اردو ترجمہ درج ہے نمونہ کیلئے بلوغ المرام کے ترجمہ میں درج پہلی حدیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے پھر اس کتاب کا اور اس پر تحریر شدہ حواشی کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

"ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا! کہ رسول اللہ ﷺ نے دریا کے بارے میں بتایا کہ اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اس کی مری ہوئی چیز حلال ہے"(۱۰۹)

اگر مولانا عبدالتواب کے اس ترجمہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مفہوم کی ادائیگی اگر اس ترجمہ میں الفاظ اور کم کر دیئے جاتے تو مزید آسان ہو سکتی ہے دوسری عرض یہ کہ اس ترجمہ میں ان کے پیش رؤں نے اضافے بھی کیے ہیں شاید جو اصل ترجمہ ہے اس میں مفہوم زیادہ آسان ہو یا جس دور میں یہ ترجمہ ہوا ہے اس میں اسی طرح کا انداز اپنایا جاتا ہو اس ترجمہ میں میرے نزدیک لفظ زیادہ استعمال ہوئے ہیں اضافی الفاظ کو حذف کر دیا جائے تو بھی حدیث کا ترجمہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں حواشی کے حوالے سے بات کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث سے متعلقہ احکام کی وضاحت مختصر انداز میں کی گئی ہے جس میں حدیث شریف میں مذکور تمام جزئیات کی معلومات کو جامع انداز میں بیان کر دیا گیا ہے اور ایک خوبصورتی اس ترجمہ و حواشی کی یہ ہے کہ اس میں ایک انداز میں حاشیہ مرتب کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر عورت کی امامت کے مسئلے پر حدیث شریف کا ترجمہ ملاحظہ ہو پھر آپ کا حاشیہ اور اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ بلوغ المرام کتاب الصلوۃ کی حدیث نمبر ۳۴۷ کا ترجمہ ہے کہ "ام ورقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے محلے والوں کی امات کروں"۔(۱۱۰)

اب حاشیہ ملاحظہ ہو:

تعارف روایہ: ام ورقہؓ انصاریہ صحابیہ ہیں والد کا نام نوفل یا عبد اللہ ہے آنجناب ﷺ ان کی ملاقات کیلئے تشریف لے جایا کرتے۔ ان کا نام شہیدہ فرماتے ان کو سارا قرآن یاد تھا اور اپنے اہل محلہ عورتوں کی امامت آنجناب ﷺ کے حکم سے کرتی تھیں بدر پر حاضر ہونے کی رخصت مانگی تو آنجناب ﷺ نے اجازت نہ دی اس لئے کہ ان کی شہادت

گھر ہی میں لکھی تھی ان کا ایک غلام اور لونڈی تھی انہوں نے ان کا ایک چادر سے ایک رات گلہ گھونٹ دیا اور چلے گئے حضرت عمر بن خطابؓ نے دونوں کو تلاش کرا کر مصلوب کرا دیا۔ مدینہ منورہ میں پہلے مصلوب یہی دونوں غلام لونڈی تھے۔

فقہ الحدیث: اس حدیث سے ابو ثور اور شافعیؒ کے بھانجے مزنی اور طبری وغیرہ اس پر ہیں کہ عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے ابی بن کعب کی ایک حدیث میں جس کو عبد اللہ بن احمد و ابویعلےٰ اور طبرانی فی الاوسط لائے ہیں۔ مرد کا صرف عورتوں کیلئے امام بننا بھی آیا ہے کہ ابی نے رمضان کی ایک رات گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت میں قرآن سنا دیا دن کو پھر آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ سن کر خاموش ہو گئے۔ ابی کہتے ہیں کہ ہم جان گئے کہ آپ کی رضامندی ہے۔(۱۱۱)

مندرجہ بالا حدیث شریف اور اس کے حاشیہ پر بغور دھیان دیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ صاحب ترجمہ اور حاشیہ گزشتہ محدثین کرام کی آراء کو نقل کرنے میں مہارت خاص رکھتے ہیں اور روایات کے امین نظر آتے ہیں کہ انہوں نے دراصل حدیث مبارک میں حکم ظاہر ہے مرد و عورت کی امامت کو الگ بیان نہیں فرمایا گیا بلکہ (محلے والوں) کی امامت کا ذکر ہے۔ اگر یہاں مولانا عبد التواب ملتان صاحب نے عورت کی امامت عورتوں کے لئے مختص فرمانی تھی تو دیگر کتب یا نصوص کو بطور دلیل لاتے اور پھر ثابت کرتے کہ یہاں عورت کی امامت صرف عورت کیلئے خاص ہے۔ اس طرح کسی مفہوم کو بیان کرنے سے عقیدت مندوں کیلئے تو تسلی اور اطمینان کی فضا قائم کی جاسکتی ہے مگر غیر جانبدار اور تحقیقی و تنقیدی ذہن اور عصر حاضر کا شعور رکھنے والا اسکالر ٹھوس اور واضح دلائل کے بغیر بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور اس کے ذہن میں طرح طرح کے سوال اٹھتے ہیں جن کا جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

جہاں اس ترجمہ اور حاشیہ میں کلام ممکن ہے وہاں اس میں ایسے مقامات بھی آئے ہیں جنمیں عصری مسائل کا بہترین حل موجود ہے۔ مثال کے طور پر کتاب النکاح کی حدیث نمبر ۱۱۸۱ میں ماں باپ کی علیحدگی کی صورت میں بچے کو ماں یا باپ کے انتخاب کرنے کی آزادی کے موضوع پر حدیث کا ترجمہ اور اس پر مولانا کا حاشیہ پیش خدمت ہے۔ پھر اس پر تجزیاتی بحث پیش کی جائے گی۔

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ تحقیق میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے جبکہ یہ مجھے نفع دینے لگا ہے اور ابو عنبتہ کے کنویں سے مجھے پلانے لگا ہے اور پھر اس کا شوہر آیا نبی ﷺ نے فرمایا اے لڑکے! یہ ہے تیرا باپ اور وہ ہے تیری ماں۔ پس ان دونوں میں سے جسے تو چاہتا ہے اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ اس پر اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلی گئی"۔

اب اس حدیث مبارک پر مولانا کا حاشیہ درج کیا جاتا ہے:

فقہ الحدیث: یہ کنواں مدینہ منورہ سے ایک میل پر ہے آنجناب ﷺ جب بدر کو روانہ ہوئے تو اسی کنویں کے پاس صحابہ کرامؓ آپ پر پیش ہوئے پھر جس کو چاہا بدر میں شریک کیا اور جس کو نہ چاہا شریک نہ کیا۔ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ بچہ جب اپنے کام کاج خود کرنے لگے تو اس کو اختیار ہے خواہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے ایک قلیل جماعت اس طرف گئی ہے اور اس کی حد سات سال مقرر کی ہے مگر حنفیہ اختیار نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں لڑکا باپ کے پاس رہے اور لڑکی ماں کے پاس اور امام مالکؒ نے فرمایا لڑکا ہو یا لڑکی دونوں ماں کے پاس رہیں۔ بعض نے کہا قرعہ ڈالا جائے جس کا نام نکلے اس کے پاس رہے حافظ ابن القیمؒ نے فرمایا جس امر میں بچے کی مصلحت ہو وہی کرنا چاہیے اگر ماں باپ کی نسبت زیادہ حفاظت کرنے والی اور بہت غیرتی ہو تو ماں کو باپ پر مقدم کیا جائے اور اس وقت قرعہ یا اختیار کسی کو نہ دیا جائے اس لئے کہ بچہ کم عقل ہوتا ہے بے کاری اور کھیل کو پسند کرتا ہے سو جب ایسے کو اختیار کیا جو اس کو بے کاری میں بڑھائے تو کیا نتیجہ ہو گا۔ حکم قرآنی ﴿قوا انفسکم و اھلیکم نارا﴾ "(۱۱۳) کو ہر وقت لحاظ میں رکھنا ضروری ہے اور اگر باپ ان صفتوں میں ماں سے بڑھ کر ہو تو باپ کے سپرد کیا جائے۔(۱۱۴)

مندرجہ بالا حدیث شریف میں موجودہ دور کا اہم مسئلہ اور اس کے متعلق احکام کی تشریح بیان کی گئی ہے معاشرتی مسائل میں ازدواجی زندگی کی ناکامی بھی ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت ہم روزمرہ سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں کہیں پنچائیت میں کہیں تھانہ میں اور کہیں عدالتوں میں۔ ہمیں ایسے مسائل کے بارے میں جاننے کا موقع میسر آتا ہے۔ اس تشریح میں جن حضرات کی رائے یہ ہے کہ قرعہ ڈالا جائے جس کا نام نکل آئے بچے اس کے حوالے کر دیئے جائیں میرے نزدیک یہ رائے قوی اور علمی تقاضوں کو پورا کرنے والی نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ رائے دہندہ کیلئے ضروری ہے کہ حالات کی نزاکت اور بچوں کے جذبات و احساسات اور ان کے میلان سے بخوبی واقف ہو نہیں تو خاموشی ہزار نعمت ہے کہیں ایسا

نہ ہو کہ رائے دہندہ کی بات پر عمل ہو جائے اور بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے البتہ حافظ ابن القیم کی رائے کو مولانا ملتانی نے اپنے حاشیہ میں بیان فرما کر واقعتاً ایک علمی اور عصری خدمت کی ہے کہ ”جس امر میں بچے کی مصلحت ہو وہی کرنا چاہیے“ کیونکہ خواہشات پر تالے نہیں لگائے جاسکتے اور یہ امر بھی واضح ہے کہ مرد وعورت مطلب ماں باپ لازمی چاہتے ہیں کہ علیحدگی کی صورت میں ان کی اولاد ان کے ساتھ رہے مگر مصلحت اور حالات کا تقاضا ہے کہ جو ان کی صحیح پرورش کا اہل خود کو ثابت کرے یا معاشرتی سطح پر جس کی شہرت خوب ہو بچے اس کے حوالے کرنے چاہیں۔

اس ترجمہ وحواشی کا اختتام اللہ رب العزت کی تعریف سے مزین حدیث پر کیا گیا ہے تو حدیث مبارک کا ترجمہ و حواشی ملاحظہ ہو۔ کتاب الجامع کی حدیث نمبر ۱۵۹۶ کا ترجمہ ہے:

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو لفظ وہ ہیں جو رحمٰن کو پیارے ہیں زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھاری میں اللہ بلند شان ہے، سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اللہ عظمت والا ہے اور اسکی شان بلند ہے اور وہ الفاظ ہیں: **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم**“

فقہ الحدیث: احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا جسم ہو گا اور اعمال تلیں گے اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ صرف مومنوں کے اعمال تلیں گے یا مومن وکافر دونوں کے اور صحیح اور راجح قول دوسرا ہے۔ یا اللہ محض اپنی رحمت سے ہماری حسنات کا وزن زیادہ کر دے اور برائیوں کا وزن کم کر دے اور ہمارے گناہوں کے ڈھیروں کو میری اس ٹوٹی پھوٹی توحید کے پرچہ کے مقابلہ میں جس کا مجھے دعویٰ ہے بالکل اڑا دے اور ہمارا اخیری لفظ جو منہ سے نکلے یہی کلمہ حسنہ کر دے یہ انعام اگرچہ ہمارے گناہوں کے سامنے بہت بڑا اور ناشائستہ ہے لیکن تیری رحمت اور غنیٰ کے سامنے شایان ہے اور کچھ بھی نہیں(۱۱۵)

اس کے بعد مندرجہ ذیل عبارت پر اس ترجمہ کا خاتمہ ہوتا ہے عبارت کے لفظ یہ ہیں:

”لاکھ لاکھ اور کروڑ کروڑ حمد ہے اس رحیم اور منعم عظیم کی توفیق سے اس مختصر مبارک کا ترجمہ مع فوائد بروز جمعۃ المبارک غیرہ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ کو اس افقر العباد عبد التواب ملتانی کے ہاتھ پر ختم ہو“(۱۱۶)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ عجمی لوگوں کے لئے عربی کتب کا علاقائی زبانوں میں ترجمہ کرنا واقعتاً ایک عظیم خدمت ہے اور اعلیٰ علمی کام ہے اور جب یہ کام حدیث کی خدمت میں کیا جائے اور اس کے کرنے والا دربار خداوند قدوس میں انعام واکرام کا مستحق ٹھہرتا ہے اور بندگان خدا بھی اس کی عزت وتوقیر کرتے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کام کو خالصتاً علمی اور تحقیقی معیار کے مطابق ہونا چاہیے روایت پسندی کرنے میں جو باتیں جدید تحقیق وتنقید کے ترازو میں مسائل پیدا کرتی ہوں اور اسلاف کے اوپر سوالیہ نشان بنتی ہوں اس روایت پسندی کو چھوڑ کر جدت میں خود کو منوانا چاہیے جیسے اوپر دعائیہ انداز میں "محض اپنی رحمت سے ہماری حسنات کا وزن زیادہ کردے" ایسا انداز عمل میں حسن پیدا نہیں کرتا اور علمی تقاضا ہے کہ جتنی محنت ہو اتنا ثمر مانگا جائے۔ بے جا مفادات ومراعات سے پرہیز کرنی چاہیے اور محنت کے بعد اللہ سے دعا مانگنی چاہیے وہ بہت رحیم وکریم ہے مجموعی طور پر ترجمہ بلوغ المرام مولانا عبد التواب کی عمدہ کاوش ہے۔ اللہ پاک انہیں کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے۔ آمین!

ملتان میں تراجم حدیث کے میدان میں دوسری کتاب کا نام ہے اعلاء السنن۔ اس کتاب کے مصنف کا نام مولانا ظفر احمد عثمانی التھانوی ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا نعیم احمد مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان نے احیاء السنن کے نام سے کیا ہے اور ضروری مقامات کی مختصر تشریح بھی فرمائی ہے ذیل میں ہم اس کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

۷۰۶ صفحات پر مشتمل احیاء السنن مولانا نعیم احمد صاحب کے زور قلم کا شاہکار ہے۔ بغیر صفحہ نمبر کے کتاب کا نام اور ناشر یعنی مکتبہ امدادیہ (ملتان) پاکستان کا نام چھپا ہوا ہے۔ یہ صفحہ جلد کے بعد ایک خالی صفحہ کے بعد لگایا گیا ہے۔ اس ورق کا دوسرا صفحہ خالی ہے اور پھر صفحہ نمبر ۵ تا ۱۴ تک فہرست ہے جس میں احیا السنن کی ضرورت اہمیت صفحہ ۲۰ پر عرض مترجم صفحہ ۲۱ پر اور مقدمہ احیا السنن (مولانا امین صفدر) صفحہ ۳۹ اور پھر کتاب الطہارت (وضو کے ابواب) کے عنوان سے ابواب کے عنوانات اور ان کے سامنے صفحات درج ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۵ پر کتاب اعلاء السنن کی تالیف کی وجہ بقلم حضرت اقدس مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی مدّ ظلہ رئیس شعبہ تخصص فی الدعوہ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان تجویز ہے جو صفحہ ۲۰ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا فہرس میں ذکر نہ

ہے فہرست میں احیاء السنن کی ضرورت اہمیت درج ہے جس کا صفحہ نمبر ۲۰ درج ہے جو کہ صفحہ نمبر ۲۰ جاری ایک مضمون کی ضمنی سرخی کے طور پر درج ہے۔

کتاب اعلاء السنن کی تالیف کی وجہ چھ صفحات پر مشتمل جو مضمون جامعہ خیر المدارس کے شعبہ تخصص فی الدعوہ والارشاد کے رئیس حضرت اقدس مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی مدّ ظلہ نے تحریر فرمایا ہے اس میں بڑی تگ ودود اور غور وفکر کے بعد ان دوسطروں کی نشاندہی ہو سکی ہے۔

"فطرت کا اصول ہے کہ عدوے شر انگیزد کہ خیر مادراں باشد–اس شر کے ساتھ خیر کا یہ پہلو نمودار ہوا کہ اعلاء السنن جیسی ضخیم کتاب اکیس جلدوں میں لکھی گئی" (۱۱۷)

چھ صفحات کے مضمون میں حضرت اقدس نے وہ شر ہی بیان فرمایا ہے جس سے اعلاء السنن کی صورت میں شر بر آمد ہوا ہے۔ ان جملوں سے پہلے بھی اور ان جملوں کے بعد بھی مناظرانہ رنگ بے ربط گفتگو، علوم الحدیث وعلم الفقہ کے تاریخ اور ارتقاء سے مکمل بے خبری بس ایک جمودی سوچ جس کے مطابق خاص طور پر برصغیر میں تمام امور انگریزوں کی لڑاؤ حکومت کرو کے زیر اثر وقوع پذیر ہوئے بس مسلمان تو انگریزوں کے اشارہ پاتے ہی لڑنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔ مخالف نقطہ نظر کے علمی اسباب کے تعین اور اس کا علمی جواب دینے کی بجائے یہ بہت آسان نسخہ ہے کہ اس کو دشمن کا کارندہ ثابت کر کے اپنے پیروکاروں کی نظر میں اس کو گرایا جائے اور خود کسی قسم کی جواب دہی سے آزادی حاصل کر لی جائے۔ اس طرح مخالف نقطہ نظر رکھنے والے مسلم مفکر کے ہاں خیر کے جو پہلو ہیں ان سے فائدہ اٹھانے سے قوم کو محروم کر دیا جائے ہمارے دور جمود میں خاص طور پر مغلوں کی بادشاہت کے خاتمے کے بعد ہر فرقہ کے سکالر سے دوسرے فرقوں کے ساتھ یہ کچھ کیا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت اقدس مولانا محمد امین صفدر مدّ ظلہ کے چند جملوں سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے:

"لیکن جب اسلامی حکومت (مغل بادشاہت) کا زوال شروع ہوا اور انگریز کی حکومت آگئی تو اس اسلامی قانون میں کیڑے نکالنے کا کام شروع ہوا۔ اس کام کے لئے ایک نیا فرقہ پید کیا گیا جو تقلید مذہب سے آزاد ہو گیا اور جلد ہی دو فرقوں میں بٹ گیا۔ ایک نے اپنا نام اہل حدیث رکھا تو دوسرے نے اہل قرآن رکھ لیا" (۱۱۸)

”اس پروپیگنڈہ کی پشت پر حکومت برطانیہ کا ہاتھ تھا۔ اس لئے چند سالوں میں سینکڑوں رسالے اور کتابیں فقہ حنفی کے خلاف لکھی اور پھیلائی گئیں جس کا اسلامی حکومت میں تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا“۔(۱۱۹)

”پھر غیر مقلدین نے یہ فریب دینا شروع کیا کہ جن مسائل میں احادیث میں اختلاف ہے ان میں کوئی مذہب بھی سب احادیث متعارضہ پر عمل نہیں کرتا بلکہ احادیث راجحہ پر عمل کرتا ہے۔“(۱۲۰)

”اس طرح چند جاہلوں کو ورغلا کر افتراق امت کے کام پر لگا دیتے تاکہ حکومت وقت کی پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو کی مکمل حمایت ہو جائے۔“(۱۲۱)

مگر اس کتاب کے چھپنے سے سب سے زیادہ اضطراب اور پریشانی ان نام نہاد اہل حدیثوں کو ہوئی۔ ان کے بارے میں جھوٹ کھل گئے کہ احناف کے پاس حدیث نہیں۔(۱۲۲)

آخر کس متعصب کی تلاش کی جو غیر ملکی ہو اور حازم القاضی کا ایک ایک سطر کا حاشیہ کتاب پر چھپا۔(۱۲۳)

اعلاء السنن کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”یہ کتاب مستطاب [اعلاء السنن] پہلی دفعہ ۱۳۴۸ھ میں تھانہ بھون انڈیا میں چھپی اور اس کے ساتھ پہلی سات جلدوں کا ترجمہ اردو میں اطفاء السنن کے نام سے چھپا یہ اتنی بڑی کتاب ہر آدمی خرید نہیں سکتا اس لئے میری خواہش تھی کہ اس کے متن کو ایک جلد میں شائع کر دیا جائے مگر کسی نے اس بات کی حامی نہ بھری مولانا نعیم احمد صاحب نے ہمت باندھی اور ہمت مرداں مدد خدا آخر کار احیاء السنن کے نام سے اس کا ترجمہ و تشریح لکھی۔ میں نے دوسری جلد کا بالاستیاب اور دوسری جلدوں کا کہیں کہیں ترجمہ دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ ترجمہ بہت سلیس اور عام فہم ہے اور ترجمہ کے بعد فوائد میں مخالفین کے مستدل کیطرف اشارہ کر کے اس کا شافی و کافی جواب دیا ہے اور جو احادیث کی تطبیق بیان فرمائی ہے وہ بھی مدلل اور عام فہم ہے“۔(۱۲۴)

یہ کتاب جلد اوّل ہے حضرت کی خواہش کہ اس کے متن کو ایک جلد میں شائع کر دیا جائے اور اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں جلد دوم کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا اور دوسری جلدوں کو کہیں کہیں سے دیکھا۔ یہ جلد اوّل ہے دیگر جلدوں کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہے۔ یہ معاملہ گنجلک سا بن گیا ہے جس کی وضاحت مطلوب ہے۔

البتہ ایک بات جو بہت پتے کی اور کام کی ہے جسے ہر صاحب علم اور صاحب بیان والقلم کو ذہن نشین کرنا چاہیے اور اس کے ایک ایک لفظ میں اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے وہ حضرت اقدس کا ابن البرہان خواب میں ابن حجر کو جو کہا اس کے ایک جزو پر تنقید ہے پہلے ملاحظہ ہو حضرت اقدس کی تحریر:

"یہ جو ابن البرہان نے کہا کہ تجھ پر رسول پاک ﷺ ناراض ہیں، شریعت میں ناراضگی تو گناہ ہوتی ہے اور اجتہادی مسائل کا تعلق تو گناہ سے ہے ہی نہیں وہاں ثواب پر دو اجر ہیں اور خطا پر بھی اجر ہے۔ مجتہد اگرچہ معصوم نہیں مگر مطعون بھی نہیں۔ وہ تو ہر حال میں ماجور ہے تو اس کی طرف میلان گناہ کیسے ہوا۔ اس لئے ابن البرہان کی یہ بات کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہے"۔(۱۲۵)

اس بارے میں میری گزارش صرف اس قدر ہے ہمارے علماء کرام حضرت اقدس کے ان جملوں کو پیش نظر رکھیں اور امت کے ہر سوچنے سمجھنے والے اہل علم پر اس کا اطلاق فرمائیں تو کس طرح اہل علم کی قدر میں بھی اضافہ ہوگا اور علم شریعت کا دامن بھی علوم حاضرہ وجدیدہ سے بھرتا چلا جائے گا۔ جب سے ہم نے اجتہاد کو ایک خاص عہد یا اپنی اپنی پسندیدہ چند مخصوص شخصیتوں کیلئے خاص کر دیا ہے اور باقی پوری امت کو اس کیلئے نااہل قرار دے کر ہم نے غور وفکر کی صلاحیت رکھنے والے کی سوچ پر پابندی اور فکر پر پہرے بٹھا کر تقلید اس پر لازم کر دی ہے تب سے امت میں دماغ استعمال کرنے کا کام رک گیا ہے۔ اس کے علوم پر بھی جمود طاری ہو گیا ہے روشن دماغ مفکروں کو زیادہ وقت قوم کو غور وفکر پر آمادہ کرنے پر اپنی صلاحیتیں کھپا دینا پڑتی ہیں۔ اگر امت میں غور وفکر عام ہوتا تو ہماری حالت یہ نہ ہوتی جو اب ہے۔ ہم علوم میں بھی دنیا کے مقابل ہوتے یا ان سے آگے نکلنے کے لئے تگ ودود کر رہے ہوتے۔ ہم علم کو دینی اور دنیوی میں تقسیم کر کے دنیوی علم کی بے توقیری کرنے کی بجائے علم کی وحدت پر یقین رکھتے ہوئے علم کے ہر میدان میں دنیا کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہوتے جیسے کہ قرون اولیٰ سے لے کر تقریباً ایک ہزار سال تک ہم دنیا کی قیادت پر فائز رہے ہیں۔

صفحہ نمبر ۲۱ سے صفحہ نمبر ۳۸ تک عرض مترجم ہے یعنی مولانا نعیم احمد صاحب نے اس ترجمے کے متعلق اپنے خیالات ۱۸ صفحات پر منتقل کیے ہیں۔ اس کے ذیلی عنوانات سے آپ ان کے خیالات سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں پہلے حدیث کی اہمیت پر کلام فرمایا ہے جس کے ذیل عنوانات درج کئے جاتے ہیں (۱) اقوال صحابہ وتابعین، صحابہ وتابعین کے اجتہادی فتاویٰ، تخریج کے مسائل میں اختلاف اور اس کے اسباب، ضرورت تدوین فقہ، ان عنوانات کی وضاحت صفحہ ۲۵

تک مکمل ہو گئی ہے صفحہ ۲۶ سے امام اعظم ابو حنیفہ کے مختصر حالات صفحہ ۳۵یعنی پورے دس صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں جس کا ترجمہ کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر صفحہ ۳۵ پر فقہ حنفی کی حقیقت کے عنوان سے یہاں شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۳۷ تک بیان ہوتا ہے صفحہ نمبر ۳۷ پر مولانا نعیم احمد صاحب نے بھی اعلاء السنن کے لکھنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''چنانچہ اس فتنہ کو بھانپتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے شاگرد رشید محدث جلیل مولانا ظفر احمد عثمانی کو حکم دیا کہ وہ فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وتابعین سے پیرہن کریں۔ تاکہ عوام کو اس نام نہاد اہل حدیث فرقہ کے دھوکہ سے محفوظ رکھا جاسکے اور وہ فقہ حنفی سے متزلزل نہ ہونے پائیں۔ الحمد اللہ مولانا عثمانی نے انتہائی محنت وجانفشانی سے چھ ہزار سے زائد احادیث متن میں اور اس سے دگنی احادیث حاشیہ میں مدون کر کے اعلاء السنن نامی کتاب مرتب کر دی جس کی نظیر اور اس کا جواب غیر حنفی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔''(۱۲۶)

اب صفحہ ۳۷ پر ہی چند سطریں ترجمہ کے بارے میں بھی تحریر فرمائی ہیں ان کو مولانا ہی کی زبان میں درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''ترجمہ اس طرح بامحاورہ کیا گیا ہے کہ حدیث کا مطلب سمجھنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ لیکن پھر بھی ترجمہ حدیث کے ساتھ ساتھ تشریح بھی درج کی گئی ہے۔ جس میں حدیث کا مفہوم اور طریق استدلال کو واضح کیا گیا ہے نیز مخالف فریق کے دلائل کا مختصر ذکر کر کے اس کا شافی اور وافی جواب دیا گیا ہے اور مختلف (بظاہر متعارض) احادیث کے درمیان نہایت بہترین انداز سے تطبیق دی گئی ہے متن میں ہی احناف کے دلائل کا درجہ مرتبہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن بعض مشہور مسائل مثلاً جمع بین الصلوٰتین، آمین بالجہر، قراۃ فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین وغیرہ جیسے مسائل میں تشریح کے اندر مفصل بحث کی گئی ہے۔''(۱۲۷)

صفحہ نمبر ۳۹ سے صفحہ ۶۲ تک رئیس المناظرین، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر مدّ ظلہ کا مقدمہ احیاء السنن کے نام سے ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مقدمہ میں اصول حدیث اور تاریخ حدیث اور اہم محدثین کرام کے اسماء گرامی اور ان کا مختصر تعارف ہے اس سارے مضمون سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم ایک عبارت درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"جس طرح قرآن پاک کے بارے میں سات متواتر قراء تیں مدار کار ہیں اگر کوئی قراءت غیر متواتر ان سے ٹکرائے تو وہ شاذ کہلاتی ہے اور اس پر تلاوت جائز نہیں اس طرح سنت کے بارے میں چار مذاہب ہی مدار ہیں۔ اگر کوئی روایات (حدیث) یا اثر (قول صحابہ) ان سے ٹکراتا ہے تو وہ شاذ ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہوگا" (۱۲۸)

رئیس المناظرین کے اس قول سے علم الفقہ کے ارتقا اور فقہی اقوال کا حدیث اور آثار صحابہ پر ترجیح پانے کے عمل کا اندازہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے اب ہم ترجمہ کے بارے میں عرض کرتے ہیں۔ ترجمہ میں جدید انداز اختیار کیا گیا ہے یعنی اوپر احادیث عربی زبان میں مع سند اور بحث کے حدیث کے اعراب بھی لگائے گئے ہیں درج کی گئی ہیں۔ پھر ایک لکیر کے نیچے اس کا اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ مثلاً نمونے کے طور پر صفحہ ۶۳ ضمیمہ نمبر پر درج ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر فائدہ کے عنوان سے تشریحی نکات بھی درج کئے گئے ہیں۔ فوائد میں جس طرح ہر مقام پر ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث کی تشریح میں فقہ حنفی کو ثابت کرنے پر زور قلم صرف کیا ہے اس سلسلے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلے حدیث نمبر ۶۷۸ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے دیکھا (مصنف ابن ابی شیبہ) اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا فرماتے ہیں کہ یہ سند عمدہ ہے۔ ابو طیب شارح مدنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سنداً متناً صحیح ہے اور قولی ہے۔

فائدہ: ان تمام احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں۔ البتہ بعض روایات میں ناف یا سینے پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے لیکن محدثین کرام کے ہاں وہ سب روایات متکلم فیہ اور ضعیف ہیں اور اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ عورت کیلئے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا مسنون ہے اور شیخ حلبی م ۹۵۶ھ نے بھی اس مسئلہ پر اتفاق اور اجماع نقل کیا ہے۔ (۱۲۹)

یہ حدیث باب وضع الیدین تحت السرّہ و کیفیۃ الوضع باب (نماز میں قیام کی حالت میں) دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھنے اور اس کی کیفیت کا بیان کی آخری حدیث ہے اس کے تحت جو بحث کی ہے وہ باب کے عنوان کے بالکل مطابق ہے۔ حنفی چونکہ ہاتھ ناف سے نیچے رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے ان تمام روایات کو متکلم فیہ اور ضعیف قرار دیا ہے

جن میں سینے وغیرہ یاہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور دیگر حضرات کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ حوالہ دینے کا پرانا انداز اختیار کیا گیا ہے جدید انداز نہیں ہے۔

اس طرح حدیث نمبر ۸۹۷ کا ترجمہ اور فائدہ کے عنوان سے تشریحی نوٹ درج کیا جاتا ہے۔

''حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہون نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے اور فرماتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اپنی بائیں جانب اسطرح السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فرماتے تھے'' اس حدیث کو ابوداؤد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے (بلوغ المرام) اور تلخیص میں ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں لفظ برکاتہ کی زیادتی ہے اور یہ زیادتی ابن ماجہ کے نزدیک بھی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ میں نے اس زیادتی کو ابن ماجہ میں نہیں پایا۔ شاید کسی نسخے میں ہو"۔

فائدہ: اس سے دونوں طرف سلام پھیرنا ثابت ہوا اور جمہور اور علماء احناف کا مسلک یہی ہے اور ایک سلام والی روایات صحیح نہیں ہیں۔ نیز ابن مسعودؓ کا قول کہ حضور ﷺ دونوں طرف سلام پھیرتے تھے۔ حضرت انس کے اس قول سے کہ حضور ﷺ صرف دائیں طرف سلام پھیرتے تھے سے مقدم ہے۔ کیونکہ ابن مسعود انس کی نسبت بڑے عالم جلیل القدر صحابی اور کثیر الملازمہ صحابی ہیں۔ اور حضرت انس کی نسبت حضرت ابن مسعودؓ نماز میں حضور کے زیادہ قریب ہوتے تھے (فتح الباری)۔ لیکن سب سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ ایک سلام والی احادیث کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ پہلا سلام زیادہ اونچی آواز سے کہتے اور دوسرا سلام پست آواز سے کہتے تھے اور برکاتہ کی زیادتی بھی سلام میں جائز ہے۔ مگر احادیث مشہورہ اس سے خالی ہیں اس لئے اس پر عمل نہیں ہے۔ (۱۳۰)

یہ حدیث باب وجوب الخروج من الصلوٰۃ بالسلام وبیان کیفیۃ کی دوسری حدیث ہے۔ اس باب میں کل ۷ احادیث ہیں حدیث نمبر ۸۹۶ تا ۹۰۲ اور اس حدیث کا نمبر ۸۹۷ ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ بالکل سہل اور عام فہم ہے کسی جگہ قوسین میں الفاظ بڑھا کر بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور احناف کے مؤقف کو حدیث کے عین مطابق قرار دے کر اس کے مخالف نقطہ نظر کے حاملین کے حق میں احادیث کو کمزور قرار دے کر گویا رد کر دیا ہے اور باب ترک

رفع الیدین فی غیر افتتاح والامر بالسکون فی الصلوٰۃ کی پہلی حدیث نمبر ۸۱۲ کا ترجمہ اور فائدہ کے تحت کی تشریح پیش خدمت ہے۔

ترجمہ حدیث: حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس (نماز پڑھنے کی حالت میں) تشریف لائے (اور ہم ہاتھوں کو نماز میں اٹھا رہے تھے) تو فرمایا کہ میں تم کو (نماز میں) شریر گھوڑوں کی دم کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے کیوں دیکھتا ہوں؟ نماز میں ساکن و مطمئن رہو۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سکون مطلوب ہے اور ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے اور جب سلام کے وقت یہ فعل سکون کے خلاف ہے حالانکہ وہ من وجہ خارج از صلوٰۃ بھی ہے تو وسط صلوٰۃ میں کیونکہ خلاف سکون نہ ہوگا؟ اور تکبیر تحریمہ نماز سے بالکل خارج ہے لہذہ اس وقت ہاتھ اٹھانے کو نماز میں ہاتھ اٹھانا نہیں کہہ سکتے پس وہ اس حدیث کا مصداق نہیں۔(۱۳۱)

اس باب میں بھی مؤقف اعلاء السنن نے ۸۱۲ تا ۸۲۹ تک اٹھارہ احادیث درج کی ہیں جن میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کے علاوہ رفع یدین کی ممانعت ہے۔ یہ فقہ حنفی کا مؤقف ہے اور علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب نے اس کی تائید میں احادیث درج کر کے گویا اس پر متبعین فقہ حنفی کو مطمئن کر دیا ہے کہ حنفی فقہ حدیث کے عین مطابق ہے ۔ مولانا نعیم احمد صاحب نے ان احادیث کو اردو میں ڈھال کر اور فائدہ کے عنوان سے مختلف جگہوں پر تشریح کر کے اردو داں طبقے کے اطمینان کا سامان کر دیا ہے۔ مخالف رائے بیان کرنے والی احادیث کو کمزور قرار دے کر گویا حنفیوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ حدیث رسول کی پیروی کر رہے ہیں جبکہ اہل حدیث اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور حنفی نماز میں بعض اعمال کو خلاف حدیث ہونے کی مہم چلا رہے ہیں۔ کم پڑھے لکھے لوگوں کیلئے تو بس اتنا کافی ہے کہ نماز ادا کریں لیکن یہ مکالمہ اہل علم کے درمیان جاری رہنا چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں علم کے میدان میں بھی یک طرفہ ٹریفک ہے یعنی ہم ہر طرح سے نیک اور ہمارا مخالف ہر طرح سے غلط۔ یہ چیز بحث کا دروازہ کھولتی نہیں بلکہ جمود کو بڑھاتی ہے۔ ہمیں جمود، مناظرہ اور مسکت جواب سے نکل کر مکالمہ کی طرف آنے کی ضرورت ہے جس کا ہمارے اہل علم کے ہاں فقدان نظر آتا ہے۔

اب ہم حجیت حدیث کے موضوع پر تحریر کی جانے والی کتاب کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت کرتے ہیں۔

مکانۃالحدیث فی التشریع الاسلامی یعنی حدیث رسول ؐ اور پرویزیت مفتی محمد بن عبد اللہ شجاع آبادی کی تصنیف ہے۔ آپ مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ آپ کا تعلق قدیم روایتی نظام تعلیم سے ہے اور آپ اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مذکورہ کتاب ۱۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ اوّل پر کتاب کا ٹائیٹل اور صفحہ نمبر ۲ پر کتاب کے بارے میں معلومات اسی صفحہ پر محترم جناب عبد الرزاق احمد آف اسلام آباد نے اپنی والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے اشاعت کتاب کیلئے زر کثیر کے تعاون کا ذکر ہے اور ان جیسے دیگر افراد کیلئے ترغیبی جملے ہیں اور ایک نوٹ میں اس کتاب کو مفت تقسیم کرنے کا ذکر کر کے اہل خیر سے اپیل کی گئی ہے کہ فنڈ میں تعاون کر کے ذخیرہ آخرت بنائیں۔

صفحہ ۴ سے فہرست **مکانۃالحدیث** شروع ہوتی ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ نمبر شمار۔ مضامین۔ صفحہ نمبر۔ صفحہ نمبر ۸ سے **کلمۃالمخرج** ہے جسے حافظ ریاض احمد عاقب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ پہلی دفعہ ۱۹۸۰ میں شائع ہوا تھا۔ اب دوسری اشاعت ۲۰۰۸ء میں ہوئی ہے۔ جبکہ **کلمۃالمخرج** کے آخر میں ۱۶ اگست ۲۰۰۷ء کی تاریخ درج ہے۔ صفحہ نمبر ۱۱ پر دیباچہ بار اوّل ۱۹۸۰ء عبد الرحمٰن خطیب مسجد مبارک اہل حدیث محلہ آغا پورہ بیرون دہلی گیٹ ملتان شہر نے ۱۹۸۰ء میں تحریر کیا ہے۔ جس میں فرمایا ہے کہ اول سے آخر تک بغور پڑھا اس رسالہ کو اپنے مضمون میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مثل پایا۔ ایک جملہ دعا پر مشتمل ہے کہ اللہ محنت قبول فرمائے اور عوام کو استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ دیباچہ طبع دوم ۲۰۰۸ء تقریباً نصف صفحہ پر جو کہ صفحہ نمبر ۱۲ ہے۔ حضرت محمد بن عبد اللہ شجاع آبادی صاحب نے خود تحریر فرمایا ہے۔ جس میں کتاب کی تاریخ اشاعت کے بارے میں چند جملے ارشاد فرمائے ہیں۔

تقریظ از قلم ملک کے عظیم سکالر مولانا عبد الرشید صاحب جھنگوی صفحہ ۱۳ سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ملک کے عظیم سکالر کی تقریظ بھی صفحہ ۱۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۴ پر دو سطروں کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اس تقریظ کا ایک پیراگراف پیش خدمت ہے۔

”زیر ترتیب کتاب مکانۃالحدیث فی التشریع الاسلامی حدیث رسول اللہ ﷺ اور پرویزیت جناب شیخ الحدیث مولانا محمد بن عبد اللہ شجاع آبادی نے تدقیق واخلاص کی روانگی سے کتاب وسنے کو ماخذ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ پر اتقان واذعان سے منصۂ شہود پر پیش کیا ہے۔ اپنے دعویٰ پر دلائل واستشہادات کو محققانہ غیر جارہانہ انداز سے کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔“(۱۳۲)

صفحہ ۱۵ پر مصنف کا خطبہ شروع ہوتا ہے جس میں انہوں نے کتاب کی غرض وغایت بیان کرنے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

”تاہم بعض روشن خیال اور منکرین حدیث نے امت مسلمہ کے اس متفقہ نظریہ سے اختلاف کیا ہے اور بلکہ حدیث رسول ﷺ پر اعتراضات واشکالات پیدا کئے ہیں۔ احقر ناچیز نے یہ رسالہ ترتیب دیا اور حسب ذیل عنوانات میں ان کا شافی وکافی اور تسلی بخش جواب دے کر ازالہ کیا ہے اور اصل مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔“(۱۳۳)

صفحہ ۲۱ پر خطبہ ختم کرکے طالب دعا: العبد محمد بن عبد اللہ شجاع آبادی کے بعد فوراً تعارف پرویز کے زیر عنوان نیا مضمون اسی صفحے سے شروع کر دیا ہے۔ تعارف کراتے ہوئے ایک سرخی قائم فرمائی ہے ”ان کا تعارف انہی کے معارف سے“

تعارف میں علامہ پرویز صاحب کی کتاب شاہکار رسالت کے مقدمہ گزر گاہ خیال از پرویز کے حوالے سے ایک پنڈت سے سیکھنے سکھانے کے عمل کو پرویز صاحب کی تحصیل علم، ارتقاء اور تشکیل نظریات کیلئے بنیاد بنا کر علامہ پرویز صاحب کی شخصیت وکام کو پورا منظر تخلیق کر دیا ہے جو اپنے عقیدت مند طلبہ اور پیروکاروں کیلئے تو شاید کار آمد ہو مگر جدید علمی تحقیق کے معیاروں پر پورا نہیں اترتا۔ مگر ہمارے قدیم روایتی طبقے ہیں یہی اسلوب رائج ہے اس کی پیروی کرنے سے فریق مخالف کی شخصیت مسخ ضرور ہو جاتی ہے مگر حق کی تلاش کے سفر میں حق کی ڈوری گم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ملک کے عظیم سکالر جناب عبد الرشید صاحب نے حضرت محمد عبد اللہ مصنف کتاب ہذا کے بارے میں تحریر فرمایا کہ یہ غیر جارہانہ انداز پر لکھی گئی ہے بجا مگر کسی بھی عالم کے حصول علم کے مختلف مراحل سے کسی ایک مرحلہ کو اس کے پورے افکار و کردار کیلئے دلیل بنا کر ہم اپنے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور نہ اپنے قارئین کے ساتھ۔ زیر بحث شخصیت کے بارے میں جو منفی تاثر ہماری ایسی تحریروں سے پیدا ہوتا ہے اس کیلئے ہم اللہ کے سامنے جواب دہ بھی خود ہی ہونگے۔ اگرچہ یہ کام

اخلاص سے انجام دیتے رہتے ہوں مگر ہمارے اخلاص کو کل پر مبنی ہونا چاہیے جزو پر نہیں۔ جزو کو کل بنا کر پیش کرنا خواہ کتنے ہی اخلاص سے ہو کلی حقیقت کی عکاسی نہیں کر سکتا۔

مصنف محترم نے جس طرح پرویز صاحب کے فکری ارتقا اور ان کی غور و فکر کی منازل کو بہت ہی جزوی طور پر دیکھا اور اس سے بھی مختصر بیان کر کے ان کی ذات کیلئے ایسی آیات کا انتخاب کیا جن میں شیطان کا لفظ استعمال ہوا یا جن لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے یا جو گروہ مسلمین سے الگ ہو گئے۔ یہ اسلوب مخالف نقطہ نظر کیلئے عدم برداشت کا مظہر ہے۔ اس سے غور و فکر یا سوال کرنے والے مسلمان جہنمی قرار پاتے ہیں اور سوچ بچار یا غور و فکر کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک مرض ہے اور آج ملت اسلامیہ اسی مرض کا شکار ہے۔ اس مرض کا علاج مخالف نقطہ نظر کا احترام اور اس کو اپنے جیسا مسلمان سمجھنے میں مضمر ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور اپنی وابستگی اسلام سے ظاہر کرتا ہے اور اپنے نتائج فکر کو اسلام کے حق میں بہتر نتائج کے حامل سمجھتا اور قرار دیتا ہے۔ کسی بھی محب اسلام، عاشق رسول، اہل بیت کے ماننے والے یا صحابہ کے شیدائی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے یا اسے شیطان کے گروہ میں شامل کر لے یا اس پر جہنمی ہونے کی آیات کا اطلاق کرے۔

مصنف نے پرویز صاحب کے علمی سفر کے بعد ان کے نظریات کا رد پیش کیا ہے۔ اس میں گروہی تعصب سے کام لیا ہے۔ کہیں پرویز صاحب کی بات کو سمجھنے میں غلط فہمی کا مظاہرہ نظر آتا ہے اور کہیں پرویز صاحب کے نقطہ نظر کو اپنے الفاظ میں بیان کر کے اس کا رد لکھا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

﴿ومامن دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا﴾(۱۳۴) کا ترجمہ از پرویز: زمین پر (یعنی اس حصہ ارض میں جس میں یہ معاشرہ قائم ہے) کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کا رزق اللہ (اس معاشرے) کے ذمہ نہ ہو۔ پھر لکھتے ہیں ہم اس مقام پر ایک نکتہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں ہم نے ﴿ان اللہ اشتری من المؤمنین﴾(۱۳۵) کی آیت میں بھی اور پھر مذکورہ الصدر آیت میں بھی اللہ کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ معاشرہ جو قانون خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہوا ہو یہاں پرویز صاحب نے صاف کہہ دیا کہ اللہ سے مراد معاشرہ ہے"(۱۳۶)

حضرت مولانا نے آخری فقرہ کہ "یہاں پرویز صاحب نے صاف کہہ دیا کہ اللہ سے مراد معاشرہ ہے" نامعلوم کس خیال میں تحریر فرمادیا۔ حالانکہ خود ہی اوپر پرویز صاحب کی وضاحت نقل کی ہے کہ اللہ کا ترجمہ کیا ہے وہ معاشرہ جو قانون خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہوا ہو۔ زمین و آسمان کا فرق ہے ان دو باتوں میں ایک صرف معاشرہ دوسرا وہ معاشرہ جو قانون خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہوا ہو۔ اگر کوئی صاحب تصنیف بزرگ اور اعلیٰ علمی شخصیت ان دو معاشروں میں فرق سمجھنے سے قاصر ہے اور قانون خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے وجود میں آنے والے معاشرے کو بھی عام معاشرہ سمجھنے اور سمجھانے پر مصر ہے تو ایسی ہستی کو کم از کم اس درجے کے مفکرین پر قلم اٹھانے سے احتراز کرنا چاہیے جو فکر و نظر کی اعلیٰ ترین سطح پر فائز ہوں اور قوم کے دل و دماغ کھولنے کیلئے اپنی صلاحیتیں استعمال میں لا رہے ہوں۔ سیدھی سی بات ہے مسلمانوں کا امام اس زمین پر اللہ کی نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے تعلیمات خداوندی میں جو کام نظام کے ذمے ہوتے ہیں وہ اللہ کی نیابت کرنے والے فرد یا ادارے کے ذمہ ہوتے ہیں۔ عہد رسالت مآب میں جناب رسول ﷺ اللہ کے نمائندے تھے چنانچہ آپ نے مسلمانوں اور اسلامی ریاست میں موجود دیگر انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کا سامان کیا۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء پر یہ ذمہ داری آن پڑی چنانچہ خلیفہ اوّل فرماتے ہیں میرے نزدیک تمہارا کمزور ترین طاقت ور ترین ہے جب تک میں اس کا حق دلوا نہ دوں اور تمہار طاقت ور ترین کمزور ترین ہے جب تک میں اس سے حق لے نہ لوں۔ خلیفہ دوم فرماتے ہیں کہ اگر فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی پرستش بھی عمر سے ہو گی۔ اس طرح خلفاء نے وہ ذمہ داری اپنے ذمہ لی اور اپنی استطاعت کی حد تک نبھائی جو دراصل اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ پھر خلافت کے بعد ملوکیت آ گئی اور ملوک نے حقوق اپنے لئے مخصوص کر لئے اور فرائض کا بوجھ عوام پر ڈال دیا۔ اور اللہ کو غیبی طریقوں سے مدد پہنچانے والی ہستی قرار دے کر لوگوں کو اللہ سے دعائیں کرنے پر لگا دیا اور اللہ کے نظام پر عائد کئے ہوئے فرائض سے عوام کو بے خبر رکھا۔ کیونکہ وہ ملوک کے ذمہ بنتے تھے۔ ملوک کب کسی کو اجازت دیتے ہیں وہ ان سے ادائیگی فرائض کا مطالبہ کریں۔ وہ تو عوام پر فرائض کا بوجھ لاد کر خود کو فرائض کے بوجھوں سے آزاد کر کے حقوق کا مستحق قرار دے ڈالتے ہیں ملوک کی ملوکیت عوام کے فرائض ہوتے اور ملوک کی عطا ہوتی ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔ جس سے چاہیں روک لیں وہاں عدل نہیں ہوتا جس کا حق اس کو ملے ناحق کوئی نوازا نہ جائے چودہ صدیوں سے اس مائنڈ سیٹ نے جو تصورِ خدا دیا ہے اس کے نظام میں معاشرے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے صرف عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ حقوق اللہ

بھی ادا کریں اور حقوق العباد بھی۔۔۔۔۔ اس مائنڈ سیٹ کو یہ بات کیسے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رزق اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب اس معاشرہ کی ذمہ داری ہے جو قوانین خداوندی کے نفاذ کیلئے تشکیل پایا ہے۔

پرویز کی فکر کو پیش کرتے ہوئے صفحہ ۲۵ پر ہی رقمطراز ہیں:

''پھر لکھتے ہیں: قرآن میں جہاں اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت (یعنی مرکز ملت کی) اطاعت ہے جب تک محمد ﷺ امت میں موجود تھے اس کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد زندہ جانشینوں کی اطاعت کا نام اطاعت خداوندی ہو گی۔''(۱۳۷)

پرویز صاحب کے اس نقطہ نظر سے ان معنوں میں تو اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ وہ آخری اتھارٹیز مرکز ملت کو قرار دیتے ہیں اور مرکز ملت سے ان کی مراد مرکزی حکومت ہے۔ گویا شریعت کے معاملے میں حاکم وقت یا امام وقت کی تشریح حرف آخر ہو گی اس پر ہمارے علماء کرام حکمرانوں کی عملی زندگیوں کے پیش نظر انہیں آخری اتھارٹی کا درجہ دینے اور ان کا یہ منصب تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ وہ تشریح شرع کا با اختیار حکمران اور بے اختیار علماء میں کشمکش جاری رہی کچھ سرکاری مولوی بن کر بادشاہوں کی مرضی ضرورت کے مطابق فتوے دیتے رہے اور کچھ حق بیان کر کے گردنیں تک کٹوا کے شہادت حق کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اب بھی سعودی عرب میں قضاء کا منصب ال شیخ کے پاس ہونے کی بنا پر تشریعی معاملات میں ان کی رائے کو برتری حاصل ہے لیکن یہ انتظام بھی شاہ سعود اور محمد بن عبد الوہاب کے مابین معاہدے پر مبنی ہے۔ نہ معلوم کب ملوکیت کے اختیارات کی ہوس کی نظر ہو جائے۔ یہاں تک ٹھیک ہے کہ مرکز ملت بمعنیٰ مرکزی حکومت کا اختیار کا ایسا مرکز نہیں ہونا چاہیے کہ وہ فیصل آباد کا گھنٹہ گھر بن جائے۔ البتہ اس عبارت سے جو تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت کا نام اطاعت خداوندی ہو گی گویا وہ اللہ کے درجے پر فائز قرار پائیں گے یہ بات خلفاء راشدین اور محدثین کیلئے تو کسی نہ کسی درجے میں درست قرار دی جا سکتی ہے۔ ہر دور کے حکمران اس کے مصداق قرار نہیں پا سکتے کیونکہ ان کی تشریح ان کے مفادات یا خواہشات کے تابع ہو سکتی ہے۔ ان کی اصلاح اور درستی کیلئے طبقہ علماء کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ حق بیان کر سکیں۔ یہاں پھر معاملہ با اختیار، بے اختیار اور مفاد کو ترجیح دینے والے اور اللہ کی رضا پر قربان ہو جانے والے کا آجائے گا لہٰذہ حق گو قربانی دیتے رہیں گے اور مفاد پرست مراعات پاتے رہیں گے۔ اس کے بعد رقمطراز

”نیز لکھتے ہیں: اس (موجودہ وقت کی) مملکت کے نافذ کردہ فیصلوں کی اطاعت کا نام اطاعت رسول (اطیعو اللہ و اطیعو الرسول) تھا اور اس کا عملی مفہوم تھا اسلامی مملکت کے فیصلوں کی اطاعت

یہ ہیں پرویز صاحب کے نظریات کہ پارلیمنٹ کے فیصلے بذات خود خدا اور رسول کے فیصلے ہیں۔ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول سے دور حاضر کا امام ہے اور محمد ﷺ کے بعد زندہ جانشین کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت مراد ہے۔ یعنی اللہ عزو جل اور محمد رسول ﷺ کی اطاعت عارضی تھی اور ختم ہوگئی“ (۱۳۸)

حوالا بالا میں میں پہلی تین سطریں پرویز صاحب کی ہیں مگر قوسین میں بڑھائے گئے الفاظ اگر پرویز صاحب کے ہیں تو جملوں میں فٹ نہیں بیٹھتے اگر مصنف محترم کے ہیں تو یہ ان کا فہم ہے جو انہوں نے پرویز صاحب کے سر تھوپ دیا ہے۔ (اس سے نرم الفاظ مفہوم کو ادا کرنے کیلئے مجھے میّسر نہیں آئے) کسی بھی نئی رائے رکھنے اور پیش کرنے والے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے بارے میں ایسی روش ہمارے قدامت پسند حضرات کے ہاں عام پائی جاتی ہے۔ ان کے اخلاص میں شبہ نہیں ہے البتہ فہم کے بارے میں انکا ہم رائے ہونا ممکن نہیں ہے۔

بعد کے پیراگراف میں جو نتائج فکر حضرت مولانا نے پرویز کی طرف منسوب کئے ہیں خاص طور پر یعنی کے بعد کہ یعنی اللہ عزو جل اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت عارضی تھی اور ختم ہوگئی۔ یہ خالصتہً حضرت مولانا کا فہم ہے جو انہوں نے پرویز صاحب سے منسوب کر دیا ہے۔ اس رائے پر جتنی بھی تنقید کی جائے اور اس رائے کی جس قدر مذمت کی جائے وہ ثواب قرار پائے گی۔ اس رائے کو پرویز صاحب سے منسوب کر کے اپنے پیروکاروں اور دیگر مسلم مسلمانوں کے جذبات کو پرویز صاحب کے خلاف خوب بھڑکایا جاسکے گا۔ اگرچہ حضرت مولانا کے بارے میں ملک کے عظیم سکالر مولانا عبدالرشید صاحب نے معتدل یا غیر جارحانہ انداز اپنانے کی بات کی ہے جو کافی حد تک درست ہے۔ آپ نے پرویز صاحب کا نام احترام سے لیا ہے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ مگر ان کو نقطہ نظر سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ اگرچہ خود پرویز صاحب کے بھی وہم و گمان میں نہ ہونگے مگر ان نتائج فکر پر کوئی بھی شخص پرویز صاحب کیلئے اچھے الفاظ استعمال کرنا تو رہا ایک طرف دل سے ان کا احترام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

پرویز صاحب کا ایسا تعارف کروانے کے بعد حضرت مولانا نے حدیث کے لفظ پر بحث کی ہے پھر حدیث رسول کی تشریعی حیثیت پر بھرپور دلائل دیئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی مختلف حیثیتوں پر زور قلم صرف کیا ہے جو سنت کی آئینی حیثیت میں مولانا مودودی اور ڈاکٹر عبدالودود کی بحثوں سے مشابہ ہے۔

اس کے بعد وحی کی دو قسموں پر بحث کی ہے اور وحی کی دونوں قسموں پر ایمان لانے کے لزوم کو ثابت کیا ہے اور ان اعتراضات کے جواب دینے کی سعی بلیغ کی ہے جو ایک ہی قسم ماننے والوں کی طرف سے اٹھاجاتے ہیں۔

کتابت وحفاظت حدیث کو موضوع بناکر اس پر بھی مدلل گفتگو کی ہے مگر حدیث کے بے شمار قسموں کی موجودگی میں یہ بحث یکطرفہ سی محسوس ہوتی ہے۔ اس پر جس نوعیت کے سوال اٹھائے گئے ہیں اس درجہ میں اس کے جوابات نہیں دیئے گئے۔ بس سطحی سے جوابات جو اپنے حلقے سے خراج تحسین حاصل کرسکتے ہیں مگر علم کی میزان میں تلنے کے قابل نہیں ہیں۔ مولانا نے اہل حدیث مکتب فکر کے روایتی نقطہ نظر کے مطابق حدیث اور سنت کے فرق کا خیال نہیں رکھا جس کی وجہ سے ان کی بات میں وزن کم ہو گیا ہے۔ حدیث کی قسم میں ضعیف اور موضوع بھی آتی ہیں جبکہ سنت کہتے ہیں اس قول فعل یا تقریر کو جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ جب آپ سنت کا دفاع کرتے ہیں تو ذخیرہ حدیث کا بہت بڑا حصہ آپ کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔

پرویز صاحب سادہ الفاظ میں جو اپنا نقطہ نظر مؤقف پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب جو لٹریچر ہمارے ہاں موجود ہے اس کو قرآن مجید کے ترازو میں تول لیں اگر اس پر پورا اترتا ہے تو لے لیں اور اگر اس کے ترازو میں پورا نہیں اترتا تو ترک کردیں۔ اگر پرویز صاحب کے مؤقف کو غلط ثابت کرنا ہے تو سنت کو قران کے میزان پر پورا اترتا ہوا ثابت کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر ایسے افکار پرویز کی طرف منسوب کردیئے جائیں جو اس کے ہیں ہی نہیں اور ان کا رد کر کے یہ اطمینان حاصل کرلیا جائے کہ پرویز کی بھرپور تردید ہوگئی ہے اور اس کی رائے کو وزنی قرار دینے والوں کو اطمینان بخش جواب مل گیا ہے تو جی بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

ہر حال مولانا نے اپنے علم اور ذہنی سطح کی حد تک بڑی محنت کی ہے اور اپنے مؤقف کا بھرپور دفاع کیا ہے کتاب کے آخر میں انٹرویو کی شکل میں اپنے حالات زندگی بھی درج کیئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے مکتبہ فکر کے چوٹی

کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا کام بہت محنت اور خلوص پر مبنی ہے۔ وہ اپنے فرقے کے اسلام آباد سے لے کر ملتان اور شجاع آباد تک کے اہم اداروں میں مدرس اور شیخ الحدیث کے فرائض ادا کرتے رہے ہیں۔ اپنے حلقے میں ایک علمی شخصیت کے طور پر ان کا تعارف موجود ہے اور وہ اپنی تنظیم کے مرکزی مجلس کے ممبر چلے آرہے ہیں۔ وہ اپنے حلقے کے مختلف رسائل میں مضامین بھی لکھتے رہے ہیں اور ان کے مضامین کو بھی پسند کیا جاتا ہے۔ کتاب زیر بحث بھی روایتی نقطہ نظر پر مشتمل روایتی انداز کی کتاب ہے۔ جدید انداز کے مفکر پر تنقید کا حق تو ادا نہیں کر سکی البتہ روایتی طبقے میں مقبول ہے۔

خلاصہ تحقیق

خطہ ملتان جس طرح دور عروج میں علم وہنر کا مرکز رہاہے اس طرح دور زوال میں اس پر بھی ادبار چھا گیا۔ دورِ زوال میں اس خطے میں علماء کم اور صوفیا زیادہ پیدا ہوئے۔ صوفیاء کرام نے عمل کی دنیا کو آباد رکھا اور دلوں کو زنگ سے دور کیا۔ عوام میں محبت کے پھولوں کی آبیاری کی اور انہیں رضاء الٰہی کے حصول کی طرف راغب کیا اور ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کی خدمت سر انجام دیتے رہے۔

علمی دنیا میں عمومی رجحان فقہ، اصول فقہ اور منطق وفلسفہ کی طرف زیادہ رہالہذا جن علمی شخصیات کا نام لیا جا سکتا ہے وہ درج بالا میدانوں کے شہسوار ہی نظر آئیں گے برصغیر میں اسلامی علوم کی نشاۃ ثانیہ کا کام حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور سے شروع ہوا حضرت شاہ ولی اللہؒ وہ عظیم شخصیت ہیں کہ برصغیر کے علمی کام کا سر شاہ صاحب سے مل جاتا ہے۔ احیاء علوم کی یہ تحریک اگرچہ اٹھارویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی لیکن اس کے ملتان تک پہنچنے میں صدیاں لگ گئیں۔ ملتان میں حدیث پر تحریری شکل میں کام ہمیں مولانا عبد العزیز پرھارویؒ کا نظر آتا ہے جو عربی زبان میں ہے اور دراصل اپنے اساتذہ کے دورس پر مبنی ہے جو انہوں نے دوران تدریس لکھے ان پر نظر ثانی کی اور ۲۰۱۴ء میں کوثر النبی ﷺ کے نام سے مکتبہ امدادیہ نے اسے شائع کیا۔

ملتان میں مدارس تو بہت عرصے سے قائم تھے۔ مگر ان میں جتنی حدیث پڑھائی جاتی تھی اس کا انداز تحقیقی کی بجائے تقلیدی تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان میں مدارس دینیہ کا قیام عمل میں آیا۔ سبقت خیر محمد جالندھری نے خیر المدارس قائم کر کے کی پھر قاسم العلوم اور انوار العلوم قائم ہوئے اور ان کے ساتھ ہی جامعہ محمدیہ اور دار لعلوم شیعہ سورج میانی ملتان اور مخزن العلوم ابدالی روڈ ملتان میں قائم ہوئے ان مدارس میں حدیث پڑھائی جاتی رہی اور طلبہ کو دورہ حدیث بھی کرایا جاتا رہا۔ علماء کرام کا رجحان تدریس کی طرف رہا۔ یہ مدرسے فرقوں کی بنیاد پر قائم ہوئے۔ ان مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ نے مساجد کی امامت اور خطابت کا کام سنبھالا یا کوئی نیا مدرسہ کھولا اور اسمیں تدریس یا مہتمم کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ قدیم اشاعتی اداروں کیلئے دینی مدارس میں تدریس، کتب شائع کرنا اچھا کاروبار رہا ساتھ ہی دیگر مذہبی کتب بھی شائع کرتے رہے موجودہ دور کے معیار کی تحقیقی اور علمی کتب کے پڑھنے کا رواج دینی مدارس کے طلبہ واساتذہ رائج رہا اور ان کی ضروریات کا لٹریچر شائع کرنے والوں نے اس رجحان کے مطابق کتب شائع کرنے کو ضروری خیال کیا۔

ملتان قیام پاکستان کے بعد بھی لاہور کے مقابلے میں پسماندہ علاقہ رہا۔ یہاں سے لائق اہل علم لاہور یا دیگر علاقوں میں منتقل ہوتے رہے ملتان میں اگرچہ مدارس قائم ہوگئے تھے لیکن ان میں تحقیق تخلیق کی روایت کمزور رہی۔ ملتان میں پہلی یونیورسٹی ۱۹۷۵ء میں قائم ہوئی اور اس میں اسلامیات کا شعبہ ۱۹۸۲ء میں قائم ہوا۔ اس اعتبار سے تحقیقی اور تخلیقی روایت کی آبیاری کے اداروں کو وجود میں آنے میں قیام پاکستان کے بعد ۳۰ سال کا عرصہ گزر گیا۔ اب یونیورسٹی اور دینی مدارس نے مساوی چلنا شروع کیا ایک دوسرے سے سابقہ پڑا تو مل کر کام کی راہیں نظر آنے لگیں تو تخلیق و تحقیق کی روایت میں کچھ جان سی محسوس ہوئی۔ نتیجۃً کچھ کام منصۂ شہود پر آیا جس میں بعض قابل قدر اور ضروریات حاضرہ سے ہم آہنگ ہے۔ مگر کچھ روائتی ہے۔

اگر ہم تفصیلی جائزہ لیں تو ملتان میں حدیث پر کام کو چار حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں ا۔ عربی زبان میں ہونے والا کام ۲۔ ترجمہ حدیث ۳۔ حدیث کا موضوعاتی مطالعہ ۴۔ شرح حدیث۔ اب ہم مختصر طور ہر ایک کا تفصیلی تعارف پیش کرتے ہیں۔

ا۔ عربی زبان میں ہونے والا کام: ۔ عربی زبان میں حدیث پر جو بھی کام ہوا ہوگا ان سب میں ہمیں صرف عبدالعزیز پرھارویؒ کے کام سے واقفیت حاصل ہوسکی ہے۔ باقی اور کوئی کسی کام سے ہم واقف نہیں ہوسکے۔ مولانا عبد العزیز کے کام کی نوعیت بھی تحقیقی تخلیقی نہیں ہے۔ بلکہ تدریس سے یعنی دوران تدریس اساتذہ نے جو اسباق دیئے وہ انہوں نے تحریر کرلئے اور وہ مخطوطوں کی شکل میں ان کے علمی ورثہ کے طور پر اگلی نسلوں کو منتقل ہوتے رہے اور اس طرح ان کی تحریروں کی حفاظت ان کے شاگردوں کے ذریعے ہوتی رہی اور ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں اگر ضائع ہونے لگیں تو شاگردوں کے ذریعے دوبارہ تحریر کرکے ان کو محفوظ کردیا۔ اب اصول حدیث پر ان کے کام کو مکتبہ امدایہ نے شائع کردیا ہے۔ زیور طباعت سے آراستہ ہونے کے بعد یہ کتاب اب لائبریریوں کی زینت بھی بن جائے گی اور طالبان علم کی علمی پیاس بجھانے کیلئے عام ہوگئی ہے اس پر اب مزید کام ہوسکتا ہے۔

۲۔ ترجمہ حدیث پر قابل قدر کام مولانا عبدالتواب اور مولان نعیم احمد صاحب کا ہے۔ ترجمے کے ذریعے حدیث کی تعلیم کو عام کرنے کا کام دیگر علاقوں میں بھی ہوا ہے۔ ملتان کی اس بابرکت کام میں شمولیت ان دو حضرات کے ذریعے ہوئی۔ دونوں ترجمے بعد کے مجموعوں کے ہیں۔ بلوغ المرام ابن حجر (م ۸۵۲) کا مجموعہ حدیث ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا

عبد التواب نے کیا ہے اور اعلاء السنن مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۳۹۴ھ) کی کتاب ہے اس کا ترجمہ مولانا نعیم احمد صاحب نے کیا ہے۔ یہ بامحاورہ ترجمے ہیں۔ جن کے ذریعے حدیث کا فہم حاصل ہوتا ہے یہ دونوں حضرات قدیم روایت سے متعلق ہیں اور ان کے ترجمے بھی انہیں خصوصیات کے حامل ہیں۔

۳۔ موضوعاتی مطالعہ میں بھی دو ہی حضرات قابل قدر ملے ہیں ایک ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب ہیں جن کا تعلق بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے اور دوسری شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب ہیں مدرسہ جامعہ العلوم میں شیخ الحدیث رہے۔ اگرچہ ان دونوں شخصیتوں کا رہائشی تعلق ملتان کی سرزمین سے نہیں ہے لیکن ملتان کی سرزمین پر عرصہ ملازمت کے دوران ان کی کتب کی تالیف ملتان میں حدیث پر ہونے والے کام میں شامل ہونے کا باعث بنی ہے۔ ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب نے ایمان اور زہد کو موضوع بنایا ہے اور بخاری و مسلم کے متعلقہ ابواب کی احادیث کو بنیاد بنا کر اپنا حاصل مطالعہ کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جبکہ شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب کا کام زیادہ وسیع ہے آپ نے ایمانیات، عبادات، معاملات اور عائلی زندگی کو موضوع بنا کر احادیث بیان کر کے ان کی تشریح اور وضاحت کی ہے۔ یہ دونوں حضرات قدیم علمی روایت سے متعلق ہونے کے باوجود جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ادراک رکھتے ہیں اور انہوں نے ان کو پورا کرنے کے لئے آج کی زبان میں قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ یہ ایک اہم علمی کام ہے جو نئی نسل کو حدیث کی راہنمائی فراہم کرنے میں بہترین معاون ثابت ہو رہا ہے۔

۴۔ شرح حدیث: ۔ حدیث کی تشریح بہت اہم کام ہے جو عربی زبان میں ہوتا چلا آرہا ہے۔ مدرسہ ایجوکیشن جہاں دورہ حدیث کرایا جاتا ہے اس کی زبان تدریس عربی ہے۔ لہٰذہ اساتذہ انہیں عربی کتب پڑھاتے ہیں۔ اگرچہ مدرسوں میں عربی اور اردو یا مقامی زبانیں ذریعہ تدریس ہیں مگر تحریری ذخیرہ ابھی تک عربی زبان میں وافر تعداد میں موجود ہے۔ اب ملتان بھی اردو کی طرف رجحان ہوا اور مدرسے متعلق حضرات نے اس میدان میں بھی خدمات انجام دیں۔ مشکٰوۃ اور بخاری شریف کی تشریحیں اردو زبان میں طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ تاہم ان کتب میں طوالت ہے۔ معاملہ طویل ہوتا ہے تو گنجلک بن جاتا ہے۔ لہٰذہ یہ کمزوری بھی ان میں موجود ہے۔ تاہم عربی الفاظ اور جملوں کو سمجھنے یا اس پر فقہا کی مختلف آراء جاننے کیلئے ان کے اندر مناسب مواد موجود ہے۔ شرح سے پہلے ان کے مقدمہ جات یا تعارفی کلمات وغیرہ ہیں متعلقات حدیث مباحث پر بھی مناسب سا مواد موجود ہے۔ یہ شروح ایک حد تک حدیث کی وضاحت کرتی ہیں

اور مناسب مواد کی حامل قرار دی جاسکتی ہیں۔ اعلیٰ درجے کے کام کیلئے اب بھی گنجائش موجود ہے۔ صاحبان علمی کی توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیے۔

تجاویز وسفارشات

ملتان مردم خیز خطہ ہے اور قدیم ترین شہروں میں سے ایک اہم شہر اور اہم ترین مراکز علم وفن میں سے ایک مرکز رہا ہے۔ اس شہر کی سیاسی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی۔ مگر مجموعی طور پر ملتان سرزمین برصغیر پاک وہند میں ستارے کی طرح جگمگاتا رہا۔ تاتاریوں کے حملوں کے دوران ملتان پہلا دفاعی مورچہ تھا۔ احمد شاہ ابدالی کی جائے پیدائش ہونے کا شرف بھی ملتان ہی کو حاصل ہے۔ مغلوں کے آخری عہد میں یہاں مظفر خاں سدوزئی آخری حکمران تھا جو راجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھوں شہید ہوا اور انیسویں صدی کے اوائل میں یہ خطہ آزادی سے محروم ہو کر راجہ رنجیت سنگھ کی عملداری میں آ گیا۔ رنجیت لاہور کے تخت پر بیٹھا ہوا اپنی سلطنت کو فروغ دے رہا تھا۔ لہذا اسے ملتان کی علمی ترقی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی چنانچہ ملتان علمی ترقیوں سے محروم ہوتا چلا گیا۔ ۱۸۴۵ء میں ملتان پر انگریزی عملداری کا آغاز ہوا تو ملتان انگریزی سلطنت کے تحت علمی شاہراہ پر گامزن ہوا۔ علوم دو طرح سے تقسیم ہو گئے۔ قدیم علوم کے مدرسوں کی جگہ جدید علوم کی درس گاہوں نے لے لی۔ مگر قدامت پسندوں نے پرائیویٹ سیکٹر میں قدیم علوم کو دینی قرار دے کر ان کی حفاظت کا علم بلند کیا اور ملتان میں جامعہ خیر المدارس، جامعہ قاسم العلوم اور دیوبند میں مدرسہ دارالعلوم کے نام سے قائم ہوا پھر دینی مدارس کے نام میں درس نظامی کا سلیبس پڑھانے والے مدرسے قائم ہوتے چلے گئے۔ جامعہ انوار العلوم کے نام سے تین بڑے مدرسے حنفیوں کے اور جامعہ محمدیہ اور جامعہ مخزن العلوم اہل حدیث اور شیعہ مکتب فکر کے مدرسے وجود میں آئے۔ یہ تمام مدرسے قیام پاکستان کے بعد وجود میں آئے۔ انہی مدارس میں تدریس حدیث ار دورہ حدیث تک حدیث کے علم کی تدریس کا عمل شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ ان مدارس میں علم حدیث پر جو تقریریں ہوئیں وہ شاگردوں نے نوٹ کیں اور پھر لائق اساتذہ نے ان پر نظر ثانی کر کے ان کو شائع کروا دیا اس طرح اردو زبان میں شروح حدیث کی کتابیں وجود میں آئیں۔ ملتان میں حدیث پر ہونے والے کام زیادہ تر انہی شروح پر مشتمل ہے۔

دو کام البتہ ایسے ہیں جنہیں موضوعاتی مطالعہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس میں ایک کام کا کریڈٹ یونیورسٹی کو جاتا ہے۔ دوسرا کام شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب کے ذہن رسا کا کارنامہ ہے۔ پہلا کام بخاری شریف کی کتاب الایمان

اور مسلم شریف کی کتاب الزہد کا تشریعی مطالعہ ہے۔ یہ دونوں کتاب ہیں ڈاکٹر سعید الرحمٰن صدر شعبہ اسلامیات کی تصانیف ہیں وہ طلبہ کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر خالص مضامین حدیث کی وضاحت پر مبنی ہیں۔ جبکہ ترجمان الحدیث کے نام سے دو جلدوں میں حدیث کی تعلیمات پر مبنی کتب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب کی کاوش ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں ایمانیات سے لیکر معاملات تک سبھی موضوعات پر احادیث کو جمع بھی کیا گیا ہے اور ان کی مختصر مگر جامع تشریح بھی کی گئی ہے۔ یہ ملتان کی سرزمین پر مشکوٰۃ المصابیح کے درجے کا کام ہے جس میں تشریح نے اس وک دور حاضر کیلئے راہنمائی کا کام بنادیا ہے۔ اس عہد کی آسان اردو زبان میں مضامیں حدیث کو بیان کر کے شاہ صاحب نے ایک اہم علمی ضرورت کو نہ صرف پورا کیا ہے بلکہ اس طرف آگے کام کرنے کیلئے راستے بھی کھولے ہیں۔ اب آنے والے اہل علم حضرات کے سامنے کرنے کے کام یہ ہے کہ دور حاضر کے پیدا ہونے والے مسائل کا حل حدیث سے پیش کریں۔ خود حدیث پر جو سولات پیدا کئے گئے ہیں ان کا کافی وشافی جواب دیں کسی بھی نقطہ نظر کو اس لئے ترجیح نہ دیں کہ وہ ہمارے اسلاف میں سے کسی محبوب ہستی کا نقطہ نظر ہے اور نہ کسی رائے یا حقیقت کو اس بنا پر رد نہ کریں کہ یہ اس عہد کے کسی بڑے ستشرق یا نامی گرامی اہل علم کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکی۔ اہل علم کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے رائے قائم کرتا اور اس کو بھرپور دانداز میں پیش کرتا ہے۔ روایت، قدامت، جدّت یا رسم، اس کے نقطہ نظر اور رائے پیش کرنے میں حائل نہیں ہوتی۔ لہذا معاشرت اور غیر اسلامی تصوف اور راہبانہ طرز فکر کا چیلنج بھی اہل علم کو درپیش ہے۔ یہ تمام پہلو امت میں رائج ہیں اور ان میں بعض کو مذہب کی حیثیت حاصل ہے۔ خاص طور پر ہر تصوف کے نام پر جو کچھ خاص طور پر پاکستان وہند میں رائج ہے اس کو حدیث کی روشنی میں پرکھ کر اس پر رائے دینے کی ضرورت ہے۔

پھر علامہ اقبال نے اسلام پر عجمی اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ دین ہو یا کوئی نظریہ وہ اپنے اصل (origin) سے نکل کر جب دوسرے مقامات تک پہنچتا ہے تو اثرات ڈالتا بھی اور اثرات قبول بھی کرتا ہے۔ کسی بھی نظرے کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ لچک دار ہو اور پنے اندر دوسرے تمدن وتہذیب کی خوبیوں کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسلام بھی عرب سے نکل کر گردوپیش پھیلا تو اس نے بھی علاقائی خوبیوں کو برقرار رکھا اور پیروکاروں کو ان شعبوں میں عمل جاری رکھنے کی اجازت دی جن پر عمل کرنے سے اسلام کے مقاصد متاثر نہیں ہوتے تھے۔ پھر ملوکیت کے اپنے تقاضے اور رنگ ہوتے ہیں۔ جن کے اثرات اسلام پر پڑے جیسا کہ اقبال نے کہا کہ

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا　　کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ظاہر پر زور اور روح سے انحراف کی روش قائم ہو جاتی ہے اور ظاہر کو اصل سمجھ کر اسی پر قائم رہنے کو اسلام کے تقاضے پورے کرنے کا یقین بیٹھ جاتا ہے۔

اس صورت حال سے نکل کر اہل اسلام کی طرف آنے کا راستہ صرف اور صرف قرآن حدیث کی طرف رجوع بنے۔ حدیث رسول ﷺ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اسوہ نبوی اہمیں سب سے زیادہ صحیح حالت میں حدیث سے ہی مل سکتا ہے۔ حدیث کے میدان میں محدثین کا کام قابل قدر ہے ۔اس میں سے حقیقی اسوہ رسول ﷺ کو سامنے لانا یہ ہر دور کے محدثین پر لازم ہے۔ جس طرح قرآن کے عجائبات ختم نہ ہونگے اس طرح اسوہ حسنہ بھی ہر دور میں کامل راہنمائی عطا فرماتا رہے گا۔ اس دور میں اسوہ حسنہ کی کیا راہنمائی ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ فریضہ حدیث کے علماء کا ہے کہ وہ دورِ حاضر کو بھی سمجھیں اور اسوہ کامل کی راہنمائی عصر رواں کی زبان میں بیان کر کے اپنے فریضہ سے بحسن کمال فارغ ہوں۔

عصر حاضر میں خاص طور پر برصغیر پاک وہند کی فضا فرقہ بندی سے مکدر ہو چکی ہے۔ یہ سلسلہ ماضی سے جاری ہے اور دورِ حاضر نے اس میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ غیر متعلق بحثوں نے فروغ پایا اور ساری توانیاں ان بحثوں میں صرف ہوئیں۔ ہر فرقے دوسرے کو کافر قرار دینے پر جتنا زورِ بیان و قلم صرف کیا ہے شاید اتنا اپنے آپ کو حق پر کرنے میں صرف نہ کیا ہو۔ اس کا نتیجہ میں مسلمانوں کا باہمی انتشار، بے توقیری اور حتی کہ قتل وغارت گری تک نوبت پہنچی ہے۔ ملت کا شیرازہ بکھرا ہے۔ فرقے طاقتور ہوئے ہیں ملت کمزور ہوئی۔ ملک میں فساد پھیلا ہے اور مسلمانوں کی عزت و توقیر خاک میں مل گئی ہے۔ اس نیک کام میں ماہرین ابلاغ وبیان نے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ حدیث کے میدان میں کام کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ فرقہ وارانہ بحثوں کی حوصلہ شکنی کریں۔ خود ان میں پڑنے سے اجتناب کریں۔ عوام کیلئے عملی مسائل کو کھول کر بیان کریں اور نظری مسائل کی بحث کو اہل علم تک محدود رکھیں۔ شہید مرتضیٰ مظاہری نے سخن میں لکھا ہے کہ اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے نام پر جھوٹ پھیلانے والوں کو روکیں اور عوام کے سامنے ان کی حقیقت کھولیں اور خود صحیح اسلام بیان کریں تاکہ عوام غلط راہوں پر پڑنے سے بچ سکیں۔

حدیث کی شرح میں قدیم انداز تحریر کافی گنجلک ہے اندر متن پھر حاشیہ اور اس پر پھر حاشیہ اور بعض اوقات الفاظ پر باریک خط میں معنی الفاظ یہ قدیم طرز تحریر ہے۔ آج تک مدرسوں میں وہی بڑی بڑی کتابیں پڑھائی جارہی ہیں۔ وہیں کتابیں نسل در نسل پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ندرت خیال اور جدّت فکر کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ ضرورت اس امر ہے کہ حدیث کی کتب بھی جدید کی طرح پرنٹ ہوں اگرچہ اردو ترجمہ اور تشریح والی کتابیں جدید انداز میں چھپ رہی ہیں مگر ان میں بھی اصلاح کی بڑی گنجائش موجود ہے جس کی نشاندہی ان پر تنقید کے باب میں کی جاچکی ہے۔ اس جگہ مجموعی توجہ دلانا اور تجاویز پیش کرنا مقصود ہے۔

حدیث کی شرحیں تو چند ایک اردو زبان میں بھی میّسر ہیں مگر دیگر میدانوں مثلاً تاریخ حدیث، اصول حدیث، جمع و تدوین حدیث اور حجیت حدیث پر کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سلسلے میں ملتان میں قائم یونیورسٹیز کے اسلامیات اور عربی کے شعبہ جات پر بھی برابر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن جو ادارے اپنے آپ کو کہلاتے ہی دینی ہیں ان پر ذمہ داری ان کے دعوٰی کے مطابق تو بہت بھاری ہے۔ مگر ہم انصاف کی بات کرتے ہوئے اس میدان کے تمام اہل علم کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ خاص طور پر ایم فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے درجے پر ہونے والی تحقیق اور لکھے جانے والے مقالات اور پھر اس سطح پر ٹرینڈ ہونے والے سکالرز کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس میدان میں ہونے والے کام میں کمی کو پوری کریں۔

مدرسوں میں عربی زبان کے غلبہ کی وجہ سے عربی الفاظ اور جملے اساتذہ کی زبان پر رواں ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے طلبہ بھی وہ ہوتے ہیں جن کی عربی زبان کی مہارت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس ماحول میں اساتذہ اردو زبان میں حدیث پڑھاتے ہوئے عربی الفاظ و اصطلاحات بے تکلف استعمال کرتے ہیں اور ان کے طلبہ کو انہیں سمجھتے ہیں ذرہ برابر دقت نہیں ہوتی۔ پھر یہی تقریریں معمولی نظریاتی کے بعد کتابی شکل میں شائع ہو کر مارکیٹ میں آگئیں۔ اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے عام پڑھے لکھے لوگ جب حدیث جاننے کیلئے ان کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں تو انہیں ان کتب کی اردو زبان سمجھنے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کی زبان میں عربی اسلوب اور الفاظ کا غلبہ ہوتا ہے جس نے آسان اردو بولنے اور سمجھنے والے مانوس نہیں ہوتے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ حدیث پر ہونے والے کام آسان اور عام فہم زبان میں کیا جائے۔

ملتان میں شرح حدیث پر کئے جانے والے کام میں طوالت کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ دوران تدریس پڑھائے گئے اسباق پر مشتمل ہے۔ دوران تدریس استاد ایک موضوع تک محدود نہیں رہتا یہ ایک فطری بات ہے دنیا بھر میں یہی طریقہ رائج ہے۔ سبق کی یہ خوبی ہے لیکن یہ بات کتاب کی خامی بن جاتی ہے۔ کتاب ایک موضوع پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس موضوع سے متعلقہ مباحث اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان ہوتے ہیں۔ کتاب پڑھنے والا طول طویل بحثوں اور غیر متعلقہ موضوعات سے محفوظ رہ کر ایک نقطہ نظر کو سمجھ کر اپنی رائے قائم لیتا ہے۔ ملتان میں حدیث کی جو شرحیں ملتی ہیں بدقسمتی سے وہ کتابی اوصاف سے کم اور تدریسی اوصاف سے زیادہ متصف ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حدیث کے میدان میں ایسے کام کر آگے بڑھایا جائے جو موضوعاتی مطالعے کی نوعیت کا ہو۔ حدیث میں باب میں موجود ہونے کی بنا پر جس موضوع کیلئے اس باب میں اسے رکھا گیا ہے۔ کلام اسی موضوع اور مضمون تک محدود ہے تا کہ اس ایک عنوان کے تمام پہلو قاری کے سامنے آجائیں گے۔ دیگر پہلو جو زیر غور آئیں ان کو کسی اور مقام کیلئے اٹھا رکھا جائے اور زیر بحث ہو چکی حدیث میں اس کا حوالہ دے دیا جائے کہ اس موضوع پر اس مقام پر اس پر بحث ہو چکی یا آئندہ فلاں مقام پر اس پر بحث ہو گی۔

اختلافی مسائل میں اعتدال کی اس راہ کو اپنانے کی ضرورت ہے جس کی نشاندہی شاہ ولی اللہؒ نے کی۔ فرقہ وارانہ فسادات اور نفرتوں کے اس دور مُن اہل علم پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امت کو جوڑنے کا فریضہ ادا کریں۔ تشریحات میں صرف وضاحت پر اکتفا کیا جائے۔ کافر بنانے یا کافر قرار دینے کے رویے کو فوراً ترک کر دیا جائے۔ اگرچہ روایت قدیم ہے۔ بلا تکلف اختلاف رائے رکھنے یا دوسری رائے کو کفر قرار دینا تشریح اور وضاحت میں اکثر جگہ اس کا استعمال ہے۔ لیکن اس عمل نے مسلمانوں کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچایا ہے۔ رائے کے احترام کے اس رویہ کو عملی شکل بھی دی جائے جس کا اظہار ہمارے اسلام اور آئمہ فقہا کے ہاں پایا جاتا تھا۔ اور جس کو وعظ کے وقت خوب عقیدت کے ساتھ بیان بھی کیا جاتا ہے۔ شرح حدیث میں اپنی رائے کے صحیح ہونے پر دلائل ذکر کریں۔ دوسرے کے دلائل کو رد بھی کریں مگر کفر اور کافر وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کریں کیونکہ یہ الفاظ اہل علم سے نکل کر جب مناظرین کے ہاں استعمال ہوتے ہیں تو تفریق اور فساد کو درجہ آخر تک پہنچا دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں باہم قتل و غارت تک نوبت پہنچا دیتے ہیں۔

ایسے اختلافی مسائل میں اعتدال کی ایک مثال شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے ہاں دیکھنے کو ملی ہے۔ جسکا ذکر گزشتہ بحث میں "لانورث" حدیث مبارک کی تشریح میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

دور جمود کی ایک خامی شخصیت پرستی ہے جو فرقہ پرستی سے جڑی ہوئی ہے۔ شارحین حدیث کا شرح حدیث کے وقت صرف اپنے اساتذہ کے افکار تک محدود رہنا یا انہی کے افکار کا اپنے آپ کو پابند سمجھنا، یا انہی کو فروغ دینے کی کاو کو علم کی خدمت سمجھنا ایک محدود نقطہ نظر یہ ہے۔ اس سے علم کی وسعت سے قاری محروم ہو جاتا ہے۔ وہ محدود سے علم پر کفایت کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ اس لئے افراد نہیں افکار کا فارمولہ استعمال ہونا چاہیے۔ یعنی حدیث پر کام کرنے والے اسلام کی تحریر کے میدان میں خدمت کرنے والے تمام افراد قابل قدر و احترام ہیں۔ ہم شرح حدیث یا تشریح اسلام کو اس نقطہ نظر سے مت دیکھیں کہ یہ شرح کس فرد نے کی ہے۔ اگر وہ فرد ہمارا ممدوح ہے تو ہمارا رویہ اس کے بارے میں عقیدت و محنت کا ہوتا ہے اور اس کی ہر رائے ہمارے لئے قابل ترجیح قرار پاتی ہے اگرچہ وہ ہماری عقل کو اپیل کرے یا نہ کرے۔ لیکن اگر وہ فرد ہمارے نزدیک مردود ہے تو پھر اس کی ہر بات اور اس کی لکھی ہوئی ہر تحریر ہمارے لئے گمراہی پھیلانے والی ہے اگرچہ اس میں علم کے موتی بکھیرے ہوئے ہوں اور نہایت قیمتی خیالات اور انتہائی اعلیٰ درجے کی آراء پیش کی گئی ہوں۔ جب تک ہمارا معیار افراد رہیں گے افکار کی دنیا میں ہم پیچھے رہیں گے اس بارے میں ایک مقولہ بھی ہے کہ یہ دیکھو کہ کیا کہا جارہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے۔ چنانچہ شرح حدیث میں اس بات کو غلبہ حاصل ہے ہر مدرسے کے اساتذہ نے صرف اپنے اساتذہ کی بات کو تو نہایت عقیدت و احترام سے ذکر کیا ہے جبکہ اس دور کے دیگر علماء کا نام تک قابل ذکر نہ سمجھا گیا۔ ہاں اگر سمجھا گیا تو محض رد کیلئے۔ یہ رویہ اہل علم کے شایان شان نہیں ہے۔

ملتان کی حد تک حدیث پر بہت کم کام ہوا ہے۔ اس سے بھی کم اس کے اثرات ہیں۔ تاہم جو کام بھی ہوا ہے غنیمت ہے کہ کام کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے راہیں کھلی ہیں۔ آنے والا دور اسلام کی طرف مراجعت کا دور ہے۔ اسلام کی طرف رجوع کا مطلب قرآن و سنت کی طرف رجوع ہے۔ اگرچہ قرآن فہمی کا کام علمی کے ساتھ ساتھ عوامی سطح پر بھی زوروں پر ہے اس قرآن فہمی میں ظاہرے حدیث کا فہم بھی شامل ہے۔ حدیث پر کام عام طور درس نظامی میں دورہ حدیث کے درجے میں احادیث کا گہرا مطالعہ ہے۔ مگر یہ تدریس تک محدود ہے۔ اس سے آگے تحقیق، تشریح اور راہنمائی اور برصغیر پاک و ہند میں علاقائی رسوم و رواج اور اقدار جو قدیم مذاہب و سماج کا حصہ ہیں اور مسلمانوں کے ہاں بھی مذہب ہی

کی طرح رائج ہو گئی ہیں اور ان میں مزید پختگی آتی چلی جارہی ہے ان کو حدیث کے علماء موضوع بنا کر ان کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر واضح کر سکتے ہیں۔ اس طرف توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ طالبان علم کی تشنگی حدیث کو اردو میں منتقل کرنے سے کافی حد تک دور ہو گی چنانچہ اس میدان میں کچھ کام ہوا ہے باقی کی ضرورت ہے جس کے بارے میں کوششیں جاری رہنی چاہیں۔

حوالہ جات (باب ششم)

۱۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، کاظمی پبلیشرز ملتان ۲۰۰۳ء، ج ۱، ص ۲۴۵

۲۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۵

۳۔ ابی داؤد، حافظ سلیمان، بن اشعث سجستانی م ۲۷۵ھ، سنن ابی داؤد، بیروت: المکتبہ الاسلامی ۱۴۰۱ھ، ج ۲، ص ۵۱۳ تا ۵۱۴

۴۔ مقالات کاظمی، ج ۱ ص ۲۴۶

۵۔ الحجرات: ۴۹: ۲۱

۶۔ مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۲۴۷

۷۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۸

۸۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۸

۹۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۹

۱۰۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۵۰

۱۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۶

۱۲۔ ملتانی، فیض احمد، مولانا، مقام حدیث مع ازالہ ء شبہات، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن، ص ۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۸، ۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۱ بحوالہ تدوین حدیث از مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۶۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۷۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۷۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۰ بحوالہ خطبات مدارس، ص ۵۷

۲۰۔ پرہاروی، عبد العزیز، مولانا، کوثر النبی ﷺ، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن، ص ۲۴ تا ۲۵

۲۱۔ مقالات کاظمی، ص ۲۵۲ تا ۲۵۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۵۵

۲۳۔ مقام حدیث، ص ۱۴-۱۳

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۵-۱۴

۲۵۔ اللہ بخش، مفتی، مولانا، اربعین احادیث، ادارہ توحید و سنت ملتان، س ن، ص ۱۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۰

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۰

۲۸۔ رحیمی، محمد طاہر، ما ینفع الناس فی شرح قال بعض الناس، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور، س ن، ص ۲۳

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۳۰۔ رحیمی، محمد طاہر، زبدۃ المقصود فی حل قال ابو داؤد، مکتبہ مدینہ لاہور، ص ۴

۳۱۔ حسن، محمود، شاہ، ترجمان الحدیث (حصہ اول)، اسلامی پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۴

۳۲۔ لقمان: ۳۱: ۱۹

۳۳۔ البقرہ: ۲: ۲۵۸

۳۴۔ ترجمان الحدیث (حصہ اول)، ص ۲۰

۳۵۔ ایضاً (حصہ اول)، ص ۲۰

۳۶۔ ایضاً (حصہ اول)، ص ۸۲-۸۱

۳۷۔ ایضاً (حصہ اول)، ص ۸۲

۳۸۔ ایضاً (حصہ اول)، ص ۷

۳۹۔ ایضاً (حصہ اول)، ص ۲۰۶

۴۰۔ ایضاً (حصہ اول)، ص ۲۰۶

۴۱۔ الشوریٰ: ۴۲: ۱۲

۴۲۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۳۰

۴۳۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۳۱

۴۴۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۳۳

۴۵۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۳۱

۴۶۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۲۰۸

۴۷۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۳۲۱۰

۴۸۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۲۱۵

۴۹۔ ایضاً (حصہ دوم)، ص ۳۱۰

۵۰۔ سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، ایمان کی چھاؤں میں صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ، بیکن بکس ملتان ۲۰۰۹ء، ص ۸،۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۲،۱۱

۵۲۔ ایضاً، ص ۸۲

۵۳۔ ایضاً، ص ۸۴

۵۴۔ سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، زہد مفہوم اور تقاضے صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ، بیکن بکس ملتان ۲۰۰۹ء، ص ۷

۵۵۔ ایضاً، ص ۸

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۲

۵۷۔ ایضاً، ص ۲۳،۲۲

۵۸۔ کشمیری، شبیر الحق، مولانا، خیر المفاتیح اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح، ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ۱۴۲۹ھ، ج ۱، ص اجازت نامہ

۵۹۔ ایضاً، ج ۱، ص اجازت نامہ

۶۰۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۹

۶۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۹

۶۲۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴

۶۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۹

۶۴۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۹۵

۶۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۷

۶۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۸

۶۷۔ ایضاً، ج ۲، ص ۹

۶۸۔ ایضاً، ج ۲، ص ۵۱۲

۶۹۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۳

۷۰۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۴، ۲۳

۷۱۔ ایضاً، ج ۳، ص ۳۳۸

۷۲۔ قاسمی، عبد القادر، مولانا، تشریحات بخاری، ملتان کتب خانہ مجیدیہ ۱۹۹۴ء، ج ا، ص ۳

۷۳۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۵

۷۴۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۹

۷۵۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۵۶

۷۶۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۵۷

۷۷۔ ایضاً، ۲، ص ۵۲۶

۷۸۔ ایضاً، ۲، ص ۵۲۵

۷۹۔ ایضاً، ۳، ص ۷۷۷

۸۰۔ ایضاً، ۳، ص ۷۸۷

۸۱۔ ایضاً، ۴، ص ندارد

۸۲۔ ایضاً، ۴، ص ۴۱۴

۸۳۔ ایضاً، ۵، ص ۱۳۰

۸۴۔ ایضاً، ۵، ص ۱۳۲

۸۵۔ ایضاً، ۷، ص ۱۶۵

۸۶۔ ایضاً، ۷، ص ۱۶۶

۸۷۔ محمد صدیق، مولانا، الخیر الساری فی تشریحات البخاری، ملتان مکتبہ امدادیہ، س ن، ج ۱، ص ۱۵

۸۸۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۸، ۱۷

۸۹۔ ایضاً، ص ۱۸

۹۰۔ ایضاً، ج ۱، ص ۵۱

۹۱۔ ایضاً، ص ۵۹

۹۲۔ ایضاً، ص ۵۹

۹۳۔ ایضاً، ص ۱۲۹

۹۴۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۹۵۔ ایضاً، ص ۶۸

۹۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۶۸ تا ۲۷۲

۹۷۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۹۸۔ ایضاً، ۳۱۴

۹۹۔ ایضاً، ۳۱۴ تا ۳۱۶

۱۰۰۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۶

۱۰۱۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۶

۱۰۲۔ ایضاً، ج ۳، ص ۳۲

۱۰۳۔ ایضاً، ج ۳، ص ۳۲

۱۰۴۔ محمد صدیق، مولانا، الخیر الساری فی تشریحات البخاری، ملتان مکتبہ امدادیہ، س ن، ص ۳، ص ۱۰۶ تا ۱۱۵

۱۰۵۔ عسقلانی، ابن حجر، الحافظ، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام: مترجم مولانا عبد التواب ملتانی، فاروقی کتب خانہ ملتان، ص ۶۱

۱۰۶۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۴۹

۱۰۸۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۰۹۔ ایضاً، ص ۵۷

۱۱۰۔ ایضاً، ص ۸۱

۱۱۱۔ ایضاً، ص ۲۵۰

۱۱۲۔ ایضاً، ص ۲۵۱

۱۱۳۔ ایضاً، ۵، ٦

۱۱۴۔ التحریم: ٦٦: ۵

۱۱۵۔ بلوغ المرام، ص ۵۷۷

۱۱٦۔ ایضاً، ص ۵٦۷

۱۱۷۔ ایضاً، ص ۵٦۷

۱۱۸۔ عثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن: مترجم مولانا نعیم احمد، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن، ج ۱، ص ۱٦

۱۱۹۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۵

۱۲۰۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱٦، ۱۵

۱۲۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱٦

۱۲۲۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱٦

۱۲۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۹

۱۲۴۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۹

۱۲۵۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۰

۱۲٦۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۸

۱۲۷۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۷

۱۲۸۔ ایضاً، ج۱، ص۳۸

۱۲۹۔ ایضاً، ج۱، ص۳۹

۱۳۰۔ ایضاً، ج۱، ص۳۷۹

۱۳۱۔ ایضاً، ج۱، ص۴۳۰

۱۳۲۔ ایضاً، ج۱، ص۴۳۹

۱۳۳۔ شجاعبادی، محمد بن عبد اللہ، حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت، مکتبہ کتاب التوحید و سنت ملتان ۲۰۰۸ء، ص ۱۳

۱۳۴۔ ایضاً، ص۱۵

۱۳۵۔ الہود: ۱۱: ۶

۱۳۶۔ التوبہ: ۹: ۱۰

۱۳۷۔ حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت، ص ۲۵

۱۳۸۔ ایضاً، ص۴۵

مراجع ومصادر

۱۔ قرآن حکیم

۲۔ ابن اثیر، عزالدین ابی الحسن علی بن محمد بن عبدالحکیم الجزری م ۶۳۰ھ، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، طہران: مکتبہ اسلامی ۱۳۳۴ھ

۳۔ ابن سعد، کاتب واقدی م ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ تحقیق زیادہ محمد منصور، علمی دارلاحیاء التراث مجلس الاسلامی مدینہ منورہ، ۱۴۰۳ھ

۴۔ ابن الصلاح، حافظ ابی عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن م ۶۴۲ھ، مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، ملتان: فاروقی کتب خانہ ۱۳۵۷ھ

۵۔ ابن عبدالبر، النصری القرطبی م ۴۶۳، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مصر: مطبعہ المعارف ۱۳۲۸ھ

۶۔ ابن قدامہ، موفق الدین عبداللہ بن احمد المقدسی الحنبلی م ۶۲۰ھ، روضہ الناظر وجنۃ المناظر، قاہرہ: المطبہ السلفیہ ۱۱۳۹ھ

۷۔ ابن قیم، الجوزیہ، شمس الدین ابن عبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، بیروت: دار لجلیل ۱۹۷۳ء

۸۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن شیخ عمر م ۸۸۴ھ، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، تحقیق احمد محمد شاکر، قاہرہ: مکتبہ دارالتراث ۱۳۹۹ھ

۹۔ ابن نجار، محمد بن احمد بن عبدالعزیز بن علی الفتوحی الحنبلی م ۲۸۲ھ، شرح الکوکب المنیر تحقیق وحبہ زحیلی وغیرہ، مکہ مکرمہ: کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ الکتاب الخامس

۱۰۔ ابن ماجہ، حافظ محمد بن یزید القزوینی م ۲۸۳ھ، سنن ابن ماجہ تحقیق مصطفےٰ الاء عظمی، ریاض: شرکۃ الطباعۃ العربیہ السعودیہ ۱۴۰۴ھ

۱۱۔ ابن منظور، افریقی المصری م ۷۱۱ھ، لسان العرب، تحقیق علی شیری، بیروت: دار الحیاء التراث العربی ۱۴۰۸ھ

۱۲۔ ابو ھاج محمد سعید بن بسیونی زغلول، موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، بیروت: عالم التراث ۱۹۸۹ء

۱۳۔ ابو شھبہ، شیخ محمد بن محمد، الوسیط فی علوم و مصطلح الحدیث، جدہ: عالم المعرفہ ۱۴۰۳ھ

۱۴۔ ابی داؤد، حافظ سلیمان بن اشعث سجستانی م ۲۷۵ھ، صحیح سنن ابی داؤد باختصار السند، بیروت: توزیع المکتب الاسلامی ۱۴۰۱ھ

۱۵۔ احمد بن حنبل امام م ۲۴۱ھ، مسند الامام احمد بن حنبل، بیروت: المکتب الاسلامی، س ن

۱۶۔ اکرم ضیاء العصری، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرقۃ، قاہرہ: المطبعہ الجدیدہ ۱۴۰۵ھ

۱۷۔ بخاری، امام ابی عبد اللہ محمد، الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، بیروت: دار ابن کثیر ۱۴۰۸ھ

۱۸۔ بدخشی، محمد بن الحسن الشافعی، شرح البدخشی شرح منہاج الوصول فی علم الاصول، بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ

۱۹۔ تبریزی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب م ۷۳۷ھ، مشکواۃ المصابیح، بیروت: المکتب الاسلامی ۱۴۰۵ھ

۲۰۔ ترمذی، امام حافظ ابن عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ، الجامع الصحیح سنن الترمذی تحقیق عبد الوہاب عبد اللطیف، مدینہ منورہ۔ مکتبہ سلفیہ ۱۳۸۴ھ

۲۱۔ تفتازانی، سعد الدین والمسلمۃ الحنفی ۷۹۲ھ، التلویح شرح التوضیع، کراچی: نور محمد اصح المطابع، ۱۴۰۰ھ

۲۲۔ حاکم، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری م ۴۰۵ھ، معرفۃ علوم الحدیث، لاہور: ادارہ ثقافۃ اسلامیہ ۱۹۸۰ء

۲۳۔ خطیب بغدادی، حافظ ابی بکر احمد بن علی م ۴۶۳ھ، کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ، دکن: جمعیت دائرہ المصارف العثمانیہ

۲۴۔ دار قطنی، شیخ الاسلام علی بن عمر م ۳۸۰ھ، سنن دار قطنی، تحقیق سید عبد اللہ ہاشم یمانی الدمنی، بیروت: دار المعرفہ، س ن

۲۵۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمان بن فضل ابو محمد دارمی سمرقندی م ۲۵۵ھ، سنن دارمی، دمشق مطبعہ الاعتدال، ۱۳۴۹ھ

۲۶۔ ذہبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان م ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، قاہرہ: دارالاحیاء الکتب العربیہ، ۱۳۶۳ھ

۲۷۔ ذہبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان م ۷۴۸ھ، تذکرہ الحفاظ، حیدر آباد دکن: مطبعہ دائرہ المعارف العثمانیہ

۲۸۔ رازی، فخر الدین محمد بن عمر م ۶۰۶ھ، المحصول فی علم الاصول، ریاض: مطبوعات جامعہ محمد بن سعود، ۱۹۸۰ء

۲۹۔ رازی، محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر م ۶۶۰ھ، مختار الصحاح، بیروت: دارالقلم

۳۰۔ زبیدی، محب الدین ابی الفیض السید مرتضےٰ الحسینی الواسطی الحنفی م ۱۲۰۵ھ، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت: س ن

۳۱۔ زرقانی، علامہ سید محمد بن عبدالباقی بن یوسف م ۱۱۷۰ھ، شرح الزرقانی علی موطاامام مالک، مصر: مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، ۱۳۷۳ھ

۳۲۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام قاموس التراجم اشہر الرجال والنساء من العرب والمستغربین والمتشرقین، بیروت ۱۳۸۹ھ

۳۳۔ زکریاالبری، اصول الفقہ الاسلامی، لبنان: دارلنھضہ العربیہ ۱۴۰۶ھ

۳۴۔ زکی الدین شعبان، اصول الفقہ الاسلامی، بیروت: مطابع دارالکتب، ۱۹۷۱ء

۳۵۔ زیلعی، حافظ جمال الدین ابی عبداللہ بن یوسف الحنفی م ۷۶۲ھ، نصب الرایہ لااحادیث الھدایۃ، بڈھیل سورت ہند، سلسلہ مطبعات مجلس علمی سورت، ۱۳۵۷ھ

۳۶۔ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمان بن ابی بکر م ۹۱۱ھ، تدریب الراوی شرح تقریب النواوی تحقیق عبد الوھاب عبد اللطیف، لاہور: دار نشر الکتب الاسلامیہ طبعہ اول، س ن

۳۷۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، لاہور: آفتاب عالم پرس، ۱۹۸۵ء

۳۸۔ شبیر، احمد عثمانی، مولانا، صحیح مسلم مع شرحہ فتح الملہم، بجنور ہند، مدینہ پریس ۱۳۵۷ھ

۳۹۔ صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحہ، بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۶۵ء

۴۰۔ صدر الشریعہ، عبید اللہ بن مسعود الحنفی م ۷۴۷ھ، التوضیح مع حاشیہ التلویح، کراچی: نور محمد اصح المطابع، ۱۴۰۰ھ

۴۱۔ طیبی، ابو الحسین بن عبد اللہ م ۷۴۲ھ، الخلاصۃ فی علوم الحدیث تحقیق صبحی السامرائی، عراق: رئاسۃ دیوان الاوقاف، ۱۳۹۱ھ

۴۲۔ عبد الحق، الدھلوی، مقدمہ فی اصول الحدیث، لکھنؤ: دار العلوم ندوۃ العلماء، س ن

۴۳۔ عبد العزیز شاہ محدث دہلوی، بستان المحدثین، کراچی: ایم سعید کمپنی ۱۹۸۴ء

۴۴۔ عبد العلی بحر العلوم، محمد بن نظام الدین النصاری الحنفی م ۱۲۳۵ھ، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، منشورات الرضی، س ن

۴۵۔ عسقلانی، شیخ الاسلام، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ملتان: فاروقی کتب خانہ

۴۶۔ عسقلانی شیخ الاسلام حافظ احمد بن حجر، م ۸۵۳ھ، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، مصر: مطبعہ السعادہ ۱۳۲۸ھ

۴۷۔ عسقلانی، شیخ الاسلام حافظ احمد بن حجر م ۸۵۳ھ، تہذیب التہذیب، حیدر آباد دکن: مطبعہ مجلس دائرہ المصارت النظامیہ ۱۳۲۶ھ

۴۹۔ قاسمی، محمد جمال الدین، قواعد لتحدیث من فنون مصطلح الحدیث، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ

۵۰۔ فیروز آبادی، علامہ محمد بن یعقوب م ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، بیروت: الموسہ الرسالۃ ۱۴۰۷ھ

۵۱۔ مالک بن انس الامام م ۱۷۹ھ، موطا امام مالک روایہ، یحییٰ بن یحییٰ اللیثی، بیروت: دار الکتب العلمیہ

۵۲۔ محمد، تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، کراچی: قدیمی کتب خانہ ۱۹۸۶ء

۵۳۔ محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، لاہور: دار نشر الکتب الاسلامیہ

۵۴۔ مجلس اردو، جامع انسائیکلوپیڈیا، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، لاہور: غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۱ء

۵۵۔ مجلس اردو دائرہ معارف اسلامیہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب ۱۹۷۶ء

۵۶۔ مسلم بن حجاج، الامام ابی الحسین القشیری النیشاپوری م ۲۶۱ھ، الجامع الصحیح الامام مسلم، تحقیق محمد فواد عبد الباقی، بیروت: داراحیاء التراث الاسلامی، ۱۹۵۴ء

۵۷۔ ملاجیون، مولانا حافظ شیخ احمد الھندی الحنفی م ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۶ھ

۵۸۔ ندوی، تقی الدین مولانا، محمد ثین عظام، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۲ء

۵۹۔ نسائی، ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان م ۳۰۳ھ، صحیح سنن نسائی، دہلی: مطبع مجتبائی ۱۳۳۵ھ

اردو کتب

۱۔ اللہ بخش، مفتی، مایفید الناس فی شرح قال بعض الناس، مجلس التحقیق العلمی ملتان، س ن

۲۔ اللہ بخش، مفتی، صلوٰاۃ الموحدین، مجلس التحقیق، العلمی ملتان، ۱۹۹۹ء

۳۔ اللہ بخش، مفتی، دینی امور پر اجرت کے جواز دلائل، مجلس التحقیق العلمی ملتان، ۲۰۰۲ء

۴۔ اللہ بخش، مفتی، تنقید صحیح بخاری، مجلس التحقیق العلمی ملتان، ۱۹۸۸ء

۵۔ اللہ بخش مفتی، کتاب الدعوات، مجلس التحقیق العلمی ملتان، ۱۹۹۷ء

۶۔ اللہ بخش مفتی، اربعین آیات و اربعین حدیث، مجلس التحقیق العلمی ملتان، ۲۰۰۴ء

۷۔ پرھاروی، عبد العزیز، مولانا، کوثر النبی ﷺ، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن

۸۔ حسن، محمود شاہ، ترجمان الحدیث، اسلامی پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۰ء، س ن

۹۔ ریاض احمد، حافظ، انعام الباری علیٰ حکم معلقات البخاری، مجلس التحقیق العلمی ملتان، ۲۰۰۹ء

۱۰۔ سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، ایمان کی چھاؤں میں (صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ)، بیکن بکس ملتان ۲۰۰۹ء

۱۱۔ سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، زہد، مفہوم اور تقاضے (صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ)، بیکن بکس ملتان ۲۰۰۹ء

۱۲۔ فیض احمد، مولانا المسائل و الدلائل، مکتبہ حقانیہ ملتان، ۲۰۰۲ء

۱۳۔ فیض احمد، مولانا، نماز مدلل، مکتبہ حقانیہ ملتان، ۲۰۰۴ء

۱۴۔ فیض احمد، مولانا، مقام حدیث، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن

۱۵۔ قاسمی، عبد القادر، مولانا، تشریحات بخاری، مکتبہ قاسمیہ ملتان، ۲۰۰۰ء

۱۶۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات کاظمی، ضیاء الدین پبلیشر کراچی، ۲۰۰۲ء

۱۷۔ کاظمی، حمد سعید، سید، التبیان، ضیاء الدین پبلیشر کراچی، ۲۰۰۱ء

۱۸۔ محمد طاہر، مولانا، زبدۃ المقصود فی قال ابو داؤد، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن

۱۹۔ محمد طاہر، مولانا، منفع الناس فی قال بعض الناس، مکتبہ حقانیہ ملتان، س ن

۲۰۔ محمد عبد اللہ، مولانا، حدیث رسول ﷺ اور پرویزیت، اشاعت القرآن والحدیث، ۲۰۰۸ء

۲۱۔ ملتانی، عبو التواب، مولانا، ترجمہ بلوغ المرام، مکتبہ فاروقیہ ملتان، ۱۹۹۰ء

۲۲۔ محمد صدیق، مولانا، الخیر الساری فی تشریحات البخاری، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن

غیر مطبوعہ مواد

۱۔ بملکیت صاجزادہ ارشد سعید کاظمی (دروس حدیث)

۲۔ بملکیت پروفیسر حافظ اللہ یار فریدی (پیغامات علامہ کاظمی)

۱۔ بملکیت صاجزادہ مظہر سعید کاظمی (دروس حدیث)

جرائد واخبارات

۱۔ ماہنامہ السعید، ملتان

۲۔ روزنامہ خبریں

۳۔ روزنامہ نوائے وقت

۴۔ روزنامہ جھنگ

۵۔روزنامہ ایکسپریس

English Books

1. Anayatula Mashrqui, God Man & Universe, Wajidlais Lahore
2. Siara Digest, Quran Number, Siara Digest Lahore
3. The New Incyclopedia, Britinnica, P.G winr
4. Azmi, Muhammad, Mustfa, Studies in Early Hadith Lieterature, Indiana, 1978
5. Website: www.depanl.gov/as sci/astar/ast 99599 htm.
6. www.Kitab_o_sunnat.com

اشاریہ

اللہ عزوجلّ	**صفحہ**
۱، ۲، ۱۶، ۳۱، ۶۹، ۷۰، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۶۷، ۲۴۷، ۲۴۹، ۳۸۴، ۴۲۸	
محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	**صفحہ**
۱، ۲، ۶۸، ۷۳، ۹۰، ۹۱، ۱۳۷، ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۳۸، ۲۵۱، ۳۸۱	
آیات	**صفحہ**
ذٰلِکَ الْکِتٰبُ	۷۸
خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا	۲۱۸
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ	۲۳۳
اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ	۱۶۷
فَجَعَلْنٰهَا نَکَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ	۶۵
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ	۱۰۱
فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ	۲۸۰
فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ	۲۸
وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ	۲۳۷
لا یکلّف اللہ نفساً اِلَّا وُسْعَهَا	۳۲۱

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۱۶۶، ۲۴۴، ۲۳۴

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ ۲۱۴

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۲۴۳

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۷۰

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۲۸۳

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۱۸۴

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۲۵۱

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۱۹۱

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۱۸۶

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۱۶۷

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲۳۴

قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۲۳۳

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۲۳۴

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰي وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰي وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۲۴۹

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۲۸۰

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۲۳۳

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۷۲

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ ۲۱۵

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہ	۲۴۲
وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	۲۳۷
وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ	۲۴۳
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ	۲۵۰
وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَکُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ	
اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ	۱۴۹
اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ	۲۴۳
تفصیلاً لکلِ شیءٍ	۷۵
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ	۲۳۳
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ	۶۶
اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	۲۳۷
ان اللہ اشتری من المؤمنین	۳۲۷
وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقها	۳۲۷
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	۲۳۷
وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ ۚ وَجَآءَکَ	
فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ	۶۵
وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ	۲۷۶
اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا	۲۴۳
اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ	۲۴۳

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى ۵۸

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۲۰۴

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۲۵۲

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۲۴۲

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ۲۷۳

اتبيانا لِكُلِّ شيءٍ
۷۴، ۲۱۴

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۹۶

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۲۱۸

وَيَسْــــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۲۴۲

لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْــــًٔا قَلِيْلًا ۲۷۶

رب زدنی علما ۱۳۶

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ۲۴۴

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۲۴۲

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۲۴۱

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۲۷۹

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۶۹

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۲۳۴

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۲۸۰

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۤئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۤءُ	۶۴
فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا	۲۴۳
اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ	۱۶۷
اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ	۱۴۹
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ	۲۵۳
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ	۱۵۰
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	۳۱۹
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	۶۹، ۲۳۵، ۲۹۷
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ	۱۹۰
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	۱۸۴
اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ	۲۳۸
سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ	۶۱
اُولٰۤئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ	۲۳۷
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا	۶۱
عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ	۲۳۸
اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ	۲۰۳
ان اقيموا الدين	۳۲۵
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	۲۱۸
تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا	۲۱۵
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ	۲۳۷

مَااَسخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوا رِضوَانَہٗ فَاَحبَطَ اَعمَالَھُم ۲۳۷

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَشَاقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡ بَعۡدِ مَاتَبَیَّنَ لَھُمُ الۡھُدٰی

لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡـًٔا وَسَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَھُمۡ ۲۳۸

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ ۱۸۴

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا ۱۳۴

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَاتَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَاتَجۡھَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ

کَجَھۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَاتَشۡعُرُوۡنَ ۲۳۶

فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ ۵۸

وَالنَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی مَاضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَاغَوٰی وَمَایَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی
۱۴۳، ۲۳۴

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی ۱۳۵

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَانَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا ۲۱۵، ۷۰، ۲۲۱، ۲۹۱

مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ۱۷۴

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۷۰

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ ۲۴۶

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ

۱۔قَدۡ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمۡ تَحِلَّۃَ اَیۡمَانِکُمۡ وَاللّٰہُ مَوۡلٰکُمۡ وَھُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ۲ (۲۷۷)

قوا انفسکم واھلیکم نارا ۳۱۵

لَاتُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ
۲۱۶، ۲۱۸

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۵۸

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى
۱۹۵،۱۹۴

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۱۶۶

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۱۶۶

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۱۶۶

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۱۶۶

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۱۶۶

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۱۶۶

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۲۱

احادیث

عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ملیکۃ سمع عائشہ تقول سمعت رسول اللہ ﷺ ھو بین ظھزانی اصحابہ انی علےٰ الحوض
انتظر من یرِ دُعلیَّ منکم فو اللہ لیقتطعن اللہ دونی رجال" فلاقولن ایی رب منی ومن امتی فیقول انک لا تدری ما عملو
البعدک ماز الویرجعون علی اعقابھم ۹۸

اکتب فو الذی نفسی بیدہٖ ما خرج منہ الا حق واشار بیدہٖ الی فمہ ۲۶۲

عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شی اسمعہ من رسول اللہ ﷺ ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالو اتکتب کل شی
تسمعہٗ ورسول اللہ ﷺ بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عنِ الکتابۃ فذکرت ذٰلک الٰی رسول اللہ ﷺ فاو
ماء باصبعہ الیٰ افیہ فقال اکتب فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق ۲۹۶

عن انس بن مالک انہ مشی الی النبی ﷺ بخبزٍ واھالۃٍ سنخۃٍ ولقد رھن النبی ﷺ درعًا لہ بالمدینۃ عند یھودی و
اخذ منہ شعیراً الاھلہ ولقد سمعتہ یقول ما امسی عند ال محمد ﷺ صاع بر ولا صاع حب وان عندہ تسع نسوۃٍ ۳۷۲

کنا اذا اکثر نا علیٰ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہٖ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکتبتھا و عرضتھا علیہ
۲۶۲

عن ابی ھریرہ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لیاتینَّ علیٰ احدکم یوم ولا یزانی ثم لان یزانی احبَّ الیہ من اھلہ و مالِہٖ معھ
۹۹

و مسح بناحیتہٖ
۲۱۵

حدثنا موسی بن اسمعیل قال اخبرنا ابو انہ قال حدثنا موسی بن ابی عائشہ قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ۲۱۶

حدثنا احمد بن شعیب قولہٗ ابو داؤد و سمعت قتیبہ بن سعید قال سائلت قیم بیر بضاعۃ عن عمقھا قال اکثر مایکون فیھا الماء الیٰ العانۃ
۱۰۹

حدثنا ابو نعیم الفضل بن دکین سمع ذھیرا عن منصور بن صفیۃ عن امہ حدثتہ ان عائشہ حدثتھا ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یتکی فی حجری و انا حائض ثم یقرأ القرآن
۲۲۰

حدثنا احمد بن ابراھیم الموصلی قولہ قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول رؤی محمد بن ثابت حدیثاً منکراً فی التیمم
۱۱۰

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ قال فو الذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ ۱۲۷

قال ابراھیم بن طھمان عن حسین المعلم عن یحییٰ بن ابی کثیر عن عکرمہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یجمع بین الصلوۃِ الصلوۃِ الظھر و العصر و المغرب و العشاء
۱۳۳

نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہٗ کما سمعہٗ فربّ مبلغ أوعیٰ سامعٖ
۱۳۴

فرُبّ حامل فقہ الی من ھو أفقہ منہ و ربّ حامل فقہ یش بغیقیہ
۱۳۴

انما بعثت معلما
۱۳۶

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلو الفاعلی و المفعول بہ
۱۴۹

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدین النصیحۃ للہ و لرسولہ و لائمۃ المسلمین و عامتھم و قولہ تعالیٰ اذا انصحو للہ و رسولہ ۱۵۱

عن ابن عباس انہ قال ان ام الفضل سمعتہ و ھو یقرا و المرسلت عرفاً فقالت یابنی لقد ذکرتنی بقراتک ھذہ السورۃ انھا لاخر ما سمعت من رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقرھا فی المغرب
۱۷۸

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت دخلت علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ فقال فی کم کفنتم النبی ﷺ قالت فی ثلاثہ اثواب بیض سحولیة لیس فیھا قمیص ولا عمامة وقال لھا فی ای یوم توفی رسول اللہ ﷺ قالت یوم الاثنین قال فای یوم ھذا قالت یوالاثنین قال ارجو فیما بینی وبین اللیل فنظر الیٰ ثوب علیہ کا یمرض فیہ بہ ردع من زعفران فقال اغسلو ثوبی ھذا و زیدوا علیہ ثوبین فکفنونی فیھما قلت ان ھذا خلق قال ان الحی احق بالحدید مین المیت اتما ھو للمھلة فلم یتوف حتیٰ اسی من اللیة الثلٰثاءِ ودفن قبل ان یصبح ١٧٩

حدّثنا یحییٰ بن جعفر عن ھمام قال سمعت اباھریرہ عن النبی ﷺ قال اذا انفقت المراۃ من کسب زوجھا من غیر امرہٖ فلہ نصف اجرہ ١٨٠

عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینہ وھم یسلفون فی الثمار السنین والثلث فقال اسلفو فی الثمار فی کیل معلوم الیٰ اجل معلوم وقال عبداللہ ابن الولید فی کیلٍ معلوم و وزن معلوم ١٨١

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یقتسم وورثتی دینار ماترکت نفقة نسائی ومونة عاملی فھو صدقة ١٨٢

عن ابی ھریرۃ قال سئل رسول اللہ ﷺ من اکرم الناس قال اتقاھم للہ قالو لیس عن ھذا تسالک قال فاکرم الناس یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ قالو لیس عن ھذا تسالک قال فعن معادن العرب تسالونی الناس معادن خیارھم فی الجاحلیة خیارھم فی الاسلام اذا فقھو ١٨٣

عن عائشة ان النبی ﷺ قال لھا مری ابابکر رضی اللہ عنہ یصلی بالناس قالت انہ رجل'' السیف متیٰ یقوم مقامک رق فعاد فعادت قال شعبة فقال فی الثالة او الرابعة ان کن صواحب یوسف مروا ابابکر ١٨٣

عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ ﷺ خمسة اسماء انا محمد و احمد انا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ قدمی وانا العاقب ١٨٤

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الا تعجبون کیف یصرف اللہ عنی شنم قریش ولعنھم یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد ١٨٥

وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ مامنکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار معقدہ مین الجنة قالو یارسول اللہ؟ افلا نتوکل علیٰ کتابنا وندع العمل قال اعملو فعل میسر لما خلق لہ امامن کان من اھل السعادۃ فسیسیسر بعمل السعادۃ وامامن کان من اھل الشقاوۃ فسیییسر بعمل الشقاوۃ ثم قرأ ١٩٤

عن ابو ایوب انصاری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلو القبلة ولا تستدبروھا ولکن شرقوا او غربوا ١٩٧

عن یذید بن الاسود قال شهدت مع النبی ﷺ حجته فصلیت معه صلاۃ الصبح فی المسجد الخیف مسلماً قضی صلاتہ و انحرف فاذا ھو بر جلین فی اٰخِر القوم لم یصلیا معه قال علی بهما فجیء بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا فقالا یا رسول اللہ ﷺ ان کنا قد صلینا فی رحالنا قال فلا تفعلا اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة

۱۹۸

وعن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و البر بالبر و الشعیر و بالشعیر و التمر بالتمر و الملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یدا بید فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بیدا

۲۰۰

عن عائشه رضی اللہ عنہا ان یهودیه دخلت علیها فذکرت عذاب القبر فقالت لها اعاذک اللہ من عذاب القبر فسالت عائشه رسول اللہ ﷺ عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق قالت عائشه فما رأیت رسول اللہ ﷺ بعد صلی صلوۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر ۲۰۱

کیف تقضیٰ اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فشبة رسول اللہ ۲۱۵

حدثنا جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ أعطیت خمساً لم یعطهن اَحد مین الانبیاء قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شهر و جعلت بی الارض مسجداً و طهوروی یما رجل من افتی ادرکته الصلوٰۃ فلیصل و احلّت لی الغنائم و کان النبی ﷺ یبحث الیٰ قومه خاصة و بعثت الی الناس کافة و اعطیت الشفاعة ۲۰۷

عن ابی بکر الصدیق انه قال لرسول اللہ ﷺ علمنی دعاءً ادعوا به فی صلوٰتی قال قل اللهم انی ظلمت نفسی ظلما کثیراً و لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم ۲۰۹

عن ابن عباس قال مات انسان کان رسول اللہ ﷺ یعوده' فمات باللیل فدفنوه لیلاً فلما اصبح اخیروه فقال ما منعکم ان تعلمونی قالو کان اللیل فکرهنا و کانت ظلمة ان نشق علیک فاتیٰ قبده فسلی علیه ۲۱۰

حدثنا احمد بن حمید (الخ) عن ابن عباس و اذ حضر القسمة اولو القربی و الیتافی و المساکین قال هی محکمة و لیست بمنسوخة ۲۱۲

اصطلاحات

اجماع ۳۶۱
بیع سلم ۳۷۳
تلبیس ۴۰۲،۴۰۵
خبر متواتر ۳۸۵
خبر واحد ۳۸۵
صلوٰۃ ۳۴۹،۳۵۱
عشر ۳۵۵،۳۵۶
محکم ۲۳۵
مردود ۳۰۲
وحی ۳۶۵
وحی غیر متلو ۶۳،۶۵
بیوع ۳۶۰
تصوف ۳۳۹
حجیت ۲۰۰،۳۱۰،۳۲۵
خبر مشہور ۳۸۵
ربوٰا ۳۶۰،۳۶۱،۳۶۲
طلاق ۳۳۱،۳۳۲
فیض ۳۴۰،۳۷۰
مقبول ۳۰۲
وسیلہ ۳۲۴
وحی متلو ۶۳،۶۵

رجال

آدم علیہ السلام ۳۲
ابو بکرؓ ۳۲، ۷۹، ۴۰۰، ۲۳۳، ۲۶۲، ۳۴۹، ۳۷۳، ۳۷۴
ابویوسف، ۳۶۶
ابدالی، احمد شاہ ۴۳۷
ابوحنیفہ، امام ۲۷۵، ۳۰۴، ۳۶۶، ۳۷۰
ابی بن کعب ۳۲

انسؓ ۲۶۲،۳۶۵،۳۷۲،۴۰۴
ابوہریرہؓ ۳۰۱،۳۰۵،۳۷۲،۳۸۰
ارشد حسین، ملک ۴
الیگزینڈر، کننگھم ۷
اقبال، علامہ ۳۴۶،۸۰،۴۳۷،۴۳۸
اکرام الحق، شیخ ۱۰
المسعودی، علی بن حسین ۱۰
التمش، شمس الدین ۱۲
الارزاقی، ابوالولید ۳۱
اسرار، احمد، ڈاکٹر ۳۹۴
اوکاڑوی، امین صفدر ۴۲۱،۴۱۸،۴۱۷
ابن قیم، علامہ ۳۳۷
اصلاحی، امین، احسن ۲۴۱
براء بن عازبؓ ۳۶۸
بخاری، سجاد حسین، سید ۴
بہاءالدین، زکریا، ملتانی ۱۲۹
پرھاروی، عبدالعزیز مولانا ۱۷،۳۰۶،۳۱۳
پٹنی، محمد طاہر ۴۴
پرویز، علامہ ۴۲۶،۴۲۷،۴۲۸،۴۲۹،۴۳۰،۴۳۱
تونسوی، خورشید احمد، مولانا ۳۸۲
تفضیل احمد، منعم ۴۱۱
جابرؓ ۳۶۰
جالندھری، خیر محمد، مولانا ۱۸،۳۰۸،۳۸۲،۳۵۵،۴۳۳
جیراج پوری، محمد اسلم ۲۳۳
جالندھری، حنیف، علامہ ۳۷۶،۳۸۴،۳۹۴
جامی، نورالدین، ڈاکٹر ۱۷،۸۹،۴۴،۴۵،۵۵،۲۸۲،۲۹۷،
چنگوانی، محمد شریف ۲۴۹
حمیداللہ، ڈاکٹر ۲۶۰
خواجہ غلام حسن، سورگؒ ۲۰
خدری، ابوسعید ۳۵۵،۳۷۵
داتا علی ہجویریؒ، لاہوری ۱۱
رفیع الدین، ڈاکٹر ۶
رنجیت سنگھ، راجہ ۴۳۷
رانا، محمد اکرم، ڈاکٹر ۱

راغب، اصفہانی ۲۳۶

سلیمی، علی اصغر ۲

سہروردی، شہاب الدین ۳۸

سلطان محمود، مولانا ۴۰۸، ۲۸۶

شمس الرحمٰن، ڈاکٹر ۳

شاہ ولی اللہ ۳۵، ۶۹، ۵۰، ۴۳۳

صنعانی، رضی الدین الحسن ۳۸

صالح علیہ السلام ۶۵

عبداللہ بن عباسؓ ۳۰۵، ۳۵۳

عتیق فکری ۷

علیؓ ۳۴۶، ۳۷۳

عمر بن عبدالعزیز ۲۵۵

عثمانی، شبیر احمد، مولانا ۳۸۴

فیض احمد، مولانا ۳۷، ۱۷۰، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۷۴، ۲۰،

قباچہ، ناصر الدین ۱۱

قاسمی، عبدالسلام ۳۷۱

کاظمی، ارشد سعید، علامہ ۳، ۳۶۷

سعید الرحمٰن، ڈاکٹر ۱، ۱۷، ۲۲، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۵۱، ۱۵۲، ۳۳۵، ۳۳۸

سکندر اعظم ۸

سخاوی، عبدالرحمٰن ۴۲

سیالکوٹی، محمد صادق، مولانا ۴۱۱

شاہ رکن عالم ۹

شجاعبادی، عبداللہ، مولانا ۴۲۶

صہیب، عبدالقدوس، ڈاکٹر ۳

طاہر القادری، ڈاکٹر ۳۹۶

عمرؓ ۷۹، ۳۴۶، ۲۳ – ۳۳

عثمانؓ ۴۰۰، ۳۳

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۹۷

عسقلانی، ابن حجر ۴۰۸

غزنوی، محمود ۳۴ – ۳۷

قطب الدین، ایبک ۳۸

قاسمی، عبدالقادر، مولانا ۱۹، ۳۷۸

کاندھلوی، محمد ادریس ۱۴، ۲۳۵، ۳۱۱

کاندھلوی، مالک، مولانا ۲۳۹

کاظمی، احمد سعید، علامہ ۳، ۱۹، ۱۷، ۸۹، ۴۴، ۴۵، ۵۵، ۲۸۲، ۳۰۹، ۲۹۷

کشمیری، شبیر الحق، مولانا ۴، ۲۲

کشمیری، انور شاہ، مولانا ۳۸۶

گیلانی، یوسف رضا، سید ۲

گیلانی، مناظر احسن ۱۴، ۵۱، ۶۵، ۳۰۴، ۲۳۹

لودھی، محمد ادریس، ڈاکٹر ۳

محدث دہلوی، عبد الحق ۴۵

محمد زکریا ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۹

ملتانی، جمال اللہ ۸۳

محمد بن قاسم ۱۱، ۳۱، ۳۵

محمد، صدیق، مولانا ۴، ۳۸۲، ۳۸۴، ۱۶۵، ۱۷۱، ۳۴۳

ملتانی، عبد التواب، ۱۸، ۸۹

نوح علیہ السلام ۶۵، ۲۸۴

نائیڈو، سروجنی ۶

یحییٰ امجد ۶

بھوجیانی، عطاء اللہ، مولانا ۴۱۲

تھانوی، اشرف علی، مولانا ۴۲۱

کھوکھر، محمود سلطان، ڈاکٹر ۳

کشمیری، مسعود، مولانا ۳۵۷، ۳۵۸

گیلانی، احمد مجتبیٰ، سید ۲

گنگوہی، رشید احمد، علامہ ۴۵، ۳۰۲، ۳۶۷، ۳۷۸

موسیٰ علیہ السلام ۶۵

محمد اقبال، ڈاکٹر ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۹۱

مدنی، حسین احمد، سید ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۷

مفتی، محمود ۱۱۱، ۲۳۴

محمد ظفر اللہ، ڈاکٹر ۳

محمود حسن، سید ۱۴، ۱۷، ۲۰، ۱۱۴، ۱۴۰، ۱۴۵، ۳۱۹، ۳۴۷

مشرقی، عنایت اللہ ۶

نعیم احمد، مولانا ۴۱۷، ۴۲۴، ۲۷۲، ۲۷۳

یوسف علیہ السلام ۲۴۴

یوسف گردیز، شاہ ۹

تھانوی، ظفر احمد مولانا ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۲۴

جھنگوی، عبد الرشید، مولانا ۴۲۵، ۴۶۶

مستورات

حوا علیہ السلام ۳۲
صفیہ بی بیؓ ۳۲،۳۸۰
عائشہؓ ۳۶۸،۳۷۶،۳۹۱
فاطمہ الزہرہ، سیدہ ۳۷۶،۳۷۷،۳۷۸،۳۸۰
کنول احمد ۳

کتابیں

الخیر الساری ۲۱،۳۹۰،۳۹۱
المحصول فی علوم الحدیث ۱۴
ایمان کی چھاؤں میں ۲۳
الطریق القویم ۴۶
المسائل الدلائل ۷۸
اعلاء السنن ۴۱۷
اربعین احادیث ۹۷
التوقیف علیٰ مہماۃ التعاریف ۱۶۵
بلوغ المرام ۱۵،۴۰۷،۴۰۸،۴۱۰
پیارے رسول کی پیاری دعائیں ۴۱۲
تدوین حدیث ۱۴
تشریحات بخاری ۲۰،۳۶۲،۳۷۱،۳۹۷
ترجمان الحدیث ۲۰
تاریخ پاکستان قدیم دور ۷
حلیۃ الاولیاء ۲۵۹
خیر المفاتیح ۲۲،۳۴۳،۳۵۵
خطبات مدارس ۲۹۸
زہد، مفہوم اور تقاضے ۲۳
زبدۃ المقصود فی حل قال ابوداؤد ۳۱۷
شاہکار رسالت ۴۲۶
صلوٰۃ رسول ﷺ ۴۱۱
طبقات ابن سعد ۲۹۹،۳۷۳

عمدۃ القاری	۴۰۵	فتح الباری شرح بخاری	۲۶۹
کشف المحجوب	۱۱	کوثر النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	۱۷،۸۲
مشکوٰۃ المصابیح	۳۴۷	مقالات کاظمی	۱۹
مروج الذھب	۱۰	مشارق الانوار	۳۸
مقدمہ ابن اصلاح	۱۴	ماینفع الناس فی شرح قال بعض الناس	۳۱۷
نخبۃ الفکر	۴۳		

ممالک

پاکستان	۷۲،۸۹،۱۸۹،۴۳۷	سعودی عرب	۳۵۹
شام	۱۰۸	عراق	۷،۱۰۸
عرب	۴۱	مصر	۲۶۹
ہندوستان	۱۱		

شہر

دیبل	۳۴،۳۵	دہلی	۳۷،۲۵۰
ڈیرہ غازی خان	۱۷۳،۲۰۵	کراچی	۳۴،۳۵
گجرات	۳۶،۴۱	لودھراں	۱۳۰

ملتان ۱- ۱۱،۱۶،۳۴،۷۱،۲۴۸،۳۸۱،۴۰۲،۴۰۴،۴۳۲،۴۴۱،۴۳۸،۴۳۷،۴۳۶،۴۳۵،۴۳۳

منصورہ	۳۵،۳۴	ہڑپہ	۹
بھکر	۳۵،۳۴		